عیسائیت

تجزیہ و مطالعہ

پروفیسر ساجد میر

سعودی عرب (هیڈ آفس و مرکزی شوروم)

پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب

فون:3962 403-3432 404-1-00966 فیکس:1659 402

E-mail: Darussalam@naseej.com.sa

Website: www.dar-us-salam.com

① طریق مکہ۔العلیا،الریاض فون:4614483-1-00966 فیکس:4644945

② شارع الاربعین۔السلیمانیہ،الریاض فون:4735220-1-00966 فیکس:4735221

③ جدہ فون و فیکس:6807752-2-00966

④ الخبر فون:8692900-3-00966 فیکس:8691551

شارجہ

شارجہ فون:5632623 فیکس:5632624 (009716)

پاکستان (هیڈ آفس و مرکزی شوروم)

① 36-لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور فون:7232400-7240024-42-0092

فیکس:7354072 **E-mail:** darussalampk@hotmail.com

شوروم② غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون:7120054 فیکس:7320703

شوروم③ اردو بازار گوجرانوالا فون:741613-431-0092 فیکس:741614

لندن

فون:5202666 208-0044 فیکس:5217645 208

امریکہ

① ہوسٹن فون:7220419 713-001 فیکس:7220431

② نیویارک فون:6255925 718-001

دارُالسّلام

کتاب و سُنّت کی اشاعت کا عالمی اِدارہ

ریاض جدہ شارجہ لاهور
لندن هیوسٹن نیویارك

فہرست

عرض ناشر

مکتبہ دارالسلام کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے مختلف اہم زبانوں میں قرآن و حدیث' اور اسلامی تعلیمات پر مبنی دیگر کتابیں تحقیقی انداز میں اور بہترین طریقہ سے شائع کر کے دنیا بھر میں پھیلا دی ہیں۔ ان کتابوں کی وسیع اشاعت اور قبولیت عامہ پر ہم رب ذوالجلال کے انتہائی شکر گزار ہیں' اور سمجھتے ہیں کہ اس کے فضل و کرم کے بغیر قرآن کریم' حدیث نبویؐ اور دینی و اسلامی لٹریچر کی یہ خدمت ممکن نہیں تھی۔

قرآن و حدیث اور اسلامی عقائد و عبادات' اخلاق و معاملات' تاریخ و سیر اور کئی دوسرے میدانوں میں بڑوں' بچوں' خواتین' مسلمانوں' غیر مسلموں اور نو مسلم افراد کے لیے اردو' انگریزی' عربی' فرانسیسی' ہسپانوی اور بعض دیگر بین الاقوامی اور علاقائی زبانوں میں بہترین کتابوں کی اشاعت کے بعد اب ہم نے تقابل ادیان کے اہم میدان میں ایک بڑا قدم اٹھایا ہے' اور پاکستان و عالم اسلام کی معروف شخصیت' سکالر' سیاستدان اور دینی رہنما پروفیسر ساجد میر کی علمی و تحقیقی کتاب "عیسائیت: تجزیہ و مطالعہ" پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ مصنف موصوف نے اس کتاب کی تیاری میں اعلیٰ پایہ کا تحقیقی انداز اختیار کیا ہے' اور اردو' عربی' انگریزی اور بعض دوسری زبانوں کی بے شمار تصنیفات اور امہات الکتب کے مطالعہ کے بعد عیسائیت پر ایک جامع اور انتہائی قابل قدر کتاب مرتب کی ہے' جو محکم دلائل پر مبنی اور سینکڑوں ٹھوس حوالوں سے مزین ہے۔

اگرچہ اس موضوع پر مارکیٹ اور لائبریریوں میں کافی کتابیں دستیاب ہیں' مگر ہم بلا خوف تردید یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے' اور اس میں عیسائیت کے اپنے مراجع اور مستند کتابوں سے کام لے کر جو تحقیقی مواد

جمع کیا گیا ہے' وہ ان شاء اللہ عیسائیت کی اصل حقیقت کے متلاشیوں کو بہت سی کتابوں سے بے نیاز کر دے گا۔

کتاب کی اہمیت کے پیش نظر' اسے اردو' عربی اور انگریزی تینوں زبانوں میں شائع کیا جا رہا ہے۔ ان شاء اللہ مستقبل قریب میں اس کے مزید تراجم بھی شائع کئے جائیں گے۔

مارچ ۲۰۰۱ء

خادم کتاب و سنت

عبدالمالک مجاہد

مدیر دارالسلام لاہور' الریاض

حرف چند

الحمد للہ ! مرکزی جمعیت اہل حدیث شہر سیالکوٹ کو یہ اعزاز حاصل ہو رہا ہے کہ وہ عالم اسلام کے عظیم سکالر' سینئر پروفیسر علامہ حافظ ساجد میر صاحب امیر مرکزیہ کی کتاب "عیسائیت مطالعہ و تجزیہ" شائع کر رہی ہے۔

پچھلے چند سالوں میں مرکزی جمعیت اہل حدیث شہر سیالکوٹ اسلامی تعلیمات پر مبنی بہترین کتابیں شائع کر کے نہ صرف سیالکوٹ بلکہ وطن عزیز کے دور دراز علاقوں تک پہنچا چکی ہے۔

جب سے یہ کتاب چھپی ہے اس وقت ہی سے میرا ذہن یہ "تانے بانے بُنتا" رہا ہے کہ اس کی وسیع تر اشاعت کیسے ممکن ہے؟ کس طرح اس کو مقتدر حلقوں تک پہنچایا جا سکتا ہے؟ انہی خیالات میں تقریباً ایک سال گزر گیا۔ کچھ دن پہلے ہمت کر کے محترم حافظ محمد افضل صاحب ناظم مرکزی جمعیت اہل حدیث سیالکوٹ کے ہمراہ امیر محترم سے اس خواہش کا اظہار کیا۔ تو انہوں نے انتہائی شفقت فرماتے ہوئے کہا کہ ٹھیک ہے اس سلسلہ میں دارالسلام سے بات کریں گے۔ اس بات کے چند دن بعد ہی مجھے پیغام مل گیا کہ دارالسلام کو متعلقہ مواد پہنچا دیا جائے تاکہ کتاب کی پرنٹنگ جلد ممکن ہو سکے۔

ہم امیر محترم کے انتہائی شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہماری درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور میں یہ بات کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث شہر سیالکوٹ کو ایسی کتاب شائع کرنے کا اعزاز حاصل ہو رہا ہے جو اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے۔

منفرد کتاب کیوں؟ : موجودہ دور میں یہ نظریہ اور ذہنی رجحان کہ مذہب کی ہر بات عقل پر پوری اترتی ہے یا نہیں' عیسائیت ہی نے پھیلایا ہے۔ امریکہ اور یورپ میں رہنے والے مسلمانوں کو ہمیشہ اس حوالے سے زچ کرنے کی کوشش کی گئی۔ جب میں نے یہ کتاب پڑھی

تو میرے ذہن میں یہ سوالات اٹھتے چلے گئے کہ اس کتاب کا تو ایک ایک صفحہ مذہب کو عقل پر پرکھنے والوں سے (یعنی عیسائیوں سے) پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ تمہارا عقیدہ و نظریہ کیا ہے؟ تم عیسیٰ علیہ السلام کی کون سی حیثیت مانتے ہو؟ تمہارا عقیدہ تثلیث کیا ہے؟ کہ آج تک تم اپنے عقیدۂ تثلیث کی وضاحت نہیں کر سکے۔ تمہاری کتاب بائبل میں ایسی باتیں ہیں کہ ایک سطر جس بات کو بیان کرتی ہے تو دوسری سطر اس کی نفی کر دیتی ہے۔ تم نے اپنی کتاب میں اتنی تحریف کر دی ہے کہ وہ اپنا اصل وجود ہی کھو چکی ہے۔ اور یہ ہیں تمہارے مقدس پوپ کارڈینل، راہب اور پادری جن کی سیاہ کاریوں، بدکرداریوں اور ہوس جاہ کی ایسی مثالیں اس کتاب میں موجود ہیں کہ عیسائیت اس سے صرف نظر کر ہی نہیں سکتی۔ یہی اس کتاب کی انفرادیت ہے کہ دوسری کتابوں کی طرح عام کتاب نہیں بلکہ یہ حوالہ جاتی کتاب (Reference Book) ہے۔

امیر محترم نے ایک ایک صفحے کو دلیل سے سجادیا ہے۔ اللہ کریم ان کا سایہ تادیر ہم پر قائم رکھے اور انہیں مزید ایسے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین.

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم

وتب علينا انك انت التواب الرحيم

شاہد امین،

صدر، اہل حدیث یوتھ فورس، پاکستان

11 جون 2003ء، سیالکوٹ۔

تبصرہ

عیسائیت...... تجزیہ و مطالعہ

تبصرہ نگار: محسن فارانی
سینئر سب ایڈیٹر'
روزنامہ "نوائے وقت" لاہور

عیسائیت اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب ہے۔ دنیا بھر میں اس کے پیروکاروں کی تعداد دو ارب کے لگ بھگ ہے اور اس لحاظ سے عیسائیت دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ (اس کے مقابلے میں اسلام کے پیروکار تقریباً ڈیڑھ ارب ہیں) لیکن بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ مذہب عیسائیت کی اصل بنیاد "پولس" نامی یہودی نے رکھی تھی اور موجودہ عیسائیت کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عقیدۂ توحید' عقیدۂ آخرت' عملی و اخلاقی اصلاح' حلم اور نرم دلی پر زور دیا تھا مگر برخود غلط پولس (سینٹ پال) نے عیسیٰ علیہ السلام کے خدا کا بیٹا اور خدا ہونے کا عقیدہ گھڑ لیا اور پھر عیسائیوں کے گناہوں کے "کفارہ" میں عیسیٰ علیہ السلام کے سولی پانے کے عقیدے اور یہودی شریعت کی عملاً منسوخی کے جراثیم عیسائیت کے عہد نامہ جدید کا حصہ بنا دیے گئے' چنانچہ آج عیسائیت کے فلسفہ الٰہیات کی بنیاد پولس کے باطل نظریات پر ہے جنہیں مسیحی رہنما "مسیحی علم الٰہیات کی جان" قرار دیتے ہیں۔ پولس کے نظریۂ الٰہیات کے جھوٹے ہونے کے بارے میں اس کا اپنا قول ہی کافی ہے۔ وہ "رومیوں کے نام خط" میں لکھتا ہے: "اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے زیادہ ظاہر ہوئی...... تو پھر ہم کیوں برائی نہ کریں تاکہ بھلائی پیدا ہو؟"

اناجیل اربعہ خود مغربی اہل علم کے بقول عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے کسی کی تصنیف نہیں' بس ان کے ناموں سے منسوب ہیں اور وہ سب پولس کے خطوط کے بعد کی لکھی ہوئی ہیں' اس لیے انجیلوں میں اگر مسیح کی الوہیت وابنیت یا کفارہ وغیرہ کے عقائد کی جھلک پائی جاتی ہے تو وہ پولس اور اس کے پیروکاروں کی باطل تعلیمات کے زیر اثر ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مضمون Church History (کلیسا کی تاریخ) میں صاف لکھا ہے کہ "پولس کے ہاتھوں عیسائیت ایک نیا مذہب بن گئی۔" اس لیے وہ اپنی تبلیغ کو بڑی بے تکلفی سے "میری خوشخبری" یا "میری انجیل" (My Gospel) کہتا ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی تعلیمات اور ان کے بارے میں حواریوں کی روایات واضح طور پر نظرانداز کر دی گئی ہیں۔

درحقیقت مذہب عیسائیت جان زیسلر کے بقول "پولسی عیسائیت" ہے' جسے قسطنطین اعظم کے عیسائیت کی حمایت کرنے اور بستر مرگ پر یہ دین قبول کر لینے کے بعد رومی سلطنت کی سرپرستی حاصل ہو گئی اور چند صدیوں میں یہ مذہب شرق اوسط' شمالی افریقہ اور یورپ کا غالب مذہب بن گیا۔

محترم پروفیسر ساجد میر صاحب نے اپنی بے مثال تصنیف "عیسائیت...... تجزیہ و مطالعہ" میں اسی "پولسی عیسائیت" کا پول کھولا ہے اور اس فراست سے کھولا ہے کہ اپنی طرف سے کوئی الزام نہیں لگایا' انہوں نے بس یہ کیا ہے کہ مغربی مصنفین اور اہل علم کی اپنی تحریریں ایک تناظر اور ایک حسن ترتیب سے قارئین کے سامنے رکھ دی ہیں کہ رکے بغیر پڑھتے جایئے اور دنیا کے اس سب سے بڑے مذہب کا باطل ہونا اور اس کا کھوکھلا پن آپ پر ازخود واضح ہوتا چلا جائے گا۔ انہوں نے دو ہزار سال پر محیط عیسائیت کی ارتقائی تاریخ' عیسائیت کے عقائد و نظریات' بائبل کی ترتیب و تدوین اور اس کے تناقضات و تحریفات پر اس عرق ریزی سے روشنی ڈالی ہے کہ تحقیق و تصنیف کا حق ادا کر دیا ہے اور کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا۔

اس بے مثال کاوش کی اشاعت پر پروفیسر ساجد میر صاحب اور کتاب و سنت کی اشاعت کے عالمی ادارے "دار السلام" کو جتنا بھی خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے۔

اس عظیم الشان کارنامے کی انجام دہی پر وہ حقیقتاً ہدیۂ تبریک کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

یہ گرانقدر کتاب ہر پڑھے لکھے شخص کے زیر مطالعہ آنی چاہیے' اسے ہر گھر' ہر کتب خانے اور لائبریری کی زینت بننا چاہیے۔ اسیرانِ تثلیث بھی اگر تعصب چھوڑ کر اس کا مطالعہ کریں گے تو ان کے دل پولس کے جاہلانہ "نور" کی بجائے یقیناً وحدانیت کی نظر نواز روشنی سے مستنیر ہوں گے' وہ گمراہی سے نکل کر ابدی ہدایت پالیں گے! اس قدر وقیع کتاب میں چند ایک پروف کی غلطیاں کھٹکتی ہیں جو امید ہے اگلے ایڈیشن میں دور کر دی جائیں گے۔

کتاب کا سرورق نہایت جاذبِ نظر' کاغذ عمدہ اور جلد مضبوط ہے' کتاب معنوی اور صوری حسن سے آراستہ ہے۔ زبان سلیس اور دلکش ہے اور ہر صفحے کے نیچے مستند حوالے اور ضروری حواشی دیے گئے ہیں جن سے کتاب کی افادیت دو چند ہو گئی ہے۔

تبصرہ

عیسائیت...... تجزیہ و مطالعہ

تبصرہ نگار: نذیر حق
کالم نگار، روزنامہ "پاکستان" لاہور

"ہر مذہب کے عام پیروکاروں کی طرح مخلص عیسائی بھی یقین رکھتے ہیں کہ ان کا مذہب ایک سچا دین اور ان کی نجات کا ضامن ہے۔ وہ اس کے آسمانی والہامی ہونے کے قائل ہیں اور ان کے نزدیک ان کی مقدس کتاب انجیل خدائے بزرگ و برتر کی وحی پر مبنی ہے۔ اس کے ساتھ وہ یہودیوں کی مقدس کتابوں کو بھی اپنائے ہوئے ہیں' اور اگر وہ انجیل کو خدا کا اپنے بندوں کے ساتھ "نیا عہد نامہ" قرار دیتے ہیں' تو یہودیوں کے ہاں معتبر کتب مقدسہ کے مجموعہ کو "پرانا عہد نامہ" سمجھتے ہوئے دونوں کو بائبل کے لازمی و ضروری حصے تسلیم کرتے ہیں' اور وہ دونوں کے الہامی' تحریف سے پاک اور محفوظ ہونے کے قائل ہیں۔

عیسائی اپنے جملہ نظریات واعتقادات کا محور و مرکز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت اور تعلیمات کو تصور کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے نزدیک بھی حضرت علیہ السلام ایک انتہائی عظیم الشان اور قابل قدر شخصیت اور اللہ کے برگزیدہ رسول ہیں لیکن عیسائی انہیں "خدا کے بیٹے" بلکہ خدا کی حیثیت دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہوں نے انسانی روپ میں زمینی زندگی گزاری اور اپنی جان کی قربانی دے کر بنی نوع انسان کو ان کے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام سے سرزد ہونے والے "ازلی گناہ" کے بوجھ سے آزاد کر کے ان کی نجات کا راستہ ہموار کیا۔ ان کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ عیسائیت ایک عالم گیر مذہب ہے اور اس کی تعلیمات آفاقی و ہمہ گیر ہیں' جنہوں نے تہذیب و تمدن کی بنیاد رکھی اور انسانوں کو بلند اخلاقی اقدار اور انسانیت کی رفعتوں سے آشنا اور ہم کنار کیا لیکن......"

"..... حقائق کیا ہیں؟ کیا عیسائی واقعی اسی دین اور انہی تعلیمات کو اپنائے ہوئے ہیں جنہیں عیسیٰ علیہ السلام نے دنیا کے سامنے پیش کیا؟ کیا موجودہ و مروجہ عیسائیت آپ ہی کے نظریات و فرمودات کی تعبیر و تصویر ہے' یا اس میں بنیادی اور جوہری تبدیلیاں واقع ہو چکی ہیں؟ کیا اس حوالہ سے آج عیسیٰ علیہ السلام کو "عیسائیت" کا بانی قرار دیا جا سکتا ہے' یا یہ "اعزاز" کسی اور کے حصہ میں آتا ہے؟ تاریخ کے مختلف ادوار میں حکمرانوں اور دینی پیشواؤں نے عیسائی عقائد و نظریات کے ساتھ کیا کیا کھیل کھیلے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے انبیاء اور خود ان کے اپنے' فرمودات اور دیگر شواہد کی روشنی میں "خدا" سمجھا جائے یا خدا کا رسول؟ کیا انہوں نے نجات کے لیے پہلے رسولوں کے بتائے ہوئے مسلمہ راستہ "عمل اور توبہ" کی بجائے کسی اور طریقہ کی نشان دہی کی؟ کیا بائبل مکمل طور پر الہام شدہ کتاب ہے یا اس کی تصنیف میں وسیع پیمانہ پر انسانی ہاتھ کار فرما ہے؟ اور کیا وہ اپنی اصل حالت میں موجود ہے یا اس میں تبدیلیاں' غلطیاں' تضادات اور تحریفات در آئی ہیں؟ عیسائیت اور موجودہ بائبل کی تعلیمات کے عملی' سماجی و اخلاقی اثرات کیا ہوئے اور اس تعلیم نے کس قسم کے معاشروں اور اقدار کی تعمیر کی؟ کیا یہ تعلیمات و اقدار واقعی آفاقی اور عالم گیر نوعیت کی ہیں؟ پھر عیسائیت کے بڑے بڑے علم برداروں کی اپنی زندگی پر ان کے عقائد و نظریات کا کیا اثر ہوا؟"

پروفیسر ساجد میر صاحب نے اپنی اس وقیع کتاب میں انہی سوالوں کا مدلل جواب تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب کے سرسری مطالعہ ہی سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ مصنف نے ان سوالوں کا جواب انگریزی' عربی اور اردو کے علاوہ بعض دیگر زبانوں میں لکھی گئی "معتبر" کتابوں کے مطالعہ سے تلاش کیا ہے جن کے انگریزی میں تراجم ہو چکے ہیں۔ بائبل (انجیل) کے علاوہ عیسائیوں کی دوسری معتبر و مستند کتابوں اور بیسیوں بنیادی مراجع اور مصادر کے سینکڑوں حوالے اس کتاب کی زینت ہیں' جو یورپ' ایشیاء' امریکہ اور افریقہ کے مختلف و متعدد کتاب خانوں اور لائبریریوں سے حاصل کیے گئے۔ اس مقصد کے لیے مصنف نے عالم عرب' یورپ اور امریکہ کے سفر کے دوران مختلف لائبریریوں سے

استفادہ کیا۔

عیسائیت کیا ہے؟ عیسائیت کے بنیادی عقائد کیا ہیں؟ اور پھر عیسائیت میں کس طرح تحریف ہوئی؟ مصنف نے ان سوالوں کے بھی شافی جواب دیے ہیں اور قابل ذکر اور قابل قدر بات یہ ہے کہ ان جوابات کی تائید خود عیسائیت سے متعلق عیسائی سکالروں اور مذہبی رہنماؤں کی کتب یا دوسرے قابل اعتبار مآخذ سے کی گئی ہے۔ یوں مصنف یہ ثابت کرنے میں کامیاب رہے ہیں کہ موجودہ عیسائیت وہ نہیں جس کے بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے دین میں من مرضی کی تحریفات کی گئیں' جعلی دستاویزات تیار کی گئیں جن کی بنا پر رومی کلیسا کے سربراہوں کے وقار میں اضافہ مطلوب تھا۔ یہ دستاویزات صدیوں تک کلیسا کی قوت بنی رہیں مگر اب خود عیسائی علماء انہیں جعلی قرار دے رہے ہیں۔ مصنف نے جن دستاویزات اور ان کی بنیاد پر تشکیل پانے والے مسیحی عقائد کا ذکر کیا ہے ان کے اور بعد ازاں ان کے بارے میں مسیحی علماء کی آراء کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت مسیحی عقائد میں بعض بنیادی نقائص اور تحریف راہ پا چکی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کے رسول کے بجائے خدا اور خدا کا بیٹا قرار دے دیا گیا' ان کی قربانی کو انسانیت کے لیے وجہ نجات قرار دے کر شریعت مسیح اور عمل کی اہمیت ختم کر دی گئی' عقائد میں موشگافیوں کو ترجیح دی گئی' بائبل کی تعلیمات میں جھوٹ اور تحریف کو جگہ دی گئی۔

مصنف نے یہ اقرار کیا ہے کہ اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ (شہید) کی تحریک بھی شامل تھی۔ کتاب علامہ شہید کی زندگی میں صفحۂ قرطاس پر آ گئی تھی اور شہید نے اسے دیکھ پڑھ کر بعض مشورے بھی دیے جن پر عمل کیا گیا مگر حالات کتاب کی جلد اشاعت میں مانع رہے اور اب یہ تصنیف طباعت کے مراحل سے گزر کر منصۂ شہود پر آئی ہے۔ کتاب کے مطالعہ کے بعد یہ بات صمیم قلب سے کہی جا سکتی ہے کہ:

"عیسائیت کے موضوع پر بہت سی کتابیں موجود ہیں لیکن یہ کتاب ان میں ایک انتہائی قیمتی اور اہم اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں عیسائیت کے بنیادی مآخذ و مراجع اور

عیسائیوں کی سینکڑوں مستند اور قابل اعتماد کتابوں کی مدد سے اس مذہب کا تحقیقی مطالعہ اور علمی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ عیسائی عقائد کی تفصیل' بائبل کی استنادی حیثیت اور اس کے تضادات و تحریفات کی بحث' عیسائیت کے اصل عقائد میں پولس اور دوسرے محرفین کی لائی ہوئی تبدیلیوں کا ذکر اور عیسائیوں کے نجات اور کفارہ کے بارے میں نظریات کا بیان دوسری کتابوں میں بھی مل جاتا ہے مگر اس کتاب میں ان موضوعات کو بڑے واضح' منفرد اور مدلل طریقے سے پیش کیا گیا ہے اور ہر بات اور دلیل کو ٹھوس اور ناقابل تردید حوالوں سے مزین کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں اس کتاب میں بحث و تحقیق کے بعض ایسے زاویئے شامل ہیں' جو اس موضوع پر پہلے سے موجود کتابوں میں یا تو سرے سے ناپید ہیں یا اس علمی و تحقیقی انداز میں اور اس طرح جامعیت و اختصار کے ساتھ یک جا نہیں ملتے۔ ان نئے زاویوں میں پاپاؤں اور چیدہ عیسائی رہنماؤں کی عملی زندگی' عیسائیت کے تہذیبی' سماجی اور اخلاقی اثرات و نتائج اور اس کے عالم گیر مذہب ہونے کے دعاوی کا واقعات و حقائق کی روشنی میں تجزیہ شامل ہے۔ یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ عرصہ دراز سے دنیا کی کسی زبان میں بھی عیسائیت کا اتنا علمی' تحقیقی' مکمل اور شاندار تجزیہ و مطالعہ شائع نہیں ہوا۔"

کتاب بڑی عمدگی اور خوبصورتی سے شائع کی گئی ہے۔ یقیناً دینی اور علمی حلقوں میں اس کی پذیرائی کی جائے گی لیکن نہ جانے کتاب پر قیمت کیوں درج نہیں کی گئی۔

تبصرہ

"عیسائیت" اور پروفیسر ساجد میر

تبصرہ نگار: رانا محمد شفیق خاں پسروری
کالم نگار روزنامہ "پاکستان" لاہور

"پروفیسر ساجد میر صاحبِ علم و فضل ہیں۔ پاکستان کی آلودہ سیاسی فضا میں وہ اصولوں کی بات بلند آواز سے کرتے ہیں۔ نستعلیق قسم کے نفیس شخص ہیں جو مخالف سے مخالف فرد پر بھی تنقید کرتے ہوئے اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ ان کی گفتگو اور تحریر میں الفاظ بر محل اور منتخب ہوتے ہیں۔ حقیقت میں وہ تول تول کر بولنے والوں میں سے ہیں۔ لایعنی گفتگو سے اجتناب کرتے ہیں۔ پاکستان کے رہنے والوں کے لیے وہ محض ایک مذہبی و سیاسی رہنما ہیں لیکن جو ان سے تعلق رکھتے ہیں یا انہیں جانتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کا اوڑھنا بچھونا "علم و مطالعہ" ہے۔ قدرت کی طرف سے انہیں ذوق لطیف اور عقل سلیم کی دولت میسر آئی ہے۔ جناب مجیب الرحمٰن شامی نے ان کے بارے میں بہت خوب کہا کہ "جناب ساجد میر کی سیاست ان کے علم سے متاثر ہے۔"

گزشتہ روز ہمدرد سنٹر لاہور میں جناب پرفیسر ساجد میر کی نئی کتاب "عیسائیت...... مطالعہ و تجزیہ" کی تقریب رونمائی ہوئی جس کی صدارت جسٹس (ر) محمد رفیق تارڑ نے کی اور جسٹس (ر) خلیل الرحمٰن (جو اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے ڈائریکٹر ہیں۔) پروفیسر محمد یحیٰی، جناب مجیب الرحمٰن شامی، ڈاکٹر محمد ادریس زبیر سمیت متعدد صاحبان بصیرت نے مذکورہ کتاب پر تنقیدی خطابات فرمائے اور اس کتاب کو دورِ حاضر کی ایک بہترین کاوش قرار دیا۔ جناب مجیب الرحمٰن شام نے کہا: "یہ کتاب مسیحی بھائیوں کے لیے نئے سال کا بہترین تحفہ ہے اور مسلمانوں کے لیے بھی ایک سوغات ہے۔"

جناب جسٹس خلیل الرحمٰن نے فرمایا: "یہ کتاب خوف و دہشت کی فضا میں (جبکہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان ایک کشمکش جاری ہے۔) تازہ ہوا کا جھونکا ہے۔ امید ہے اس سے نئے پھول کھلیں گے۔ یہ کتاب عیسائی دنیا بلکہ خود پاکستان کے لیے بھی بہت ضروری ہے۔"

پروفیسر ساجد میر کی یہ کتاب "عیسائیت...... مطالعہ و تجزیہ" ان حالات میں منظر عام پر آئی ہے، جبکہ دنیا بھر میں اسلام کے حوالہ سے ایک عجیب اور مشکل فضا قائم کی جا چکی ہے۔ امریکہ کی طرف سے کی جانے والی تمام تر کارروائیوں کو دیکھتے ہوئے اور خود امریکی صدر بش کے ادا کیے ہوئے الفاظ "صلیبی جنگ" کی وجہ سے امریکی کارروائیوں کو اسلام دشمن گردانا جا رہا ہے۔ ایسے میں اسلام اور عیسائیت کے درمیان کشمکش تیز ہو چکی ہے۔ عیسائی لوگ اسلام کے بارے میں آگاہی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو مسلمان عیسائیت کے بارے میں جاننے کی جستجو میں ہیں۔ مسلمانوں کی طرف سے "مکالمہ" کی بات کی جا رہی ہے جبکہ امریکہ و یورپ میں "تصادم" کے اعلانات ہو رہے ہیں۔ (مجیب الرحمٰن شامی نے اسے یوں بیان کیا کہ "جن کو اپنی تہذیب پر یقین اور اعتماد ہے وہ "مکالمہ" کی بات کرتے ہیں اور جن کو اپنی تہذیب پر اعتماد نہیں وہ تصادم کی بات کرتے ہیں۔)

جناب پروفیسر ساجد میر کی کتاب اس "تلخی و تیزی" میں سامنے آئی ہے، عام ذہن یہ تھا کہ اس کتاب میں عیسائی دنیا پر تابڑ توڑ حملے ہوں گے لیکن کتاب پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ جناب میر نے اپنی طبع کے مطابق الفاظ کو چن چن کر رقم کیا ہے اور پوری کتاب میں کسی جگہ بھی خلاف واقعہ اور اخلاق سے بعید عبارت آرائی نہیں کی۔ جو کچھ لکھا ہے باحوالہ اور عیسائی کتب ہی سے لکھا ہے۔ اسلوب نگارش مناظرانہ نہیں، خالصتاً حکیمانہ ہے۔ صاف نظر آتا ہے کہ ہر لفظ اور ہر فقرہ کسی نہ کسی حوالہ کے ساتھ ہے۔ اندازِ بیان سادہ اور دلنشیں ہے، کتاب شروع کریں تو پڑھتے ہی چلے جائیں۔ علم، تحقیق اور ادب ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں انگریز کی آمد کے ساتھ ہی عیسائیت بھی آگئی تھی، حکمرانوں کی قربت کی خواہش اور اثر اندازی سے برصغیر کا وہ طبقہ جو اپنے ہی ہم مذہبوں کے نار وا

رویوں کا شکار تھا' (خصوصاً نچلی ذاتوں کے وہ ہندو جنہیں حیوانوں سے بدتر جانا جاتا تھا۔) عیسائیت اختیار کرتا چلا گیا اسی دوران مشنری پادریوں نے بھی کام شروع کر دیا' چنانچہ علمائے اسلام نے ان عیسائیوں کے اعتراضات کے جواب میں علمی کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ ایک انگریز پادری فنڈر نے "میزان الحق" کے نام سے ایک کتاب لکھی جو اسلام' رسول پاک اور قرآن کے خلاف اعتراضات سے لبریز تھی۔ اس کا جواب مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے "اظہار الحق" کے نام سے دیا۔ مولانا کیرانوی کی یہ کتاب اس وقت پوری دنیا میں اسلام کے دفاع اور عیسائیت کے بارے میں ایک بلند ترین مقام پر ہے اور کئی زبانوں میں اس کے تراجم ہو چکے ہیں۔ مولانا کیرانوی کے علاوہ برصغیر کے بے شمار علماء نے اس میدان میں کام کیا' ان میں اہل حدیث علماء کا ایک بڑا حصہ شامل ہے۔ بالخصوص مولانا ثناء اللہ امرت سری' مولانا ابوالکلام آزاد' مولانا عبدالغفور داناپوری' مولانا مصلح الدین اعظمی' قاضی سلیمان منصور پوری' مولانا الطاف حسین حالی' مولانا احمد الدین گکھڑوی اور جناب ساجد میر کے جدامجد' مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی کا نام بہت نمایاں ہے۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور ان کے بعد جن علماء نے "عیسائیت" پر کام کیا' ان میں سے اکثر کا انداز مناظرانہ یا جوابی تھا' نیز وہ کسی ایک یا چند پہلوؤں پر قلم اٹھاتے رہے' جبکہ پروفیسر ساجد میر نے اپنی کتاب میں "عیسائیت" کا وسیع تر احاطہ کیا ہے۔ عیسائی کتب کے حوالے سے ہر موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ وہ اگر تفصیل سے کام لیتے تو ہر ہر باب کی جگہ الگ الگ کتاب بھی لکھ سکتے تھے۔ کتاب پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اس کا مواد جمع کرنے کے لیے کتنی محنت کی ہو گی۔ وہ خود فرماتے ہیں "میں نے اس کا مواد جمع کرنے میں تقریباً 28 سال لگا دیے اور دنیا کی تمام متعلقہ لائبریوں کی خاک چھانی ہے۔"

ایک بزرگ نے خوب فرمایا تھا: "اس کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عیسائیت' حقیقت میں ہے کیا؟ ہو سکتا ہے خود عیسائیوں کو بھی معلوم نہ ہو کہ عیسائیت کیا ہے؟ ان کے لیے بھی یہ کتاب رہنما ثابت ہو گی۔" ہم خود کتابوں سے یاری کے دعویدار ہیں' بہت کم

کتابیں ایسی ہوتی ہیں جو اوّل تا آخر دل میں جگہ پائیں، ان کم کم کتابوں میں سے ایک یہ کتاب بھی ہے جس کو بلا خوف تردید ایک منفرد کتاب قرار دیا جا سکتا ہے۔

مقدمہ

ہر مذہب کے عام پیروکاروں کی طرح مخلص عیسائی بھی یقین رکھتے ہیں کہ ان کا مذہب ایک سچا دین' اور ان کی نجات کا ضامن ہے۔ وہ اس کے آسمانی و الہامی ہونے کے قائل ہیں' اور ان کے نزدیک ان کی مقدس کتاب انجیل خدائے بزرگ و برتر کی وحی پر مبنی ہے۔ اس کے ساتھ وہ یہودیوں کی مقدس کتابوں کو بھی اپنائے ہوئے ہیں' اور اگر وہ انجیل کو خدا کا اپنے بندوں کے ساتھ "نیا عہدنامہ" قرار دیتے ہیں' تو یہودیوں کے ہاں معتبر کتب مقدسہ کے مجموعہ کو "پرانا عہد نامہ" سمجھتے ہوئے دونوں کو بائبل کے لازمی و ضروری حصے تسلیم کرتے ہیں' اور دونوں کے الہامی' تحریف سے پاک اور محفوظ ہونے کے قائل ہیں۔

عیسائی اپنے جملہ نظریات و اعتقادات کا محور و مرکز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت اور تعلیمات کو تصور کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے نزدیک بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک انتہائی عظیم الشان اور قابل قدر شخصیت اور اللہ کے برگزیدہ رسول ہیں۔ لیکن عیسائی انہیں "خدا کے بیٹے" بلکہ خدا کی حیثیت دیتے ہیں' اور سمجھتے ہیں کہ انہوں نے انسانی روپ میں زمینی زندگی گزاری' اور اپنی جان کی قربانی دے کر بنی نوع انسان کو ان کے جد امجد حضرت آدمؑ سے سرزد ہونے والے "ازلی گناہ" کے بوجھ سے آزاد کر کے ان کی نجات کا راستہ ہموار کیا۔

ان کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ عیسائیت ایک عالم گیر مذہب ہے' اور اس کی تعلیمات آفاقی و ہمہ گیر ہیں' جنہوں نے تہذیب و تمدن کی بنیاد رکھی اور انسانوں کو بلند اخلاقی اقدار اور انسانیت کی رفعتوں سے آشنا اور ہم کنار کیا۔

حقائق کیا ہیں ؟ کیا عیسائی واقعی اسی دین اور انہی تعلیمات کو اپنائے ہوئے ہیں جنہیں عیسیٰ علیہ السلام نے دنیا کے سامنے پیش کیا؟ کیا موجودہ و مروجہ عیسائیت آپ ہی کے نظریات و فرمودات کی تعبیر و تصویر ہے' یا اس میں

بنیادی اور جوہری تبدیلیاں واقع ہو چکی ہیں؟ کیا اس حوالہ سے آج عیسیٰ علیہ السلام کو "عیسائیت" کا بانی قرار دیا جا سکتا ہے' یا یہ "اعزاز" کسی اور کے حصہ میں آتا ہے؟ تاریخ کے مختلف ادوار میں حکمرانوں اور دینی پیشواؤں نے عیسائی عقائد و نظریات کے ساتھ کیا کیا کھیل کھیلے؟ حضرت عیسیٰؑ کو پہلے انبیاء ' اور خود ان کے اپنے' فرمودات اور دیگر شواہد کی روشنی میں "خدا" سمجھا جائے یا خدا کا رسول؟ کیا انہوں نے نجات کے لیے پہلے رسولوں کے بتائے ہوئے اور مسلمہ راستہ "عمل اور توبہ" کی بجائے کسی اور طریقہ کی نشان دہی کی؟ کیا بائبل مکمل طور پر الہام شدہ کتاب ہے یا اس کی تصنیف میں وسیع پیمانہ پر انسانی ہاتھ کار فرما ہے؟ اور کیا وہ اپنی اصل حالت میں موجود ہے یا اس میں تبدیلیاں' غلطیاں' تضادات اور تحریفات در آئی ہیں؟ عیسائیت اور موجودہ بائبل کی تعلیمات کے عملی' سماجی و اخلاقی اثرات کیا ہوئے' اور اس تعلیم نے کس قسم کے معاشروں اور اقدار کی تعمیر کی؟ کیا یہ تعلیمات و اقدار واقعی آفاقی اور عالم گیر نوعیت کی ہیں؟ پھر عیسائیت کے بڑے بڑے علم برداروں کی اپنی زندگی پر ان کے عقائد و نظریات کا کیا اثر ہوا؟ --- اس کتاب میں انہی سوالات کا سنجیدہ اور مدلل جواب تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس کوشش میں اردو ' انگریزی' عربی اور بعض دیگر زبانوں میں لکھی ہوئی کتنی کتابیں کھنگالی گئیں' اس کا اندازہ کتاب پڑھنے سے ہو سکتا ہے۔ بائبل کے علاوہ عیسائیوں کی دوسری معتبر و مستند کتابوں اور بیسیوں بنیادی مراجع اور مصادر کے سینکڑوں حوالے اس کتاب کی زینت ہیں' جو یورپ' ایشیاء' امریکہ اور افریقہ کے مختلف و متعدد کتب خانوں اور لائبریریوں سے حاصل کیے گئے۔

مجھے عیسائیت کے گہرے مطالعہ اور عیسائی علماء سے تبادلہ خیال کا موقع افریقہ میں اپنے کئی سالہ قیام کے عرصہ میں ملا۔ پھر میں یورپ اور امریکہ کے مختلف اسفار کے دوران وہاں کی بڑی لائبریریوں (جن میں برٹش لائبریری اور سنٹرل کیتھولک لائبریری خصوصاً قابل ذکر ہیں) سے استفادہ کرتا رہا۔ پاکستان اور بعض عرب ممالک کی لائبریریوں سے بھی مفید مواد حاصل ہوا لیکن مجھے یہ

اعتراف کرنے میں کوئی باک نہیں کہ اس مواد کی ترتیب و تدوین کی تحریک میرے مرحوم دوست علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمتہ اللہ علیہ کی طرف سے ہوئی۔ اپنی زندگی کے آخری دور میں انہوں نے مذاہب و فرق پر بڑا قیمتی اور تحقیقی کام کیا اور کئی مفید و قابل قدر کتابیں تصنیف کیں۔ ان کی خواہش یہ تھی کہ ہم دونوں مل کر اس میدان میں مزید کام کریں۔ عیسائیت پر ایک تحقیقی کتاب ہمارے اس مشترکہ پراجیکٹ کی پہلی کڑی تھی' جس کی تسوید کا کام مجھے کرنا تھا اور اس پر نظرثانی ان کے ذمہ تھی۔ میں نے جانکسل محنت کے ساتھ اپنا اصل کام ان کی زندگی ہی میں کر لیا تھا۔ انہوں نے اسے دیکھا' پڑھا اور اسے بہتر بنانے کے لیے بعض مفید مشورے دیئے۔ اگر انہیں تھوڑی سی مہلت اور مل جاتی تو یہ کتاب ان کی موجودگی ہی میں شائع ہو سکتی تھی' مگر ایسا نہ ہو سکا۔ اور ان کے بعد کچھ ایسے حالات پیدا ہوتے رہے کہ کتاب کی اشاعت میں مسلسل تاخیر و تعویق ہوتی چلی گئی۔ اگرچہ اس عرصہ میں مجھے اسے مزید بہتر بنانے کا موقع بھی ملا' تاہم یہ غیر معمولی تاخیر میرے لیے سوہان روح بنی رہی۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب اس کے منصۂ شہود پر آنے کا مرحلہ قریب آ گیا ہے۔

اگرچہ عیسائیت کے موضوع پر بہت سی کتابیں موجود ہیں' جن میں یقیناً بعض بڑی وقیع اور قابل قدر کتابیں بھی شامل ہیں' لیکن مجھے یقین ہے کہ ان شاء اللہ یہ کتاب اس میدان میں ایک مفید اور منفرد اضافہ کی حیثیت حاصل کرے گی۔ اس میں بحث و تحقیق کے بعض ایسے پہلو شامل ہیں جو اس موضوع پر دوسری کتابوں میں نہیں ملتے۔ اور جو پہلو عام کتابوں میں زیر بحث لائے گئے ہیں' انہیں بھی "بانداز دگر" پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ اس کتاب کو مفید اور نافع بنائے' اور طالبان حق و صداقت' اور عیسائیت کے معروضی و تحقیقی مطالعہ کے خواہش مند حضرات اس سے بہتر رہنمائی حاصل کر سکیں۔

یکم مارچ ۲۰۰۱ ساجد میر

باب اول

عیسائیت کے عقائد و نظریات

عیسائیت کی تعریف

عیسائیت کیا ہے؟ اس سوال کے جواب کی ابتداء ہم عیسائی علماء کی مستند کتابوں میں مندرج تعریفات سے کریں گے۔ مختلف عیسائی کتب حوالہ میں عیسائیت کی تعریف و وضاحت مختلف طریقوں سے کی گئی ہے۔ ہماری نظر میں American People's Encyclopaedia میں مذکور درج ذیل تعریف اختصار اور جامعیت کے ساتھ عیسائیوں کے اپنے نقطہ نظر سے عیسائیت کی بنیاد کو واضح کرتی ہے:

Christianity: The religion founded by Jesus of Nazareth in the first century A.D. and centring in His life, mission and message.

"عیسائیت وہ مذہب ہے جس کی بنیاد پہلی صدی میں مسیح ناصری نے رکھی، اور جس کا محور ان کی زندگی، مقصد حیات اور پیغام ہے۔" [1]

ہم آگے چل کر واضح کریں گے کہ موجودہ عیسائیت کے بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں۔ تاہم یہ بات درست ہے کہ اس مذہب کا محور آپ کی مزعومہ زندگی، مقصد حیات اور محرف پیغام ہی کو بنایا گیا ہے۔

مندرجہ بالا مختصر تعریف کی مزید وضاحت کرتے ہوئے انسائیکلو پیڈیا مذکور کے فاضل مقالہ نگار جیمز ماس ٹیلر (James Masteller) رقم طراز ہیں:

1. The American People's Encyclopaedia, Chicago. 1960, vol. 5. p.435.

Despite its various forms, Christianity can be recognised by several concepts almost universally accepted: a belief in God as Creator, in the Bible as God's word, and Jesus as God's son and the final revelation of God to man in his perfect humanity, sacrificial death and miraculous resurrection and in his ability by this sacrifice and exaltation to mediate forgiveness, salvation and immortality to all those who come unto God by him.

"اپنی مختلف شکلوں کے باوجود عیسائیت کی پہچان اس کے متعدد عقیدے ہیں جنہیں عیسائیوں کے ہاں عالمگیر قبول عام حاصل ہے: یعنی خدا کو خالق ماننا' انجیل کو خدا کا کلام ماننا' عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا اور نوع انسان کی طرف خدا کا آخری مجسم پیغام ماننا' حضرت عیسیٰؑ کو (خدا کے بیٹے کے علاوہ) مکمل انسان ماننا' ان کی قربانی پر مبنی موت اور معجزانہ طور پر جی اٹھنے پر یقین رکھنا اور یہ تسلیم کرنا کہ وہ اپنی قربانی اور رفع آسمانی کی بدولت ان تمام لوگوں کو معافی' نجات اور ابدی زندگی دلوانے پر قادر ہیں جو ان کے وسیلہ سے خدا کی طرف آئیں۔" (۲)

عیسائی عقائد

اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کی دہری شخصیت (خدائی اور انسانی) کے قائل ہیں اور ان کی مزعومہ قربانی کو اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ مگر خدا کے بارے میں جس کو وہ خالق ماننے کے مدعی ہیں' ان کا صحیح تصور کیا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہ کہاں تک خدائی حیثیت کا حامل گردانتے ہیں' اور آپ کی مزعومہ موت اور قربانی

۲۔ حوالہ مذکور' ص ۔۴۳۵

کی اہمیت ان کے نزدیک کیا ہے؟ ان سوالات کے جواب کے لئے ہمیں عیسائیوں کے ان بنیادی عقائد (Creeds) کے بیان کی طرف رجوع کرنا ہوگا جنہیں عیسائیوں کے ہاں مستند حیثیت حاصل ہے اور جنہیں تین عالمی عقائد The Three Ecumenical Greeds سے موسوم کیا جاتا ہے۔(۳)

پہلا بنیادی عقیدہ: ان عقائد میں ''رسولی عقیدہ'' (Apostles' Creed or Apostolicum) کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کے مطابق:

> We may say that in the Apostles' Creed we have a convenient summary of what the early Church believed about Christ.
>
> ''ہم کہہ سکتے ہیں کہ رسولی عقیدہ کی صورت میں ہمارے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کلیسیا کے ابتدائی دور کے نظریات کا ایک مناسب خلاصہ موجود ہے''۔(۴)

تقابل ادیان کے عیسائی عالم ہسٹن سمتھ (Huston Smith) اور مسیحی فاضل کیلی (Kelly) نے ''رسولی عقیدہ'' کو اس طرح نقل کیا ہے:

> I believe in God, The Father Almighty, Maker of heaven and earth, and in Jesus Christ our lord, who was conceived by the Holy Ghost, born of virgin Mary, suffered under Pontius Pilate, was crucified, died and was buried.

---

3. Adolf Harnack: History of Dogma (English Translation, London, 1898), vol. 4, p. 136.

۴۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا (مطبوعہ 1962) جلد ۱۳، ص ۲۰۔ یاد رہے کہ کلیسیا کے ابتدائی دور سے مراد عیسیٰ یا حواریوں کا دور نہیں، بلکہ ''رسولی عقیدہ'' اور ایسے دوسرے عقائد کی تشکیل (325ء کے بعد) کا دور ہے۔ دیکھئے: انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، جلد ۶، ص۔ ۶۵۲

"میں خدا پر ایمان رکھتا ہوں' جو باپ اور قادر مطلق ہے اور آسمان و زمین کا بنانے والا ہے۔ اور میں اپنے آقا یسوع مسیح پر ایمان رکھتا ہوں' جو روح القدس کی قدرت سے کنواری مریم کے ہاں پیدا ہوئے' (رومی حاکم) پنطیس پیلاطس کے ہاتھوں تکلیف اٹھائی' پھانسی دیئے گئے اور فوت ہو کر دفن ہوئے۔" (۵)

یہ عقیدہ اپنی مکمل صورت میں دیگر کتب حوالہ کے علاوہ عیسائی عقائد کی ایک بنیادی کتاب (Credo) میں بھی مذکور ہے۔ جرمن عیسائی محققین کی مرتب کردہ اس کتاب کے انگریزی ترجمہ میں "رسولی عقیدہ" کی اہمیت اس طرح واضح کی گئی ہے:

In the Catholic Church and in many other Christian Churches, the Apostles' Creed has remained the most usual profession of faith.

"کیتھولک اور بہت سے دوسرے عیسائی کلیساؤں میں "رسولی عقیدہ" اظہار ایمان کا سب سے عمومی طریقہ رہا ہے۔" (۶)

کیلی نے بھی عیسائی عقائد پر اپنی محققانہ کتاب میں واضح کیا ہے کہ یہ عقیدہ رومن کیتھولک عیسائیوں کے علاوہ لوتھر (Luther) اور کیلون (Calvin) جیسے پروٹسٹنٹ رہنماؤں کا بھی پسندیدہ و مصدقہ عقیدہ رہا ہے۔ اور کلیسائے انگلستان (English Church) میں تو اسے روزانہ صبح و شام کی دعاؤں میں کم از کم دو مرتبہ دہرانے پر زور دیا جاتا ہے' جبکہ مشرقی کلیسا میں بھی اسے کافی عرصہ سے قبولیت عامہ حاصل ہو چکی ہے۔ (۷)

جرمن فاضلین کی محولہ بالا کتاب (Credo) میں اس عقیدہ کی بنیادی اہمیت واضح کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تفصیل بھی دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں قابل ذکر بات یہ ہے

5. Huston Smith : The Religions of Man, New York, 1965, p.327; J.N.D. Kelly : Early Christian Creeds, London, 1972, P.369.
6. Credo. A Catholic Catechism, by the German Catechetical Assoiation, London, 1984, P.61.
7. J.N.D.Kelly: op.cit., pp. 419-420.

کہ جہاں ہسٹن سمتھ (Huston Smith) کی محولہ بالا عبادت میں حضرت عیسیٰؑ کو صرف آقا (Lord) کہا گیا ہے وہاں جرمن محققین کی مؤلفہ اور انگلستان کی کلیسیا ویسٹ منسٹر (Westminster) کی مصدقہ مذکورہ کتاب (Credo) میں اس کے ساتھ خدا کے اکلوتے بیٹے (His Only Son) کے الفاظ بھی موجود ہیں۔[۸] نیز حضرت عیسیٰ کے بارے میں اس عقیدہ کی مزید توضیح و تکمیل یوں کی گئی ہے:

The third day he rose again from the dead. He ascended into heavan, sitteth at the right hand of God the Almighty Father; from thence he shall come to judge the living and the dead.

"تیسرے دن وہ مردوں سے جی کر اٹھے اور آسمان پر چڑھ گئے۔ وہ خدا جو قادر مطلق باپ ہے' کی دائیں جانب تشریف فرما ہیں۔ اور وہاں سے زندوں اور مردوں میں عدالت قائم کرنے دوبارہ تشریف لائیں گے۔"[۹]

دوسرا بنیادی عقیدہ: عیسائیت کے نظام عقائد میں "رسولی عقیدہ" کے بعد دو اور عقیدوں کو (جو "رسولی عقیدہ" کی مزید وضاحت اور اس پر کچھ اضافے کرتے ہیں) بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ انہیں "عقیدہ نیقیہ" (Nicene Creed) یا (Nicene-Constantinopolitan Creed) اور "اتھناسیس (اثناسیس) کا عقیدہ" (Athansian Creed) کہا جاتا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں ہے:

Of special importance is the creed of the first ecumenical synod of Nicaea (325) which was formulated in defence against Arianism. It was: We believe in one God, the Almighty Father, creator of all

---

8. Credo, p.81.

۹۔ حوالہ مذکور' صفحہ ۹۵ ومابعد۔

things visible and invisible. And in one Lord Jesus Christ, the only son of God, who alone was begotten of the Father (that is of the substance of the Father), God of God, Light of Light (very God of very God, begotten, not made, of one substance with the Father) through whom all was made that is in the heavan and on earth, who for us men and for our salvation came down and became flesh, became man, suffered and rose on the third day, is ascended to heavan and will come to judge the living and dead. And in the Holy Spirit...... who is God and Giver of Life and is worshipped and honoured with the Father and the Son.

"عقائد میں خصوصی اہمیت اس عقیدہ کی ہے جسے نیقیہ کی پہلی کلیسیائی کونسل منعقدہ ۳۲۵ء نے آریوسی نظریات[۱۰] کے دفاع میں وضع کیا' اور یہ اس طرح ہے:

ہم ایک خدا میں یقین رکھتے ہیں' جو مقتدر باپ اور تمام مرئی اور غیر مرئی اشیاء کا خالق ہے۔ نیز ہم خداوند یسوع مسیح پر ایمان رکھتے ہیں' جو خدا کا بیٹا تھا۔ صرف وہی تھا جو باپ سے پیدا ہوا (یعنی باپ ہی کے جوہر سے بنا[۱۱] خدا میں کا خدا' نور میں کا نور (اصل خدا ہی میں کا اصل خدا' خدا نے بنایا نہیں بلکہ خدا سے پیدا ہوا' اور اسی جوہر سے جو خدا کا ہے)۔ جو کچھ زمین اور آسمان میں ہے اسی کے ذریعہ بنا۔ وہ

۱۰۔ آریوس (Arius) تیسری صدی کا عیسائی عالم اور مذہبی رہنما تھا' جسے کلیسیا نے اس وجہ سے ملحد (heretic) قرار دیا کہ وہ عیسیٰؑ کو مکمل طور پر خدائی صفات کا حامل نہ سمجھتا تھا۔ دیکھئے:
A.L. Moore: Dictionary of the Christian Church, Oxford, 1985,p.4.

۱۱۔ خطوط وحدانی میں مرقوم عبارتیں ہمارا اضافہ نہیں' بلکہ عیسائی کلیسیاؤں کے مسلمہ سرکاری متن ہی کا حصہ ہیں۔

ہم بنی آدم کی خاطر اور ہماری نجات کے لئے نیچے (زمین پر) آیا اور گوشت پوست کا انسان بنا' تکلیف اٹھائی تیسرے دن جی اٹھا' اور آسمان پر چڑھ گیا۔ وہ زندوں اور مردوں میں عدالت قائم کرنے آئے گا۔ اور ہم روح القدس پر بھی ایمان رکھتے ہیں' جو خداوند ہے اور زندگی بخشنے والا ہے' اس کی باپ اور بیٹے کے ساتھ پرستش و تعظیم ہوتی ہے۔"(۱۲)

تیسرا بنیادی عقیدہ: عیسائیت کا تیسرا بنیادی عقیدہ "اثناسی عقیدہ" یا اتھناسیس کا عقیدہ کہلاتا ہے'(۱۳) اور اسے بالخصوص مشرقی کلیسیا میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کی غیر معمولی طوالت کے پیش نظر ہم بطور خلاصہ صرف ان دو مسائل کا ذکر کریں گے جن پر اس میں زور دیا گیا ہے۔ مگر یہ خلاصہ بھی ہم اپنی طرف سے پیش کرنے کی بجائے انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کے الفاظ میں نقل کریں گے:

Athanasian Creed........ is a compendium, compiled in forty theses, of the doctrines of the Trinity and the Incarnation.

"اتھناسیس کا عقیدہ' چالیس اجزاء پر مشتمل لب لباب ہے نظریہ تثلیث اور نظریہ تجسم کا۔" (۱۴)

۱۲۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا (1962)' جلد ۶' ص۔ ۶۵۷
قاموس الکتاب' ایف۔ ایس خیر اللہ' لاہور' 1984ء' ص۔ ۶۴۷
کیلی' کتاب مذکور' ص۔ ۲۱۵

۱۳۔ اتھناسیس (ایتھے نیسیس) یا اثناسیس (Athanasius) تیسری صدی میں سکندریہ کا بشپ اور آریوس مذکور کے نظریات کا شدید مخالف تھا۔ عقیدہ نیقیہ وضع کرنے میں تو اس کا حصہ ممکن ہو سکتا ہے' مگر "ایتھے نیسیس" کا عقیدہ غلط طور پر اس کی طرف منسوب ہے۔ دیکھئے: ڈکشنری آف چرچ از مور' ص۔ ۵' اور انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا (1962)' ۶: ۶۵۸

۱۴۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا (1962)' ۶: ۶۵۹

تثلیث اور تجسم کے یہ نظریات کیا ہیں جنہیں عیسائیت کے تیسرے بڑے عقیدے میں سمویا گیا ہے؟ اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں بعض دیگر عیسائی کتب حوالہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

ہیسٹنگز (Hastings) کی مشہور و مقبول "لغات بائبل" میں تثلیث کی مختصر توضیح یوں کی گئی ہے:

Trinity: The Christian doctrine of God as existing in three persons and one substance.

"تثلیث۔ خدا کے بارے میں عیسائیوں کا نظریہ کہ وہ تین اقانیم مگر واحد جوہر کی حیثیت میں وجود رکھتا ہے۔" (۱۵)

فلسفہ اور تقابل ادیان کا عالم ہسٹن سمتھ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہے:

It holds that while God is fully one, He is also Three....... From the stand-piont of Christian orthodoxy, it is important not to water down the Trinity by interpreting it as referring to three roles of a single person, as a man may simultaneously be a son, a husband, and a father. As the Athanasian creed put the matter, we worship one God in Trinity and Trinity in unity, neither confounding the persons nor dividing the substance.

"یہ (عقیدہ) اس دعویٰ کا اظہار ہے کہ خدا مکمل طور پر واحد بھی ہے اور تین بھی---عیسائی راسخ العقیدگی نقطہ نظر سے یہ بات ضروری ہے کہ نظریہ تثلیث کو اس طرح کی تعبیر سے نرم نہ کیا جائے کہ اس سے مراد ایک واحد ہستی یا اقنوم

15. James Hastings: Dictionary of the Bible, Edinburgh, 1963, p.1015.

ہے جس کی تین مختلف حیثیتیں ہیں۔جس طرح کہ کوئی شخص بیک وقت بیٹا' خاوند اور باپ ہو سکتا ہے"۔ جیسا کہ اتھنا سیس کے عقیدہ میں بیان کیا گیا ہے:

"ہم خدا کی عبادت توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید کے عقیدہ سے کرتے ہیں۔نہ تو ہم مختلف اقانیم آپس میں ملاتے ہیں اور نہ (ان کے) جوہر کو تقسیم کرتے ہیں۔" (۱۶)

یہ تو تھی نظریہ تثلیث کی عیسائی وضاحت(اس عقیدہ پر نقد و تبصرہ ان شاءاللہ آئندہ ایک مستقل باب میں ہو گا)۔(۱۷) اب "اثنا سیئس کے عقیدہ" کی دوسری بنیادی شق "عقیدہ تجسم"(Incarnation) کو لیں' اور اس سلسلہ میں بھی پہلے ہیسٹنگز کی لغات ملاحظہ فرمائیں۔

Incarnation: The word is a non-Biblical theological term to state the Christian conviction that in Jesus Christ, God has visited and redeemed His people.

تجسم: "یہ لفظ ایک غیر انجیلی(۱۸) دینی اصطلاح ہے' جو اس عیسائی عقیدہ کو بیان کرتی ہے کہ خدا(دنیا میں) حضرت عیسیٰؑ کی صورت میں لوگوں کو نجات دلانے کے لئے آیا۔"(۱۹)

عقیدہ تجسم کی مزید وضاحت ہسٹن سمتھ کی اس عبارت سے ہو گی:

"ہم (عیسائی عقائد کا بیان) نظریہ تجسم سے شروع کر سکتے ہیں۔چونکہ نظریہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ میں خدا نے انسانی جسم اختیار کیا' اس لئے یہ عقیدہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ "خدا' انسان" تھا' یعنی بیک وقت پوری طرح خدا اور پوری طرح انسان۔یہ کہنا کہ یہ دعویٰ متناقض ہے مسئلہ کو بیان کرنے کا بہت

16. Huston Smith: op. cit., p.33.

۱۷۔ دیکھئے باب پنجم۔

۱۸۔ یعنی انجیل میں یہ لفظ ناپید ہے۔

19. Hastings : Dictionary of the Bible, p.414.

ہی نرم طریقہ ہے۔یہ تو صاف طور پر ایک کھلا تضاد نظر آتا ہے۔اگر نظریہ یہ ہوتا کہ حضرت عیسیٰ میں نصف انسانی اور نصف خدائی صفات ہیں یا یہ کہ وہ بعض لحاظ سے خدا اور بعض لحاظ سے انسان ہیں' تو ہمارے دماغ (اسے قبول کرنے سے) نہ ہچکچاتے۔ لیکن یہی تو وہ (ذہنی) آسانیاں ہیں جو عقائد نے ہمیں دینے سے انکار کیا ہے۔ عقیدہ خلقیدون [۲۰] کے الفاظ میں یسوع مسیح بیک وقت خدائی اور انسانیت میں مکمل تھا' صحیح معنوں میں خدا اور صحیح معنوں میں انسان —— خدا ہونے میں باپ والے جوہر سے اور انسان ہونے میں ہمارے والے جوہر سے' ہر لحاظ سے ہماری طرح' سوائے گناہ کے۔" [۲۱]

حضرت عیسیٰؑ کی صورت میں خدا کے انسانی روپ دھارنے کا یہ عقیدہ جسے خود عیسائی علماء متضاد و متناقض تسلیم کرتے ہیں' اس نظریہ پر مبنی ہے کہ تجسم کا اصل مقصد لوگوں کو نجات دلانا تھا۔ [۲۲] اس لحاظ سے تیسرے بنیادی عیسائی عقیدہ یعنی "عقیدہ اثناسیس" میں تثلیث اور تجسم کے ساتھ ساتھ نجات اور کفارہ پر یقین کو بھی اہم حیثیت حاصل ہے۔اس لئے نجات اور کفارہ یا صحیح تر الفاظ میں 'کفارہ کے ذریعہ نجات' کے نظریہ کی مزید وضاحت بھی ضروری ہے۔ہسٹن سمتھ ہی نے اس نظریہ کو بھی اختصار اور خوبصورتی سے پیش کیا ہے:

Turning to the doctrine of Atonement, we find that its root meaning, of course, is reconciliation, the recovery of at-one-ment. Christians were convinced that Christ's life and death had effected an unparalelled

۲۰۔ عقیدہ خلقیدون :۔ یعنی عقائد کا وہ بیان جو ایشیائے کوچک کے قدیم شہر خلقیدون (Chalcedon) میں منعقدہ کلیسیائی کونسل نے 451ء میں منظور کیا (دیکھئے ڈکشنری آف کرسچن چرچ' اے۔ایل۔مور' ص۔۱۳)

21. Huston Smith : op., p. 325.

۲۲۔ اس سلسلہ میں ہیسٹنگز کی لغات انجیل کا حوالہ (نمبر 18) پھر ملاحظہ فرمالیں۔

`rapprochement' between God and man........ By voluntarily disobeying God's order not to eat of the forbidden fruit in Eden, Adam sinned. As his sin was directed squarely against God, it was of infinite proportions. Sins must be compensated for, otherwise God's Justice is outraged. An infinite sin demands infinite recompense, and this could only be effected by God's vicarious assumption of our guilt, and payment of the ultimate penalty it required, namely death.

"جب ہم نظریہ کفارہ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اس کا بنیادی مطلب صلح اور یکجائی ہے۔ عیسائیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ مسیح کی زندگی اور موت سے خدا اور انسان کے درمیان ایک بے مثال مصالحت واقع ہوئی ہے —— آدم نے باغ عدن میں ممنوعہ پھل کھا کر خدا کی ارادتاً نافرمانی کی۔ چونکہ اس گناہ کا ارتکاب خدا کے براہ راست (حکم کے) خلاف تھا' اس لئے اس کی وسعت بے پایاں تھی ۔گناہوں کی تلافی ضروری ہے ورنہ خدا کا انصاف مجروح ہو گا۔ بے پایاں گناہ کے لئے بے پایاں تلافی کی ضرورت ہے۔ اور یہ اس طرح ہو سکتی تھی کہ خدا گناہ (کا بوجھ) اٹھانے میں خود قائم مقام بن جائے' اور موت کی شکل میں اس کا انتہائی تاوان ادا کرے۔"(۲۳)

مسیحی عقائد میں کفارہ کی اہمیت محتاج بیان نہیں۔ مگر خود عقیدہ کفارہ' نظریہ تجسد و تجسم مسیح اور خدا اور مسیح کے مزعومہ اتحاد نفسی پر مبنی ہے۔ یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ دونوں عقیدے ایک دوسرے پر انحصار رکھتے ہیں۔ اس لئے مسلمان علماء قدیم زمانہ ہی سے کفارہ کے عقیدے کے ساتھ ساتھ نظریہ تجسم یا اوتار (خدا کا انسانی شکل اختیار کر کے دنیا میں اتر آنے

23. Huston Smith: op. cit., p.328.

کا نظریہ) اور عقیدہ اتحاد (خالق و مخلوق کا اصلاً ایک ہونا) کی تردید بھی پر زور طریقہ سے کرتے آئے ہیں۔[۲۴]

عقائد کا خلاصہ

عیسائیت کی مذکورہ بالا تعریف اور اس کے بنیادی عقائد (Doctrines) کے بیان سے عیسائی نظریات کے جو خدوخال ابھر کر سامنے آئے ہیں وہ اس طرح ہیں:

① نظریہ تثلیث (Trinity) یعنی خدا کو خالق ماننے کے ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس کو خدا ماننا (دیکھئے: عیسائیت کی تعریف' عقیدہ نیقیہ اور عقیدہ اتھنا سیس)۔

② نظریہ تجسم (Incarnation) یعنی یہ عقیدہ کہ خدا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا روپ دھار کر انسانی اور ارضی زندگی بسر کی (عقیدہ اتھنا سیس)۔

③ نظریہ ابنیت (Sonship) یعنی حضرت عیسیٰؑ کو خدا اور خدا کا مظہر ماننے کے علاوہ خدا کا بیٹا ماننا (عقیدہ نیقیہ)۔

④ نظریہ کفارہ (Atonement) یعنی یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰؑ کی پھانسی کے ذریعہ مزعومہ موت اور پھر جی اٹھنے سے انسان کی نجات کی صورت پیدا ہوئی' اور اس کا ازلی گناہ معاف ہوا (عقیدہ اتھنا سیس' عیسائیت کی تعریف' اور رسولی عقیدہ)۔

⑤ نظریہ آمد ثانی (Second Coming) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ آمد پر یقین (رسولی عقیدہ اور عقیدہ نیقیہ)۔

⑥ نظریہ کتاب یعنی موجودہ انجیل کو خدا کا کلام ماننا (ملاحظہ فرمائیں" عیسائیت کی تعریف")۔

آئندہ ابواب میں ہم ان عقائد و نظریات کا علمی و عقلی تجزیہ کرنے کے علاوہ یہ دیکھیں گے کہ ان کا انتساب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کی طرف کس حد تک درست ہے۔

۲۴۔ مثلاً دیکھئے ابن حزم اندلسی: الفصل فی الملل و الاھواء والنحل۔ ط قاھرہ (۱۳۱۷ھ) ج۱' ص۔ ۵۳ومابعد۔ نیز : الملل والنحل للشھرستانی (لندن 1846) 'ج۱' ص ۱۳۲۔

نیز ان کے تاریخی ارتقاء کا جائزہ بھی لیں گے۔ لیکن یہاں ہم اس بات کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ جہاں یہ عقائد حضرت مسیح علیہ السلام کی پیش کردہ اصل مسیحیت کو پیش نہیں کرتے، وہاں وہ نام بھی گمراہ کن ہیں جن سے یہ عقائد موسوم ہیں۔ چنانچہ جرمن فاضل ہارنیک نے لکھا ہے:

The Apostolic Creed did not originate with the Apostles..... The Nicean-Constantinopolitan Creed (was developed) neither in Nicea nor in Constantinople.... The Althanasisn creed is not the work of Athanasius.

"رسولی عقیدہ کو رسولوں نے جنم نہیں دیا۔ نیقاوی قسطنطینی عقیدہ نہ نیقیہ میں وجود میں آیا اور نہ قسطنطنیہ میں۔ اور اثناسی عقیدہ اثناسیس کی تخلیق نہیں ہے۔" (۲۵)

25. A. Harnack: History of Dogma, 4: 136.

باب دوم

حضرت عیسی علیہ السلام اور عیسائیت

عیسائیت' جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔حضرت عیسیٰؑ کی زندگی اور تعلیم کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے بارے میں معلومات کے لیے زیادہ اور قابل اعتماد مواد کبھی موجود نہیں رہا۔اسی لیے انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے مقالہ "یسوع مسیح" (Jesus Christ) میں لکھا ہے:

Any attempt to write a "Life of Jesus" should be frankly abandoned. The material for it certainly does not exist. It has been calculated that the total number of days in His life regarding which we have any record does not exceed 50.

"صاف (درست) بات یہ ہے کہ حیات مسیح پر لکھنے کی کوشش ترک کر دی جائے۔اس کے لیے مواد یقیناً موجود نہیں۔اندازہ کیا گیا ہے کہ ان کی زندگی کے ان دنوں کی تعداد ۵۰ سے زیادہ نہیں' جن کے متعلق ہمارے پاس کچھ ریکارڈ موجود ہے۔" (۱)

ماضی قریب کے ایک معروف انگلستانی مسیحی مبلغ ڈین انجی (Dean Inge) نے بھی لکھا ہے:

No real biography of Jesus can ever be written.

1. Encylopaedia Brittanica (1958), vol. 13, pp. 16-17.

"مسیح کی کوئی حقیقی سوانح عمری کبھی نہیں لکھی جا سکتی۔" (۲)

بہر حال عیسائیوں کے نظریات کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کے حالات کے لیے بنیادی مواد مروجہ بائبل کے نئے عہد نامہ (New Testament) (۳) سے ملتا ہے' جو اناجیل اربعہ (انجیل متی' انجیل مرقس انجیل لوقا اور انجیل یوحنا) "رسولوں کے اعمال" عیسائی "رسولوں" اور ان کے ساتھیوں کے تبلیغی خطوط اور کتاب مکاشفہ پر مشتمل ہے۔ (۴) کچھ مواد اس زمانہ کے "غیر مصدقہ اور غیر ملہم" مسیحی ادب اور معاصر مورخین کے ہاں بھی ملتا ہے' مگر وہ عیسائیوں کے ہاں بھی بہت کم قابل اعتماد ہے۔ (۵) قرآن کریم نے بھی کئی جگہ خصوصاً سورہ آل عمران' المائدہ اور سورہ مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش' ان کے معجزات اور تبلیغ کا ذکر کیا ہے۔

دنیا کی پندرہ مختلف زبانوں میں چھپی ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مقبول عام سوانح عمری "یسوع اپنے زمانہ میں" (Jesus in His Time) کے مطابق حضرت عیسیٰؑ

---

2. W.R.Inge: Christian Ethics And Modern Problems, London, 1930, p.43.

۳۔ بائبل کے دو بڑے حصے ہیں: پہلا' پرانا عہد نامہ (عہد عتیق) جسے یہودی اور عیسائی دونوں تسلیم کرتے ہیں' اور جس میں بنی اسرائیل اور انبیاء بنی اسرائیل وغیرہ کے حالات ہیں۔ اسے تورات بھی کہا جاتا ہے۔ (اصل میں تورات بائبل کے عہد نامہ قدیم کا وہ حصہ ہے جس کی نسبت موسیٰ علیہ السلام سے کی جاتی ہے) اور دوسرا' نیا عہد نامہ (عہد جدید) یا انجیل' جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات اور عیسائی نظریات و عقائد وغیرہ کا بیان ہے۔ (قاموس الکتاب' مطبوعہ لاہور' ص۔۱۲۱۔ تفصیل باب ہفتم میں دیکھئے۔

۴۔ قاموس الکتاب' ص۔ ۱۲۳

۵۔ کتاب مذکور' ص۔ ۱۱۳۸

کا اصل نام یشوع (Jeshuah or Joshua) تھا۔[6] وہ ایسے زمانے میں پیدا ہوئے جب بنی اسرائیل صدیوں سے اسوریوں (Assyrians) اور اہل بابل کی لائی ہوئی تباہی' جنگوں اور جلا وطنی کا شکار تھے۔[7] حتیٰ کہ (ایرانی بادشاہ سائرس کی مہربانی کی بدولت) جلاوطنی سے واپسی کے بعد بھی انہیں سانس لینا نصیب نہ ہوا تھا' اور وہ سکندر اعظم' مصریوں اور شامیوں کی دستبرد اور غلامی کے بوجھ تلے پستے رہے تھے۔[8] پھر ۶۳ قبل مسیح میں رومیوں نے ان کے دارالسلطنت یروشلم پر قبضہ کر لیا اور ہیرودیس (Herod) جیسے ظالم مقامی حکمرانوں کے ذریعہ ان پر بالواسطہ مگر جابرانہ حکومت کرنا شروع کی۔[9] ان حالات میں یہودی ایک منجی اور مسیحا کے منتظر تھے' جو انہیں غلامی اور جور و ستم سے نجات دے کر ان کی قومی عزت کو بحال کرے اور ان کی معیشت و معاشرت کو سر بلندی عطا کرے۔[10] ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ آنے والا اللہ کی خصوصی برکت کا حامل ہو گا۔ اسی لیے اسے "مسیح" یا عبرانی میں مسیحا (Messiah)' آرامی زبان میں مشیحا (Meshiah) اور یونانی میں کرائسٹس یا خرستس (Christ) کہا گیا۔[11]

اس ذہنی ماحول میں جب حضرت یحییٰ علیہ السلام' جنہیں انجیل میں یوحنا اصطباغی' یعنی یوحنا بپتسمہ دینے والا (John the Baptist) کہا گیا ہے'[12] سامنے آئے تو یروشلم

6. Jesus In His Tims, by Daniel-Rops (English Translation by R.W.Millar), London, 1956, p. 83.
یسوع' یشوع یا یوشع (Jesus, Jeshua, Joshua) کا مطلب ہے: "یہوواہ (خدا) نجات ہے۔" یعنی خدا ہی منجی اور نجات دہندہ ہے (Jehovah is Salvation)۔ اور یہ ایک عام یہودی نام تھا (دیکھئے: ڈیوس (Davis) کی ڈکشنری آف بائبل' لندن' 1972ء' ص - ۴۰۱۔ ۴۰۲)۔

7, 8, 9. In Search of Historic Jesus, By L. Roddy And C.E. Sellier, New York, 1979, p.24.

10. op. cit., pp. 24-25.

۱۱۔ مسیح کا لفظی مطلب "مسح یا مالش کیا ہوا" (Anointed) ہے۔ یہودیوں میں دستور تھا کہ وہ اپنے بادشاہ اور خاص مذہبی رہنما کے سر پر 'مقدس تیل' لگاتے تھے۔ یہ اس بات کی علامت ہوتی کہ اسے خدا نے ان کی رہنمائی کے لئے چنا ہے۔ دیکھئے:

In Search of Historic Jesus, p.3

۱۲۔ انجیل متی ۳ : ۱

کے مذہبی رہنماؤں نے فوراً وفد بھیج کر ان سے اس بات کی تصدیق چاہی کہ آیا وہ مسیح منتظر و موعود ہیں۔[۱۳] مگر انہوں نے کہا کہ وہ تو (ایک آنے والے کے لیے) ''خداوند کی راہ کو سیدھا'' کرنے والے ہیں۔[۱۴] اس سے تقریباً پچیس برس پہلے اور ۸ تا ۴ قبل مسیح کے کسی سال میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہو چکے تھے۔[۱۵] انجیل لوقا کے مطابق یہودیہ (Judea) کے بادشاہ ہیرودیس (Herod) کے زمانہ میں ''جبریل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل (Galilee) کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرہ (Nazereth) تھا' ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا' جس کی منگنی داؤد کے گھرانے کے ایک مرد یوسف نام سے ہوئی تھی اور اس کنواری کا نام مریم تھا۔''[۱۶]

فرشتہ نے بقول متی' یوسف کو[۱۷] اور بقول لوقا' مریم کو[۱۸] بغیر باپ کے پیدا ہونے والے ایک مبارک بیٹے کی خوشخبری دی' اور وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ ہوئیں۔[۱۹] ان دنوں قیصر اوگوستس (اغطس) (Augustus) کی طرف سے مردم شماری کا حکم جاری ہوا۔ اس سلسلہ میں یوسف اور مریم نے ناصرہ سے بیت لحم کی بستی کا سفر کیا' اور حضرت عیسیٰ وہیں پیدا ہوئے۔[۲۰] متی کے بیان کے مطابق (جس کی تصدیق باقی

۱۳۔ انجیل یوحنا ۱:۱۹-۲۰

۱۴۔ انجیل یوحنا ۱ : ۲۳

15. Jesus In His Time, p.104.

یاد رہے کہ سن عیسوی مقرر کرتے ہوئے عیسیٰ کے سال پیدائش کے تعین میں چند برس کی غلطی واقع ہو چکی ہے۔ دیکھئے:

In Search of Historic Jesus pp.32-33.

۱۶۔ انجیل لوقا ۱ : ۵ ' ۱ : ۲۶ - ۲۸

'مریم' کے معنی نیک خاتون یا خدا کی پسندیدہ ہیں۔ دیکھئے:

Jesus In His Time, p.90

۱۷۔ انجیل متی ۱:۲۰ - ۲۱

۱۸۔ انجیل لوقا ۱:۳۰-۳۱

۱۹۔ متی ۱ : ۲۰

۲۰۔ لوقا ۲ : ۱ - ۷

اناجیل سے نہیں ہوتی) کچھ ستارہ شناس مجوسی (Magi) مسیح کی تعظیم کرنے کے لیے آئے جب کہ وہ ابھی چھوٹے بچے تھے۔ ان سے یہ سن کر کہ "یہودیوں کا بادشاہ" پیدا ہوا ہے' ہیرودیس بادشاہ متنبہ ہوا اور بچے کی ٹوہ میں لگا۔ مگر جب مجوسی اسے کچھ بتائے بغیر چلے گئے' تو اس نے بیت لحم اور اس کے پاس کے دو برس کے اور اس سے چھوٹے بچوں کو قتل کروادیا۔ لیکن یوسف اور مریم خواب میں ملنے والے ایک اشارہ کے پیش نظر پہلے ہی بھاگ کر مصر جا چکے تھے' جہاں وہ ہیرودیس کے مرنے تک مقیم رہے۔(۲۱)

مسیح کے بچپن اور جوانی کے دور کے متعلق ہمیں اناجیل یا دیگر ذرائع سے جو معلومات ملتی ہیں' وہ صفر کے برابر ہیں۔ لوقا سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ کی پیدائش کے بعد مریم کے "پاک ہونے کے دن پورے ہوگئے" تو وہ انہیں یروشلم لے کر گئیں۔(۲۲) اسی طرح بارہ برس کی عمر میں بھی وہ یروشلم کے ہیکل میں لے جائے گئے' جہاں انہوں نے علماء اور استادوں میں بیٹھ کر "ان کی سنی اور ان سے سوال کئے"(۲۳) اور "جتنے ان کی سن رہے تھے اس کی سمجھ اور اس کے جوابوں سے دنگ تھے۔"(۲۴) لوقا ہی نے مسیح کی بارہ سے تقریباً تیس برس تک کی عمر کا حال (جس کا کسی مصدقہ ذریعہ سے سراغ نہیں ملتا) بیان کرنے کی بجائے اس ایک جملہ پر اکتفا کیا ہے: "اور یسوع حکمت اور قدو قامت میں اور خدا کی اور انسان کی مقبولیت میں ترقی کرتا گیا۔" (۲۵)

یوحنا اصطباغی نے قیصر تبریس (Tiberias) کے عہد میں' جب پنطیس پیلاطس یہودیہ کا اور ہیرودیس گلیل کا حاکم تھا(۲۶)' تبلیغ اور توبہ کا بپتسمہ دینا شروع کیا۔ مسیح نے

۲۱۔ متی ۲ : ۱ - ۱۸

۲۲۔ لوقا ۲ : ۲۲

۲۳۔ لوقا ۲ : ۴۱ - ۴۶

۲۴۔ ایضاً ۲ : ۴۷

۲۵۔ ایضاً ۲ : ۵۲

۲۶۔ ایضاً ۳ : ۱ - ۲

تقریباً تیس برس کی عمر میں ان سے بپتسمہ لے کر تعلیم و تبلیغ شروع کی- اور بقول لوقا' اس وقت مسیح پر روح القدس کا جسمانی طور پر ایک کبوتر کی شکل میں نزول ہوا-[۲۷]

بپتسمہ اور "روح القدس کے نزول" کے بعد مسیح نے چالیس دن تک جسمانی اور روحانی ریاضت کی' اور بیابان کی تنہائی میں شیطان نے انہیں آزمایا- اس آزمائش میں آپ ثابت قدم اور خداوند کے وفادار رہے-[۲۸]

اس کے بعد مسیح نے گلیل کے علاقہ کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا' جہاں وہ یہودی عبادت خانوں میں گھوم پھر کر تعلیم و تبلیغ میں مصروف رہے-[۲۹] گلیل کی بستی ناصرہ کے علاوہ اسی علاقہ کا ایک دوسرا شہر کفرنحوم (Capernaum) بھی ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنا اور وہ گلیل کے مختلف عبادت خانوں میں تبلیغ و منادی کرتے رہے-[۳۰]

اس دوران انہوں نے بیماروں کو شفا دینے' بدروحوں اور شیاطین کو بیمار جسموں سے نکالنے' کوڑھ' اور فالج وغیرہ کو ٹھیک کرنے اور اندھوں کو بینائی اور گونگوں کو گویائی دینے کے معجزات بھی دکھائے-[۳۱] اس سے ان کی شہرت پھیل گئی اور لوگوں کی ایک "بڑی بھیڑ ان کے پیچھے ہو لی-"[۳۲] قرآن مجید نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

۲۷۔ لوقا' ۳:۲۱۔۲۲

۲۸۔ متی ۴:۱-۱۱' مرقس ۱:۱۲-۱۳' لوقا ۴:۱-۱۳

۲۹۔ لوقا ۴:۱۴-۱۶

۳۰۔ مرقس ۱:۲۱' متی ۴:۲۳' لوقا ۴:۲۱-۴۴

۳۱۔ لوقا ۴: ۴۰-۴۱' ۵:۱۲-۱۳' ۵:۱۸-۲۵

نیز: مرقس ۱: ۲۴-۲۵' ۱:۴۰-۴۲' ۲:۳-۱۴

متی ۴:۲۴' ۹ : ۲۷-۳۳

۳۲۔ متی ۴: ۲۵

معجزانہ پیدائش [۳۳] کے علاوہ ان کی شفا بخشی وغیرہ کے معجزات کی تصدیق کی ہے۔[۳۴] مسیح نے اپنے پیروکاروں میں سے بارہ خاص شاگرد چنے۔[۳۵] قرآن نے انہیں تبلیغ حق کے سلسلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری' یعنی خاص ساتھی اور مددگار کہا ہے' جب کہ عیسائی لٹریچر میں انہیں "مسیح کے رسول" کہا گیا ہے۔[۳۶]

شفا بخشی کے معجزات کی بدولت حضرت عیسیٰؑ پورے گلیل میں ایک مقبول عام شخصیت بن گئے۔[۳۷] یہ ہر دل عزیزی اس وقت اپنے عروج کو پہنچی جب آپ نے معجزانہ طور پر چند روٹیوں سے پانچ ہزار افراد کو سیر کرایا۔[۳۸]

ان معجزات سے یہودیوں نے سمجھا کہ جس نجات دہندہ کا انہیں انتظار تھا' وہ یہی ہیں۔ اس لئے انہوں نے مسیح کو بادشاہ بنانا چاہا۔ مگر آپ صرف "آسمانی" یعنی روحانی رہنما تھے۔ اس لئے انہوں نے انکار کیا' اور بادشاہی سے بچنے کی خاطر کچھ عرصہ کے لئے لوگوں سے الگ ہو گئے۔[۳۹] بہت سے لوگوں نے بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔[۴۰] کیونکہ وہ ظالم اور غیر ملکی حکمرانوں سے نجات دلانے کی بجائے ابدی نجات اور روحانی اصلاح پر زور دیتے تھے۔[۴۱] یہودی' مسیح کے ذریعہ اپنی دنیاوی توقعات پوری نہ ہونے اور ان کے روحانی مواعظ سے اتنے تنگ آئے کہ انہوں نے ان کو سنگسار کرنے کی بھی کوشش کی۔[۴۲] یہ

۳۳۔ القرآن ۲۱ : ۹۱ ' ۶۶ : ۱۲ ' ۱۹ : ۱۶ - ۲۹

۳۴۔ القرآن ۳ : ۴۹ ' ۵ : ۱۱۰

۳۵۔ ایضاً ۳ : ۵۲ ' ۶۱ : ۱۴

۳۶۔ متی ۱۰ : ۱ - ۴ ' لوقا ۶ : ۱۳ - ۱۶

۳۷۔ لوقا ۴ : ۴۲ ' ۵ : ۱۵ ' ۶ : ۱۷

۳۸۔ متی ۱۴ : ۱۶ - ۴ ' مرقس ۶ : ۳۶-۴۴ ' لوقا ۹ : ۱۲ - ۱۷' یوحنا ۶ : ۵ - ۱۳

۳۹۔ یوحنا ۱۰ : ۲۴ - ۲۸ ' ۶ : ۱۴ - ۱۵

۴۰۔ یوحنا ۶ : ۶۶

۴۱۔ یوحنا ۶ : ۳۳ - ۳۷

۴۲۔ یوحنا ۱۰ : ۳۰

اس وجہ سے بھی تھا کہ وہ ان کی بعض مجازی (figurative) باتوں مثلاً "خدا کی بادشاہی" "باپ" اور "بیٹا" کا صحیح مفہوم نہیں سمجھتے تھے۔ (۴۳)

اسی اثناء میں مسیح نے ایک مرتبہ پھر "لنگڑوں' اندھوں' گونگوں' ٹنڈوں اور بہت سے بیماروں" کو اچھا کیا' چار ہزار سے زیادہ افراد کو تھوڑے سے کھانے کے ذریعہ سیر کرایا۔ (۴۴) اور ایک مردہ شخص لعزر (Lazarus) نیز ایک مردہ لڑکی کو زندہ کیا۔ (۴۵)

ان واقعات سے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مقبولیت میں اضافہ ہوا' وہاں یہودیوں کے مذہبی رہنما ان کے مخالف ہو گئے اور ان کے قتل کے مشورے کرنے لگے۔ (۴۶) انہوں نے لعزر کے قتل کا بھی ارادہ کیا۔ کیونکہ اس کے زندہ ہونے کی وجہ سے بہت لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار بن گئے تھے۔ (۴۷) مگر روایات کے مطابق لعزر دوبارہ جی اٹھنے کے تیس برس بعد تک زندہ رہا۔ (۴۸)

اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودیوں میں علانیہ و آزادانہ پھرنے سے احتراز کرنے لگے' اور اپنے خاص شاگردوں کے ساتھ جنگل کے قریب جا بسے۔ (۴۹) ادھر مذہبی رہنماؤں نے حکم جاری کیا کہ "اگر کسی کو معلوم ہو کہ وہ کہاں ہے' تو وہ اطلاع دے تاکہ اسے پکڑ لیں۔" (۵۰) اس اعلان کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ خاص شاگردوں میں سے ایک یہوداہ اسکریوتی (Judas Iscariot) نے حضرت عیسیٰ کو پکڑوانے کے لئے تیس

۴۳۔ یوحنا ۱۰ : ۳۰ - ۳۹

۴۴۔ متی ۱۵ : ۲۹ - ۳۹

۴۵۔ یوحنا ۱۱ : ۱۱ - ۴۴ ' لوقا ۸ : ۴۹ - ۵۶ ' مرقس ۵ : ۳۵ - ۴۳ ' متی ۹ : ۲۳ - ۲۶

۴۶۔ ایضاً ۱۱ : ۴۷ - ۵۳

۴۷۔ ایضاً ۱۲ : ۱۰ - ۱۱

48. F.W.Farrar: Life of Christ, London, p.522.

۴۹۔ یوحنا ۱۱ : ۵۴

۵۰۔ ایضاً ۱۱ : ۵۷

روپے لئے اور موقع کی تلاش میں رہا۔[۵۱]

روپوشی کے کچھ عرصہ بعد یہودیوں کے تیوہار عید فصح (Passover)[۵۲] کے موقع پر حضرت عیسیٰ یروشلم میں اعلانیہ داخل ہوئے اور لوگوں نے ان کا والہانہ استقبال کیا' جس سے مذہبی رہنما اور بھی چونکے۔[۵۳] ادھر عیسیٰؑ نے یروشلم کے ہیکل کے بیرونی صحن سے صرافوں اور قربانی کے جانور بیچنے والوں کو زبردستی نکال کر' کہ یہ عبادت اور دعا کا گھر ہے' مذہبی رہنماؤں کو اور بھی ناراض کیا۔[۵۴] اس موقع پر ان مذہبی رہنماؤں کی ریاکاری اور ظاہر پرستی کے خلاف مسیح کی زبردست تقریر نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔[۵۵]

اس واقعہ کے بعد عیسیٰؑ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ گتسمنی (Gethsemane) نامی ایک جگہ چلے گئے۔[۵۶] بقول متی ولوقا وہ بہت غمگین اور بے قرار تھے' اور انہوں نے منہ کے بل گر کر دعا کی کہ اگر ہو سکے تو (موت کا) یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔[۵۷] مسیح بار بار یہ دعا کرتے رہے اور ان کے شاگرد آرام سے سوئے رہے۔[۵۸]

۵۱۔ متی ۲۶ : ۱۴ - ۱۶' لوقا ۲۲ : ۳ - ۶

۵۲۔ یوحنا ۱۲ : ۱۲ - ۱۹' مرقس ۱۱ : ۹ ۔ ۱۰

فصح' عبرانی میں "گذر جانے" کو کہتے ہیں- عید فصح کا تیوہار' موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اسرائیلیوں کے مصر سے خروج سے متعلق واقعات کی خوشی میں منایا جاتا ہے۔

دیکھئے: کلام مقدس (کیتھولک اردو بائبل)' مطبوعہ سوسائٹی آف سینٹ پال' روما' 1958ء' صفحہ "ض"

۵۳۔ یوحنا ۱۲ : ۱۹

۵۴۔ متی ۲۱ : ۱۲ - ۱۳' لوقا ۱۹ : ۴۰ - ۴۶

۵۵۔ متی ۲۳ : ۱ - ۹' لوقا ۲ : ۴۵ - ۴۷

۵۶۔ یہ انجیروں کا ایک باغ تھا جہاں عیسیٰؑ اور ان کے ساتھی پہلے بھی قیام کیا کرتے تھے۔

دیکھئے : F.W.Farrar: op.cit., p.637

۵۷۔ متی ۲۶ : ۳۶ - ۳۹' لوقا ۱۴ : ۳۲ - ۴۲

۵۸۔ متی ۲۶ : ۴۰ - ۴۵' لوقا ۲۲ : ۳۹ - ۴۶

اسی اثناء میں ان کا غدار شاگرد یہوداہ' یہودی مذہبی رہنماؤں کے فرستادوں اور سپاہیوں کو لے کر آیا اور انہیں گرفتار کروا دیا ۔اس پر "سب شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے ۔" (۵۹)

گرفتاری کے بعد مسیح کو الگ الگ مذہبی رہنماؤں (۶۰) اور پھر ان کی نمائندہ مجلس (۶۱) (Sanhedrin) کے سامنے پیش کیا گیا- جیسا کہ اوپر بیان ہوا' مذہبی رہنما تو پہلے ہی مسیح کے خلاف تھے' مگر مسیح نے بھی ان کے سوالات کے جواب بے پروائی سے دیئے۔ (۶۲) اور مذہبی رہنماؤں نے آپ کو سزائے موت دلوانے کے لئے رومی حاکم پنطیس پلاطس کے حوالے کر دیا۔ (۶۳) کیونکہ (جیسا کہ انہوں نے کہا) وہ خود کسی کو موت کی سزا نہیں دے سکتے تھے۔ (۶۴) رومی حاکم سزا دینے میں متامل تھا' کیونکہ اسے معلوم تھا کہ انہوں نے اس کو حسد سے پکڑوایا ہے۔ (۶۵) مگر اسے بھڑکانے کے لئے مذہبی رہنماؤں نے حضرت عیسیٰؑ پر الزام لگایا کہ وہ لوگوں کو سرکاری ٹیکس دینے سے منع کرتے' اور خود کو بادشاہ قرار دیتے ہیں۔ (۶۶) پیلاطس نے اب بھی معاملہ کو ٹالنا چاہا' اور یہ جان کر کہ مسیح گلیل کے علاقہ سے ہیں' انہیں وہاں کے حاکم ہیرودیس کے پاس بھیجا۔ (۶۷) ہیرودیس اور اس کے سپاہیوں نے آپ سے بدسلوکی کی' مگر سزا کے لئے دوبارہ پیلاطس کی طرف بھیج دیا۔ (۶۸)

۵۹۔ متی ۲۶ : ۴۷ - ۵۶ ' لوقا ۲۲ : ۵۴

۶۰۔ یوحنا ۱۸ : ۱۳ ' ۱۸ : ۲۴ ' لوقا ۲۲ : ۵۴

۶۱۔ لوقا ۲۲ : ۶۶

۶۲۔ لوقا ۴۲ : ۷۰ ' یوحنا ۱۸ : ۲۰ - ۲۱ ' متی ۲۶ : ۶۲ - ۶۳

۶۳۔ متی ۲۷ : ۲

۶۴۔ یوحنا ۱۸ : ۱۳

۶۵۔ متی ۲۷ : ۱۸

۶۶۔ لوقا ۲۳ : ۲

۶۷۔ لوقا ۲۳ : ۶-۷

۶۸۔ لوقا ۲۳ : ۱۱

پنطیس پیلاطس کا اب بھی یہی کہنا تھا کہ مسیح قصور وار ثابت نہیں ہوئے'[۶۹] اور موت کی سزا کے مستحق تو بالکل نہیں ہیں۔[۷۰] مگر لوگ مسیح کو سزا دلوانے پر مصر رہے اور انہوں نے پنطیس کی اس تجویز کو بھی قبول نہیں کیا کہ عید فصح کے احترام میں کسی قیدی کو چھوڑنے کے دستور کے مطابق مسیح کو چھوڑ دیا جائے۔[۷۱] حتیٰ کہ انہوں نے ایک قاتل اور باغی براباّ(Barabba) کا عید کی خوشی میں چھوڑنا منظور کر لیا' مگر مسیح کو چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے۔[۷۲]

بالآخر پیلاطس نے مسیح کو صلیب دینے کے لئے سپاہیوں کے حوالہ کر دیا۔[۷۳] چنانچہ آپ کو گلگتا(Golgotha)— لفظی معنیٰ: کھوپڑی کی جگہ۔ لے جایا گیا اور بقول اناجیل' طرح طرح کی اذیتیں اور طعنے دے کر مصلوب کر دیا گیا۔[۷۴] اور انہوں نے بڑی آواز سے چلاتے ہوئے "او میرے خدا' میرے خدا' تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا" کہتے ہوئے جان دے دی۔[۷۵]

قرآن مجید نے مسیح کو صلیب دیئے جانے کی سختی سے تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ "اور انہوں نے اسے (مسیح کو) نہ قتل کیا اور نہ سولی دی بلکہ انہیں شبہ میں ڈالا گیا۔"[۷۶] نیز فرمایا ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ "بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا۔"[۷۷]

۶۹۔ لوقا ۲۳ : ۱۴

۷۰۔ لوقا ۲۳ : ۱۵

۷۱۔ یوحنا ۱۸ : ۳۹ - ۴۰

۷۲۔ لوقا ۲۳ : ۱۸ - ۱۹ ' یوحنا ۱۸ : ۴۰

۷۳۔ لوقا ۲۳ : ۲۵ ' متی ۲۷ : ۲۶

۷۴۔ متی ۲۷ : ۳۲ - ۴۴ ' مرقس ۱۵ : ۱۶ - ۲۶ ' لوقا ۲۳ : ۲۶ - ۳۸ ' یوحنا ۱۹ : ۱ - ۲۴

۷۵۔ متی ۲۷ : ۴۶ ' مرقس ۱۵ : ۳۴

۷۶۔ القرآن ۴ : ۱۵۸

۷۷۔ القرآن ۴ : ۱۵۸

اناجیل اور عیسائی روایات کے مطابق بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوپر آسمان پر اٹھائے گئے۔[۷۸] مگر سولی پانے' ایک باغ یا چٹان میں بنی ہوئی قبر میں رکھے جانے' اور دوبارہ زندہ ہو جانے کے بعد۔[۷۹] بہرحال' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مبینہ طور پر مصلوب ہونے اور پھر جی اٹھنے کی حقیقت پر ان شاء اللہ ایک آئندہ باب میں روشنی ڈالی جائے گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم

آئندہ ابواب میں مروجہ عیسائی نظریات و عقائد (جن کا خاکہ باب اول میں پیش کیا گیا تھا) کا مفصل تجزیہ کیا جائے گا' اور ہم دیکھیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیم سے ان کا تعلق کس قدر برائے نام ہے۔ اس وقت بڑے اختصار کے ساتھ یہ بتانا مقصود ہے کہ عیسیٰؑ کی بنیادی تعلیمات کیا تھیں' اور موجودہ عیسائی عقائد کے پیش نظر انہیں مروجہ عیسائیت کا بانی قرار دینا کہاں تک درست ہے؟

اللہ کے سارے سچے انبیاء کی طرح[۸۰] حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی توحید کی تعلیم دی۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیائے بنی اسرائیل کی تعلیمات کی تصدیق کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے سارے احکام میں اولین حکم یہ ہے:

"اے اسرائیل سن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔"[۸۱]

اور یہ بھی فرمایا:

"تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔"[۸۲]

۷۸۔ یوحنا ۲۰ : ۱۷

۷۹۔ یوحنا ۱۹ : ۴۱ - ۴۲' لوقا ۲۳ : ۵۳ وما بعد' مرقس ۱۵ : ۴۶ - ۴۷' ۱۶ : ۱ - ۸
متی ۲۷ : ۵۷ - ۶۰' ۲۸ : ۱ - ۷

۸۰۔ القرآن ۲۱ : ۲۵

۸۱۔ مرقس ۱۲ : ۲۸ - ۲۹

۸۲۔ متی ۴ : ۱۰

قرآن نے اصل انجیل کی اس بنیادی تعلیم کی تصدیق کرتے ہوئے بیان کیا :

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾ (۸۳)

"ان لوگوں نے بلا شبہ کفر کا ارتکاب کیا جنھوں نے یہ کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے۔ حالانکہ مسیح نے کہا تھا اے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو۔ وہی میرا اور تمہارا رب ہے۔ بے شک جو اللہ سے شرک کرے تو اللہ نے اس کے لئے جنت حرام کردی ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔"

نیز فرمایا:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ (۸۴)

"بلا شبہ وہ لوگ کافر ہیں جنھوں نے کہا اللہ تین میں سے ایک ہے۔ حالانکہ کوئی معبود نہیں مگر (وہی) اکیلا معبود۔"

توحید خالص کی اس تعلیم کو عیسائیت کے تینوں مروجہ بنیادی عقائد نے (باب اول ملاحظ فرمائیں) تثلیث میں بدل دیا۔ تثلیث کا یہ نظریہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا ان کے قریبی ساتھیوں کی طرف سے نہیں آیا' بلکہ بہت بعد کے زمانہ کی پیداوار ہے۔ چنانچہ عیسائیوں کی مستند کتاب "نیو کیتھولک انسائیکلوپیڈیا" میں ہے:

The formulation "one God in three persons" was not solidly established, certainly not fully assimilated, into Christian life and its profession of faith, prior to the end of the 4th century.

۸۳۔ القرآن ۵ : ۷۲

۸۴۔ ایضاً ۵ : ۷۳

"ایک خدا اور تین اقنوم کا قاعدہ' چوتھی صدی کے اختتام سے قبل تک عیسائی زندگی اور اس کے اقرار ایمان میں مضبوطی سے قائم شدہ اور پورے طور پر شامل نہیں تھا۔"[85]

عقیدہ توحید پر زور دینے کے علاوہ باقی انبیاء کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عقیدہ آخرت پر بھی زور دیا۔ جیسا کہ اس باب کے شروع میں بتایا گیا ہے' آپ کی آمد کے وقت یہودی ایک نجات دہندہ رہنما اور بادشاہ کے منتظر تھے۔ مگر آپ نے اپنی تعلیم میں زمینی بادشاہی کی بجائے "خدا کی بادشاہی"[86] اور "آسمان کی بادشاہی"[87] پر زور دیا' اور بہت سی تمثیلوں سے سمجھایا کہ آخرت میں "بہتر کٹائی" کے لئے "اچھا بیج" بونا اور 'کڑوے دانوں' کو الگ کرنا ضروری ہے۔[88] وہ ایسا خزانہ ہے جسے "سب کچھ بیچ کر" مول لے لینا بھی گھاٹے کا سودا نہیں'[89] اس لئے ہمیں دنیا کی تلاش کی بجائے "خدا کی بادشاہی" یعنی آخرت کی تلاش میں لگے رہنا چاہیے' اور "آسمان پر ایسا خزانہ جو خالی نہیں ہو گا" جمع کرنا چاہیے۔[90] جب "آسمان کی بادشاہی" آئے گی تو "اچھی اور خراب مچھلیاں" الگ الگ کی جائیں گی۔ یعنی "فرشتے نکلیں گے اور شریروں کو راستبازوں سے جدا کریں گے' اور ان کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے۔ وہاں رونا اور دانت پیسنا ہو گا۔"[91]

اس بادشاہی کو حاصل کرنے اور اس میں کامیابی پانے کے لئے عیسیٰؑ نے توبہ کی

---

85. The New Catholic Encyclopaedia, 1967, vol, 14, p. 299.

۸۶۔ مرقس ۱ : ۱۵' لوقا ۱۳ : ۱۵

۸۷۔ متی ۵ : ۳' ۲۵ : ۱' وغیرہ

۸۸۔ متی ۱۳ : ۲۴ وما بعد۔

۸۹۔ متی ۱۳ : ۴۵ - ۴۶

۹۰۔ لوقا ۱۲ : ۲۲ - ۳۴' متی ۶ : ۱۹ - ۲۱

۹۱۔ متی ۱۳ : ۴۷ - ۵۰

تصور آخرت کے مزید بیان کے لیے متی باب ۲۴ و ۲۵ ملاحظہ فرمائیں۔

ضرورت و فضیلت'[92] اور ظاہر پرستی کی بجائے روحانی اصلاح' پاک دلی' راستبازی' نیکی' رحم دلی' حلیمی' فروتنی وغیرہ حقیقی اخلاقی خوبیوں کی تعلیم دی۔[93] انہوں نے انصاف اور خدا کی محبت کا درس دیا[94] اور ریاکاری سے بچنے کی تلقین کی۔[95]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیم سے مروجہ عیسائی عقائد و نظریات میں سے ہر ایک کا بعد و فرق تفصیلی طور پر اس باب میں بیان کرنا مقصود نہیں۔ان نظریات پر فرداً فرداً بحث آئندہ ابواب میں آئے گی۔ تاہم یہاں ہم یہ کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ جس طرح عیسیٰؑ کے بعد ان کے دیئے ہوئے توحید کے درس کو تبدیل کیا گیا' اسی طرح ان کی آخرت اور اخلاقیات کی تعلیم کو پس پشت ڈال کر ازلی گناہ اور کفارہ کے عقائد وضع کئے گئے۔حالانکہ ان عقائد کو ان کی اپنی تعلیم تو درکنار' ان کے بعد بھی ایک طویل عرصہ تک ابتدائی زمانہ کے عیسائیوں کے نظریات میں کوئی مقام حاصل نہ تھا۔[96] چنانچہ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں ہے :

It is remarkable that in the earliest centuries of Christian thought, there is only the most slender support for theories of the atonement which became widely current at a later time. The early fathers did not regard the sufferings of Christ as a vicarious satisfaction of God's wrath, where he underwent punishment done to us and his obedience is imputed to us.

۹۲۔ لوقا باب ۱۵' آیات ۳ تا ۳۲ میں توبہ کی خدا کے ہاں قیمت اور فضیلت کے بارے میں تین خوبصورت تمثیلیں موجود ہیں۔

۹۳۔ اس سلسلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مشہور "پہاڑی کا وعظ" ملاحظہ ہو: متی' باب ۵ تا ۷' لوقا ۶ : ۲۰ - ۴۲' نیز متی' باب ۱۸۔

۹۴۔ لوقا ۱۱ : ۴۲

۹۵۔ متی' باب ۲۳

۹۶۔ ملاحظہ فرمایئے باب اول: رسولی اور اتھناسیسی عقیدے۔

"یہ بات قابل ذکر ہے کہ مسیحی فکر کی ابتدائی صدیوں میں کفارہ کے ان نظریات کی تصدیق نہ ہونے کے برابر ہے جو بعد میں عام رواج پا گئے۔ ابتدائی زمانہ کے آبائے کلیسیا' مسیح کی تکالیف (اور صلیب) کو خدا کے غضب کے بالواسطہ طور پر ٹھنڈا کرنے کا ذریعہ نہیں گردانتے تھے (اور نہ یہ سمجھتے تھے) کہ مسیح کو ہماری وجہ سے سزا ملی۔ اور (نہ یہ کہ اس سلسلہ میں) ان کی اطاعت گزاری کی نسبت بھی ہماری طرف کی جانی چاہیے۔"(۹۷)

یعنی ان کا عقیدہ یہ نہیں تھا کہ مسیح نے ہمارے گناہوں کی سزا بھگت لی' اور ان کی اطاعت نے ہماری طرف سے اطاعت کا حق ادا کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ مسیح کی تعلیم و تبلیغ کا مقصد وحید بنی اسرائیل کی اصلاح تھا۔(۹۸) اس کے لئے انہوں نے نہ الگ مذہب و شریعت رائج کی'(۹۹) اور نہ الگ ہیکل و کلیسا قائم کیا۔ بلکہ وہ عام یہودی عبادت گاہوں ہی میں اور عام طریقہ سے عبادت و دعا کرتے رہے۔(۱۰۰) حتیٰ کہ ان کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی ان کے حواریوں کا عبادت کے لئے عام یہودی عبادت گاہوں میں جانا ثابت ہے' مثلاً پطرس اور یوحنا کا دعا کے لئے ہیکل میں جانا۔(۱۰۱) اس طرح ان کی بالکل یہ کوشش نہ تھی کہ وہ یہودی مذہب سے الگ ایک نئے اور مختلف مذہب کی بنیاد رکھیں۔(۱۰۲) اس سلسلہ میں انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کا

---

97. Encyclo.Brit. (1962), 5:634

۹۸۔ متی ۱۰ : ۶

۹۹۔ متی ۵ : ۱۷ - ۱۹

۱۰۰۔ مرقس ۱۱ : ۱۵ - ۱۷' لوقا ۶ : ۱۲

۱۰۱۔ رسولوں کے اعمال' ۳ : ۱ ۱۵ - ۱۷- نیز دیکھئے :

Will Durant: The Story of Civilisation, New York, 1972, vol.3, p.575.

۱۰۲۔ اعمال ۱۵ : ۵' ۲۱ : ۱۷ - ۲۶

بیان ملاحظہ فرمائیں:

The life of the early Jewish disciples, so far as can be judged from our very meagre resources, was very much the same as their fellows. They continued faithful to the established synagogue and temple worship, and did not think of founding a new sect or seperating from the household of Israel.

"(حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے) ابتدائی یہودی مریدین---جہاں تک ہمارے پاس موجود (معلومات کے) قلیل وسائل سے اندازہ کیا جاسکتا ہے---کی زندگی بہت حد تک اپنے باقی (یہودی) ساتھیوں سے مشابہ تھی-وہ بدستور' قائم شدہ ہیکل کے وفادار اور یہودی عبادت گاہ میں عبادت کے پابند تھے' اور انہوں نے ایک نئے فرقہ کی بنیاد رکھنے یا بنی اسرائیل کے گھرانہ سے علیحدگی کے بارے میں سوچا تک نہیں-"(۱۰۳)

اس سلسلہ میں اس مستند انسائیکلوپیڈیا کا ایک اور تبصرہ بھی قابل ذکر ہے- عیسیٰؑ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اور پولسی تحریفات سے قبل کے عیسائیوں کے حالات لکھتے ہوئے اس انسائیکلوپیڈیا کے ایک فاضل مقالہ نگار لکھتے ہیں:

Within Judaism a new sect appeared, followers of Jesus of Nazareth, whom they affirmed to be Messiah and themselves to be the new and true Israel of God.

"یہودیت کے اندر ہی (گویا) ایک نیا فرقہ ظاہر ہو گیا تھا-یہ لوگ یسوع ناصری کے پیروکار تھے' جسے وہ مسیح تسلیم کرتے اور خود کو نئے اور سچے (خدا کے منتخب) اسرائیلی قرار دیتے-"(۱۰۴)

103. Encyclo. Brit. (1962), 5:676.
104. Encyclo. Brit. (1973), 17:470.

اسی طرح رینان(Renan)' جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشہور ترین سوانح نگاروں میں سے ایک ہے' لکھتا ہے:

The faithful of Jesus observed all the Jewish customs, praying at the appointed hours, and observing all the precepts of the Law. They were Jews, only differing from others in their belief that the Messiah had already come.

"یسوع کے مخلص پیروکار سارے یہودی رسوم ورواج کے پابند تھے - وہ (یہود کے) مقررہ اوقات پر عبادت کرتے اور (یہودی) شریعت کے سب احکام کی پیروی کرتے - وہ (مکمل طور پر) یہودی تھے' دوسرے یہودیوں سے صرف اس فرق کے ساتھ کہ ان کا ایمان تھا کہ مسیح (منتظر و موعود) آچکا ہے-"(۱۰۵) جرمن فاضل ہارنیک نے بھی اپنی مبسوط "تاریخ العقیدہ" میں بالکل اسی رائے کا اظہار کیا ہے-(۱۰۶)

بعد کے زمانہ کے اور موجودہ عیسائی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ظاہری نسبت کے باوجود ان کے بتائے ہوئے اور ان کے حواریوں کے اپنائے ہوئے دین سے کس قدر دور جا چکے ہیں' اس کا اندازہ دو عیسائی فاضلین کے اس تبصرہ سے ہوتا ہے:

All Christians claim that their beliefs stem from something that Jesus said or did, even though Christians of all sects believe many things of which Jesus himself never heard or spoke.

"تمام عیسائیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کے عقائد کی بنیاد یسوع کے کسی نہ کسی قول

105. Ernest Renan: Life of Jesus (English Translation), London, 1875.

106. Adolf Harnack : History of Dogma, vol. 1, p.78.

یا فعل پر ہے' حالانکہ سبھی فرقوں سے تعلق رکھنے والے عیسائی بہت سی ایسی چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں جن کے بارے میں یسوع نے نہ کبھی کچھ سنا تھا نہ کہا تھا۔"(۱۰۷)

ایک اور مسیحی فاضل کے الفاظ ہیں:

There is a great difference ..... between the Christian religion and Christ's religion, between the structure of dogma erected by Greak philosophy on a Jewish soil, and the faith held by Christ himself.

"مسیحی مذہب اور مسیح کے مذہب میں عظیم فرق ہے-(اول الذکر) عقائد کا ایک مجموعہ ہے جو یونانی فلسفہ نے یہودی بنیادوں پر تعمیر کیا- جبکہ (دوسرا) وہ (سادہ) عقیدہ ہے جو مسیح خود رکھتے تھے-" (۱۰۸)

مسیحیت اور بائبل کے ایک اور فاضل محقق ہیوشون فیلڈ (Dr. Hugh Schonfield) نے بھی خوب کہا ہے:

Christianity today is about as far from the teachings of Jesus as from those of Hinduism.

"موجودہ عیسائیت' عیسیٰؑ کی تعلیمات سے تقریباً اتنی ہی دور ہے جتنی کہ وہ ہندومت کی تعلیمات سے دور ہے-" (۱۰۹)

107. Floyd H. Ross and Tynette Hills: Great Religions By Which Men Live, New York, 1966, p.139.

108. Adolf Harnack: Christianity And History, Introductory Note to the English Translation by Bally Saunders (London, 1912), p.15.

109. The Daily "Today", London, March 28, 1986, p.14.

اور اس لحاظ سے فلسفہ و تاریخ کے نامور فاضل ول ڈیورنٹ کا یہ موزوں جملہ بھی مبنی بر حقیقت ہے کہ:

Christianity did not destroy paganism, it adopted it.

"(مروجہ) عیسائیت نے قدیم مشرکانہ مذاہب کو ختم نہیں کیا' بلکہ انہیں اپنے اندر سمو لیا ہے۔" (۱۱۰)

110. Will Durant: op. cit., vol.3, p.595.

باب سوم

عیسائیت کا اصل بانی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیم سے "عیسائیت" کا بعد اور فرق جس کی نشاندہی گذشتہ باب میں کی گئی ہے' ایک تدریجی عمل تھا۔اور مروجہ عیسائی عقائد و نظریات کی اس تدریجی ترقی (یا تنزل) کا جائزہ آئندہ باب میں پیش کیا جائے گا۔ مگر اس تبدیلی اور تنزل کی ابتداء ایک مخصوص شخصیت کے ہاتھوں ہوئی' جسے تاریخ عیسائیت پولس (St. Paul) کے نام سے یاد کرتی ہے۔ مذاہب عالم کے مذکورہ مؤرخین فلائڈ راس (Floyd Ross) اور مسز ہلز (Mrs.Tynette Hills) لکھتے ہیں:

> Of all the people associated with the beginnings of Christianity, Paul was the most responsible for the turn its beliefs took. He added a new note that determined its future course.
>
> "ان سب لوگوں میں جن سے عیسائیت کی ابتداء وابستہ ہے' پولس اس تبدیلی کے لئے سب سے زیادہ ذمہ دار تھا جو اس کے عقائد میں آئی۔اس نے (ان عقائد میں) ایک نئی طرح ڈالی جس نے اس کے (عیسائیت کے) مستقبل کی راہیں متعین کیں۔" (1)

پولس نے جو نئی اپج نکالی' اس کی بنیاد نہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم پر تھی اور نہ ان کے حواریوں کے نظریات پر۔ زیورچ یونیورسٹی کے فاضل عیسائی محقق پروفیسر

1. Floyd. H.Ross and Tynette Hills : op.cit., p.137.

آرنلڈ میئر (Arnold Meyer) کہتے ہیں:

As one asks: Whence did St. Paul derive his teaching? The simplest answer would seem to be: By tradition from Jesus through the instrumentality of the original apostles. But the answer given by St. Paul himself is quite different: 'I recieved my Gospel not from men, but by a revelation of Jesus Christ. This means that all dependence upon any human tradition, even that of the primitive apostles, is denied.

"اگر کوئی سوال کرے کہ پولس نے جو تعلیم دی اسے اس نے کہاں سے اخذ کیا؟ تو اس کا سیدھا سادا جواب تو یہ ہونا چاہیے تھا: ان روایات سے جو اسے اصل حواریوں کے ذریعہ پہنچی تھیں- مگر جو جواب خود پولس نے دیا ہے' وہ بالکل مختلف ہے- (وہ کہتا ہے) میں نے اپنی انجیل انسانوں سے نہیں بلکہ یسوع مسیح کے مکاشفہ سے حاصل کی ہے- اس کا مطلب (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے) ابتدائی حواریوں کی روایات سمیت تمام انسانی روایات کا کلی انکار ہے-" (۲)

فاضل مذکور نے پولس کے جس قول کی طرف اوپر اشارہ کیا ہے' وہ پولس کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:

"اے بھائیو! میں تمہیں جتائے دیتا ہوں کہ جو خوشخبری میں نے سنائی وہ انسان کی سی نہیں- کیونکہ وہ انسان کی طرف سے نہیں پہنچی اور نہ مجھے سکھائی گئی' بلکہ یسوعؑ مسیح کی طرف سے مجھے اس کا مکاشفہ ہوا-" (۳)

2. Arnold Meyer: "Jesus or Paul?", English Translation by J.Wilkinton, London and New York, 1909, p.40.

۳- انجیل' گلتیوں کے نام پولس کا خط' ۱: ۱۱-۱۲

اس طرح اپنے مکاشفہ یا مکاشفات کو (جن پر ہم عنقریب بحث کریں گے۔) بنیاد بنا کر پولس نے دراصل یونانی فلسفہ و مذہب کی مشرکانہ توہم پرستیوں اور موشگافیوں کو عیسائیت میں داخل کر دیا۔ عیسائی محققین نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ پولس نے (Owed much to Greek philosophy and thought) یونانی فلسفہ وافکار سے بڑی خوشہ چینی کی۔" [۴] اور

There are traces of this (Greek philosophy and Platonism) in the epistles of St. Paul.

"مقدس پولس کے خطوط میں اس (یونانی فلسفہ بالخصوص افلاطونیت) کے واضح اثرات ہیں۔" [۵]

پولس کے حالات

یہ پولس کون تھا جس نے عیسائیت کے نام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین سے مختلف ایک دین کی بنیاد رکھی؟ اگرچہ اس کی زندگی اور کام کے بارے میں ملنے والی بہت سی تفصیلات غیر یقینی ہیں، [۶] تاہم جو معلومات ملتی ہیں ان کی روشنی میں ہم اس کا ایک خاکہ بنا سکتے ہیں۔

پولس کا اصل عبرانی نام ساؤل یا شاؤل تھا، جس کے لفظی معنی "خدا سے مانگا ہوا" ہیں۔ [۷] پولس اس کا رومی نام تھا، اور اس کا مطلب کوتاہ قد (small of stature) ہے۔ [۸] وہ یہودی النسل [۹] ہونے کے لحاظ سے رومیوں کی غلام قوم سے تعلق رکھتا تھا، مگر اسے سلطنت رومہ کے مکمل شہری حقوق حاصل تھے، جن سے اس نے اپنی تبلیغ کے دوران خوب فائدہ اٹھایا

4. Hastings: Dictionary of the Bible (5 vols), Clark, London, 5 : 150.

5. Hammerton: Universal History of the World, vol.4, p.2330.

6. W.M. Ramsay: Saint Paul The Traveller, London, 1907, p.30.

۷۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (1973)، ۱۷ : ۴۶۹، قاموس الکتاب، ص۔ ۲۰۰

8. Hastings' Dictionary of the Bible, 1903, p.687.

۹۔ رومیوں کے نام پولس کا خط، ۱۱ : ۱ فلپیوں کے نام خط، ۳ : ۵

اور اس کے دوران اس نے اپنے رومی نام ہی کو استعمال کیا۔ (۱۰) چنانچہ انجیل کی کتاب "رسولوں کے اعمال" میں باب ۱۳ آیت ۹ کے بعد اس کا یہی نام مذکور ہے۔

ابتداء میں 'کٹر یہودی ہونے کے ناطے سے' پولس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معتقدین کو گمراہ سمجھتا تھا' اور ان پر باقی یہودیوں کی طرف سے روا رکھے جانے والے ظلم وستم میں شریک ہوتا تھا۔ وہ گھر گھر گھس کر مردوں اور عورتوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر قید کرواتا تھا۔ (۱۱) یہاں ایک مرتبہ پھر اس بات کو واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ اس زمانہ کے عیسائیوں سے پولس کی مخالفت اس وجہ سے نہ تھی کہ وہ انہیں ایک نئے مذہب کا پیروکار سمجھتا تھا۔ بلکہ اپنے ایک فاضل جرمن سوانح نگار کے الفاظ میں اسے معلوم تھا کہ:

Jesus himself established no new cult

"خود یسوع نے کسی نئے مذہب کی بنیاد نہیں رکھی۔" (۱۲)

اس کا اختلاف اسی وجہ سے تھا جو گذشتہ باب کے آخر میں بیان ہوئی' یعنی عیسائیوں کا عیسیٰؑ کو اسرائیل کا مسیح موعود قرار دینا۔

He attacked Christians not so much for being Christians, as for being bad Jews.

"عیسائیوں پر اس کی یورش کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ عیسائی ہیں' بلکہ یہ کہ وہ برے یہودی ہیں۔" (۱۳)

اسی سلسلہ میں اس نے یروشلم کے یہودی مذہبی رہنماؤں (سردار کاہنوں) سے

۱۰۔ قاموس الکتاب' ص۔ ۲۰۰

۱۱۔ انجیل: "رسولوں کے اعمال" ۷ : ۵۸ ' ۸ : ۱ ' ۲۶ : ۹ - ۱۲ ' ۸ : ۳

12. Adolf Deisman: Paul —A Study in Social and Religious History (English Translation by W.E. Wilson), London, 1926. p.123.

13. J.A.Ziesler : Pauline Christianity, New York, 1983, p.24.- Also see : Encylo. Brit. (1973), 17 : 470.

دمشق جا کر چیدہ چیدہ عیسائیوں کو گرفتار کر کے لانے کا اجازت نامہ حاصل کیا[14] مگر دمشق کے راستہ میں اس کے بقول اس نے ایک نور دیکھا' جس سے آواز آئی: "اے ساؤل! اے ساؤل' تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟" پھر کہا گیا: "میں یسوع ہوں جسے تو ستاتا ہے-" اور اسے "گواہ" مقرر کیا گیا-[15] خیال رہے کہ یہ آواز پولس کے ہم سفر ساتھیوں نے نہیں سنی مگر وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ انہوں نے نور کو دیکھا-[16] (ان دعووں میں مضمر تضاد پر تبصرہ آٹھویں باب میں کیا جائے گا)-

عیسائی مذہبی ادب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے ساتھ پولس کو بھی "رسول" کا لقب دیا گیا ہے[17] تاہم جس لفظ کا یہ ترجمہ ہے اس کا اصل مفہوم نمائندہ (Delegate) ہے نہ کہ پیغامبر (Messenger)-[18] مگر یہ واضح رہے کہ پولس ان "رسولوں" یا حواریوں میں شامل نہ تھا جنہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی میں مقرر کیا تھا[19] بلکہ وہ تو "رسول" ہونے کے اس معیار پر بھی پورا نہ اترتا تھا جو یہوداا سکریوتی کی غداری کے بعد حواریوں نے اپنی بارہ کی تعداد پوری کرنے کے لئے بنایا تھا' یعنی مسیح کی پوری دنیاوی زندگی میں ان کا ساتھی ہونا-[20] مگر اپنے مذکورہ بالا "مکاشفہ" کے بعد وہ خود ہی "رسول" بن بیٹھا-[21] بلکہ اس نے پہلے "رسولوں" کو اتنی اہمیت بھی نہ دی کہ وہ کچھ سیکھنے' سمجھنے کے لئے ان کے پاس جائے- اس کی بجائے وہ مذکورہ واقعہ کے فوراً بعد عرب کو چلا

۱۴۔ اعمال ۹ : ۲ ' ۲۲ : ۵ ' ۲٦ : ۱۲

۱۵۔ اعمال ۹ : ۳ - ۹ ' ۲۲ : ٦ - ۱۰ ' ۲٦ : ۱۳ - ۱۹

۱٦۔ اعمال ۹ : ۷ ' ۲۲ : ۹

17,18. Hastings' Dictionary of the Bible, 1909, p.44

۱۹۔ متی ۱۰ : ۲ - ۴ ' مرقس ۳ : ۱٦ - ۱۹ ' لوقا ٦ : ۱۳ - ۱٦

۲۰۔ اعمال ۱ : ۲۱ - ۲۲

۲۱۔ رومیوں کے نام خط' ۱ : ۱' کرنتھیوں کے نام خط ۱:۱ ' گلتیوں کے نام خط' ۱ : ۱' وغیرہ-

گیا۔(۲۲) حتی کہ بعض "رسولوں" سے اس کی پہلی مختصر ملاقات اس واقعہ کے تین برس بعد ہوئی۔(۲۳) چنانچہ وہ صاف کہتا ہے کہ "ان سے جو کچھ سمجھے جاتے تھے مجھے کچھ حاصل نہ ہوا" اور "نہ میں نے گوشت اور خون سے صلاح لی اور نہ یروشلم میں ان کے پاس گیا جو مجھ سے پہلے رسول تھے۔"(۲۴) اسی لئے شروع میں اس کی "رسالت" کا شدید انکار ہوا۔ چنانچہ قاموس مذہب و اخلاقیات میں ہے:

They denied his apostleship, which it is true, rested on no formal nomination by other apostles.

"لوگوں نے اس کی رسالت کا انکار کیا۔اور یہ حقیقت ہے کہ اس کی رسالت (دستور کے مطابق) باقی رسولوں کی طرف سے نامزدگی پر مبنی نہیں تھی۔"(۲۵)

ہیسٹنگز (Hastings) نے بھی لکھا ہے:

His Apostolic title was bitterly contested.

"اس کے رسالت کے منصب کی سختی سے مخالفت کی گئی۔" (۲۶)

باقی "رسول" بھی اسے قبول کرنے سے بہت ہچکچاتے تھے۔مگر برنباس کی سفارش پر، جسے وہ اپنا مخلص ساتھی گردانتے تھے،(۲۷) انہوں نے اسے اپنے ساتھ آنے جانے کی

۲۲۔ گلتیوں ۱ : ۱۷

عرب سے مراد غالباً جزیرہ نمائے سینائی (Sinaitic Peninsula) ہے۔

دیکھئے: "لغات بائبل از ہیسٹنگز" مطبوعہ ۱۹۰۹، ص - ۶۸۷

۲۳۔ گلتیوں ۱ : ۱۸ - ۱۹

۲۴۔ گلتیوں ۲ : ۶، ۱ : ۱۶ - ۱۷

25. Encyclopaedia of Religion and Ethics, Edinburgh, 1917, vol, 9, p.690.

26. J. Hastings : Dictionary of the Bible, 1909, p.44.

۲۷۔ اعمال ۴ : ۳۶ - ۳۷

نیز دیکھئے اعمال ۹ : ۲۶ - ۲۷

اجازت دے دی۔[۲۸] تاہم اس نے اپنی "انجیل" یا "خوشخبری" کی بنیاد ان کی تعلیم پر نہیں، بلکہ اپنے مکاشفات پر رکھی۔[۲۹] یاد رہے اس نے اپنے پہلے "مکاشفہ" کے بعد اپنے ہر قول کو دین کی بنیاد بنانے کا دروازہ یہ کہہ کر کھول لیا تھا کہ مسیح آئندہ بھی اس پر ظاہر ہوا کریں گے۔[۳۰]

پولس کے مکاشفات

جہاں تک پولس کے پہلے "مکاشفہ" اور اس کے نتیجہ میں اس کے نظریات میں تبدیلی کا تعلق ہے، اس کے بارے میں عام عیسائیوں میں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ یہ واقعہ حقیقی تھا، اور اچانک رونما ہوا۔ مگر محققین نے واضح کیا ہے کہ اس کی نظریاتی تبدیلی اتنی اچانک بھی نہ تھی۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں لکھا ہے:

> What appears to be a sudden conversion had no doubt been the last stage of a long preparatory process.
>
> "جو چیز بظاہر اچانک تبدیلیٔ عقائد معلوم ہوتی ہے، وہ بلاشبہ ایک طویل تمہیدی عمل کا آخری مرحلہ تھی۔"[۳۱]

اس سلسلہ میں انسائیکلوپیڈیا مذکور اور پولس کے سوانح نگار ڈیوڈ سمتھ (David Smith) نے بعض عوامل کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً اس کے مظالم پر عیسائیوں (خصوصاً عیسائیت کے "شہید اول" سٹیفن) کے صبر واستقامت نے آہستہ آہستہ اس کی طبیعت پر اثر کیا تھا۔ نیز وہ یہودی شریعت کی سختیوں سے رہائی حاصل کرنے کے بارے میں سوچا کرتا

28. A.C.Macgiffert : A History of Christianity in the Apostolic Age, London 1897, p.425

۲۹۔ گلتیوں ۱ : ۱۲، ۲ تیمتھیس ۲ : ۸ – ۹

۳۰۔ اعمال ۲۶ : ۱۶

31. Encyclo. Brit (1973), 17 : 470.

تھا۔ (۳۲) پولس کے ایک اور مستند سوانح نگار نے بھی لکھا ہے:

His passionate desire was to keep the Law, but his desire outran his capacity. Paul found himself torn between the ideal and the actual.

"اس کی شدید خواہش تھی کہ شریعت پر عمل کر سکے۔ مگر اس کی صلاحیت عمل اس کی خواہش کا ساتھ نہ دیتی تھی۔ اس طرح پولس محسوس کرتا تھا کہ وہ تصور اور حقیقت کے درمیان پسا جا رہا ہے۔" (۳۳)

ان مکاشفوں کی حیثیت کیا تھی جس پر پولس نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی، اور اس کے ذریعہ یہودی شریعت کی سختیوں سے یکسر آزادی کی راہ خود بھی دیکھی اور دوسروں کو بھی دکھائی؟ اپنے پہلے اور بعد کے مکاشفوں کے بارے میں پولس نے لکھا ہے:

"اور مکاشفوں کی زیادتی کے باعث، میرے پھول جانے کے اندیشہ سے، میرے جسم میں کانٹا چبھویا گیا، یعنی شیطان کا قاصد، تاکہ وہ میرے مکے مارے اور میں پھول نہ جاؤں۔" (۳۴)

یعنی مکاشفوں کی زیادتی پر غرور سے بچانے کے لئے اس پر شیطان کا قاصد مسلط کیا گیا، جو اسے "مکے مارتا" اور اس کے جسم میں کانٹے چبھوتا۔ مگر کیا حقیقت یہ نہیں کہ "شیطان کا قاصد" ہی اس کے مکاشفوں کے لئے ذمہ دار تھا۔ بقول قرآن:

ان الشیطین لیوحون الی اولیئھم (۳۵)

"بے شک شیطان اپنے دوستوں کی طرف وحی کرتے ہیں۔"

32. Encyclo. Brit. (1973), 17:470;
Encyclo. Brit. (1962), 5:670 ;
David Smith: Life and Letters of
St. Paul, London, 1919, pp. 47, 49.

33. Encyclo. Brit (1973), 17:472.

۳۴۔ کرنتھیوں کے نام پولس کا دوسرا خط، ۱۲ : ۷

۳۵۔ القرآن ۶ : ۱۲۱

جسم کے جس "کانٹے" (thron in the flesh) کا پولس نے یہاں ذکر کیا ہے' اس کی تشریح میں انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں لکھا ہے:

Variously interpreted to mean epilepsy, malarial fever, erysipelas or ophthalmia, was certainly a recurring illness.

"اس کے مختلف مطالب بیان کئے گئے ہیں' مثلاً مرگی' ملیریا یا بخار' سرخ باد' یا آشوب چشم۔ (بہرحال) یہ یقینی طور پر اس کی بار بار عود کرنے والی بیماری تھی۔"(۳۶)

"قاموس الکتاب" کے فاضل مؤلف "امراض بائبل" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں: "امراض چشم" کے معالجہ کے ماہرین کا خیال ہے کہ پولس رسول کے "جسم کا کانٹا" تراقوما (آشوب چشم) کا مرض ہی تھا--- تراقوما کے مرض میں آنکھ کے ڈھیلے کے سامنے کی جھلی متورم ہو جاتی ہے۔ یہ نہایت تکلیف دہ مرض ہے۔ آنکھ میں خارش ہوتی ہے اور گاڑھی رطوبت نکلتی اور آنکھ کی پلکوں کے اردگرد جمع ہو جاتی ہے' اور سوکھ کر انہیں جوڑ دیتی ہے۔ ہم پڑھتے ہیں کہ پولس رسول دمشق کی راہ میں اندھا ہو گیا' اور حنیاہ کے اس پر ہاتھ رکھنے سے اس کی بینائی واپس آئی' اور اس کی آنکھ سے "چھلکے سے" گرے (اعمال ۹:۱۰ تا ۱۸)۔ پولس اپنے خط کسی دوسرے سے لکھواتا تھا' مثلاً رومیوں کے خط کا کاتب ترتیس تھا (۱۶:۲۲)۔ اور آداب وغیرہ پولس خود لکھتا تھا' پر آنکھ کی تکلیف کی وجہ سے موٹے حرفوں میں (۲۔ تھلنیکیوں ۳:۱۷' گلتیوں ۶:۱۱)---ایک مرتبہ پولس سردار کاہن کو پہچان نہ سکا تھا' جس کی اس نے معافی بھی مانگی تھی (اعمال ۲۳: ۴۔۵)۔ وہ غالباً سردار کاہن سے واقف تھا' لیکن نظر کی کمزوری کی وجہ سے اسے پہچان نہ سکا۔(۳۷)

36. Encyclo. Brit. (1973), 17 : 472.

۳۷۔ قاموس الکتاب' مطبوعہ لاہور' ص ۸۷ : ۸۸

مذکورہ کتاب میں تراقوما کو آشوب چشم کے مترادف قرار دیا گیا ہے' حالانکہ تراقوما سے مراد کُکرے ہیں۔[۳۸] بہر حال' پولس کو آشوب چشم (Ophthalmia) کا مرض بھی لاحق تھا' جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے مندرجہ بالا حوالہ میں مذکور ہے۔اس طرح کُکروں اور آشوب چشم کی ملی جلی تکلیف سے اس کی بینائی خاصی متاثر ہوئی تھی' جیسا کہ اس کے خط خود نہ لکھ سکنے اور معروف افراد کو پہچان نہ سکنے سے ظاہر ہے۔اس پر مستزاد مرگی کا مرض تھا جس کا دورہ ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیتا ہے' [۳۹] اور جس کے دوران بسااوقات مریض کو کچھ سننے' دیکھنے' سونگھنے یا چکھنے کا غلط اور فریب انگیز احساس (Hallucination) ہوتا ہے۔[۴۰] پھر اسے پولس کے ساتھیوں اور مختلف زمانوں میں اس کے نام لیواؤں کی زود اعتقادی اور سادہ لوحی ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے کمزور بینائی' مرگی اور فریب نظر کے اس مریض کے نام نہاد مکاشفات کو اپنے دین کی بنیاد سمجھ لیا۔اور اس کی اس بات پر یقین کر لیا کہ مسیح کی زندگی اور دعوت کا اصل "بھید" اسے "مکاشفہ سے معلوم ہوا" اور اس کا کلام "خدا کا کلام" ہے۔[۴۱] اس لحاظ سے پولس کے "مکاشفات" کو تاریخ مذاہب میں دین خالص اور صحیح عقیدہ پر شیطان کی عظیم ترین فتوحات میں سے ایک قرار دیا جا سکتا ہے۔

پولس کی تعلیم

مروجہ عیسائیت کے نظریات و عقائد' عیسیٰ ؑ کی تعلیمات سے کس قدر دور اور پولسی نظریات پر کس حد تک مبنی ہیں' ذیل میں اس کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ جیسا کہ گذشتہ باب میں بتایا گیا'

---

38. New Medical Dictionary by Dr.Masood Hafeez Rifaee, Lahore, p.20.

39. Dorland's Medical Dictionary (24th. Edition), p.501.

40. Medicine by G.E. Beaumont (8th. Edition), London, pp. 349-350.

۴۱۔ پولس کا افسیون کے نام خط' ۳ : ۳ - ۴' تھسلنیکیوں کے نام پہلا خط' ۲ : ۱۳

انہوں نے عقیدہ توحید' عقیدہ آخرت' عملی و اخلاقی اصلاح' حلیمی اور نرم دلی پر زور دیا تھا۔ اس کے برعکس پولس نے ان کی الوہیت و ابنیت' کفارہ' اور یہودی شریعت کی عملاً منسوخی کے جراثیم عیسائی عقائد و نظریات میں داخل کیے۔ یہ کام اس نے نہ صرف اپنی زبانی تبلیغ سے کیا بلکہ مختلف کلیساؤں اور مختلف شہروں کے عیسائیوں کو اس نے تبلیغی خطوط لکھ کر ان نظریات کی اشاعت کی۔ بعد میں یہ خطوط بائبل کا حصہ بنا دیئے گئے۔ کلیسیا نے اپنے نظریات کی بنیاد ان پر رکھی' اور انہیں "مسیحی علم الٰہی کی جان" کہا گیا۔(۴۲) پولس نے مسیح کی الوہیت کا دروازہ ان کی ذات اور مقام کے بارے میں اپنے متصوفانہ (mystical) تبصروں سے کھولا ۔ ان کا کچھ نمونہ ذیل میں دیا گیا ہے:

"وہ ان دیکھے خدا کی صورت اور تمام مخلوقات سے پہلے موجود ہے' کیونکہ اسی میں سب چیزیں پیدا کی گئیں' آسمانوں کی ہوں یا زمین کی۔ اور وہ سب چیزوں سے پہلے ہے اور اس میں سب چیزیں قائم رہتی ہیں۔" اور: "الوہیت کی ساری معموری اسی میں مجسم ہو کر سکونت کرتی ہے"(۴۳) اور: "اس نے اگرچہ خدا کی صورت پر تھا' انسانی شکل میں ظاہر ہو کر اپنے آپ کو پست کر دیا۔" (۴۴)

"مسیح --- جو خدا کی صورت ہے" اور "ہم اپنی نہیں بلکہ مسیح کی منادی کرتے ہیں' کہ وہ خداوند ہے۔" (۴۵)

ایک مرحلہ پر پولس نے مسیح کو صاف الفاظ میں "بزرگ خدا" (Great God) کہا' اور ساتھ ہی متعدد دفعہ انہیں "خدا کا بیٹا" قرار دیا۔ (۴۶)

۴۲۔ قاموس الکتاب' ص۔۲۰۸

۴۳۔ کلسیوں کے نام پولس کا خط' ۱: ۱۶ - ۱۷' ۲ : ۹

۴۴۔ فلپیوں کے نام پولس کا خط' ۲ : ۶ - ۸

۴۵۔ کرنتھیوں کے نام پولس کا دوسرا خط' ۴ : ۴ - ۵ ' تھسلنیکیوں ۲ : ۱۵ ' ۳ : ۶

(۴۶) کرنتھیوں 19:1' رومیوں 4:1' افسیوں 13:4۔

1- تھسلنیکیوں ۱ : ۱۰' وغیرہ میں مسیح کو "خدا کا بیٹا" اور ططس ۲ : ۱۳ میں انہیں "بزرگ خدا" کہا گیا ہے۔

اس طرح مسیح کو خدائے وحدہ لا شریک کی خدائی میں شریک قرار دیتے ہوئے اس نے کہا کہ "فضل' رحم' اور اطمینان خدا باپ اور ہمارے خداوند مسیح یسوع کی طرف سے "ملتا ہے۔[۴۷] اور یہ کہ "رسالت" اور "طاقت" وغیرہ بخشنے والا اور "روح پر فضل کرنے والا" وہی ہے۔ نیز اس نے مسیح کو اپنا "خداوند" اور خود کو اس کا "بندہ" قرار دیا۔[۴۸] علاوہ بریں اس نے تثلیث کے تیسرے اقنوم "روح" (Spirit) کی خدائی میں شرکت کا راستہ اسے الگ تشخص دے کر صاف کیا۔[۴۹] اور "خداوند" اور "روح" کو ہم معنی قرار دیا۔[۵۰]

انبیائے بنی اسرائیل (جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں) کی تعلیم کردہ توحید میں شرک کی مذکورہ بالا ملاوٹ کرنے کے علاوہ' پولس نے عقیدہ آخرت اور عملی اصلاح پر زور دینے کی بجائے کفارہ کا نظریہ بڑے شدومد سے پیش کیا۔ باقی عیسائی نظریات کی طرح اس نظریہ پر بھی الگ اور مفصل بحث ان شاء اللہ آئندہ ہو گی۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اس عقیدہ کے جراثیم بھی پولس ہی نے عیسائی نظریات میں داخل کئے۔ وہ رومیوں کے نام خط کے پانچویں باب میں آدم کے گناہ کا ذکر کرنے کے بعد مسیح کی مزعومہ موت کے ذریعہ اس کی بالواسطہ تلافی کا عجیب و غریب نظریہ پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"جس طرح ایک ہی شخص کی نافرمانی سے بہت سے لوگ گناہ گار ٹھہرے' اسی طرح ایک کی فرمانبرداری سے بہت سے لوگ راستباز ٹھہریں گے۔"[۵۱] اسی خط میں وہ مزید لکھتا ہے: "اسے (مسیح کو) خدا نے اس کے خون کے باعث ایک ایسا کفارہ ٹھہرایا جو ایمان لانے سے فائدہ مند ہو۔"[۵۲] نیز: "جب ہم گناہ گار ہی تھے تو مسیح ہماری خاطر مؤا۔ پس جب ہم

۴۷۔ تیمتھیس کے نام پولس کا پہلا خط' ۱ : ۲' دوسرا خط ۱ : ۲' ا۔کرنتھیوں ۱ : ۳' وغیرہ۔

۴۸۔ ا۔ تیمتھیس ۱ : ۱۲' فلیموں ۱ : ۲۵' رومیوں ۱ : ۱

۴۹۔ ا۔ تیمتھیس ۴ : ۱

۵۰۔ ۲۔ کرنتھیوں ۳ : ۱۷

۵۱۔ رومیوں کے نام خط' ۵ : ۱۹

۵۲۔ ایضاً ۳ : ۲۵

اس کے خون کے باعث اب راستباز ٹھہرے‘ تو اس کے وسیلہ سے غضب الٰہی سے ضرور ہی بچیں گے۔“(۵۳)

طوالت سے بچنے کی خاطر فی الحال ہم انہی حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں‘ ورنہ پولس نے اپنی مختلف تحریروں میں جابجا اور متعدد بار عقیدہ کفارہ پر زور دیا ہے۔ (۵۴)

اصل عیسوی تعلیم پر پولس نے ایک اور بڑا ظلم یہ کیا کہ شریعت اور عمل کی اہمیت ختم کر کے‘ اس نے صرف ایمان‘ یعنی اپنے بنائے ہوئے عقائد پر یقین‘ کو مذہب کا مدار قرار دیا۔ مثلاً: ”اور یہ بات ظاہر ہے کہ شریعت کے وسیلہ سے کوئی شخص خدا کے نزدیک ایماندار نہیں ٹھہرتا--- اور شریعت کو ایمان سے کچھ واسطہ نہیں۔“(۵۵) اور: ”آدمی شریعت کے اعمال سے نہیں بلکہ صرف یسوع مسیح پر ایمان لانے سے راست باز ٹھہرتا ہے۔“ (۵۶)

اور: ”تم جو شریعت کے وسیلہ سے راست باز ٹھہرنا چاہتے ہو‘ مسیح سے الگ ہو گئے اور فضل سے محروم۔“(۵۷) نیز: ”اس (مسیح) نے اپنے جسم کے ذریعہ سے دشمنی یعنی وہ شریعت جس کے حکم ضابطوں کے طور پر تھے‘ موقوف کر دی۔“(۵۸)

اس طرح پولس نے شریعت کو ”دشمنی“ ”لعنت“ (۵۹) ”غضب اور عدول حکمی“ کا سبب (۶۰) اور ناقص (۶۱) کہا‘ اور اسے موقوف و منسوخ (”پرانی“ اور ”مٹنے کے

۵۳۔ رومیوں کے نام خط‘ ۵ : ۸ - ۹

۵۴۔ مثلاً: گلتیوں ۱: ۴‘ کلیسوں ۱: ۲۰‘ افسیوں ۱: ۷‘ ۲: ۱۳‘ عبرانیوں ۱ : ۳‘ ۲ - کرنتھیوں ۵ : ۱۴ - ۱۵ ا۔ کرنتھیوں ۱۵ : ۳‘ کتاب اعمال میں مندرج پولس کی تقریر‘ اعمال ۱۳ : ۳۸۔

۵۵۔ گلتیوں ۳ : ۱۱ - ۱۲

۵۶۔ گلتیوں ۲ : ۱۶

۵۷۔ گلتیوں ۵ : ۴

۵۸۔ افسیوں ۲ : ۱۵

۵۹۔ گلتیوں ۳ : ۱۳

۶۰۔ رومیوں ۴ : ۱۵

۶۱۔ عبرانیوں ۸ : ۷

قریب)"(۶۲) قرار دیا- حالانکہ انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: "یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں- منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں- کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین نہ ٹل جائیں' ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ مٹے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے- پس جو کوئی ان چھوٹے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا' وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا- لیکن جو ان پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا' وہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کہلائے گا-" (۶۳)

پولس کی مخالفت

پولس نے جس بے دردی سے اصل مسیحی تعلیم کا حلیہ بدل ڈالا' اسے دیکھ کر دل میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں اور مخلص عیسائیوں نے یہ سب کچھ ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لیا؟ بائبل اور تاریخ کلیسیا کا جواب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوا- مسیح کی ذات کے بارے میں پولس نے اپنے نظریات کی اشاعت عقیدت کے رنگ میں اور متصوفانہ وذو معنی الفاظ کے ذریعہ کی-(۶۴) اس لئے عام لوگ ان کے مطالب اور اصل عیسوی تعلیم سے ان کا فرق جلد نہ سمجھ سکے- اور جہاں تک حواریوں کا تعلق ہے' پولس نے ان سے واسطہ ہی کم سے کم رکھا-(۶۵) اس کے باوجود ان مسائل پر اس کی سخت مخالفت ہوئی' اور اسے گلتیہ کے اہل کلیسیا کو لکھنا پڑا: "میں پھر کہتا ہوں کہ اس خوشخبری کے سوا جو تم نے قبول کی' اگر کوئی تمہیں اور خوشخبری سناتا ہے تو ملعون ہو-"(۶۶)

۶۲- عبرانیوں ۸ : ۱۳

۶۳- متی ۵ : ۱۷ - ۱۹

۶۴- دیکھئے: انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (1973)' جلد ۱۷' ص- ۴۷۵

۶۵- گلتیوں ۱ : ۱۶ - ۱۹ ' ۲ : ۱

۶۶- گلتیوں ۱ : ۹

اپنے نظریات کے برعکس تعلیم دینے والوں اور اس کی تردید کرنے والوں کی تبلیغ و تعلیم کو اس نے "بے ہودہ بکواس" قرار دیا۔[٦٧] اور تیمتھیس جیسے "ایمان کے لحاظ سے اپنے سچے فرزندوں" (٦٨) کو تلقین کی: "جس علم کو علم کہنا ہی غلط ہے' اس کی بے ہودہ بکواس اور مخالفت پر توجہ نہ کر۔ بعض اس کا اقرار کر کے ایمان سے برگشتہ ہو گئے ہیں۔"[٦٩]

پولس کی طرف سے شریعت اور موسوی قانون کی اہمیت کو کم بلکہ ختم کرنے کی کوشش' اور اس کی بجائے مخصوص عقائد کو یہود و غیر یہود میں رواج دینے کی سعی' ایک ہی زاویہ نظر پر مبنی اور ایک ہی سوچ کے دو پہلو تھے۔ مگر عقائد کی نسبت عمل اور شرعی قانون چونکہ زیادہ محسوس اور خارجی چیز ہے' اس لئے شریعت کی حیثیت کو بدلنے کے مسئلہ پر پولس کو زیادہ مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہودیوں نے اسے یروشلم کے ہیکل میں دیکھ کر "ہل چل مچائی" اور "چلا کر" کہا "یہ وہی آدمی ہے جو ہر جگہ سب آدمیوں کو امت اور شریعت اور اس مقام کے خلاف تعلیم دیتا ہے۔ بلکہ اس نے یونانیوں کو بھی ہیکل میں لا کر اس پاک مقام کو ناپاک کیا ہے۔"[٧٠] پولس کو اس سلسلہ میں یہودی مذہبی عدالت کے سامنے بھی پیش کیا گیا۔ تاہم اس نے دیکھا کہ وہ دو مختلف طبقات فکر (صدوقی اور فریسی) سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہٰذا اس نے اپنی باتوں سے ان کے باہمی اختلاف کو ابھارا۔ نتیجتاً ان کی آپس میں "تکرار ہو گئی اور حاضرین میں پھوٹ پڑ گئی" اور پولس وقتی طور پر ان کے شکنجہ سے بچ گیا۔[٧١] پھر اسے رومی حاکم فیلکس کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ پھر "اپنے باپ دادا کے خدا کی عبادت"

٦٧۔ ١۔ تیمتھیس ١ : ٦ - ٧

٦٨۔ ایضاً ١ : ٢

٦٩۔ ایضاً ٦ : ٢٠ - ٢١'
٢ تیمتھیس ٤ : ١٥ میں بھی پولس نے "ہماری باتوں کی بڑی مخالفت" کا تذکرہ کیا ہے۔

٧٠۔ اعمال ٢١ : ٢٧ - ٢٨

٧١۔ اعمال ٢٣ : ٦ - ١٠
'صدوقی اور فریسی' کی وضاحت کے لیے دیکھئے: باب نہم' حوالہ ٥٧۔

"توریت اور نبیوں کے صحیفوں پر ایمان" اور قیامت پر یقین کا اظہار کر کے 'سزا سے بچا رہا۔(۷۲) حتیٰ کہ بادشاہ کے سامنے پیشی کے موقع پر بھی جو تقریر اس نے کی' اس میں شریعت کی مخالفت یا مسیح کے بارے میں اپنے مخصوص عقائد کی وضاحت کی بجائے' اس نے مسیح کو مکاشفہ میں دیکھنے کے علاوہ صرف "توبہ اور خدا کی طرف رجوع" کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ (۷۳)

یہ تو عام لوگوں کی طرف سے پولس کے شریعت کے بارے میں نظریات کی مخالفت کا حال تھا۔ "رسولوں اور بزرگوں" کے درمیان بھی یروشلم میں اس مسئلہ پر "بہت بحث" اور تکرار ہوئی' جس کے بعد وہ غیر یہودیوں کے لئے شریعت کو یکسر غیر ضروری اور منسوخ قرار دینے پر آمادہ نہ ہوئے۔ "کیونکہ قدیم زمانہ سے ہر شہر میں موسیٰ علیہ السلام کی توریت کی منادی کرنے والے ہوتے چلے آئے ہیں اور وہ ہر سبت کو عبادت خانوں میں سنائی جاتی ہے۔" (۷۴) چنانچہ انہوں نے قرار دیا کہ غیر قوموں کو بھی حلال و حرام کے قوانین کی پابندی کرنا ہو گی۔(۷۵)

حواریوں اور دوسرے اولین عیسائیوں کی جانب سے پولسی نظریات کی مخالفت کے متعلق پروفیسر آرنلڈ میئر (Arnold Meyer) لکھتے ہیں:

The first Christians, indeed, regarded St. Paul's mission to the gentiles, together with his liberal attitude towards the law, as an innovation; as such they either tolerated or attacked it; and St. Paul himself does not judge of it otherwise; he is, indeed, proud of

---

۷۲۔ اعمال ۲۴ : ۱۴ - ۱۵

۷۳۔ ایضاً' باب ۲۶' بالخصوص آیات ۱۳ - ۲۰

۷۴۔ ایضاً ۱۵ : ۲۱

۷۵۔ ایضاً ۱۵ : ۱۹ - ۲۰ ' ۲۸ - ۲۹

the fact that here he goes his own way in the power of divine revelation. In Antioch he demonstrates even to St. Peter that he, the "pillar-apostle" did not yet comprehend the liberty of the Gospel and the significance of Christ.

"اولین عیسائی، غیر قوموں کی طرف پولس کے تبلیغی مشن اور شریعت کے متعلق اس کی آزادانہ روش کو فی الحقیقت بدعت تصور کرتے تھے۔ لہٰذا وہ اس بدعت کو یا تو (بعض اوقات بادل نخواستہ) برداشت کرتے اور یا (کبھی مخالفت کے رنگ میں) اس پر حملہ آور ہوتے۔ اور مقدس پولس کا اس (نئی روش) کے بارے میں اپنا فیصلہ بھی مختلف نہ تھا (یعنی وہ بھی سمجھتا تھا کہ یہ بدعت و ایجاد کی راہ ہے)۔ بلکہ وہ اس بات پر فخر کرتا تھا کہ خدائی کشف والہام کے تحت اس نے اس سلسلہ میں اپنا راستہ خود بنایا ہے۔ انطاکیہ میں اس نے مقدس پطرس پر واضح کیا کہ وہ "اعظم الحوارییّن" ہونے کے باوجود نہ تو انجیل کی دی ہوئی (یہودی شریعت سے) آزادی کو سمجھا ہے اور نہ مسیح کی اہمیت کو۔" (۷۶)

اس طرح ایک طرف پولس نے اپنے مخالفین کو مطعون کیا، اور دوسری طرف مخلص عیسائیوں نے اسے "دشمن" (Enemy) اور "غدار" (Traitor) قرار دیا۔(۷۷) پولس نے انطاکیہ میں پطرس سے اپنی محولہ بالا مخالفت کا ذکر خود بھی کیا ہے، اور اسی مخالفت کے سلسلہ میں اسے اور برنباس کو "ریاکار" اور خصوصاً پطرس کو "ملامت کے لائق" تک کہا ہے۔(۷۸) بالآخر باقی حواریوں سے پولس کا راستہ بالکل جدا ہو گیا۔ اور برنباس سے بظاہر ایک

76. Arnold Meyer: Jesus or Paul? (English Translation), p.98.

77. Maurice Bucaille: The Bible, the Quran And Science, Paris, p.68 (with reference to old Judeo-Christian documents).

۷۸۔ گلتیوں ۲: ۱۱ - ۱۳

ساتھی یوحنا مرقس کے ساتھ تبلیغی رفاقت جاری رکھنے یا نہ رکھنے کے مسئلہ کی آڑ میں اس کی "ایسی سخت تکرار ہوئی کہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔"(۷۹) اور جہاں تک پطرس کا تعلق ہے، پولس کے زیر اثر عیسائی تذکرہ نگاروں نے اسے بھی گمنامی کے پردے میں دھکیل دیا۔ چنانچہ قاموس الکتاب کے مؤلف پطرس کے حالات لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں: "غیر یہودیوں پر نجات کے دروازے کھلنے اور مسیحیت کے پھیلنے کے ساتھ پطرس پس منظر میں چلا جاتا ہے، اور پولس رسول غیر قوموں کے رسول کے طور پر ابھرتا ہے۔ اعمال کی کتاب میں پطرس کا آخری بار ذکر یروشلم کی کانفرنس کے سلسلہ میں آتا ہے۔" (۸۰) اسی طرح انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے:

Peter's last appearance in Acts is in connection with the Council of Jerusalem.

"پطرس کتاب اعمال میں آخری بار یروشلم کی کونسل کے سلسلہ میں نظر آتا ہے۔" (۸۱)

اس زمانہ کے بقیہ عیسائی "رسولوں" حواریوں اور بزرگوں میں یعقوب (James) جنہیں "مسیح کا بھائی" یعنی یوسف نجار کا بیٹا(۸۲) کہا گیا ہے، اور یوحنا (John) حواری ممتاز مقام کے حامل تھے۔ اور انہیں پطرس کے ساتھ "کلیسیا کے رکن" اور ستون سمجھا جاتا تھا۔(۸۳) پولس نے بھی اپنے پہلے "مکاشفہ" کے تین برس بعد حواریوں اور بزرگوں میں سے اگر کسی کو قابل اعتنا سمجھا تو پطرس کے علاوہ صرف یعقوب کو سمجھا۔(۸۴) یعقوب اگرچہ

۷۹۔ اعمال ۱۵ : ۳۹

۸۰۔ قاموس الکتاب، ص - ۱۹۲

81. Encyclopaedia Baritannica (1962), 17:636.

۸۲۔ متی ۱۳ : ۵۵، گلتیوں ۱ : ۱۹

۸۳۔ قاموس الکتاب، ص۔ ۱۱۶۰ ؛ گلتیوں ۲ : ۹

۸۴۔ گلتیوں ۱ : ۱۸ - ۱۹

یروشلم کی اس مذہبی کونسل کے ایک طرح سے صدر تھے جس میں غیر قوموں میں سے مسیح کے ماننے والوں یعنی "اہل قلف" (Gentiles) پر یہودی شریعت کی جزوی پابندی لگانے کا فیصلہ کیا گیا تھا،(۸۵) مگر وہ خود شریعت کے پابند رہے، اور پولس کو بھی انہوں نے کہا کہ وہ لوگوں کے اس تاثر کی عملی تردید کرے کہ وہ (پولس) "موسیٰ سے پھر جانے کی تعلیم دیتا ہے۔"(۸۶) جہاں تک یوحنا کا تعلق ہے "پولس رسول اپنے خطوط میں صرف ایک مرتبہ یوحنا کا ذکر کرتا ہے"(۸۷) باقی حواریوں کا تو ذکر ہی کیا؟

حواریوں اور دوسرے عیسائی بزرگوں سے پولس کا اختلاف معمولی نوعیت کا نہ تھا۔ بلکہ اس کی بنا پر لوگوں میں تفرقے اور جھگڑے ہوئے، اور بعض دوسرے بزرگوں کے ہم خیال لوگ الگ الگ گروہوں میں بٹ گئے۔ یہ بات پولس کے اپنے بیان سے ظاہر ہے:

"اب اے بھائیو، یسوع مسیح جو ہمارا خداوند ہے اس کے نام کے وسیلہ سے میں تم سے التماس کرتا ہوں کہ سب ایک ہی بات کہو اور تم میں تفرقے نہ ہوں، بلکہ باہم ایک دل اور ایک ساتھ ہو کر کامل بنے رہو۔ کیونکہ اے بھائیو! تمہاری نسبت مجھے خلوئے کے گھر والوں سے معلوم ہوا کہ تم میں جھگڑے ہو رہے ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کوئی تو اپنے آپ کو پولس کا کہتا ہے، کوئی اپلوس کا، کوئی کیفا(۸۸) کا، کوئی مسیح کا۔"(۸۹)

پولس کی کامیابی کے اسباب

اصل حواریوں اور پرانے عیسائی بزرگوں کی مخالفت کے باوجود پولس اپنے نظریات کی

۸۵۔ اعمال ۱۵ : ۱۲ ومابعد۔

"اہل قلف" کی اصطلاح کے لیے دیکھئے: "کلام مقدس" (کیتھولک بائبل، اردو)، صفحہ (ص)

۸۶۔ اعمال ۲۱ : ۱۷ - ۲۴ ومابعد۔

۸۷۔ قاموس الکتاب، ص۔ ۱۱۶۰

۸۸۔ کیفا، پطرس ہی کو کہتے ہیں۔ کیفا ارامی زبان کا لفظ ہے اور پطرس یونانی کا (قاموس الکتاب، ص۔ ۱۹۱)

۸۹۔ ۱۔ کرنتھیوں ۱ : ۱۰ - ۱۲

اشاعت اور انہیں کامیابی سے عیسائی عقائد میں داخل کرنے میں کیونکر کامیاب ہوا؟ اس سوال کا جواب پولس کی شخصیت میں مضمر ہے۔ جیسا کہ اس باب کے شروع میں پولس کے حالات کے ضمن میں ذکر ہوا' وہ سلطنت روم کے شہری حقوق کا حامل' معزز آدمی اور پڑھا لکھا یہودی(۹۰) تھا۔ وہ ایک تسلیم شدہ یہودی رہنما تھا اور عیسائیوں کی ایذا دہی میں پیش پیش رہا تھا۔(۹۱) پھر جب اس نے مکاشفہ بلکہ مکاشفات کا دعویٰ کیا اور مسیحیت کا پر جوش مبلغ بنا' تو لوگ قدرتی طور پر اس کی طرف متوجہ ہوئے۔(۹۲) اس کے مقابلہ میں پطرس اور یوحنا وغیرہ ان پڑھ ماہی گیر تھے۔(۹۳) پولس نے جب اپنی شخصیت' خاندانی اور سماجی پس منظر' علم اور جوش کو اپنے نظریات کی تبلیغ میں استعمال کیا' تو اس کی حیثیت اس طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ مسلم ہو گئی' جس طرح اس کے قبول عیسائیت سے پہلے تھی۔ چنانچہ اس کا ایک سوانح نگار لکھتا ہے:

> Paul was now a Christian, and judging from his temprament, he might be expected to be as zealous in propogating the new faith as he was in trying to destroy it.
>
> "پولس اب ایک عیسائی تھا۔ اور اگر اس کے مزاج کو پیش نظر رکھا جائے' تو اس سے یہی توقع ہو سکتی تھی کہ وہ نئے عقیدہ کی تبلیغ میں اسی طرح سرگرم ہو گا جس طرح وہ پہلے اسے تباہ کرنے کے لیے کوشاں تھا۔" (۹۴)

حواری تو عیسائیت کو ایک نئے مذہب کی بجائے یہودیت کے اندر ایک اصلاحی تحریک سمجھتے تھے' اور اسے یہودیوں تک محدود رکھنا چاہتے تھے۔ مگر پولس کی ترغیب اور سر

۹۰۔ اعمال' ۲۲ : ۳ ' ۲۳ : ۶ ' ۲۶ : ۴ - ۵

۹۱۔ اعمال ۷ : ۵۸ و ما بعد' ۲۶ : ۱۰ - ۱۱ ' ۸ : ۳

۹۲۔ ایضاً باب ۹' خصوصاً آیات ۲۰ - ۲۲ ' گلتیوں ۱ : ۲۲ - ۲۴

۹۳۔ مرقس ۱ : ۱۶ - ۲۰

94. Leon Levison: Life of Saint Paul, p.37.

گرمی ان کی رائے پر غالب آئی۔

The disciple Peter was among those who insisted upon keeping the movement exclusively Jewish. But, later, when Paul became a Christian, he persuaded Peter and others to admit gentiles into the group.

"حواری پطرس ان لوگوں میں شامل تھا جو اس تحریک کو خالصتہً یہودی رکھنے پر اصرار کرتے تھے۔ مگر بعد میں جب پولس عیسائی ہوا تو اس نے پطرس اور دوسرے لوگوں کو آمادہ کیا کہ غیر قوموں کو بھی اس جماعت میں داخل ہونے دیا جائے۔" (۹۵)

دراصل' حواری اپنی سادہ لوحی کی بنا پر نہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بلند خیالی کو پوری طرح سمجھ پائے تھے' اور نہ انہوں نے پولس کی الٰہیاتی موشگافیوں کو سمجھا۔ مشہور مصنف و مورخ ایچ۔جی۔ ویلز (H.G Wells) اس سلسلہ میں لکھتا ہے:

The story of the early beginnings of Christianity is the story of the struggle between the real teachings and spirit of Jesus of Nezareth and the limitations, amplifications and misunderstandings of the very inferior men who had loved and followed him from Galilee.

"(موجودہ) عیسائیت کی ابتداء کی کہانی دراصل اس کش مکش کی کہانی ہے جو یسوع ناصری کی اصل تعلیمات اور ان کی روح کے درمیان اور (ذہنی لحاظ سے) ان بہت ہی کم حیثیت افراد کی کم سوادیوں' تشریحات اور غلط فہمیوں کے درمیان ہوئی' جو گلیل (میں تبلیغ کے زمانہ) سے ان کے محبّ اور پیروکار رہے تھے۔" (۹۶)

95. Ross and Hills: Great Religions By Which Men Live, p.137.
96. H.G. Wells: The Outline of History, London, 1956, p.536.

بقول انجیل، جب مسیح کو ایذا دہی اور صلیب دینے کے لیے پکڑا گیا تو "سب شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔"(۹۷) اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری اور مزعومہ موت نے ان کے عقیدہ اور عقیدت پر ضرب کاری لگائی۔ اس لیے کہ وہ تورات کی اس تعلیم پر یقین رکھتے تھے کہ "جسے پھانسی ملتی ہے وہ خدا کی طرف سے ملعون ہے۔"(۹۸) گو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مبینہ طور پر مر کر جی اٹھنے میں اپنی تسلی کا سامان ڈھونڈا تھا۔ مگر عیسیٰ کے مزعومہ صلیب دیئے جانے کی جو وضاحت پولس نے پیش کی، اس تک ان کا ذہن منتقل نہیں ہوا تھا، اور نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اپنے فرمودات میں ایسی کوئی چیز تھی۔ عیسائی فاضلین کا خیال ہے کہ اس وضاحت سے انہیں کافی اطمینان ہوا۔ اور شاید یہی وہ چیز تھی جس نے انہیں پولس کی اور زیادہ شدید مخالفت سے باز رکھا۔ یہ وضاحت کیا تھی اور اس کے اثرات کیا ہوئے؟ اس سلسلہ میں بھی ایچ۔ جی۔ ویلز کا بیان قابل ذکر ہے:

His (Paul's) mind was saturated by an idea which does not appear at all prominently in the reported sayings and teachings of Jesus, the idea of a sacrificial person who is offered up to God as an atonement for sin. Paul came to the Nazerenes with this over-whelming force because he came to them with this completely satisfactory explanation of the crucifiction. It was a brilliant elucidation of what had been utterly perplexing.

"اس (پولس) کا دماغ ایک ایسے خیال سے مملو تھا جسے یسوع کے مبینہ مقولوں اور

۹۷۔ انجیل متی ۲۶ : ۵۶

۹۸۔ استثناء ۲۱ : ۲۳

تعلیمات میں قطعاً نمایاں حیثیت حاصل نہیں۔ یعنی قربانی دینے والے ایک ایسے فرد کا تصور جو خدا کے حضور کفارہ کے طور پر پیش کیا گیا۔ پولس (کے خیالات) نے (اس زمانہ کے) نصرانیوں پر اس لیے غلبہ پایا کہ اس نے تصلیب کی ایسی وضاحت کی جو ان کے لیے پوری طرح اطمینان بخش ثابت ہوئی۔ یہ ایک ایسی چیز کی موثر وضاحت تھی جو قبل ازیں بہت ہی پریشان کن تھی۔"(۹۹)

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد انہیں "چھوڑ کر بھاگ گئے" تو ان کے خیال میں انہیں پھانسی دے دی گئی تھی۔ اس پر ان کی پریشانی یہ تھی کہ انہیں تورات کی تعلیم کے مطابق پھانسی کی سزا پانے والے کو "ملعون" ماننا پڑتا تھا۔ پولس نے انہیں سمجھایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام "لعنتی موت" نہیں مرے بلکہ "گناہ کے کفارہ" کے طور پر انسانیت پر قربان ہو گئے ہیں۔ اس "وضاحت" نے ان کا ایک نفسیاتی مسئلہ حل کر دیا۔ اس لیے پولس، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں اور عقیدت مندوں کے لیے قابل قبول بنتا گیا۔

پولس کی کامیابی کے اسباب کے ضمن میں یہ بھی پیش نظر رہے کہ وہ اپنے نظریات کی اشاعت کے لیے جھوٹ اور موقع پرستی سے گریز کا قائل نہیں تھا۔ وہ کہتا ہے: "اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے زیادہ ظاہر ہوئی، تو پھر کیوں گناہ گار کی طرح مجھ پر حکم دیا جاتا ہے؟ اور ہم کیوں برائی نہ کریں تاکہ بھلائی پیدا ہو۔"(۱۰۰) وہ "دروغ مصلحت آمیز" کا یہاں تک قائل تھا کہ تورات اور شریعت کی مذکورہ بالا شدید مخالفت کے باوجود سزا سے بچنے کے لیے اس نے رومی حاکم فیلکس کے سامنے کہا: "جو کچھ توریت اور نبیوں کے صحیفوں میں لکھا ہے اس سب پر میرا ایمان ہے۔"(۱۰۱) اور: "میں

99. H.G.Wells:op.cit., p.537

۱۰۰۔ پولس کا رومیوں کے نام خط، ۳ : ۷ - ۸

۱۰۱۔ اعمال ۲۴ : ۱۴

یہودیوں کے لیے یہودی بنا تاکہ یہودیوں کو کھینچ لاؤں۔ جو لوگ شریعت کے ماتحت ہیں' ان کے لیے میں شریعت کے ماتحت ہوا تاکہ شریعت کے ماتحتوں کو کھینچ لاؤں اگرچہ خود شریعت کے ماتحت نہ تھا۔ (اگرچہ خدا کے نزدیک بے شرع نہ تھا بلکہ مسیح کی شریعت کے تابع تھا)۔ کمزوروں کے لیے کمزور بنا تاکہ کمزوروں کو کھینچ لاؤں۔ میں سب آدمیوں کے لیے سب کچھ بنا ہوا ہوں تاکہ کسی طرح سے بعض کو بچاؤں۔[۱۰۲]

پولس کے خطوط اور اناجیل اربعہ

بعض عیسائی علماء کا اصرار ہے کہ پولس نے کوئی نئی بات نہیں کہی۔ بلکہ اس نے جن نظریات کی تعلیم دی' ان کا سراغ اناجیل اربعہ میں بھی ملتا ہے۔ مثلاً مسیح کو ابن اللہ کہنے میں وہ منفرد نہیں' بلکہ انجیل مرقس و یوحنا میں بھی انہیں یہ لقب دیا گیا ہے۔[۱۰۳] تجسم (خدا کا انسانی جسم اختیار کرنا) کا عقیدہ انجیل یوحنا میں ہے' اور کفارہ کے نظریہ کی بنیاد انجیل متی و مرقس میں موجود ہے۔[۱۰۴]

اس سلسلہ میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ جس وضاحت' تفصیل' اصرار اور تحکم سے پولس نے ان عقائد اور اس طرح کے دوسرے نظریات کو اپنے خطوط میں پیش کیا ہے' وہ اناجیل میں مفقود ہے۔ بلکہ اناجیل متوافقہ (Synoptic Gospels) یعنی انجیل متی' مرقس اور لوقا (جنہیں مضامین اور انداز بیان کی مماثلت کی وجہ سے یہ نام دیا گیا ہے) سے ان نظریات کی تردید بھی ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ گذشتہ اور موجودہ باب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پولس کی تعلیمات کے موازنہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور آئندہ ان شاء اللہ جب ہم پولسی نظریات پر الگ الگ اور مفصل بحث کریں گے' تو یہ بات اور بھی واضح ہو گی۔

دوسری' اور بڑی اہم' بات یہ ہے کہ اناجیل اربعہ نہ صرف یہ کہ حواریوں میں سے کسی کی تصنیف نہیں ہیں (جیسا کہ ہم انجیل کے متعلق باب میں واضح کریں گے)' بلکہ وہ پولس

۱۰۲۔ 1۔ کرنتھیوں ۹ : ۲۰ - ۲۲

۱۰۳۔ مرقس ۱ : ۱۱' یوحنا ۱ : ۱' ۱۴' ۳ : ۱۶

۱۰۴۔ متی ۲۶ : ۲۸' مرقس ۱۰ : ۴۵

کے خطوط کے بعد کی لکھی ہوئی ہیں۔اس لیے اناجیل میں اگر مسیح کی الوہیت و ابنیت یا کفارہ وغیرہ کے عقائد کی جھلک کہیں ہے تو پولس اور اس کے متبعین کے زیر اثر ہے۔اس سلسلہ میں بے شمار عیسائی محققین کی تصریحات موجود ہیں۔ان میں سے چند ذیل میں پیش خدمت ہیں:

All his (Paul's) epistles were written before the earliest manuscripts of the Gosples and Acts appeared. It is doubtful also if he even saw the pre-gospel collections of the teachings, parables, and healing miracles of Jesus – documents supposed to have been the sources, in part at least, of the four canonical Gospels.

"اس (پولس) کے سارے خطوط 'اناجیل اور اعمال کے اولین مسودے کے ظہور سے پہلے کے لکھے ہوئے ہیں۔یہ امر بھی مشکوک ہے کہ آیا اس نے کبھی اناجیل سے پہلے کے وہ مجموعے بھی دیکھے تھے جنہیں کم از کم جزوی طور پر مسلمہ اناجیل اربعہ کے مصادر تصور کیا جاتا ہے' اور جن میں یسوع کی تعلیمات' تمثیلات اور شفائی معجزات کا بیان ہے۔" (۱۰۵) اور:

These epistles were written before any of the other books in the New Testament.

"یہ خطوط (بائبل کے) عہد نامہ جدید کی کسی بھی کتاب سے پہلے لکھے گئے تھے۔" (۱۰۶)

The epistles of Paul.... the earliest of them were written before any of our present Gospels were compiled.

"پولس کے خطوط --- ان میں سے اولین (خطوط) ہماری موجودہ اناجیل میں

105. C.F. Potter: The Lost Years of Jesus Revealed, 1959, p.115.

106. Irene Allen : The Early Church and the New Testament, London, 1951, p.79.

سے ہر انجیل سے پہلے لکھے گئے۔" (۱۰۷)

Paul's letters are earlier than the Gospels, and earlier than most of the literary sources of the Gospels.

"پولس کے خطوط اناجیل سے پہلے کے ہیں' بلکہ اناجیل کے زیادہ تر مصادر سے بھی پہلے کے ہیں۔" (۱۰۸)

ان شواہد کے پیش نظر یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ پولس کے نظریات اور عیسائی عقائد میں اس کی لائی ہوئی تبدیلیوں کی بنیاد انجیل پر ہے۔البتہ یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ انجیل میں اگر پولسی بدعات کا سراغ ملتا بھی ہے تو وہ اس کی تبلیغ اور اس کے خطوط کی وجہ سے ہے۔

نیا دین

اس طرح پولس نے اپنے خطوط اور زبانی تبلیغ کے ذریعہ موجودہ عیسائیت کی بنیاد رکھی' جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے بالکل مختلف تھی:

In his hands Christianity became a new religion.

"اس کے ہاتھوں عیسائیت ایک نیا مذہب بن گئی۔"(۱۰۹) اور وہ اپنی تبلیغ کو بڑی بے تکلفی سے "میری خوشخبری" یا میری انجیل (My Gospel) کہتا ہے' (۱۱۰) جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی تعلیم کو بھی' اور ان کے بارے میں حواریوں کی روایات کو بھی' واضح طور پر نظر انداز کیا گیا ہے۔ چنانچہ "پولسی عیسائیت" (Pauline Christianity) کے مصنف پروفیسر زیسلر (John Ziesler) لکھتے ہیں:

107. Bernard M. Allen: The Story Behind the Gospels, London, 1936, p.478.

108. Hastings' Dictionary of The Bible, 1963, p. 478.

109. Encyclo. Brit. (1962), 5:676 (Article on Church History).

۱۱۰۔ رومیوں ۱۶ : ۲۵' ۲ - تیمتھیس ۲ : ۸

He betrays astonishingly little knowledge of, or even interest in, the traditions of Jesus.

"وہ (پولس) عیسیٰؑ کے بارے میں روایات سے متعلق، عدم علم بلکہ عدم دلچسپی کا حیران کن حد تک مظاہرہ کرتا ہے۔" (۱۱۱)

اور پروفیسر موصوف اپنی یہ کتاب بڑے واضح طور پر ایک راسخ العقیدہ عیسائی کے نقطۂ نظر سے لکھنے کے باوجود یہ کہنے پر مجبور ہیں:

Whether by design or accident, the teaching and deeds of Jesus of Nazereth are virtually ignored.

"خواہ عمداً یا اتفاقاً' یسوع ناصری کی تعلیم اور افعال کو عملاً نظر انداز کر دیا گیا ہے۔" (۱۱۲)

اسی طرح معروف مسیحی محقق البرٹ شوٹزر لکھتا ہے:

Paul never appealed to the sayings and commands of the Master.

"پولس نے کبھی آقا (مسیح) کے اقوال واحکام کا حوالہ نہیں دیا۔" (۱۱۳)

اور ہربرٹ ملر (Herbert Muller) نے بڑی خوبصورتی اور وضاحت سے لکھا ہے:

Everything he sacrificed gladly to his lord, the resurrected Christ. And first of all he sacrificed the historic Jesus..... Whereas Jesus had proclaimed a kingdom of God that men can earn simply by repentance and righteousness, Paul taught that salvation was through Christ, and Christ alone.

---

111. John Ziesler: Pauline Christianity, p.19.

112. Ibid., p. 22.

113. Albert Schweitzer : Paul And His Interpreters, London, p.198.

"اس نے ہر چیز اپنے خداوند' مردوں میں سے جی اٹھنے والے مسیح' کے لیے بخوشی قربان کر دی۔اور سب سے پہلی قربانی جو اس نے دی' وہ خود مسیح کی (اصل تاریخی شخصیت) کی تھی.... جہاں مسیح نے خدا کی ایسی بادشاہی کا اعلان کیا تھا جسے لوگ محض توبہ اور راستبازی سے حاصل کر سکتے تھے' پولس نے سکھایا کہ نجات مسیح اور صرف مسیح کے ذریعہ مل سکتی ہے۔" (۱۱۴)

اس بحث کے آخر میں ہم آرنلڈ میئر کی قابل قدر کتاب "یسوع یا پولس؟" (Jesus or Paul?) سے ایک قدرے طویل اقتباس پیش کریں گے۔ مگر اس سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ فاضل موصوف' پولس کے مخالف ہرگز نہیں' بلکہ (جیسا کہ بالخصوص ان کی کتاب کے آخری باب سے ظاہر ہے)' اس کی شخصیت اور کام کے بڑے معترف ہیں۔

If by Christianity we understand faith in Christ as the heavanly son of God who did not belong to earthly humanity, but who lived in the divine likeness and glory, who came down from heavan to earth, who entered into humanity and took upon Himself a human form that He might make propitiation for men's sin by His own blood upon the cross, who was then awakened from death and raised to the right hand of God as the lord of His own people, who now intercedes for those who believe in Him, hears their prayers, guards and leads them, who, moreover, dwels and works personally in each of those who believe in

114. Herbert Muller: Uses of the Past, New York, 1959, pp.156-157.

Him, who will come again with the clouds of Heavan to judge the world, who will cast down all the foes of God, but will bring His own people with Him into the home of heavanly light so that they may become like unto His glorified body— if this is Christianity, then such Christianity was founded principally by St. Paul and not by our Lord.

"اگر ہم عیسائیت کا مطلب مسیح پر (اس طرح) ایمان سمجھتے ہیں' کہ وہ خدا کا آسمانی بیٹا ہے جو زمینی انسانوں میں سے نہ تھا' بلکہ خدائی صورت اور شان میں رہتا تھا- (پھر) وہ آسمان سے زمین پر اتر آیا اور انسانی شکل اختیار کی' تاکہ وہ صلیب پر اپنے خون کے ذریعہ لوگوں کے گناہ کا کفارہ ادا کرے- جسے پھر موت سے جگا کر اوپر اٹھایا گیا اور ماننے والوں کے خداوند کے طور پر خدا کے دائیں ہاتھ بٹھایا گیا- جواب خود پر ایمان رکھنے والوں کی شفاعت کرتا ہے' ان کی دعائیں سنتا ہے' ان کی حفاظت اور رہنمائی کرتا ہے- علاوہ بریں اپنے آپ پر یقین کرنے والوں میں سے ہر ایک کے اندر ذاتی طور پر رہتا اور کام کرتا ہے' جو دنیا کا انصاف کرنے کے لیے آسمان کے بادلوں کے ساتھ دوبارہ آئے گا' جو خدا کے سب دشمنوں کو گرائے گا مگر اپنے لوگوں کو اپنے ساتھ آسمانی نور کے گھر لے جائے گا' تاکہ وہ اس کے معظم بدن کی طرح بن جائیں- اگر یہ عیسائیت ہے تو ایسی عیسائیت کی بنیاد زیادہ تر مقدس پولس نے رکھی تھی نہ کہ ہمارے خداوند (مسیح) نے-"(۱۱۵)

پولسی مذہب کے مصادر

پولس نے مسیح کی شخصیت کے بارے میں جو مذکورہ عقائد وضع کیے' ان کا منبع و مصدر یونانی فلسفہ کے علاوہ اس زمانہ کے بعض توہم پسند مشرکانہ مذاہب تھے-

115. Arnold Meyer : Jesus or Paul? pp.122-123.

The new idea came from the popular "mystery cult" religions that abounded in the Mediterranian lands. The "mystery" applied to a mystical, symbolic union with a god who lived in human form, died, but came to life again.... There were a number of mystery cults, with different gods. But all of them emphasized the salvation resulting from dedication to a dying- rising Lord. It is interesting that the word "Kyrios" (Lord), which the Greeks applied to the dying- rising God, was used by Paul to apply to Jesus.

"(پولس کا) نیا نظریہ ان "سری" مذاہب (ادیان غامضہ) سے ابھرا جو بحیرہ روم کے خطہ میں بکثرت موجود تھے۔ (ان مذاہب میں) "اسرار" کا اطلاق ایک ایسے دیوتا کے ساتھ صوفیانہ اور علامتی اتحاد پر ہوتا تھا' جس نے انسانی شکل میں زندگی گذاری' مرا' مگر پھر زندہ ہو گیا--- سری مذاہب متعدد تھے اور ان کے دیوتا جداگانہ تھے۔ مگر وہ سب ایک مر کر زندہ ہونے والے خداوند سے انتساب کے ذریعہ نجات کے حصول پر زور دیتے تھے۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ پولس نے یسوع کے لیے "خرِسس" (خداوند) کا جو لفظ استعمال کیا ہے اسے یونانی' مر کر جی اٹھنے والے دیوتا کے لیے استعمال کرتے تھے۔" (۱۱۶)

ان مذاہب میں "مِتھر اس مت" (Mithraisn) کو اہمیت حاصل تھی۔ اس مذہب کی

116. Ross and Hills : op. cit., p. 137.

سری مذاہب سے پولسی عیسائیت کے گہرے تعلق کے لئے مزید دیکھئے: "قصة الحضارہ" جلد ۱۱' ص ۲۵۰ - ۲۴۰ باب ۲۷' فصل ۲ (Will Durant's Story of Civilisation) جلد سوم' ص ۵۷۹' ۵۸۸ - ۵۸۹ - نیز :

Crane Brinton: Civilsation in the West, New Jersey, 1973, p.109.

جنم بھومی فارس تھی' اور اس کے ماننے والے اپنے دیوتا مثرا' یا مثر اس(Mithras) کے بارے میں عقیدہ رکھتے تھے کہ:

Mithras was a young hero-god who helped common people with their troubles, who was translated to heavan, where he looked out for the interests of his followers, and whence he was expected to descend at his second coming.

"مثر اس ایک نوجوان ہیر و اور دیوتا تھا' جو عام لوگوں کی تکالیف میں ان کی مدد کرتا تھا' جسے آسمان پر لے جایا گیا' جہاں وہ اپنے پیروکاروں کے مفادات کا خیال رکھتا اور جہاں سے اتر کر اس کی آمد ثانی کی توقع کی جاتی تھی۔" (۱۱۷)

Mithraism in particular was similar to early Christianity in many ways. Its followers formed secret societies and called themselves Brothers...., they celebrated their sabbath on Sunday, and annual festival on 25 December,.... their god Mithra had made a sacrifice which saved the human race, and he was a mediator between the supreme God and man.

"مثرا بالخصوص(پولس کی)قدیم عیسائیت سے کئی طرح مشابہ تھا۔اس کے پیروکار خفیہ مجالس اور(آپس میں)خود کو(عیسائیوں کی طرح)'بھائی' کہہ کر پکارتے--- وہ اپنا سبت کا دن اتوار کو مناتے اور سالانہ تہوار ۲۵ دسمبر کو--- ان کے خدا مثرا نے(ان کے نزدیک) قربانی دی تھی' جس نے نسل انسانی کو نجات عطا کی۔اور وہ خدائے اکبر اور انسان کے درمیان شفیع تھا۔" (۱۱۸)

117. C.F.Potter. The Faiths Men Live By, Surrery, 1913, p.117.

118. Herbert Muller: op. cit., p.156, footnote.

مسیحی رسم "عشائے ربانی" (Lord's Supper) جسے رسم شکرانہ (Eucharist) اور اتحاد مقدس (Holy Communion) وغیرہ مختلف نام دیئے گئے ہیں'(۱۱۹) بھی مِثرا اس کے پجاریوں سے ماخوذ ہے' جو آج کل کے عیسائیوں کی طرح عبادت کے موقع پر روٹی اور پانی کا تبرک استعمال کرتے تھے۔ (۱۲۰)

پولسی افکار کے مصادر کے بارے میں لکھتے ہوئے ایچ۔جی۔ویلز (H.G.Wells) کہتا ہے:

He was well-versed in the Hellenic theologies of Alexandria.... he uses phrases curiously like Mithraistic phrases.

"وہ سکندریہ میں رائج علم الٰہیات سے خوب واقف تھا--- وہ مِثرا اس مت والوں کی طرح کے عجیب وغریب الفاظ واصطلاحات استعمال کرتا ہے۔" (۱۲۱)

اس طرح پولس نے مشرکانہ مذاہب سے جو عقائد و نظریات اخذ کئے تھے' اس نے حواریوں کے مقابلہ میں اپنی زور دار شخصیت' اپنے پس منظر اور تعلیم کی بدولت انہیں عیسائیت میں مؤثر طور پر داخل کر دیا۔ ایچ۔جی۔ویلز مزید لکھتا ہے:

He found the Nazarenes with a spirit and hope, and he left them with the beginning of a creed.

"اس نے نصرانیوں میں ایک جذبہ اور امید پائی' اور ان کے لیے ایک الگ اور واضح عقیدہ کی بنیاد رکھ کر رخصت ہوا۔" (۱۲۲)

یہی وہ حقائق ہیں جن کی بنا پر مشہور جرمن مفکر نطشے (Nietzsche) نے پولس

۱۱۹۔ اس رسم کی مزید تشریح چھٹے باب کی فصل "عقیدہ کفارہ اور عیسائیت میں اس کی اہمیت" میں ملے گی۔

120. Edward Carpenter: Pagan And Christian Creeds, London, pp.65f.

121. H.G. Wells: op.cit., pp. 536-537.

122. Ibid., p.537.

کو "موجد عیسائیت" (Inventor of Christianity) کا لقب دیا[۱۲۳] اور ایک دوسرے جرمن مصنف (Heinz Zahrnt) نے اسے "محرف انجیل یسوع" (Corrupter of the Gospel of Jesus) کا کہا[۱۲۴] جبکہ وردے (W.Werde) اور بہت سے دوسرے مفکرین و مصنفین نے اسے بجا طور پر

"Founder of ecclesiastical Christianity as distinct from the Christianity of Jesus"

"کلیسائی عیسائیت کا بانی، جو کہ عیسیٰؑ کی عیسائیت سے ممتاز و مختلف ہے" قرار دیا ہے۔[۱۲۵]

123. A.S.Peake and R.G. Parsons (editors): Outline of Christianity: The Story of Our Civilisation, London, vol 1, p. 258.
124. J. Lehman: The Jesus Report, London, 1972,p.126.
125. Encyclo. Brit. (1962), vol. 17, p. 395;
J. Lehman : op. cit., p. 127.

باب چہارم

مروجہ عیسائیت کی تدریجی تکوین

مختلف عیسائی فرقے اور ان کے زعماء: پولسی نظریات چونکہ اصل عیسائیت سے بالکل مختلف تھے' اس لیے ان کی مخالفت پولس کی زندگی میں بھی ہوئی اور اس کے بعد بھی جاری رہی۔ پروفیسر جان زیسلر (John Zeisler) لکھتے ہیں:

Paul's version of Christianity faced opposition in the early Church, and has done so spordically ever since.

''پولسی عیسائیت کی قدیم کلیسا میں مخالفت ہوئی' اور اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً اس کی مخالفت جاری رہی۔'' (۱)

اس کے باوجود پولس' اپنے تبلیغی اسفار اور خطوط کی مدد سے' اپنے نظریات دور دور تک پہنچانے اور شائع کرنے میں کامیاب ہو گیا ۔ دور و نزدیک کے بہت سے لوگوں تک عیسائیت کا پیغام اسی کے ذریعہ پہنچا' اور لوگوں نے اس کے پیغام کو حقیقی عیسائیت سمجھ کر قبول کر لیا۔ یہی مصنف اپنی مذکورہ کتاب کے شروع میں رقم طراز ہیں:

A church receiving a letter from him probably had no other Christian writing, and as it was far removed from Palestine and from memories of the followers of Jesus, it probably knew little of his deeds and words.

''جن کلیساؤں کو اس کے خطوط ملے' ان کے پاس غالباً اس کے علاوہ کوئی اور

1. **John Zeisler**: Pauline Christianity, p.140.

عیسائی تحریر موجود نہ تھی- اور چونکہ یہ کلیسیا' فلسطین اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے دور تھے' اس لیے انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اپنے افعال واقوال کا کچھ علم نہ تھا-" (۲)

علاوہ ازیں بعد کی صدیوں میں ایسے لوگ (علماء اور حکمران) اور ایسے واقعات ہوتے رہے جنہوں نے پولسیت کو عیسائیت پر ہمیشہ کے لیے غالب کر دیا' اور بقول وردے (Werde):

The Pauline heresy became the foundation of Christian orthodoxy and the legitimate Church was disowned as heretical.

"پولسی بدعت والحاد مسیحی راسخ العقیدگی کی بنیاد بن گیا' اور اصلی کلیسیا (مذہب) کو ملحد قرار دے کر اپنانے سے انکار کر دیا گیا-" (۳)

موجودہ باب میں پولسیت اور اس کے مخالف و موافق نظریات' نیز اہم عیسائی فرقوں اور شخصیات کی نظریاتی آویزش کا جائزہ لیا گیا ہے-

پولس کے بعد کے ابتدائی دور میں جس فرقہ نے پولسی نظریات کی مخالفت جاری رکھی' اسے تاریخ عیسائیت میں ابیونی (Ebionites) کہا جاتا ہے- ابیونیوں نے پولس کے خطوط کو یکسر مسترد کر کے انہیں دین کی اساس بنانے سے انکار کر دیا' پولس کی تبلیغ کے برعکس موسوی شریعت (Mosaic Law) کی پابندی پر زور دیا' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا اس کا بیٹا کہنے کی بجائے ایک انسان اور عظیم رسول قرار دیا-(۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متصل بعد کے دور میں عیسائیوں کو نصرانی یا ناصری (Nazarenes) کہا جاتا تھا-(۵) اور

۲- کتاب مذکور' ص - ۲

3. J.Lehman:op.cit., p.128.

4. The Oxford Dictionary of the Christian Church,London,1950, p.433; Edward Gibbon: Decline And Fall of the Roman Empire, London, 1879, vol.2,p. 338.

۵- اعمال ۲۴ : ۵

ابیونی نظریات، نصرانی نظریات کے مماثل تھے۔[6] اس طرح ابیونی بڑی حد تک اس عیسائیت کے امین تھے جو پولسی اثرات و تحریفات سے قبل موجود تھی۔[7]

ایک اور فرقہ جس نے ابتدائی دور میں پولسیت پر کاری ضرب لگائی، دوسیتی یا متخیلہ (Docetists) کہلاتا ہے۔ اس کے حامیوں نے منجملہ دیگر نظریات کے، حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہونے کا انکار کیا، اور کہا کہ خدا نے معجزانہ طور پر انہیں صلیب سے بچا لیا تھا، اور ان کی بجائے غدار حواری یہوداہ اسکریوتی یا عیسیٰؑ کا صلیب بردار، شمعون کرینی (Simon of Cyrene) مصلوب ہوا۔[8]

پولس کے بعد کے اس دور میں "رسولوں کی تعلیم" (Diadache or Teaching of the Apostles) نامی تحریر کو الہامی دستاویز (Scripture) سمجھا جاتا تھا۔ اس کتاب کی دعاؤں میں مسیح کے کفارہ اور "نجات آفرین موت" (Redemptive Death) کا کوئی ذکر نہ تھا۔[9] اسی طرح پہلی صدی کے آخر میں لکھی جانے والی ہرمس (Hermas) نامی بزرگ کی کتاب "چرواہا" (The Shephard) میں مسیح کی الوہیت کی بجائے خدا کی توحید کو زیادہ اجاگر کیا گیا تھا۔ یہ کتاب بھی ان کتابوں میں شامل تھی جنہیں طویل عرصہ تک الہامی حیثیت حاصل رہی۔[10]

ممکن تھا کہ مذکورہ بالا تحریکیں اور فرقے، پولس کے اثرات کو زائل یا بالکل کم کر

6. The Oxford Dictionary of the Church, p.941.
7. John Toland: The Nazarenes, London, 1718,p.76.
8. Oxford Dictionary of the Church, p. 409.
9. Henry Chadwick : The Early Church (Penguin Books), 1984, pp. 46-47;
J.C. Berkouwer: Faith and Justification, Michigan, 1960, p.74.
10. John Toland: op.cit,; 75;
E.J. Goodspeed: The Apostolic Fathers, London, 1950;
Encyclopaedia Biblica, London, 1899, c.1831.

دیتے، مگر بدقسمتی سے دوسری صدی عیسوی میں پولسیت کو ایسے ترجمان اور کارکن مل گئے جنہوں نے اس کی سرگرم اشاعت کی۔ حتیٰ کہ بعض افراد اور فرقے جنہیں خود کلیسیا نے بدعتی (Heretic) قرار دیا، ان کے نظریات نے بھی بالواسطہ طور پر پولسیت کو تقویت پہنچائی۔ مثلاً غناسطیوں (Gnostics) یا عرفانی (ادریہ) فرقہ کے مختلف النوع نظریات میں سے دو (مسیح کے ذریعہ انسانیت کی نجات، اور بائبل کے عہد نامہ قدیم کو چھوڑ کر صرف عہد نامہ جدید پر زور) پولسیت ہی کی تائید میں تھے۔(۱۱)

پولسیت کو ایک اہم حامی جسٹن (یوسطین) (Justin) (م-۱۶۵ء) کی صورت میں ملا۔ یہ غناسطیوں کی طرح افلاطونی فلسفہ سے بڑا متاثر تھا۔(۱۲) جسٹن دوسری صدی کے وسط میں یہ سوال زیر بحث لایا کہ جو عیسائی ابھی تک موسوی شریعت پر عمل پیرا ہیں (یعنی نصرانی یا ابیونی)، ان کی نجات ہو گی یا نہیں۔(۱۳) بالآخر ایسے عیسائیوں کو ملحد اور بدعتی قرار دے دیا گیا۔(۱۴) جسٹن نے یونانی فلسفہ کے زیر اثر اس سے بڑا ظلم یہ کیا کہ خدا کی صفت کلام (Divine Logos) کو، جو یونانی فلسفہ کی زبان میں اس کی قوت اور حکمت (بالخصوص حکمت) کا نام ہے،(۱۵) "ایک اور خدا" (another God) قرار دیتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس کا مظہر قرار دیا۔(۱۶) اور "ایک اور خدا" کی وضاحت کرتے ہوئے اس نے لکھا کہ:

11. H. Chadwick : op. cit., pp. 37,38.
12. John Foster : The First Advance (Church History1), London, 1975, p. 41.
13. Edward Gibbon: op.cit., vol, 2, p. 10.
14. Hans Leitzman: The Beginnings of the Christian Church, London, 1955, p.183.
15. D.C. Somervell: A Short History of Our Religion, London, 1922, p.188.
16. H. Chadwick: op.cit., p. 85.

"other, I mean, in number, not in will"

ان الفاظ سے اس کی مراد ارادہ کے لحاظ سے نہیں' بلکہ تعداد کے لحاظ سے "دوسرا خدا" ہے۔ (۱۷)

جسٹن کے علاوہ مارسیون (مرقیون) (Marcion) (م ۱۶۰ء) پولسیت کا اس سے بھی بڑا حامی و مؤید تھا۔ گو اس کے بعض انتہا پسندانہ نظریات' مثلاً اناجیل میں سے صرف لوقا کی انجیل کو تسلیم کرنا (اور وہ بھی اسے "غیر ضروری یہودی اثرات" سے پاک کرنے کے بعد) کی وجہ سے کلیسیا نے اسے مردود قرار دیا۔ (۱۸) مگر پولس سے اس کی انتہائی عقیدت نے لوگوں کو بڑا متاثر کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کے حواری اور دوسرے لوگ عیسائیت کی حقیقت سے کورے رہے (blinded to the truth)' اور وہ صرف پولس کو معلوم ہوئی۔ لہٰذا دین وہی ہے جو پولس نے سکھایا۔ (۱۹) کلیسیا کے بعض کارپردازوں سے اختلاف کے باوجود' مرقیون کے عوامی اثرات کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ بہت سے مرقیونی گرجے ڈیڑھ سو سال تک قائم رہے اور ان نظریات کی اشاعت کرتے رہے۔ (۲۰) مرقیون نے یہودیوں کی بائبل (عہد نامہ قدیم) کو بالکل مسترد کر کے عیسائیوں کے لیے الگ تھلگ "نئے عہد نامہ" پر زور دیا۔ اس کے نتیجہ میں بالآخر کلیسیا نے نئی بائبل کی کتب منتخب کیں' جن میں مرقیون ہی کے زیر اثر' پولس کے خطوط کو بہت زیادہ جگہ اور اہمیت دی گئی۔ (۲۱)

---

17. Ibid., p. 86.
18. John Foster : op. cit., p. 56.
19. The Oxford Dictionary of the Church, p. 854.
20. John Foster: op.cit., p. 56,
21. D.C. Somervell : op.cit., pp. 116-117: "To him we almost cerainly owe the great preponderence of St. Paul's Epistles in the later part of the book."

یونانی نظریات کا فروغ

اصل عیسائیت میں پولسی نظریات اور یونانی افکار کی آمیزش سکندریہ' قیصریہ (Caeserea) اور انطاکیہ' تینوں اہم ترین مکاتب فکر کے متکلمین افلاطونیت اور نیو افلاطونیت سے متاثر ہو چکے تھے)[22] کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری صدی کے دوسرے نصف میں انجیل یوحنا (جو اس آمیزش کی ترجمان تھی) کو قبول عام حاصل ہو گیا' اور اس نے بعد کے سارے مفکرین و متکلمین کی سوچ کو متاثر کیا۔[23] پھر دوسری صدی کے آخر میں ایرینیئس (Irenaeus) (م ۲۰۰ء) اور طرطلین (Tertullian) (م ۲۲۰ء) نے اس سوچ کے زیر اثر قاعدۂ ایمان (Rule of Faith) وضع کیا' جسے انجیل کے سمجھنے کی کلید (Key for interpreting the Bible) قرار دیا گیا' اور جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ اور نجات دہندہ ہونے' نیز روح القدس کی عظمت پر زور دیا گیا۔[24] بالآخر ان نظریات کو دوام اور قبول عام نیقاوی کونسل (۳۲۵ء) کے فیصلوں سے ملا۔ یہ فیصلے خالصۃً یونانی فکر کے حامل (characteristically Greek) تھے۔[25] اس طرح

> Through the efforts of Paul and the early Christian Fathers.... Christianity was so Hellenized as to make it palatable to Greeks.
>
> "پولس اور صدر اول کے مسیحی آباء کی کوششوں سے مسیحیت کو اس طرح یونانی رنگ دیا گیا کہ وہ یونانیوں کے لیے قابل قبول ہو جائے۔"[26]

---

22. J. W. Sweetman: Islam And Christian Theology, London, 1945, vol. 1, pp. 46-50.
23. Henry Chadwick: op.cit., p.87.
24. Ibid, pp. 44-45.
25. Encyclo. Brit. (1962), vol. 5, p.633.
26. Philip. K. Hitti : Syria — A Short History, N.Y., 1961, p. 88.

پولسیت کی ترقی

پولسیت کو جسٹن اور مرقیون جیسے حامیوں کے ذریعہ اور یونانی نظریات کے عمومی فروغ کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی فلسفیانہ بنیاد کے علاوہ ایک عوامی اور جذباتی رنگ بھی مل گیا۔ لوگ رفتہ رفتہ اس مذہبی رہنما کو پسند کرنے لگے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان اور مدح میں غلو سے کام لیتا۔ غلو کا مقابلہ عقل و دیانت سے کرنا بڑا مشکل ہو گیا۔ مثلاً لوگوس (کلمہ) کے نظریہ کی مخالفت کو مسیح کی توہین کے مترادف قرار دیا گیا۔[۲۷] مذہبی رہنما زیادہ سے زیادہ یہ کرتے تھے کہ ایک قسم کے غلو کی شدت کو کم کر کے ایک دوسرا نسبتاً کم غلو آمیز نظریہ پیش کر دیا۔ چنانچہ تیسری صدی میں جب فرقہ سابلیہ (Sabellians) وجود میں آیا' اور اس نے حلول و تجسم کے عقیدہ پر زور دے کر کہا کہ خود خدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں انسانیت کی نجات کے لیے زمین پر آیا اور ہمارے لیے صلیب پائی۔ اور یہ کہ باپ' بیٹا اور روح القدس ایک ہی ذات (Being) کے تین نام ہیں'[۲۸] تو سکندریہ کے عیسائی متکلمین (Alexandrine School) نے اس کی صرف اس حد تک تردید کی کہ عیسیٰ کو خدا کا اوتار قرار دینے کی بجائے (جسٹن کی طرح) خدا کی صفت کلام (یا اس کی قوت اور حکمت) کے مظہر کی حیثیت سے ان کا خدا سے الگ تشخص تسلیم کیا جائے' اور انہیں خدا کی ذات کا دوسرا نام قرار نہ دیا جائے۔ مگر عیسیٰؑ کو خدا کے کلام اور حکمت کا مجسم مظہر انہوں نے بھی قرار دے دیا۔ [۲۹]

البتہ عیسیٰؑ کو خدائی کلام (حکمت) کا مظہر اور اس حیثیت میں دوسرا خدا' نیز ساری مخلوق کی پیدائش کا درمیانی واسطہ ' قرار دینے کے اس نظریہ کی مخالفت کے لیے ملکی

27. Adolf Harnack : History of Dogma, vol, 3, p. 8.

28. Hans Leitzmann: From Constantine to Julian, London, 1955, p. 95; A. Harnack: op. cit., p. 84.

29. Hans Leitzmann : op. cit., p. 95.

یا مونارکی[۳۰] (Monarchians) میدان میں آئے۔ مگر وہ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ پائے کہ باپ، بیٹا اور روح القدس، خدائی تثلیث کے تین الگ الگ ارکان نہیں، بلکہ ایک ہی ذات کی تین مختلف حیثیتیں (modes of the same being) ہیں۔ تاہم ان میں سے بعض نے یہ کہنے کی جرأت ضرور کی کہ حضرت عیسیٰؑ ایک مقدس انسان (Holy Man) تھے۔[۳۱] مگر تیسری صدی کے مشہور عیسائی متکلم اوریجن (Origen) (م ۲۵۴ء) اور اس کے شاگردوں نے مونارکیت (Monarchianism) کی شدید مخالفت کی، اور کہا کہ اگرچہ "باپ اور بیٹا" طاقت اور ارادہ کے لحاظ سے ایک ہیں، مگر وہ دو مختلف حقیقتیں (two distinct realities) ہیں۔[۳۲]

بہرحال یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ایرینیئس، طرطلین اور جسٹن جیسے دوسری اور تیسری صدی کے نامور عیسائی متکلمین کو یونانی افکار کی بنیاد پر پولسیت کو عام کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ ابتداء میں عوام کے لیے ان افکار و نظریات کا قبول کرنا آسان نہ تھا۔ خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی تثلیث کا ایک رکن سمجھنا یا خدا کے کلام و حکمت کا مجسم مظہر گرداننا ان کے لیے مشکل تھا۔ چنانچہ پروفیسر ولسٹن واکر (Williston Walker) اپنی "تاریخ کلیسا" میں لکھتے ہیں:

> Logos Christology.... was not wholly regarded with sympathy by the rank and file of believers. Tertullian says significantly of his own time (213 - 218 A. C): the majority of believers are startled at the dispensation

۳۰۔ یہ نام ان کے مخالف طرطلین نے انہیں دیا، کیونکہ وہ (ایک حد تک) خدائے واحد کو مانتے اور اسے ہی معبود اور بادشاہ (Monarch) قرار دیتے تھے۔ (ہسٹری آف دی کرسچن چرچ از ڈبلیو واکر، ایڈنبرا، ۱۹۴۹ء، ص - ۷۲)

31. Henry Chadwick : op.cit., pp. 87,113.

32. Ibid., p. 113.

of the three in one, on the ground that their very rule of faith withdraws them from the world's plurality of gods to the one only true God.

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نظریہ کلام کو عام ایماندار (عیسائی) ہمدردی کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ طرطلین نے اپنے زمانہ (۲۱۳-۲۱۸ء) کے بارے میں یہ اہم بات لکھی ہے کہ (عیسائیت پر) ایمان رکھنے والوں کی اکثریت "ایک میں تین" کے نظریہ پر چونک پڑتی ہے۔ کیونکہ ان کا قاعدۂ ایمان انہیں خداؤں کی کثرت سے اکیلے سچے خدا کی طرف بلاتا ہے۔" (۳۳)

حضرت عیسیٰ کی حیثیت کے متعلق جو نظریہ کلام (Logos Theory) جسٹن اور اوریجن وغیرہ نے پیش کیا' تیسری صدی میں اس کا ایک اہم مخالف پولس شمشاطی (Paul of Samosata) تھا' جو ۲۶۰ء میں انطاکیہ (Antioch) کا بشپ بنا۔ اس کے نظریات مختلف طرح بیان کیے گئے ہیں۔ تاہم وہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کی صفت کلام کا مظہر قرار دینے سے تو صریحاً انکار کرتا تھا' اور اسے خدائی کے تین اور مستقل اقانیم تسلیم کرنے میں بھی ہچکچاہٹ تھی ۔وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملہم خصوصی مگر بشر (uniquely inspired man) قرار دیتا۔ نتیجتاً اسے ملحد قرار دے کر کلیسیا سے خارج کر دیا گیا۔ (۳۴) کلیسیا دراصل اس وقت تک ایک منظم شکل اختیار کر چکا تھا' اور اس کے اعلیٰ عہدیداران اور بشپ کسی ایسے نظریہ کو برداشت نہ کرتے تھے جو پولس' جسٹن' ایرینیئس اور طرطلین وغیرہ کے نظریات کے منافی ہو' خواہ اس نظریہ کی تائید براہ راست مروجہ اناجیل سے کیوں نہ ہوتی ہو۔ چنانچہ انہوں نے اناجیل ' بالخصوص اناجیل متوافقہ (۳۵)

---

33. W.Walker : A History of the Christian Church, Edinburgh, 1949, p.71.

34 Hans Leitzmann : From Constantine to Julian, pp. 101-102.

۳۵۔ "اناجیل متوافقہ" کی مختصر وضاحت کیلئے دیکھئے باب ۳' زیر عنوان: پولس کے خطوط اور اناجیل اربعہ۔

(Synoptic Gospels) کی تصریحات کو نظر انداز کرتے ہوئے مذکورہ مسیحی مفکرین کے ان نظریات کو قبول کر کے فروغ دیا جو سراسر یونانی فلسفہ و تصوف پر مبنی تھے - بالخصوص خدا کی صفت کلام کی تجسیم اور اس کے باقی اشیاء وافراد کی تخلیق کا واسطہ ہونے کا نظریہ 'بطلیموس' فیثا غورث 'رواقی مفکرین' افلاطون اور نو فلاطونی نظریات سے براہ راست ماخوذ تھا-[۳۶] اوریگن (اوریجن Origen) جو اپنے تلامذہ کے ساتھ یونانی نظریات کو مسیحیت کی بنیاد بنانے میں پیش پیش تھا' بیک وقت رواقی 'فیثا غورثی' نو فلاطونی اور لاادری (Gnostic) تھا-[۳۷]

چوتھی اور پانچویں صدی کے مباحث

چوتھی صدی میں جنوبی مصر کے ایک بشپ میلیشئس (Meletius) (م-۳۸۱ء) سے منسوب میلیشی (Meletian) فرقہ نمودار ہوا' جس نے "نظریہ کلام" کو آگے بڑھایا اور کہا کہ خدا کی جو صفت کلام (Logos) یسوع میں مجسم ہوئی وہ خدا "باپ" ہی کی طرح ازلی (Co-eternal with Father) تھی-[۳۸] علاوہ ازیں چوتھی اور پانچویں صدی میں تین اہم مباحث 'عیسائی متکلمین کے درمیان وجہ نزاع بنے رہے - یعنی ① تثلیث' بالخصوص "باپ اور بیٹے" (خدا اور مسیح) کے باہمی تعلق کے بارے میں ② یسوع کی اپنی حقیقت (nature) کے متعلق اور ③ کفارہ' گناہ اور نجات کے بارے میں مباحث-[۳۹] پہلی بحث کے سلسلہ میں 'سکندریہ کے ایک پادری آریوس (Arius) (م-۳۳۶ء) کو ۳۱۸ء کے لگ بھگ اتنی سی حق بیانی کی توفیق ہوئی کہ "باپ" (خدا) برتر ہے اور "بیٹا" (یسوع) فروتر - نیز

---

36. Will Durant: Story of Civilisation. chap. 27, section 3. (Arabic Trans. 11 : 274-276 ; Eng Ed. vol.3, pp. 584f.

37. Ibid., 11 : 311 (chap. 28, section 4).

38. H. Leitzmann : op.cit., p. 103.

39. J.L. Hurlburt : The Story of the Christian Church, Toronto, 1933, pp.86-87.

"بیٹا" ازلی نہیں بلکہ ایک وقت تھا جب اس کا وجود نہ تھا-[40] آریوس نے اپنے دلائل اور خطابت سے اپنے بہت سے حامی بنا لیے-[41] مگر اس کی مخالفت بھی بڑی شدید ہوئی- اس کے سر کردہ مخالفین میں سکندریہ ہی کا بشپ سکندر (Alexander) اور پادری اتھنا سیس (اثنا سیس) (Athanasius) شامل تھے' جنہوں نے مسیح کے خدا کی صفت کلام کا مظہر ہونے اور ان کی خدائی و ازلیت (eternal co-existence) پر زور دیا-[42] حالانکہ اثنا سیس کی اپنی تحریریں اس بات پر گواہ ہیں کہ وہ مسیح کے "کلام خدا" اور اس لحاظ سے حقیقی خدا ہونے کی جو بات کر رہا تھا اسے وہ خود بھی نہیں سمجھتا تھا-

حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں دوسری بحث' چوتھی صدی کی چھٹی دہائی کے قریب ایک شامی بشپ اپالی نیرس (Apollinaris) نے یہ کہہ کر شروع کی کہ یسوع انسانی نوعیت و ماہیت (human nature) نہیں' بلکہ خدائی ماہیت (Divine nature) کے حامل تھے- دوسرے لفظوں میں وہ خدا تھے جس نے انسانی شکل میں زمینی زندگی بسر کی- اس کے برعکس پادریوں کی اکثریت کا خیال یہ تھا کہ یسوع کی ذات میں بیک وقت خدا اور انسان ہونے کا اجتماع (union of God and man) پایا جاتا تھا-[44]

تیسری بحث شروع کرنے والا ایک راہب پیلا جیئس (Pelagius) تھا' جس نے

40. H.C. Wickersham : A History of the Church, Moundsville (U.S.A), 1900, p. 112;
J.N.D.Kelly : Early Christian Creeds, p. 233;
Crane Brinton: Civilization in the West, p. 119;
Edward Gibbon op.cit., vol. 2,p. 345.
41. A.P. Stanley : Lectures on the History of the Eastern Church, London, 1883, p. 94.
42. H.M. Gwatkin; The Arian Controversy, London, 1920, pp.28-29.
43. E.Gibbon; op. cit., vol. 2,p. 340.
44. J. L. Hurlburt; op. cit., p. 87.

مروجہ عیسائیت کے ایک نہایت بنیادی عقیدہ "ازلی گناہ"[۴۵] کو ماننے سے انکار کیا' اور کہا کہ گناہ کا آدم سے ان کی اولاد کی طرف توریثی طور پر انتقال (hereditary transmission) نہیں ہوتا۔[۴۶] اس کا کہنا یہ تھا کہ ہم نے اپنا گناہ کی طرف رجحان آدمؑ سے ورثہ میں نہیں لیا' بلکہ آزاد انسانی ارادہ (human free will) نیکی یا گناہ کا خود انتخاب کرتا ہے۔[۴۷] ان نظریات کی معروف مسیحی متکلم آگسٹائن (Augustine) اور اس کے حامیوں نے سختی سے تردید کی' اور کہا کہ انسانی بچہ آدم کے "گناہ" کی وجہ سے "گناہگار" پیدا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی نومولود معصوم بچہ (عیسائیت میں شمول کی رسم) بپتسمہ[۴۸] کے بغیر مر جائے تو نجات سے محروم رہے گا۔[۴۹]

"عیسائیت ساز" کونسلیں اور حکمران

پہلی صدی عیسوی کے آخر سے چوتھی صدی کے شروع تک عیسائیت کا ابتدائی زمانہ تھا' جس کے مختلف وقفوں میں رومی بادشاہوں نے عیسائیوں پر ظلم و ستم روا رکھا' حتیٰ کہ شاہ قسطنطین (Constantine) عیسائیوں کی طرف مائل ہوا۔ اس نے ۳۱۳ء میں عیسائیوں کے متعلق رواداری کا حکم (Edict of Toleration) جاری کیا۔[۵۰] اگرچہ اس نے باقاعدہ طور پر عیسائیت بستر مرگ پر ہی قبول کی' مگر وہ عیسائیت اور عیسائیوں کا ہمیشہ ساتھ دیتا رہا۔[۵۱]

۴۵۔ "ازلی گناہ" کے نظریہ کی وضاحت عقیدہ کفارہ کی بحث (باب ششم) میں موجود ہے۔

46. Henry Chadwick : op. cit., p. 277.

47. J.L. Hurlburt: op. cit.,p. 277.

(۴۸) بپتسمہ یا اصطباغ (Baptism): کسی بچے یا بڑے کو رسمی طور پر عیسائی بنانے کے لئے اسے پانی میں غوطہ دینا (Immersion) ' اس پر پانی انڈیلنا (Pouring)' یا اس پر پانی چھڑکنا (Sprinkling)۔ عیسائی عقیدہ کے مطابق یہ عمل "ازلی گناہ" کا اثر دور کرتا ہے۔ دیکھئے :

American People's Encyclo., vol. 3, p.38.

49. D.C. Somervell: op. cit., pp. 150-151.

50. Ibid., p. 11.

51. Ibid., p. 74.

ظلم و ستم کے خاتمہ اور قسطنطین اور اس کے جانشینوں کی سر پرستی سے عیسائیت خوب بڑھی پھولی۔ مگر اس کے دو اثرات اور بھی ہوئے۔ ایک تو اس کے ساتھ ہی عیسائی علماء کے باہمی مناقشات و مباحثات پہلے سے بھی بڑھ گئے۔ اور دوسرے ان مناقشات کے تصفیہ کے لیے حکمرانوں کی مداخلت عام ہو گئی' اور حکمران بھی وہ جو مذہب اور علم دونوں سے بے بہرہ تھے' اور مذہبی امور کا تصفیہ کرنے میں دلائل کی بجائے یہ امر ملحوظ رکھتے تھے کہ مملکت کا امن کیسے بحال رکھا جا سکتا ہے۔[۵۲] دوسری طرف باہم دست و گریباں مذہبی رہنما بھی مذہبی مباحث جیتنے کے لیے دلائل سے زیادہ حکمرانوں کے سہارے تلاش کرتے اور اس کے لیے رشوت ستانی سے بھی گریز نہ کرتے' جیسا کہ ذیل کے واقعات سے ظاہر ہو گا۔ اس طرح بادشاہوں اور مذہبی رہنماؤں کی ملی بھگت سے اس نرالے دستور کی طرح ڈالی گئی کہ پادریوں کے اجتماعات اور کونسلیں' حکمرانوں کی اشیر باد سے جس چیز کو چاہیں دین میں شامل اور جسے چاہیں دین سے خارج کر سکتی ہیں' حالانکہ تحریف شدہ بائبل بھی پادریوں کو دین میں اس طرح کی ترمیم و تنسیخ کا اختیار عطا نہیں کرتی۔

قسطنطین کے عیسائیت کی طرف میلان کا پس منظر بیان کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ اس نے آسمان پر ایک شعلہ بار صلیب (Flaming Cross) کا نشان دیکھا' جس کے بارے میں اسے بتایا گیا کہ یہ اس کی جنگی فتوحات کی بشارت ہے۔[۵۳] مگر واقعات یہ ہیں کہ قسطنطین نے منجملہ دیگر مظالم کے ہوس اقتدار میں اپنے سگے بڑے بیٹے کرسپس (Crispus) کو قتل کروایا تھا' اور پھر اس کے قتل کا الزام اس کی سوتیلی ماں کو دیکر اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ بعد ازاں وہ نادم ہوا' مگر اسے معلوم ہوا کہ رومی مذہب میں اس کے لیے توبہ کا دروازہ بند ہے۔ لہٰذا وہ عیسائیت کی طرف مائل ہو گیا۔[۵۴] علاوہ ازیں اس نے محسوس

52. H.Leitzmann: op. cit., p. 82;
J.L. Hurlburt: op.cit., p. 85.
53. Encyclo. Brit. (1962), 6: 299f.
54. J.B. Firth: Constantine The Great, London, 1890, p. 196.

کر لیا تھا کہ عیسائیوں پر مظالم کا خاتمہ اور عیسائی کلیسیا کا اتحاد اور اس کی پشت پناہی مملکت کی ایک سیاسی ضرورت ہے۔

He had hoped that Christian unity would help the unity of the Empire.

"اس کی توقع یہ تھی کہ عیسائیوں کے اتحاد سے پوری سلطنت کے اتحاد میں مدد ملے گی۔" (۵۵)

اسے یہ دیکھ کر بڑی تشویش ہوتی تھی کہ:

The ministers of God were wrangling amongst themselves like ordinary litigants.

"خدا کے دین کے علماء عام مقدمہ بازوں کی طرح آپس میں دست و گریبان تھے۔" (۵۶)

اور یہ بحث امن عام پر اثر انداز ہو رہی تھی۔ اس لیے اس نے عیسائی علماء کی ایک کونسل منعقد کرانے کا فیصلہ کیا' اور کونسل بلانے سے پہلے اپنے نمائندے اور خطوط مختلف پادریوں کو بھیج کر ان کے اختلاف مٹانے کی کوشش کی۔ ایک خط میں وہ اپیل کرتا ہے:

Restore me then my quiet days and untroubled nights that I may retain my joy, the gladness of peaceful life.

"(صلح کر کے) میرے پر سکون دن اور پر امن راتیں مجھے لوٹا دو' تاکہ میں خوشی' مسرت اور امن و امان والی زندگی حاصل کر سکوں۔" (۵۷)

پہلے یہ کونسل انقرہ (Ancyra) میں منعقد ہونی تھی' مگر بعد میں قسطنطین نے اسے

55. John Foster: op. cit., p. 139.

56. W. H. Frend: The Donatist Church, London, a later 18th. century publication, p. 153.

57. J. Kaye : The Council of Nicea, London, 1853, p. 25.

دارالحکومت قسطنطنیہ (Constantinople) کے قریب ایک جگہ نیقیہ یا نقایہ (Nicaea) میں منعقد کرنے کا حکم دیا۔

so that he would personally control the proceedings.

"تاکہ وہ ذاتی طور پر ساری کارروائی پر اپنا کنٹرول رکھ سکے۔" (۵۸)

یہ کونسل تاریخ عیسائیت میں "پہلی عالمی کونسل" (First Ecumenical Council) کہلاتی ہے۔اس کے ایک سرکردہ رکن نیکو میڈیا کے یو سے بیں (اوسابیں) (Eusebius of Nicomedia) نے کونسل کی کارروائی کی تفصیل بیان کی ہے۔اس کی اصل کتاب سے اقتباس دیتے ہوئے پروفیسر لیٹزمین (Leitzmann) اس دور کی تاریخ کلیسا میں لکھتے ہیں:

He (The Emperor) not only listened attentively and gave signs of his agreement or disagreement, but took part in the discussion in order to guide them to the desired goal of peace.

"وہ (بادشاہ) نہ صرف سب کچھ غور سے سنتا اور اپنے اتفاق یا اختلاف کے اشارے دیتا' بلکہ بحث میں باقاعدہ حصہ لیتا' تاکہ امن و اتحاد کی مطلوبہ منزل کی طرف شرکاء کی رہنمائی کر سکے۔" (۵۹)

کونسل کا اہم ترین مبحث آریوس (Arius) اور اس کے حامیوں کے نظریات تھے' جو یہ کہتے تھے کہ:

The Son of God was not eternal, but created by The Father.

"خدا کا بیٹا ازلی نہیں بلکہ باپ کا پیدا کیا ہوا ہے۔" (۶۰)

---

58. Henry Chadwick : op. cit., p. 130.

59. H. Leitzmann : From Constantine to Julian, p. 118.

60. Oxford Dictionary of the Church, p. 80.

دوسری طرف ان کے مخالفین، مسیح کی ازلیت پر زور دیتے تھے۔[61] مجلس کے انعقاد سے پہلے کلیسیائی حلقوں میں آریوس کے موافقین و مخالفین بڑی کثرت سے موجود تھے، اور ان کے درمیان بڑے جھگڑے اور زوردار بحثیں جاری تھیں۔[62]

بادشاہ کے زیر ہدایت، مؤخرالذکر گروہ کے حق میں فیصلہ ہوا، اور وہ بھی ان کی اپنی توقعات سے کہیں بڑھ کر۔ یعنی کونسل نے فیصلہ کیا کہ 'بیٹا اور باپ' "ایک ہی جوہر سے" ہیں (homousios or of one substance) اور یسوع مکمل طور پر خدا بھی ہیں اور مکمل طور پر انسان بھی (fully God and truly man)۔[63] پروفیسر لیٹزمین اپنی مفصل اور قابل قدر تاریخ کلیسیا میں لکھتے ہیں:

> It is quite astonishing that the Emperor should have placed great emphasis on introducing into the creed a term that hitherto neither of the parties had put forward, the term 'homousios'.

> "یہ بات خاصی حیران کن ہے کہ بادشاہ نے عقیدہ میں ایک ایسی اصطلاح شامل کرنے پر بڑا زور دیا جو فریقین میں سے کسی نے پیش نہیں کی تھی، یعنی 'اتحاد جوہر' کی اصطلاح۔"[64]

گویا یہ فیصلہ جو آئندہ عقائد کی بنیاد بنا اور جس کی بنیاد پر لاکھوں افراد مرتد قرار دے کر جلائے گئے، قتل کیے گئے اور تباہ و برباد کیے گئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام یا انجیل، یہاں تک کہ تحریف شدہ انجیل، پر بھی مبنی نہیں تھا۔ چنانچہ منصف مزاج مسیحی محققین نے

---

61. H. Leitzmann: op. cit., p. 86.
62. L. Dechesne: Early History of the Christian Church, London, 1933, vol. 2, pp. 99,127.
63. John Forster : op. cit. (The First Advance), p. 140.
64. H. Leitzmann: op. cit., pp. 118-119.

صاف لکھا ہے:

Its key phrase — `of one essence with' — nowhere appears in the Scripture.

"اس (عقیدہ) کے کلیدی الفاظ --- (ایک ہی جوہر کا حامل) --- کتاب مقدس میں کہیں بھی موجود نہیں ہیں۔" (۶۵)

نیز یہ الفاظ ایک ایسے بادشاہ کی خواہشات اور سوچ کا نتیجہ تھے، جس نے انہیں پیش کرتے اور ان پر پادریوں کی مہر تصدیق ثبت کراتے وقت باقاعدہ عیسائیت بھی قبول نہیں کی تھی، اور اس کا کردار بھی مذہبی نہیں تھا۔ (۶۶)

Thus the amateurish theology of the Emperor, supported by the immeasurable prestige due to his status, became interwoven with the modes of thought which were responsible for the furthering of learned speculation.

"اس طرح بادشاہ کی ناپختہ الٰہیات، جسے اس کے مرتبہ سے حاصل شدہ بے پایاں وقار نے سہارا دیا، (پادریوں کی) اس سوچ میں داخل ہو گئی جس نے (کونسل کی) عالمانہ بحث کو آگے بڑھایا۔" (۶۷)

65. H. Muller : op.cit. (Uses of the Past), p. 167.
66. J. L. Hurlburt: op. cit., p. 74;
Encyclo. Brit. (1962), vol. 5,p. 676.
علمائے اسلام میں سے امام ابن تیمیہؒ نے اپنے زمانہ میں عیسائی مذہب و تاریخ کے مآخذ تک رسائی عام نہ ہونے کے باوجود، بڑی خوبی سے واضح کیا ہے کہ کس طرح عیسائی اکابر اور علماء مروجہ عیسائی عقائد کی تصنیف و تکوین کرتے رہے ہیں۔ اس موقع پر بھی انہوں نے لکھا ہے کہ قسطنطین نے علماء کی کونسل سے اقانیم ثلاثہ و روح القدس' اور مسیح کے ابن اللہ اور خدا کے جوہر سے ہونے کے جو عقائد وضع کرائے، ان کا پہلے انبیاء اور خود مسیح کے کلام میں ذکر تک موجود نہ تھا۔
دیکھئے امام عالی مقام کی کتاب "الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح" جلد اول، ص۔ ۱۸، اور جلد سوم، ص۔ ۱۴۳
67. H. Leitzmann : op. cit., p. 119.

اور نتیجہ وہی ہوا جو بادشاہ چاہتا تھا' یعنی:

The disagreement about the faith had been ended in accordance with the Emperor's ideas.

"ایمان کے بارے میں باہمی اختلاف' بادشاہ کے نظریات کے مطابق طے کر لیا گیا۔" (۶۸)

حالانکہ کئی چیدہ شرکائے مجلس کو' آریوسی (Arian) نہ ہونے کے باوجود' اس طریقہ اور ان الفاظ سے اختلاف تھا جنہیں بادشاہ کے زیر ہدایت کونسل نے اختیار کیا - تاہم وہ کونسل کے فیصلہ پر تائیدی دستخط کرنے پر مجبور تھے - قیصریہ کا یوسے بیس (اوسابیس) (Eusebius of Caesarea) جس کے علم و فضل کو "زمانہ قدیم کے عیسائی علماء میں بے مثل" (unsurpassed in ancient times) کہا گیا ہے' بھی "بادل نخواستہ" (unwillingly) دستخط کرنے والوں میں شامل تھا۔ (۶۹)

They could not help what they did, and they hoped that the achievement of peace within the Church would justify the dubious means.

"انہوں (کونسل کے ارکان) نے جو کچھ کیا' اس کے سوا ان کے لیے کوئی چارہ نہ تھا - اور انہوں نے (یہ سب کچھ) اس امید پر کیا کہ اس طرح کلیسیا میں امن و اتحاد قائم ہو گیا تو اس کے حصول کے لیے اختیار کیے جانے والے مشکوک ذرائع کو (خود بخود) جواز مل جائے گا۔" (۷۰)

آریوس اور اس کے قریبی حامیوں کو جلاوطن کر کے "امن و اتحاد" کی راہ میں آخری روڑا

68. Ibid., p. 121.

69. Lecures on the Lives and Times of the Christian Fathers : Lecture by M. Gwatkin, London, 1896, pp. 331-334.

70. Henry Chadwick: op. cit., p. 120; Encyco. Brit. (1962), vol. 2, p. 527.

بھی ہٹا دیا گیا۔[71] اور "عقیدہ نیقیہ" کلیسیا کے عقائد کی بنیاد بن گیا۔ حتیٰ کہ خود آریوس نے بھی جلاوطنی اور مصائب سے تنگ آکر اور مجبور ہو کر چند ذاتی تشریحات و تعبیرات کے ساتھ (with a few private glosses)' اس عقیدہ کی دستاویز پر دستخط کر دیئے۔[72] لیکن قسطنطین کی موت (۳۳۷ء) کے بعد آریوسیت کے حامی پھر سرگرم ہو گئے۔ چنانچہ یونانی پادریوں کی ایک اعلیٰ مجلس (Synod) انطاکیہ (Antioch) منعقد ہوئی۔ مجلس نے رومی کلیسیا اور اس کے سربراہ جولیس (Julius) (۳۳۷ تا ۳۵۲ء) کی بالادستی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اس بات کی مذمت کی کہ اس نے ایک جلاوطن "ملحد" مارسیلس (Marcellas) کو روم میں خوش آمدید کہا ہے۔[73] مارسیلس کا "جرم" یہ تھا کہ وہ

> "wanted a strictly Biblical theology, based on texts, not on Plato or Origen."
>
> "سختی سے اس بات کا قائل تھا کہ عیسائی عقائد والٰہیات کی بنیاد افلاطون اور اوریگن کے نظریات پر نہیں بلکہ بائبل کے متن پر ہونی چاہیے۔" نیز وہ "باپ' بیٹا اور روح القدس" کو تین الگ ہستیاں ماننے کی بجائے خدائے واحد کی فعالیت کی تین حالتیں مانتا تھا۔" [75]

دراصل' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصل نظریات تو بڑی دور کی بات ہے' اب مذہبی عقائد و نظریات کی قبولیت و اشاعت کے لئے تحریف شدہ بائبل اور پولسیت کی تائید و تصدیق بھی ضروری نہ رہی تھی۔ یونانی فلسفہ یا کسی عیسائی متکلم کا کوئی غلو آمیز نظریہ اگر پادریوں کو پسند آجاتا تو اس کی ترویج کے لئے صرف ایک چیز کی ضرورت تھی' اور وہ تھی شاہی سرپرستی

71 Henry Chadwick: op. cit., p. 120;
Encyclo. Brit. (1962), vol. 2, p. 527.

72. H. Chadwick: op. cit., p. 134;
Will Durant: op.cit. (Arabic), 12:19
(English Edition: vol. 4, pt.1.)

73-74. H. Chadwick : op. cit., pp. 137-38.

75. Ibid., p. 135.

اور تائید کا اہتمام- اسی طرح اگر کچھ پادری اس غلو کی شدت کو کم کرنا چاہتے تو بھی انہیں شاہی سرپرستی کی ضرورت تھی- چنانچہ قسطنطین کے بعد آریوسیت کا وقتی احیاء اس لئے ہوا کہ اس کے ایک جانشین قسطنطیس (Constantius) کو ایک آریوسی پادری ویلنس (Valens) نے شیشہ میں اتار لیا تھا- ہوا یوں کہ جب قسطنطیس حصول اقتدار کے لئے اپنے مخالفین سے جنگ کے ایک مرحلہ میں ویلنس کے گرجے میں (جو میدان جنگ کے قریب تھا) روحانی پناہ و سکون کے لئے مقیم تھا' ہوشیار پادری نے یہ اہتمام کیا کہ جنگ کے نتیجہ کی خبر پہلے اسے ملے- جب فتح کا پیغام آیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ اسے ایک فرشتہ نے فتح کی خوشخبری دی ہے-

Constantius never forgot his services, and from that moment made Valens his confidant.

"قسطنطیس نے اسی لمحہ سے ویلنس کو اپنا ہمدم بنالیا' اور اس کی خدمات کو کبھی فراموش نہ کیا-"(۷۶) ویلنس کے زیر اثر بادشاہ نے میلان (Milan) میں ایک کونسل ۳۵۵ء میں بلائی' اور جب اس میں عقیدہ نیقیہ کی تصدیق کی تحریک پیش ہوئی تو اسے روک دیا گیا- مندوبین کو حکم دیا گیا کہ وہ چرچ کی بجائے شاہی محل میں اجلاس کریں' اور عقائد کی تفصیل میں جائے بغیر آریوسیت کے سرکردہ مخالف اتھناسیس کی مذمت کریں-

Constantius secretly listened to the speeches. He increased the pressure on the bishops in order to attain his end of condemning Athanasius.

"خود بادشاہ پردہ کے پیچھے سے تقاریر سنتا اور دباؤ ڈلواتا رہا' حتیٰ کہ کونسل نے اکثریت سے اتھناسیس کی مذمت کر دی-" (۷۷)

---

76. H. Leitzmann : op. cit., pp. 212-213.

77. Ibid., p. 215.

حضرت عیسیٰؑ کی حیثیت و ماہیت کے بارے میں اس وقت تین نظریات موجود تھے:

(۱) نیقیہ کا نظریہ کہ وہ اور "خدا باپ" ایک ہی مادہ سے یا (homoousious or of one essence) ہیں۔

(۲) اکثر یونانی پادریوں کا نظریہ کہ ان کی ماہیت و مادہ باپ کی مانند (homiousios or like the Father) ہے اور

(۳) "بیٹا" "باپ" سے الگ، مخلوق اور مختلف (anomoios, dissimilar, or unlike the Father) ہے۔ ان میں دوسرے نظریہ کو معتدل سمجھا جاتا تھا اور ویلنس اسی نظریہ کو فروغ دینا چاہتا تھا، مگر اس ترمیم کے ساتھ کہ اصلیت و ماہیت (ousia or essence) کی موشگافی کو چھوڑ کر صرف باپ کی مانند (Like the Father) کے الفاظ پر زور دیا جائے۔ چنانچہ بادشاہ نے ۳۵۹ء میں مشرقی و مغربی کلیساؤں کی الگ الگ کونسلیں بلائیں، ان پر شاہی نگران (Commissioners) مقرر کئے، اور ہدایات دیں کہ پادریوں کو اس وقت تک گھر نہ جانے دیا جائے جب تک وہ عقیدہ نیقیہ کی بجائے اس ترمیم شدہ عقیدہ کی تصدیق نہ کریں۔ مغربی کلیسا کے پادریوں نے مزاحمت کی کوشش کی، مگر جب انہیں مئی سے اکتوبر تک گھر نہیں جانے دیا گیا اور موسم وغیرہ کے شدائد بڑھ گئے، تو انہوں نے شاہی خواہش کو پورا کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ معروف مسیحی متکلم سینٹ جیروم کے بقول (The world groaned to find itself Arian) "پوری دنیا آریوسیت کے بوجھ تلے کراہنے لگی۔"(۷۸)

(۷۸) اس ساری تفصیل کے لئے دیکھئے:

H. Chadwick : op.cit., pp.141-143;

H.Leitzmann: op. cit., pp.225-232; A.C. Macgiffert : History of Chsistianity in the Apostolic Age, London, 1897.

گویا‘ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے‘ جب شاہ قسطنطین نے آریوس اور آریوسیت کو دبا کر اتھناسیس وغیرہ کے نظریات کی تائید کی تھی تو نیقیہ کی پہلی عالمی مسیحی کونسل نے عیسیٰؑ اور خدا کو "متحد الاصل" اور "ایک ہی جوہر سے" قرار دیتے ہوئے دونوں کی ازلیت پر زور دیا تھا‘ اور یہی نظریات عیسائیت کی درست تعبیر قرار پائے تھے۔ لیکن جب ان نظریات کے مخالفین اور آریوس کے حامی قسطنطین کے جانشین قسطنطیس کو اپنا ہمنوا بنانے میں کامیاب ہو گئے‘ تو اس نے چیدہ پادریوں کی کونسل سے منوالیا کہ اب عیسائیت کی درست تعبیر عیسیٰؑ کو ازلی‘ خدا ہی کے جوہر سے‘ اور اصلاً اس کے ساتھ متحد قرار دینا نہیں بلکہ انہیں صرف "خدا کی مانند" سمجھنا ہے۔ یعنی عیسائیت اور اس کے بنیادی عقائد بادشاہوں اور پادریوں کے ہاتھ میں موم کی ناک بن کر رہ گئے‘ جنہیں وہ جس طرح چاہتے تبدیل کر سکتے تھے۔

اور پھر قسطنطیس کی سرپرستی میں آریوسیت اور نسبتاً کم غلو آمیز نظریات کی پیش قدمی یہاں تک بڑھی کہ اس دور کے ایک اور مسیحی مفکر میسے ڈونیس (Macedonious) اور اس کے حامیوں نے روح القدس کی خدائی اور اس کے تثلیث میں شمول سے بھی انکار کر دیا۔(۷۹)

لیکن قسطنطیس کی موت کے بعد حالات ایک دفعہ پھر اتھناسیس اور نیقاوی عقیدہ کے حق میں بدلے۔ اب آریوسیت کے شدید رد عمل کے طور پر مذکورہ فوق اپالی نیرس (Apollinaris) اور اس کے ہمنواؤں نے مسیح کو بالکل خدائی ماہیت (Divine nature) کا حامل اور انسانی ماہیت (human nature) سے عاری قرار دے دیا۔(۸۰) پہلے ہی‘ نسبتاً کم غلو آمیز ہونے کی وجہ سے‘ آریوسیت کو عوامی تائید حاصل نہیں تھی‘ اور عوام آریوسیت کے مخالف اتھناسیس سے اپنی عقیدت کا اظہار قسطنطیس کے ہوتے ہوئے بھی کر

---

79. H. Chadwick: op. cit., p. 146.

80. J.L. Hurlburt: op. cit., p. 86;

H. Chadwick: op. cit., p. 148.

چکے تھے۔[۸۱] ادھر بادشاہ وقت تھیوڈوسیس اول (Theodosious I) بھی اب نیقاوی عقائد کا حامی تھا۔ لہٰذا اس نے ۳۸۱ء میں قسطنطنیہ کی عالمی کونسل منعقد کی' اور اس کے انعقاد سے پہلے ہی مشرقی (یونانی) کلیساؤں کو (جن کی طرف سے شاہ پسند نظریات کی مخالفت کا خدشہ تھا)' "پیشگی انتباہ" (advance warning) کر دیا کہ انہیں بہر صورت نیقاوی عقیدہ کی از سر نو تصدیق کرنا ہو گی' نیز انہیں سکندریہ کے بشپ پطرس (Peter)' جو اتھناسیس کی موت (۳۷۳ء) کے بعد اس کا جانشین تھا' کی سیادت تسلیم کرنا پڑے گی۔[۸۲] علاوہ بریں بادشاہ نے تجسم اور نظریہ کلام (Logos Theory) کے مذکورہ بالا سرکردہ حامی میلیشس (Meletius) کو کونسل کا صدر مقرر کر کے اپنی پسند و ناپسند کا مزید اظہار کر دیا۔[۸۳] چنانچہ کونسل نے بادشاہ کی خواہش کے مطابق' مسیح کی حیثیت کے بارے میں عقیدہ نیقیہ کے کلیدی لفظ "ایک جوہر" (homousios) کی تصدیق کی' مسیح کو خدائی اور انسانی دونوں صفات کا بیک وقت حامل ٹھہرایا' اور ساتھ ہی روح القدس کو "باپ سے نکلا ہوا" (Proceeds from the Father) قرار دیا۔[۸۴] اس طرح روح القدس کو تثلیث کا باقاعدہ رکن بنانے کی راہ بھی ہموار ہو گئی۔ پروفیسر لیٹز مین تاریخ کلیسیا کے سلسلہ میں اپنی ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں:

> At Nicea, homoousia had only been affirmed with reference to the Father and the Son, but now and for the first time, it was expresaly asserted that prayer could be addressed with equal propriety to the Holy Spirit. This was one way of formulating the theology of the Trinity.

---

81. H. Chadwick : op. cit., pp. 141-142.

82-83. Ibid., pp. 150-151.

84. Ibid.

"نیقیہ (کی کونسل) میں متحد الاصل ہونے کا اقرار صرف باپ اور بیٹے کے بارے میں تھا، مگر اب پہلی مرتبہ واضح طور پر کہا گیا کہ روح القدس سے دعا بھی اسی طرح جائز ہے (جس طرح باپ اور بیٹے سے)- یہ تثلیث کی الٰہیات وضع کرنے کا ایک طریقہ تھا-" (۸۵)

اس طرح اس کونسل کے فیصلے بھی دلائل کی بجائے پادریوں کی متکلمانہ موشگافیوں کے ساتھ ساتھ بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کے تحت ہوئے -بقول پروفیسر چاڈوک:

Throughout this period the attitude of the emperor was again of the first importance.

" اس سارے عرصہ میں ایک دفعہ پھر بادشاہ کا رویہ ہی اولین اہمیت رکھتا تھا-"(۸۶)

حالانکہ ان فیصلوں خصوصاً روح القدس کے بارے میں عقیدہ کی تائید' نہ تو نقلی ثبوت اور روایت (Tradition) سے ہوتی تھی اور نہ کلیسیا کے سابقہ فیصلوں اور اسناد (Canon) سے-(۸۷)

نیقاوی عقیدہ کی دوبارہ فتح سے تثلیث اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی و ابنیت کے نظریات' عالم عیسائیت پر پھر پوری طرح مسلط ہو گئے- اگرچہ بعض اختلافات اور کلامی مباحث جاری رہے' مگر صورت حال یہی رہی کہ سارے مباحث کے بعد کامیابی اور ترویج اسی نظریہ کو حاصل ہوتی جسے بادشاہ وقت کی منظوری اور تائید کا شرف ملتا-

اس مضحکہ خیز مگر افسوسناک صورت حال کی ایک اور مثال تھیوڈوسیس ثانی

---

85. H. Leitzmann: The Era of the Church Fathers, London, 1955, p. 47.
86. H. Chadwick : op. cit., p. 145.
87. 'Concilium' — Conflicts About the Holy Spirit, New York, 1979; Jedin and Dolan's History of the Church, London, 1950, vol. 2, p.73.

(Theodosius II) کے عہد میں سامنے آتی ہے۔اس نے ۴۲۸ء میں نسطوریس (Nestorius) کو قسطنطنیہ کا بشپ (بڑا پادری) مقرر کیا۔نسطوریس نے اپنے مواعظ میں مریمؑ کو "خدا کی ماں" (Theotokos or Mother of God) کہنے کی مخالفت شروع کر دی' اور کہا کہ "مسیح دو بالکل مختلف ماھیتوں (Natures) کا مجموعہ تھے' یعنی خدائی اور انسانی ماہیت' اور ان دونوں ماہیتوں کا آپس میں تعلق نہیں تھا۔" (۸۸)

پادریوں کی اکثریت اور عوام نے ان باتوں کو ناپسند کیا اور ان پر احتجاج کیا۔سکندریہ کا بشپ سائرل (Cyril) اس مخالفت میں پیش پیش تھا۔(۸۹) نسطوریس اور سائرل دونوں کو شاہی تائید و حمایت کی اہمیت معلوم تھی' اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ بادشاہ اپنی بیوی اور بڑی بہن کے زیر اثر ہے۔(۹۰)

> Like a weather-cock, the emperor's Church policy tended to vacillate according to whether he was being controlled by his wife or by his sister.

> "بادشاہ کی کلیسیائی پالیسی مرغ باد نما کی طرح رخ بدلتی تھی' اور اس کا تعین اس بات سے ہوتا تھا کہ وہ (کسی خاص وقت میں) بیوی کے زیر اثر ہے یا بہن کے۔"(۹۱)

نسطوریس ملکہ کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا' مگر سائرل نے بھی کامیابی کے لئے ہر ذریعہ استعمال کیا۔

> He addressed himself to the sister and wife of the

---

88. Outline of Christinanity, The Story of Our Civilization, (edited by A.S. Peak and R.J. Parsons), vol. 2p. 82.
89. 'Concilium' — Mary in the Churches, New York, *1983*, pp. *48-49*.
90. H. Chadwick : op. cit., pp. 194-196.
91. Ibid., p. 196.

emperor and he bribed the officials of the court.

"اس نے بادشاہ کی بہن اور بیوی (کو ہمنوا بنانے کے لئے) دونوں کی طرف رجوع کیا' اور شاہی دربار کے افسروں کو رشوتیں دیں۔" (۹۲)

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مریم کو "خدا کی ماں" کہنے والے اور مسیح کی نوعیت و ماہیت کو خدائی اور انسانی کے الگ الگ خانوں میں بانٹنے کی بجائے اسے یک ماہیتی ماننے والے "مونو فیزی" (Monophysites) جیت گئے اور:

At a Council held in Ephesus (449),... the Alexandrine doctrine of the one nature received the sanction of the Church.

"ایفے سس (افسس) کی کونسل (منعقدہ ۴۴۹ء) میں سکندریہ کے متکلمین کے یک ماہیتی نظریہ کو کلیسیا کی تائید حاصل ہو گئی۔" (۹۳)

تاہم نسطورس کے نظریات کے حامی نسطوری عیسائی' زمانہ قریب تک کردستان میں موجود رہے' اور شامی کلیسیا کی الٰہیات پر بھی نسطوریت کا اثر غالب رہا' جسے اس کلیسیا کے مبلغین نے ہندوستان اور چین کے بعض علاقوں تک بھی پھیلا دیا۔ (۹۴)

افسس کونسل (یا کسی بھی کونسل) کے فیصلوں کی منظوری کے لئے یہ ہرگز ضروری نہ تھا کہ ان کی تائید انجیل سے کی جائے۔ سکندریہ کے علماء کے جس گروہ کی اس کونسل میں جیت ہوئی' ان کے بارے میں "مسیحیت کا خاکہ" (An Outline of Christianity) نامی پانچ مبسوط جلدوں پر مشتمل معیاری تاریخ عیسائیت میں لکھا ہے:

The scholars of Alexandria were accustomed to begin by taking for granted the general theory of the

---

92. Encyclo. Brit. (1962), 16: 245.

93. Ibid., vol. 8, p. 895.

94. Ibid., vol. 16, pp. 244-245.

Incarnation of the Word or Son of God, and only then to proceed to ask how, in the light of this general conception, the Scriptures were to be interpreted.

"سکندریہ کے علماء کی عادت تھی کہ وہ "کلام" کے (عیسیٰ میں) تجسم اور انہیں خدا کا بیٹا قرار دینے کے نظریہ کو پہلے ہی مسلمہ فرض کر کے اس سے (اپنے مباحث کی) ابتداء کرتے تھے' اور اس کے بعد ہی یہ سوال اٹھاتے تھے کہ اس عمومی نظریہ کی روشنی میں انجیل کی کس طرح تشریح و تعبیر کرنی ہے۔" (۹۵)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ (نسطوریس کے حامی) قسطنطنیہ اور انطاکیہ کے متکلمین یا دیگر عیسائی علماء' سکندریہ کے متکلمین کے طریقہ کے برعکس' اپنے نظریات کو انجیل کے تابع رکھتے تھے۔ فی الحقیقت وہ بھی پہلے غلو آمیز عقیدت پر مبنی ایک نظریہ اختیار کرنے کے بعد ہی انجیل کی طرف رجوع کرتے تھے۔ان میں اور سکندریہ کے علماء میں فرق صرف درجہ (degree) کا تھا۔چنانچہ اسی کتاب میں آگے لکھا ہے:

The great scholars of Antioch (while holding fast... to the faith in Christ who was both human and divine) were accustomed to approach the study of the New Testament... with their minds less made up in advance.

"انطاکیہ کے عظیم علماء (مسیح کے بارے میں اس عقیدہ پر مضبوطی سے جمے رہنے کے ساتھ ساتھ کہ وہ انسان بھی تھے اور خدا بھی)' انجیل کے نئے عہد نامہ کا مطالعہ اس حال میں کرنے کے عادی تھے کہ ان کے دماغ کسی پیشگی نتیجہ پر نسبتاً کم پہنچے ہوتے۔" (۹۶)

الغرض عیسائی عقائد' حکمرانوں اور پادریوں کی کونسلوں کے ہاتھوں میں پوری طرح کٹھ پتلی بن کر رہ گئے۔جس طرح ماضی میں بشپ اور بادشاہ عقیدہ نیقیہ سے کھیلتے رہے' اور

95-96. Outline of Christianity, vol. 2, p. 9.

وہ کبھی منظور اور کبھی مسترد ہوا- اسی طرح کا کھیل مسیح کی نوعیت و ماہیت والے عقیدہ سے کھیلا گیا-

افسس کی کونسل کا فیصلہ بہت سے لوگوں کو پسند نہیں تھا، جن میں روم کا بشپ (پوپ) لیو (Leo) بھی شامل تھا- اس نے بھی کامیابی کے لئے بادشاہ کی بہن پلکیریا (Pulcheria) سے گٹھ جوڑ کر لیا، اور موقع کا منتظر رہا۔(۹۷) ۴۵۰ء میں تھیوڈوسیس ثانی فوت ہوا، اور پلکیریا نے ملک کا نظم و نسق سنبھال لیا- ۴۵۱ء میں پلکیریا کی براہ راست نگرانی میں خلقیدونیہ (Chalcedon) کی چوتھی عالمی کونسل بلائی گئی۔ اس نے ایفسس کی کونسل کو "چور مجلس" (Robber Synod) قرار دیا، اس کے فیصلوں کو منسوخ کیا اور اعلان کیا، کہ مسیح میں خدائی اور انسانی یا لاہوتی و ناسوتی دونوں ماہیتیں اور فطرتیں (natures) موجود تھیں، اور وہ مکمل طور پر خدا بھی تھا اور مکمل انسان بھی-(۹۸)

قبطی، مارونی دیگر فرقے

تاہم شامی یعقوبیوں (Syrian Jacobites)، مصری قبطیوں (Egyptian Copts)، اہل آرمینیا (Armenians) اور اہل ایتھوپیا (Ethiopians) نے خلقیدونیہ کے فیصلوں کو قبول نہیں کیا، اور وہ بدستور یک ماہیتی (Monophysites) رہے- یعنی ان کا عقیدہ یہ رہا کہ مسیح، خدائی اور انسانی دو الگ الگ ماہیتوں کی بجائے ایک ہی متحدہ ماہیت کے حامل تھے- اس عقیدہ کے اثرات مصر اور شام میں کافی عرصہ تک رہے، اور مشرقی و یونانی کلیسیا پر اب بھی موجود ہیں-(۹۹)

افسس اور خلقیدونیہ کی کونسلوں کے متضاد فیصلوں نے جن فرقوں کو جنم دیا، ان

97. H. Chadwick : op. cit., pp. 202-203.

98. Encyclo. Brit. (1962), vol. 15, p. 729;

H. Chadwick : op. cit., p. 203-204.

99. H. Chadwick : op. cit., p. 210;

American People's Encyclopaedia, 13: 934

میں ماروِنی عیسائی (Maronites or Almawarinah) بھی شامل ہیں۔ان کی ابتداء پانچویں صدی کے ایک شامی راہب' قدیس مارون (St. Maron) سے منسوب کی جاتی ہے۔شام سے یہ لبنان' مصر' قبرص' وغیرہ تک پھیلتے پھیلتے امریکہ تک بھی پھیل گئے' جبکہ لبنان میں اب بھی ان کی معقول تعداد موجود ہے۔ان کا کہنا یہ تھا کہ مسیح میں خدائی اور انسانی دونوں ماہئیتیں تو ہیں مگر' قصد وارادہ (Will) ایک ہی ہے۔یہ فرقہ رومی پوپ کی سیادت ماننے میں بھی عرصہ تک متأمل رہا' یہاں تک کہ بارھویں صدی میں اس نے پوپ کو اپنا مذہبی رہنما تسلیم کر لیا۔یہ لوگ عبادت کے دوران اب بھی بعض دعائیں قدیم ارامی زبان ہی میں مانگنے کے قائل ہیں۔(۱۰۰)

الغرض ان عالمی کونسلوں کے مختلف فیصلے قسطنطین اور اس کے جانشینوں کی خواہشات اور شاہ پسند' بے ضمیر اور لالچی پادریوں کی ملی بھگت سے ہوتے رہے' اور انہوں نے عیسائیت کا حلیہ مکمل طور پر بگاڑ دیا۔اس زمانہ کے دونیتی (Donatist) فرقہ کے بعض علماء نے جو اس روش کے خلاف تھے' بالکل درست کہا تھا:

> The Catholics were evil priests working with the kings of the world. Relying on royal favours, they had renounced Christ.
>
> "کیتھولک (رومی) کلیسیا کے علمائے سوء دنیاوی بادشاہوں کے ساتھ مل گئے تھے۔ شاہی مراعات کی بناپر انہوں نے مسیح کو ٹھکرا دیا تھا۔" (۱۰۱)

اوپر کے بیان سے یہ بات واضح ہے کہ موجودہ مسیحی عقائد' بادشاہوں اور پادریوں کے فیصلوں کا نتیجہ ہیں۔اور اگر وہ ان کے بالکل الٹ عقائد کو رواج دینے پر اتفاق کر لیتے تو عام عیسائی وہی عقائد اختیار کر لیتے۔جرمن فاضل ہارنیک نے اس حقیقت کو اس طرح بیان

100. American People's Encyclopaedia, vol 13, p. 166;
. Encyclo. Brit. (1962), vol. 5, p. 732 and vol. 14, p. 935.

101. W. H . Frend: op. cit. (The Donatist Church), p. 326.

کیا ہے کہ عیسائی عقائد صرف جزوی طور پر (in part) اناجیل پر مبنی ہیں اور دراصل وہ یونانی روح (Greek Spirit) اور تاریخی عوامل کا نتیجہ ہیں۔[(۱۰۲)]

مشرقی و مغربی کلیساؤں کی علیحدگی:

مذکورہ بالا مباحث نے مشرقی و مغربی کلیساؤں کی علیحدگی کی بنیاد ڈال دی۔ مگر ان کی باقاعدہ علیحدگی، جسے نفاق عظیم (Great Schism) کہا جاتا ہے، مذکورہ واقعات کے بہت عرصہ بعد جاکر ہوئی۔ علیحدگی کی تکمیل کے سلسلہ میں ایک اہم اختلاف، مشرقی رومی سلطنت کے بادشاہ لیو اسوری (Leo the Isaurian) (۷۱۷ تا ۷۴۰ء) کے عہد میں ہوا۔ اس بادشاہ کا نظریہ یہ تھا کہ اس دور کے مسلمانوں کے مقابلہ میں عیسائیوں کی پے در پے شکستیں خدا کی طرف سے بطور سزا ہیں، کہ انہوں نے اپنے بزرگوں کے مجسموں اور یادگاروں کی پرستش شروع کر رکھی ہے۔[(۱۰۳)] لہٰذا اس نے "بت شکنی کے حکم" (Edict of Iconoclasm) کے ذریعہ اپنے علاقہ کے کلیساؤں کے بت تڑوانے شروع کئے۔ اس پر روم کے پوپ گریگوری سوم نے ۷۳۱ء میں اسے مستوجب لعنت (Anathematised) قرار دے دیا۔[(۱۰۴)] بعد ازاں اگرچہ مشرقی کلیسا والوں نے بت شکنی ترک کر دی، مگر اس کے بعد بھی مشرقی کلیسا، مغربی یا لاطینی رومی کلیسا سے آہستہ آہستہ دور ہٹتی رہی، کیونکہ مشرقی کلیسا کے رہنما (جسے بطریق (Patriarch) کہا جاتا ہے)، کو مؤخر الذکر کلیسا کے مذہبی رہنما یعنی رومی پوپ کی بالادستی منظور نہ تھی، اور اس بات سے بھی اختلاف تھا کہ رومی کلیسا، یہودیوں کے سبت کو روزہ کا دن قرار دینے کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، اور پادریوں کو شادی سے منع کرتی ہے۔[(۱۰۵)]

102. Adolf Harnack: History of Dogma (Eng. Trans.), London, 1905, vol. 1, pp. 16-17.
103. D.C.Somervell: op. cit., p. 157.
عیسائیوں میں بت پرستی، رومی مشرکانہ مذہب کے زیر اثر، قسطنطین کے جلد ہی بعد شروع ہو گئی تھی۔ دیکھئے:
W.C.Wickersham:op.cit., p.137
104. D.C.Somervell: op. cit., 158.
105. J.L. Hurburt: op. cit., pp. 126 -127.

مگر دونوں کلیسیاؤں کی مکمل، رسمی اور مستقل علیحدگی میں بھی ایک بادشاہ کا بڑا ہاتھ تھا۔ شارلیمان (Charlemagne) یا چارلس اعظم (۷۴۲ تا ۸۱۴ء) رومی پوپ لیو سوم (Leo III) کی اشیر باد سے "مقدس رومی سلطنت" (Holy Roman Empire) کا سربراہ بنا، اور مشرق کے شاہان قسطنطنیہ سے الگ ہو گیا تھا۔[106] وہ بھی سابقہ حکمرانوں کی طرح تکوین عقائد میں دخل اندازی کرنے لگا۔ خاص طور پر اس نے مشرقی و مغربی کلیسیا کی ایک اہم بحث میں بڑی دلچسپی لی جو "تصدیر روح القدس" (Procession of the Holy Spirit) کہلاتی ہے۔[107] قسطنطنیہ کی عالمی کونسل نے روح القدس کو "باپ سے صادر شدہ" (Proceeding from the Father) قرار دیا تھا۔[108] مگر بعض رومی و مغربی پادری "باپ سے بذریعہ بیٹا صادر شدہ" (Proceeding from the Father through the Son) کہنا پسند کرتے تھے۔[109] جب یہ خود ساختہ عقیدہ مزید مبالغہ و غلو کا شکار ہوا، تو روح القدس کو "باپ اور بیٹے سے صادر شدہ" (Proceeding from the Father and the Son) کہا جانے لگا، اور اس موضوع پر مشرق و مغرب کے آپس میں زبردست مباحث ہوئے۔[110] حتیٰ کہ شاہ شارلیمان نے حکم دیا کہ قسطنطنیہ کی کونسل کے منظور شدہ عقیدہ میں جہاں "باپ سے صادر شدہ" کے الفاظ آئے ہیں وہاں یونانی زبان کے لفظ (filioque) کا اضافہ کیا جائے، جس کا مطلب "اور بیٹے سے" (and the Son) ہے۔ یہ اضافہ "پوپ کی خواہش کے علی الرغم" (contrary to the wishes of the Pope) ہوا،[111] اور بقول مورخ کلیسیا، سمرویل (Somervell):

106. D.C.Somervell: op. cit., pp. 160-161.
107. J. L. Hurlburt: op. cit., p. 126.
108. H. Chadwick: op. cit., p. 151.
109. J.N.D. Kelly: op. cit., p. 358.
110. J.N.D. Kelly: op. cit., p. 126;
New Catholic Encyclopaedia, 14: 301.
روح القدس کے باپ اور بیٹے سے صادر ہونے کے لئے عربی اور اردو میں "انبثاق" (لفظی معنی: لبریز ہونا) کا لفظ مستعمل ہے۔ دیکھئے کلام مقدس (کیتھولک اردو بائبل)، مطبوعہ روم، صفحہ "ط"۔
111. D.C.Somervell: op. cit., p. 161.

The objection of the Eastern Church to this insertion caused the final rupture between the two Churches in 1054.

"مشرقی کلیسا کی طرف سے اس اضافہ پر اعتراض، دونوں کلیساؤں کی ۱۰۵۴ء میں مکمل علیحدگی کا باعث بنا۔" (۱۱۲)

مغربی کلیسا کا مرکز روم میں رہا جبکہ مشرقی کلیسا کا مرکز پہلے قسطنطنیہ اور پھر مسلمانوں کی فتح قسطنطنیہ کے بعد ماسکو بنا، اور وہ "مقدس سلفی کلیسا" (The Holy Orthodox Church) کہلانے لگا۔ (۱۱۳) بعد میں اس کے روسی، یونانی، قبطی (Coptic) آرمینی (Armenian) اور شامی (Syrian) حصے، ایک دوسرے سے الگ کلیساؤں کے طور پر منظم ہو گئے۔ تاہم یہ سب حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت وابنیت اور تثلیث و کفارہ جیسے مسائل پر متفق رہے۔ (۱۱۴)

تحریک اصلاح کلیسا

مشرقی کلیسا سے علیحدگی اور "مقدس رومی سلطنت" کے قیام کے بعد، پاپائیت آہستہ آہستہ ایک مضبوط، مگر بدعنوان ادارے کی حیثیت اختیار کر گئی (پاپائیت کی بدعنوانیوں کا جائزہ انشاءاللہ آخری باب میں لیا جائے گا)۔ بارھویں صدی میں مسلمانوں سے لڑی جانے والی صلیبی جنگوں (Crusades) اور مسلمانوں کی مذہبی و علمی ترقی کے زیر اثر (۱۱۵) یورپ میں بیداری کی لہر پیدا ہوئی، تو پاپائیت کے نقائص اور برائیاں بھی زیر بحث آئیں۔ ابتداء میں جان وکلف (John Wycliffe)، ایراسمس (Erasmus)،

---

112. Cambridge Medieval History (1924), vol, 4, p. 268;
D.C. Somervell: op;. cit, p. 161, footnote.

113. D.C.Somervell: op. cit., p. 158.

114. C.F. Potter: The Faiths Men Live By, pp. 118-119.

115. W.C.Wickersham: op. cit., p. 170;
D.C.Somervell: op.cit., pp.116-117.

جان ہس (John Huss)' اندریاس (Andreas) اور جان ویسل (John Wessel) جیسے مصلحین نے ان برائیوں کے خلاف آواز اٹھائی' اور کلیسیا کے ٹھیکیداروں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے۔[116] تاہم تحریک اصلاح کا باقاعدہ آغاز جرمنی میں مارٹن لوتھر نے ۱۵۱۲ء میں کیا۔[117]

مشرقی اور مغربی کلیسیاؤں کی چپقلش اور علیحدگی کے بعد تحریک اصلاح کلیسیا بھی ایک ایسا موڑ تھا جہاں سچی اور اصلی عیسائیت میں پولس اور اس کے جانشینوں' نیز کونسلوں اور بادشاہوں کی لائی ہوئی آمیزش اور کھوٹ کی اصلاح ہو سکتی تھی' مگر افسوس! اس موقع کو بھی ضائع کر دیا گیا۔ لوتھر اور دوسرے اصلاح پسندوں نے عقائد میں کوئی اہم اور بنیادی اصلاح نہیں کی۔ بلکہ الٹا پولسی نظریہ "نجات بذریعہ ایمان" (Justification by Faith) کی پرزور تائید کر کے پولسیت ہی کو تقویت پہنچائی۔ اس نظریہ و عقیدہ کے مطابق نجات' مسیح کی مزعومہ قربانی پر ایمان لانے ہی میں مضمر ہے' اور عمل کی کوئی زیادہ اہمیت نہیں۔[118] دراصل ان اصلاح پسندوں کی لڑائی صرف رومی کلیسیا اور اس کے سربراہ سے تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس کلیسیا کے مقابلہ میں آزاد کلیسیا قائم کر دیا' جسے بعد میں پروٹسٹنٹ (احتجاجی) کلیسیا کہا گیا' جب کہ رومی کلیسیا کے سربراہ کی سیادت تسلیم کرنے والے' کیتھولک (رومن کیتھولک) کلیسیا (کلیسیائے عامہ) کے جھنڈے تلے جمع ہوئے۔[119]

جہاں تک عقائد و نظریات کا تعلق ہے' تحریک اصلاح کے علم برداروں' مثلاً کیلون (Calvin) کی کوشش یہ ثابت کرنا تھی کہ پروٹسٹنٹ عیسائی "رسولی عقیدہ" جیسے پولسیت

---

116. W.C.Wickersham: op. cit., p. 176.

117. J. L Hurlburt: op. cit., p. 152.

118. D.C. Somervell: op. cit., p. 216;
Crane Brinton: Civilization in the West, New Jersey, 1973, p. 298.

119. J. L. Hurlburt: op. cit., p. 153f.

زدہ عقائد کو کیتھولک عیسائیوں کی نسبت زیادہ مضبوطی سے اپنائے ہوئے ہیں۔[۱۲۰] دوسری طرف رومن کیتھولک عیسائیوں کا دعویٰ تھا کہ:

Dogmas which the reformers decided to preserve had only been preserved for them by the authority which they denied.

''جن عقائد کو اصلاح پسندوں نے بحال رکھا' وہ اسی طاقت (رومی کلیسیا) نے ان کے لیے (گذشتہ زمانہ کے مخالفین کی دستبرد سے) بچائے اور محفوظ رکھے تھے' جس کا وہ انکار اور مخالفت کر رہے ہیں۔''[۱۲۱]

گویا اختلاف اور علیحدگی کے باوجود دونوں کے بنیادی عقائد و نظریات یکساں تھے۔

فریقین میں بہت جھگڑے ہوئے' اور باہمی صلح و اتفاق کی کئی کوششیں بھی ہوئیں۔ بالآخر رومن کیتھولک کلیسیا نے ۱۵۴۵ء میں ٹرینٹ کونسل (Council of Trent) منعقد کی۔ جس میں مخالفین کی مذمت کی گئی' اور مذہبی عقائد و معاملات میں کلیسیا اور اس کے رومی سربراہ پوپ کو بائبل کے برابر سند (an authority equal to the Bible) قرار دیا گیا۔[۱۲۲] اسی دور میں رومی کلیسیا کی حمایت میں یسوعی (Jesuits) جیسی شدت پسند تنظیمیں قائم کی گئیں۔[۱۲۳] اس تنظیم نے مقدس مریم کی تعظیم و توقیر اور ''بہت ہی کام آنے والی طاقت'' پر زور دیا۔[۱۲۴]

---

120. D.C.Somervell: op. cit., p. 224.

121. Outline of Christianity, vol, 3, p. 125.

122. D.C,Somervell: op. cit., p. 222.

123. S.R.Brett: Europe Since The Renaissance, London, 1971, vol. 1, p.88.

124. R.H. Glover: The Progress of Worldwild Mission, New york, 1960, p. 355.

مزید فرقے

رومن کیتھولک کلیسا سے علیحدگی کی تحریک کسی متحد کلیسا کو جنم نہ دے سکی۔ مختلف ملکوں میں مختلف اوقات میں بہت سے کلیسا قائم ہوئے، جن میں قدر مشترک روم سے علیحدگی اور پوپ سے بغاوت و آزادی تھی۔[۱۲۵] انہیں مشترک طور پر "پروٹسٹنٹ کلیسا" کہہ دیا جاتا ہے، مگر رسوم کے معمولی فرق اور کلیسائی تنظیم کے اختلاف کے لحاظ سے یہ مختلف ہیں۔[۱۲۶] ان میں سے بعض انتہا پسندوں، مثلاً کویکرز (Quakers)، نے کلیسائی عہدوں اور رسوم کی ضرورت کا بالکل انکار کر دیا، مگر عقائد میں اصلاح و تبدیلی وہ بھی پیدا نہ کر سکے۔[۱۲۷] بعض، جیسے پیورٹین (Puritans)، اس لیے دوسروں سے الگ شمار ہوئے کہ وہ رومن کیتھولک طور طریقوں کے دوسروں سے زیادہ مخالف تھے، اور عملی زندگی میں شدت پسندی سے سادگی کے قائل اور شراب نوشی وغیرہ کے خلاف تھے۔[۱۲۸] بعض، جیسے میتھوڈسٹ (Methodists)، بپٹسٹ (Baptists) وغیرہ، اس لیے علیحدہ ہوئے کہ وہ اگر رومن کیتھولک کلیسا سے الگ ہوئے تھے تو عیسائی رسوم و عبادات پر سختی سے عمل پیرا ہونے کے لیے (regularity of their strict Christian practice) چرچ آف انگلینڈ کی مرکزی تنظیم کے ماتحت بھی نہ رہنا چاہتے تھے، یا مینوں (Mennonites) کی طرح بعض کلیسائی رسوم کے بارے میں خاص نقطہ نظر رکھتے تھے۔[۱۲۹] اور بعض (جیسے کانگری گیشنل (Congregational) اور پریسبیٹیرین (Presbyterian) کا نمایاں اختلاف کلیسا کی انتظامی ہیئت سے متعلق تھا۔ (اول الذکر میں ہر مقامی کلیسا انتظام کے لحاظ سے آزاد

125. Marcus Ward: Protestant Christian Churches (Wardlock International), 1973, p. 24.
126. D.C.Somervell: op. cit., p. 232.
127. J.L. Hurlburt: op. cit., p.203.
128. Marcus Ward : op. cit., pp.32,41.
129. H.C. Wickersham: op. cit., pp. 255f; Marcus Ward: op. cit., p. 40.

اور الگ تھلگ ہوتی ہے' اور مؤخر الذکر میں نیچے سے اوپر تک ایک مربوط نظام ہوتا ہے)۔[130] پھر ان میں سے ہر ایک کی' چھوٹے چھوٹے اختلافات کی بنا پر' مزید کئی قسمیں بنیں۔ ان اختلافات میں سے کچھ اختلاف بعض ثانوی عقائد کی وجہ سے ہیں۔ جیسے کیلون (Calvin) کے اصلاح شدہ (Reformed) پریسبیٹیرین کلیساؤں کا دوسری لوتھری (Lutherian) کلیساؤں سے مسئلہ تقدیر میں اختلاف۔[131] زیادہ تر اختلافات تنظیمی' نسلی اور جغرافیائی ہیں' مثلاً امریکہ میں کئی فرقے شمال اور جنوب کے الگ الگ کلیسا ہیں' یا کالوں اور گوروں اور جرمن اور ڈچ کلیساؤں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اسی طرح وہاں اسپینی' فرانسیسی اور انگلستانی کیتھولک' الگ الگ کلیسا رکھتے ہیں۔[132] چنانچہ امریکہ میں چھوٹے بڑے مختلف عیسائی فرقوں کی تعداد ڈھائی سو کے قریب ہے۔[133] لیکن جہاں تک بنیادی اور اہم عقائد (مثلاً تثلیث' ابنیت مسیح' کفارہ) کا تعلق ہے' وہ سب کے تقریباً بالکل یکساں ہیں۔ بقول ہرل برٹ:

hactically all the denominations hold the same creed.

"عملاً سارے فرقے ایک جیسے عقائد کے حامل ہیں۔"[134]

ایک اور مصنف' مختلف عیسائی فرقوں کے چھوٹے موٹے اختلافات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے:

When they worship, they worship Jesus; when they

130. W.Walker: History of the Christian Church, Edinburgh, 1949, p.466f.

131. A.L Moore : Dictionary of the Church, pp. 6, 51;
D.C.Somervel l: op. cit., p. 279;
Marcus Ward : op. cit., p. 30.

132. J.L. Hurlburt: op. cit., pp. 191, 200.

133. F.S. Mead: Handbook of Denominations in the United States of America, Neshville, 1968, pp. 4f.

134. J. L. Hurlburt: op. cit., p. 190.

baptise, they baptise in his name.

"جب وہ عبادت کرتے ہیں تو یسوع ہی کی کرتے ہیں' اور جب بپتسمہ دیتے ہیں تو اسی کے نام کا دیتے ہیں۔" (۱۳۵)

مختلف فرقوں میں اگر فرق ہے تو کسی رسم کو کم یا زیادہ اہمیت دینے اور اس کی ادائیگی کے طریق کار اور یا پھر بعض ثانوی نظریات کا۔ مثلاً کسی فرقہ نے مذہبی رسوم کی بجائے رفاہی کاموں پر زور دیا اور "مکتی فوج" (Salvation Army) کہلایا۔ (۱۳۶) کسی نے مسیح کی آمد ثانی پر زور دیا اور اسے ایڈونٹسٹ (Adventist) کہا گیا۔ البتہ "یہوداہ کے گواہوں" (Jehovah's Witnesses) نے یہاں تک قدم تو بڑھالیا کہ مسیح' خدا کی مخلوق ہیں (نہ کہ ازلی)' مگر اس کے باوجود انہیں خدا کا بیٹا اور خدائی میں سہیم و شریک مانتے رہے۔ (۱۳۷)

اس طرح مروجہ عیسائیت کے اہم عقائد کو اپنانے اور تسلیم کرنے کے لحاظ سے ان فرقوں میں بالعموم کوئی بنیادی اختلاف نہیں۔ چنانچہ اے۔ایل۔ مور (A.L.Moore) عیسائیوں کے تین بڑے اور اہم طبقات (کیتھولک' پروٹسٹنٹ اور اینگلی کان (Anglicans) کے بارے میں لکھتا ہے کہ ان میں بنیادی فرق' رومی کلیسیا (اور پوپ) کی بالادستی تسلیم کرنے یا نہ کرنے کا ہے۔ کیتھولک' رومی کلیسیا کو بالادست' اور پوپ کو اپنا سربراہ مانتے ہیں۔ چرچ آف انگلینڈ والے اور ان سے متعلق اینگلی کان برائے نام طور پر آرچ بشپ آف کنٹر بری (اور شاہ انگلستان) کو سربراہ مانتے ہیں۔ اور پروٹسٹنٹ (جن کے ذیلی فرقوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے) دونوں میں سے کسی کی سیادت کو تسلیم نہیں کرتے۔ (۱۳۸)

---

135. C.F.Potter: The Faiths Men Live By (Christianity), p. 119.

136. F.S. Mead: op. cit., p. 196.

137. Encyclopaedic Dictionary (Reader's Digest), London, 1964, vol.3, p. 1369.

138. A.L.Moore : op. cit., pp. 2, 13, 15, 65.

موحدین:

اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں تحریک اصلاح کلیسیا کے انتہائی اثر کے طور پر عقلیت(Rationalism)اور تجدد(Modernism) کی تحریکیں بھی شروع ہوئیں، جن کے علمبرداروں نے یا تو حضرت عیسیٰؑ ، بائبل اور عیسائی نظریات کا سرے سے انکار ہی کر دیا ، اور یا بائبل کے بعض مندرجات کی جدید تقاضوں کے مطابق تشریح و تعبیر کی کوشش کی، مگر جہاں تک عیسائی عقائد کو پولسیت اور اس کے مشابہ نظریات سے پاک کرنے کا سوال ہے ، انہوں نے اس سلسلہ میں کوئی خدمت سرانجام نہیں دی۔[139] البتہ ان ساری تحریکات کے نتیجہ میں اور کچھ آزادانہ سوچ کے طفیل سولہویں صدی سے ایک قلیل گروہ ایسے عیسائی علماء اور عوام کا بھی پیدا ہوا ، جنہیں موحدین (Unitarians) کہا جاتا ہے۔ انہوں نے مسیح کی خدائی کا انکار کر کے ان کی انسانی حیثیت پر زور دیا ، روح القدس کو بھی خدائی کے تخت سے اتارا ، اور تثلیث کی بجائے توحید کا پرچار کیا۔[140] یہی وہ گروہ ہے جس نے عیسائیت کی اصلی بنیادوں کو پہچاننے کی بڑی حد تک کوشش کی ہے ، اور اس کے لیے قربانیاں دی ہیں۔

توحیدی عیسائیت (Unitarianism) کے ایک اولین داعی میخائل سرویطس (Michael Servitus) (م ۱۵۳۳ء) نے اپنے ہم عصر 'مارٹن لوتھر' کی تحریک اصلاح سے عقائد کی اصلاح کی امیدیں باندھی تھیں۔ مگر جب وہ پوری نہ ہوئیں ، تو اس نے اپنے طور پر کوشش شروع کی اور تثلیث کی غلطیاں (The Errors of the Trinity) کے نام سے ایک کتاب لکھ کر عقیدہ تثلیث کا تار و پود بکھیر دیا۔ اس نے مسیح کو واضح طور پر خدا کی بجائے نبی (Prophet) قرار دیا۔[141] کیتھولک اور پروٹسٹنٹ رہنماؤں نے مل کر اس کا "جواب" یہ دیا کہ اس کتاب کا ایک نسخہ اس کی کمر کے گرد باندھ کر اسے جلتی ہوئی آگ

139. Ibid.

140. J. L Hurlburt: op. cit., p. 216.

141. D.B.Parke: The Epic of Unitarianism, London, 1957, pp.5-6.

کے اوپر اونچا کر کے ایک ٹکٹکی سے اس طرح باندھ دیا' کہ وہ گھنٹوں جلنے کی اذیت برداشت کرنے کے بعد مر جائے۔ (۱۴۲)

سرویطیس کے نظریات سے متاثر بعض عیسائی علماء' اسلام کے کافی قریب ہو گئے تھے -ان میں سے ایک' آدم نیوسر (Adam Neuser) نے اپنے مخالف عیسائی پادریوں کے ہاتھوں موت اور اذیتوں سے بچنے کے لیے سلطان سلیم ثانی سے مذہبی و سیاسی پناہ حاصل کی۔ (۱۴۳)

سولہویں صدی کے آخر میں فرانسیس ڈیوڈ (Francis David) نے بائبل کے "صاف اور سیدھے سادے دلائل (Plain and straight-forward Scriptural arguments) سے توحید کا پرچار کیا' (۱۴۴) اور حضرت عیسیٰؑ سے دعا مانگنے اور انہیں پکارنے کی تردید کرتے ہوئے قرآنی حوالے بھی دیئے۔ (۱۴۵)

سولہویں صدی کے عیسائی موحدین میں دیگر نمایاں نام میریا سوزینی (Maria Sozini) (م ۱۵۲۶ء) اور اس کا بھتیجا پاؤلو سوزینی یا سوشینس (Paolo Sozini or Socianus) ہیں -مؤخر الذکر کا فکر' توحیدی (Unitarian) کہلانے کے علاوہ اس کے نام سے منسوب ہو کر سوشنیت (Socianism) بھی کہلایا -اس کے بہت سے حامی اور پیروکار آگ میں جلائے گئے اور دوسری اذیتوں کا شکار ہوئے۔ (۱۴۶)

---

142. E.M. Wilbur: A History of Unitariansm, Essay on Michael Servitus.

143. A. Reland: Treatises Concerning The Mohametons, London, 1712, pp. 215f.

144. E.M. Wilbur: op. cit., p. 78.

145. A. Reland: op. cit.,p. 190.

146. A.Wallace: Anti-Trinitarian Biograhies, London, 1890, pp.44,45,79,

سترھویں صدی میں جان بڈل (John Biddle) (م ۱۶۶۲ء) نے روح القدس کی "خدائی" کی تردید میں اپنی مشہور کتاب بارہ دلائل (Twelve Arguments) لکھی۔[147] اٹھارہویں صدی میں لنڈسے (Lindsay) اور اس کے حامی، اور انیسویں صدی میں چیننگ (Channing) کے پیروکار، عقیدہ تثلیث کے خلاف سرگرم عمل رہے۔ مؤخر الذکر نے عقیدۂ کفارہ کی بھی شدت سے مخالفت کی۔ اس نے امریکہ میں توحیدی کلیسا (Unitarian Churches) قائم کئے، جواب تک موجود ہیں۔ اس کا اعلان تھا کہ:

The Scriptures, when reasonably interpreted, teach the doctrine held by the Unitarians.

"بائبل کو درست طریقہ سے سمجھا اور سمجھایا جائے، تو وہ موحدین ہی کی تائید کرے گی۔" [148]

آئندہ باب، موحد عیسائی چیننگ کے اسی نکتہ کی تفسیر ہے۔

147. D.B. Parke : op. cit., pp. 31-32; A. Wallace: op. cit., vol. 3.

باب پنجم

مسیح- خدا' یا رسول؟

باب دوم میں ہم نے واضح کیا تھا کہ اللہ کے دیگر فرستادوں کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی توحید خداوندی کا درس دیا- مگر پولس اور اس کے معنوی جانشینوں' نیز بادشاہوں اور پادریوں کی کونسلوں نے انہیں خدا اور خدا کا بیٹا قرار دے دیا- اس سلسلہ میں انہوں نے اس بات کا فکر نہیں کیا کہ ان کے گھڑے ہوئے عقائد کی ان کی کتاب مقدس سے (جس میں اگرچہ تحریف ہو چکی تھی) کہاں تک تائید ہوتی ہے- اس لیے کہ انہوں نے خود اپنے آپ کو "عقیدہ ساز" قرار دے لیا تھا- اپنے کسی نظریہ کے لیے انہیں اگر "کتاب مقدس" کی کوئی ایک آدھ شہادت (ان کے خیال کے مطابق) مل جاتی تو ان کے لیے کفایت کرتی' خواہ اس کے مقابلے میں اس کی بے شمار آیات اس نظریہ کی تردید میں موجود ہوتیں- وہ عقیدہ سازی کے لیے اپنی آزادانہ سوچ' غلو آمیز عقیدت' شاہی خوشنودی اور یونانی فلسفہ ہی کو کافی سمجھتے' جیسا کہ باب سوم و چہارم میں بتایا جا چکا ہے-

"کتاب مقدس" بائبل کی اپنی استنادی حیثیت کیا ہے' اور اسے کہاں تک کلام الٰہی کہنا درست ہے' اس امر کا جائزہ تو ہم ان شاء اللہ بعد میں لیں گے- فی الحال یہ دیکھنا مقصود ہے کہ اس کتاب اور عیسائی علماء کی اپنی تحریروں کی روشنی میں مروجہ عیسائی عقائد کی حیثیت کیا ہے؟ اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے مسیح کی مزعومہ الوہیت کے نظریہ پر بحث کریں گے' اور ان کے خدا کا بیٹا اور تثلیث کا ایک اقنوم ہونے کے عقیدہ پر بھی روشنی ڈالیں گے-

ابتدا میں حواریوں نے مسیح کو ایک نجات دہندہ (Redeemer) کے طور پر پیش کیا- اس لحاظ سے وہ عوام اور پولسیت زدہ علماء کے لیے خلوص آمیز مذہبی عقیدت اور پھر عبادت کے مرکز (object of religious devotion and worship) بنے-

نیقاوی کونسل نے نہ صرف اس خیال پر مہر تصدیق ثبت کی' بلکہ اسے آگے بڑھایا۔ کیونکہ اس نے قرار دیا کہ وہ خدا ہی (One with God) تھے۔[1] کونسل کے شرکاء نے اپنے اس نظریہ کی بنیاد اپنی عقیدت کے علاوہ فلسفہ اور شاہی خواہشات کو بنایا' یا زیادہ سے زیادہ اناجیل کی ایسی عبارتوں کو جو خدایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں' بلکہ انجیل نگاروں کی اپنی پولسیت زدہ عقیدت پر مبنی تھیں۔ اس سلسلہ میں زیادہ مدد انہیں انجیل یوحنا کے مصنف سے ملی' جس نے اپنی انجیل کے شروع میں لکھا تھا": ابتداء میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔ یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا اور جو کچھ پیدا ہوا ہے اس میں سے کوئی چیز بھی اس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی۔ اور کلام مجسم ہوا اور فضل اور مسیحائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان[2] رہا"

مگر کتاب مقدس اور خود انجیل کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ حضرت عیسیٰؑ خدا یا خدا کے بیٹے یا اس کے مظہر نہیں' بلکہ انسان اور رسول تھے۔ آئندہ ابواب میں ہم ان شاءاللہ واضح کریں گے کہ اناجیل خصوصاً انجیل یوحنا' عیسیٰؑ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بہت بعد لکھی گئیں' جب کہ پولسیت اصل عقائد پر غالب آچکی تھی۔ مگر اس کے باوجود اور پولسیت کے ساتھ ساتھ' اناجیل میں اصل عقائد کی جھلکیاں اور اثرات بھی موجود تھے' جنہیں عقائد سازی میں پادریوں' کونسلوں اور بادشاہوں نے مکمل طور پر نظرانداز کر دیا۔

"کتاب مقدس" اور توحید

"کتاب مقدس" کو مکمل طور پر الہامی کتاب قرار دینا تو ممکن نہیں۔ مگر جیسا کہ ہم نے کہا' دونوں حصوں --- عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید --- میں انبیاء اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم توحید کے نمایاں اثرات کو' باوجود تحریف و تبدل کے' مکمل

---

1. Outline of Christianity, vol.2,p. 88.

۲۔ انجیل یوحنا ۱ : ۱ - ۴ ' ۱ : ۱۴۔ سابقاً گذر چکا ہے کہ کلام سے مراد خدا کی حکمت و قوت (یا اس کی ذات) کا مظہر ہونا ہے۔ کلام کا یہ مفہوم Outline of Christianity کے مذکورۂ فوق حوالہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

طور پر دبایا نہیں جا سکا۔ چنانچہ پرانے عہد نامہ کی کتاب استثناء میں مرقوم 'قوم اسرائیل کا مشہور کلمہ شمع (Shema)(=عربی: اسمع) اپنے مفہوم کے اعتبار سے اسلام کے کلمہ شہادت اور قرآن کی سورہ اخلاص کی پہلی آیت سے چنداں مختلف نہیں ہے۔ خصوصاً اپنے عربی و عبرانی متن میں اس کے الفاظ 'اسی مبارک آیت کی بازگشت ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

عربی: اسمع یا اسرائیل ان الرب الھنارب واحد۔

عبرانی: Shema Yisrael Adonoi Elohem. Adonoi Ehod.

شمع یا سرائیل ادونائی الوھیم ادونائی احاد [۳]

یعنی "سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔" کتاب استثناء ہی میں دوسری جگہ ہے: "خداوند ہی خدا ہے اور اس کے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں۔"[۴] نیز: "میرے آگے تو اور معبودوں کو نہ ماننا۔"[۵]

پرانے عہد نامہ کی کتاب زبور میں مذکور حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا میں یہ الفاظ موجود ہیں: "تو ہی واحد خدا ہے۔"[۶] کتاب زکریاہ میں "خداوند کے دن" کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے: "ایک دن ایسا آئے گا جو خداوند ہی کو معلوم ہے ---خداوند ساری دنیا کا بادشاہ ہوگا-- اس روز ایک ہی خداوند ہوگا 'اور اس کا نام واحد ہوگا۔"[۷] یہ بات بھی قرآن کے فرمان کے عین مطابق ہے:

۳۔ بائبل عبرانی و اردو' کتاب استثناء ۶ : ۴۔ الکتاب المقدس عربی (ط۔ بیروت ۱۸۹۹ء)
پرانے اور نئے عہد نامہ کی وضاحت کے لئے دیکھئے باب ہفتم۔

۴۔ استثناء ۴ : ۳۵

۵۔ ایضاً ۵ : ۷

۶۔ زبور ۸۶ : ۱۰

۷۔ زکریا ۱۴ : ۷ ' ۹

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ

"اس دن کوئی کسی دوسرے کے لیے کسی چیز کا مالک نہ ہو گا۔ اور اس روز حکم صرف اللہ کا چلے گا۔"(۸)

نیز فرمایا:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ

"آج کس کی بادشاہی ہے؟ اللہ واحد اور زبردست کی۔" (۹)

عہد نامہ قدیم میں ایک اور جگہ لکھا ہے: "مجھ سے پہلے کوئی خدا نہ ہوا اور میرے بعد بھی کوئی نہ ہو گا --- خداوند فرماتا ہے میں ہی خدا ہوں"(۱۰) نیز "میں خداوند سب کا خالق ہوں۔ میں ہی اکیلا آسمان کو تاننے اور زمین کو بچھانے والا ہوں۔ کون میرا شریک ہے؟"(۱۱) یہ مضمون بھی قرآن کے قاری کا جانا پہچانا مضمون ہے۔(۱۲) مزید لکھا ہے: "میں ہی خداوند ہوں۔ میرے سوا کوئی دوسرا نہیں"(۱۳) پھر آگے چل کر لکھا ہے: "میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔"(۱۴) ایک اور مقام پر حضرت داؤدؑ کی زبانی کہا گیا ہے: "کوئی تیری مانند نہیں' اور تیرے سوا کوئی خدا نہیں۔"(۱۸) اور حضرت سلیمانؑ کی زبانی: "اے خداوند اسرائیل کے خدا' تیری مانند نہ تو اوپر آسمان میں ہے نہ نیچے زمین پر کوئی خدا ہے۔"(۱۶)

۸۔ القرآن ۸۲ : ۱۹

۹۔ القرآن ۴۰ : ۱۶

۱۰۔ یسعیاہ ۴۳ : ۱۰' ۱۲

۱۱۔ ایضاً ۴۴ : ۲۴

۱۲۔ مثلاً دیکھیے: القرآن ۲ : ۲۲' ۲۷ : ۶۰ - ۶۱' ۳۱ : ۱۰ - ۱۱' وغیرہ

۱۳۔ یسعیاہ ۴۵ : ۶

۱۴۔ ایضاً ۴۵ : ۲۱

۱۵۔ ۲۔ سیموئیل ۷ : ۲۲

۱۶۔ ۱۔ سلاطین ۸ : ۲۳

مختصر یہ کہ بائبل' اور بالخصوص عہد نامہ قدیم میں' جا بجا توحید پر زور دیا گیا ہے۔ تثلیث کا جو عقیدہ بعد میں عیسائیوں نے اختیار کیا' عہد نامہ قدیم میں اس کا کوئی وجود نہیں۔ گو بعض مسیحی مصنفین دور کی کوڑیاں لانے کی کوشش کرتے ہیں' مگر وہ عہد نامہ قدیم سے تین ہم پلہ اقانیم کا وجود ثابت نہیں کر سکے۔ چنانچہ کیتھولک انسائیکلو پیڈیا نے اعتراف کیا ہے کہ:

The doctrine of the Holy Trinity is not taught in the O.T.

"ثالوث مقدس کا نظریہ' عہد نامہ قدیم میں نہیں سکھایا گیا۔"(۱۷)

عہد نامہ جدید کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی توحید کی اس تعلیم کی تائید و تصدیق کی۔ چنانچہ جب ان سے پوچھا گیا کہ "سب حکموں میں اول کون سا ہے؟" تو انہوں نے فرمایا: "اول یہ ہے کہ اے اسرائیل سن۔ خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔"(۱۸) اسی طرح جب وہ "ابلیس سے آزمائے گئے" اور شیطان نے دنیا کی سلطنتوں اور شان و شوکت کے بدلے ان سے اپنے لیے سجدہ کرانا چاہا' تو انہوں نے فرمایا: "اے شیطان دور ہو' کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔"(۱۹) بلکہ ان کے دل و دماغ میں توحید یہاں تک سمائی ہوئی تھی کہ جب انہیں "اے نیک استاد" کہہ کر مخاطب کیا گیا تو کہنے والے سے فرمایا: "تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے؟ کوئی نیک (یعنی اچھا) نہیں مگر ایک یعنی خدا۔"(۲۰) نیز انجیل یوحنا میں بھی ایک سے زیادہ جگہ پر ان کی زبانی خدا کو "خدائے واحد" کہا گیا ہے۔(۲۱)

حضرت عیسیٰؑ کے ان سارے ارشادات کی تصدیق قرآن سے بھی ہوتی ہے' جو ہمیں بتاتا ہے کہ انہوں نے خود کیا تعلیم دی تھی' اور پھر اسے کس حد تک بدلا گیا:

---

17. The New Catholic Encyclopaedia, vol. 14, p.306.

۱۸۔ انجیل مرقس ۱۲ : ۲۸ - ۲۹

۱۹۔ انجیل متی ۴ : ۱۰

۲۰۔ مرقس ۱۰ : ۱۸

۲۱۔ یوحنا ۵ : ۴۴' ۱۷ : ۳

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَالْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ

"بے شک ان لوگوں نے کفر کا ارتکاب کیا' جنھوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے۔ حالانکہ مسیح نے کہا تھا اے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو' وہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔"(۲۲)

چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کے معروف سوانح نگار رینان نے بالکل درست کہا ہے:

That Jesus never dreamt of making himself pass for an incarnation of God, is a matter about which there can be no doubt.

"یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ یسوع نے کبھی اپنے آپ کو خدا کا مظہر سمجھا جانے کا خواب بھی نہ دیکھا تھا۔" (۲۳)

تعلیم توحید کی تبدیلی

گویا دوسری سب آسمانی کتابوں کی طرح' عہد نامہ قدیم و جدید میں بھی توحید کی تعلیم بڑی گہری اور راسخ تھی۔ اس لیے پولس کو اسے بدلنے کے لیے بڑی ہوشیاری سے کام لینا پڑا۔ اس نے پہلے تو توحید کے عقیدہ کو دہرایا' اور پھر اس کے ساتھ مسیح کے وسیلہ کی قید لگا دی۔ اور بڑی چالاکی اور صفائی سے خدا (God) کا لفظ معبود برحق کے لیے اور "خداوند" (Lord) کا لفظ مسیح کے لیے خاص کر لیا۔ ملاحظہ فرمائیے:

"بت دنیا میں کوئی چیز نہیں' اور سوا ایک کے اور کوئی خدا نہیں۔ اگرچہ آسمان و زمین میں بہت سے خدا کہلاتے ہیں (چنانچہ بہتیرے خدا اور بہتیرے خداوند ہیں)۔ لیکن ہمارے نزدیک تو ایک ہی خدا ہے' یعنی باپ' جس کی طرف سے سب چیزیں ہیں۔ اور ہم اسی

۲۲۔ القرآن ۵ : ۷۲

23. Ernest Renan: Life of Jesus, p. 181.

کے لیے ہیں اور ایک ہی خداوند ہے، یعنی یسوع مسیح، جس کے وسیلہ سے سب چیزیں موجود ہوئیں، اور ہم بھی اسی کے وسیلہ سے ہیں۔"[24] اس نے ایک سانس میں خدا کے "ازلی بادشاہ" اور "غیر فانی نادیدہ واحد"[25] ہونے کا اقرار کیا، اور دوسرے میں "مسیح یسوع" کو "طاقت بخشنے والا خداوند"[26] اور خود کو "یسوع مسیح کا بندہ" کہا۔[27]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشریت ورسالت

پولس اور اس کے معنوی جانشینوں نے خود کو "یسوع مسیح کا بندہ" اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "طاقت بخشنے والے خداوند" قرار دینے سے پہلے یہ بھی نہ سوچا کہ خود اناجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بشری تقاضوں اور کمزوریوں کی کس طرح تصویر کشی کی گئی ہے، ایسی کمزوریاں اور ضرورتیں جن سے خدا کی ذات پاک اور بلند ہے، اور جن کے ہوتے ہوئے ایک قادر، توانا اور علیم و خبیر خدا کا تصور ہی محال ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک عورت سے پیدا ہوئے، عام[28] طریقہ سے بڑھے پھولے[29] اور عیسائی عقیدہ کے مطابق صلیب سے فوت ہوئے۔[30] قطع نظر اس کے کہ "صلیب سے موت" (جس پر ہم آئندہ انشاءاللہ بحث کریں گے) کا نظریہ کہاں تک درست ہے، اور اس پر عقیدہ کفارہ کی عمارت استوار کرنا کہاں تک ممکن ہے، اس طرح پیدا اور "فوت" ہونے والے کو خدا کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ اسی طرح جو شخص عام طریقہ سے بھوک پیاس محسوس

۲۴۔ ۱- کرنتھیوں ۸ : ۴ - ۶

۲۵۔ ۱ - تیمتھیس ۱ : ۱۷

۲۶۔ ایضاً ۱ : ۱۲

۲۷۔ رومیوں ۱ : ۱

۲۸۔ متی ۱ : ۱۸ - ۲۰، لوقا ۱ : ۳۱-۱، ۲ : ۵ - ۷

۲۹۔ لوقا ۲ : ۴۰

۳۰۔ متی ۲۷ : ۵۰، مرقس ۱۵ : ۳۷، لوقا ۲۳ : ۴۶، یوحنا ۱۹ : ۱۸-

کرتا ہے‘(۳۱) کھاتا پیتا(۳۲) بڑھتا پھولتا اور بچپن گذارتا ہے‘ وہ کیونکر خدا ہو سکتا ہے؟ اسی تضاد کے پیش نظر پولسیت کے غالب آنے کے بعد بھی بہت سے عیسائی فضلاء نے عیسیٰ ؑ کے خدا ہونے کا انکار کیا۔ مگر کارپردازان کلیسیا نے انہیں مرتد اور بدعتی قرار دے کر عیسائیت سے خارج کر دیا۔ مثلاً جب نسطوریس (۳۳) نے ایک طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کو اور دوسری طرف ان کے حق میں خدا ہونے کے دعویٰ کو سامنے رکھ کر کہا کہ:

God is not a baby two or three months old.

"خدا‘ ایک دو یا تین ماہ کا بچہ نہیں ہو سکتا"

تو اس سے بڑا ہنگامہ پیدا ہوا‘ اور نسطوریس کو عیسائی کلیسیا سے خارج کر دیا گیا۔(۳۴)

خدا قادر مطلق ہے اور اس کی مرضی سارے عالم پر چلتی ہے۔ اسی لیے اس کے ماننے والے اپنی کمزوری اور احتیاج میں اسے پکارتے ہیں۔ اس کے برعکس جسے اپنی کمزوری اور احتیاج کا احساس ہوا‘ اور اسے رفع کرنے کے لیے خدا کو پکارتا اور اس سے دعا کرتا ہو‘ نیز جسے اس کی کمزوری اور مصیبت پریشان اور غمگین کرتی ہو‘ اسے کس طرح خدا کہا جا سکتا ہے؟ وہ تو خود کسی کو برتر مان کر حالت احتیاج و غم میں اسے پکار رہا ہے۔ چنانچہ مسیحی فاضل ہارنیک لکھتا ہے:

He prays to Him, he subjects himself to His will, he struggles hard to find what it is, and to fulfil it.

"وہ (مسیح) اس (خدا) سے دعا کرتا ہے۔ خود کو اس کی مرضی کا پابند بناتا ہے‘ اور اس

۳۱۔ متی ۴ : ۲‘ لوقا ۴ : ۲‘ متی ۲۱ : ۱۸ مرقس ۱۱ : ۱۲‘ یوحنا ۱۹ : ۲۹

۳۲۔ متی ۱۱ : ۱۹‘ مرقس ۱۴ : ۱۸‘ ۱۴ : ۲۰‘ لوقا ۲۲ : ۱۴ - ۱۵

۳۳۔ دیکھئے باب چہارم‘ حوالہ ۸۸ وما بعد۔

34. H. Chadwick: op. cit., p. 18.

کی مرضی معلوم کر کے اسے پوری کرنے کیلئے بھرپور جدوجہد کرتا ہے۔"(۳۵)

اسی طرح جب عیسیٰؑ کے گرد دشمن کا گھیرا تنگ ہوتا ہے' تو وہ کس طرح گھبراتے، غمگین ہوتے اور موت و مصیبت سے بچنے کی دعا کرتے ہیں' اس کا جو نقشہ انجیل متی میں کھینچا گیا ہے' وہ ان کی خدائی کا نہیں' بندگی کا ثبوت ہے: "اس وقت یسوع ان کے ساتھ گستمنی نام ایک جگہ میں آیا اور اپنے شاگردوں سے کہا یہیں بیٹھے رہنا جب تک کہ میں وہاں جا کر دعا کروں۔ اور پطرس اور زبدی کے دونوں بیٹوں کو ساتھ لے کر غمگین اور بے قرار ہونے لگا۔ اس وقت اس نے ان سے کہا میری جان نہایت غمگین ہے' یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے۔ تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو۔ پھر ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔ تو بھی نہ جیسا میں چاہتا ہوں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو۔"(۳۶) مرقس نے بھی عیسیٰؑ کی اس پریشانی اور دعا کا ذکر کیا ہے' اور ان کے بارے میں "نہایت حیران اور بے قرار" اور "نہایت غمگین" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔(۳۷) لوقا کے الفاظ یہ ہیں: "پھر وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو کر اور بھی دلسوزی سے دعا کرنے لگا اور اس کا پسینہ گویا خون کی بڑی بڑی بوندیں ہو کر زمین پر ٹپکتا تھا۔"(۳۸)

پھر عیسائی عقیدہ کے مطابق وہ نہ صرف موت کا شکار ہوئے' بلکہ جس طرح کی بے چارگی کی موت ان پر آئی' اور مزعومہ موت سے پہلے ایک مجبور و عاجز انسان کی طرح جیسے ان کی توہین و تذلیل کی گئی اور تمسخر اڑایا گیا'(۳۹) وہ خدا کے تصور سے کسی طرح بھی ہم

---

35. Adolf Harnack: What is Christianity, Translated by T.B. Saunders, London, 1912, p. 129.

۳۶۔ متی ۲۶ : ۳۶ - ۴۰

۳۷۔ مرقس ۱۴ : ۳۲ - ۳۶

۳۸۔ لوقا ۲۲ : ۴۴

۳۹۔ متی ۲۷ : ۲۸ - ۳۰' مرقس ۱۵ : ۱۷ - ۲۰' ۱۷ : ۲۹' لوقا ۲۳ : ۱۱' ۲۳ : ۳۵

آہنگ نہیں ہے۔ اور اس عالم میں آپ نے جس طرح خدا کو پکارا' وہ ایک طرف آپ کی بندگی و درماندگی کو ظاہر کرتا ہے' اور دوسری طرف صاف ظاہر کرتا ہے کہ آپ خدا خود کو نہیں بلکہ اپنے سے الگ ایک ایسی ہستی کو سمجھتے تھے جو قادر و برتر ہے۔ مثلاً انجیل متی میں ہے:

"اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا۔ ایلی – ایلی – لما شبقتنی؟ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"(۴۰)

انجیل کی اس آیت کے ضمن میں سترھویں۔ اٹھارہویں صدی کے معروف عالم اور موحد (Unitarian) عیسائی طامس ایملن (Thomas Emlyn) نے ایک دلچسپ بات کہی ہے:

Surely he intended not saying Myself, Myself, why hast thou forsaken me ?

"جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ الفاظ استعمال کیے تو یقیناً ان کی مراد یہ نہ تھی: میں میں! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔" (۴۱)

مرقس نے بھی خدا کے حضور یسوع کی اس عاجزانہ فریاد کو تقریباً انہی الفاظ میں پیش کیا ہے۔ (۴۲) جب کہ لوقا میں "بڑی آواز میں چلا کر" کی بجائے "بڑی آواز سے پکار کر" کے الفاظ ہیں۔ (۴۳) البتہ یوحنا کو بے چارگی کی یہ فریاد' جو عبد اور معبود کے عظیم الشان فرق پر صاف دلالت کرتی ہے' اچھی نہیں لگی۔ اس لیے اس نے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں: "یسوع نے --- کہا کہ تمام ہوا۔ اور سر جھکا کر جان دے دی۔" (۴۴)

۴۰۔ متی ۲۷ : ۴۶

41. A. Wallace: Anti- Trinitarian Biographies, vol, 3, Eassay on Thomas Emlyn (1663-1741).

۴۲۔ مرقس ۱۵ : ۳۴

۴۳۔ لوقا ۲۳ : ۴۶

۴۴۔ یوحنا ۱۹ : ۳۰

مذکورہ بالا حوالوں کے مطابق غمگین و بے قرار ہونے' چلانے اور فریاد کرنے کے علاوہ حضرت عیسیٰؑ روتے بھی ہیں: "یسوع کے آنسو بہنے لگے۔"[۴۵] رونا ہمدردی اور شفقت سے ہو تو اعلیٰ انسانیت کی دلیل ضرور ہے' مگر خدائی کی نہیں۔اسی طرح وہ خوف کا شکار ہوتے ہیں' جس کی بنا پر وہ رومیوں اور دوسرے دشمنوں سے بچنے کے لیے دوسرے انسانوں کی طرح احتیاط بھی کرتے ہیں۔وہ پتھر کھانے سے بچنے کے لیے "چھپ کر" ہیکل سے نکل جاتے ہیں۔[۴۶] انہیں ڈر ہے کہ رومی انہیں یہودیوں کا سیاسی نجات دہندہ مسیح موعود و منتظر جان کر پکڑ نہ لیں۔اس لیے "اس نے شاگردوں کو حکم دیا کہ کسی کو نہ بتانا کہ میں مسیح ہوں۔"[۴۷] ابلیس انہیں آزماتا ہے'[۴۸] حالانکہ انجیل ہی کے بقول خدا ابدی سے آزمایا نہیں جاسکتا۔[۴۹]

انجیل ہی کی نقشہ کشی کے مطابق' جس طرح عیسیٰؑ خدا کی طرح قادر مطلق نہیں ہیں' اسی طرح علیم کل بھی نہیں ہیں۔وہ قیامت کا علم نہیں رکھتے: "اس دن اور اس گھڑی کی بات کوئی نہیں جانتا۔نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا' مگر صرف باپ"۔[۵۰] اسی طرح وہ بھوک مٹانے کے لیے انجیر کے ایک درخت کے پاس جاتے ہیں' مگر جانے سے پہلے انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ اس پر پھل لگا ہے یا نہیں: "اور وہ دور سے انجیر کا ایک درخت جس میں پتے تھے دیکھ کر گیا کہ شاید اس میں کچھ پائے۔مگر جب اس کے پاس پہنچا تو پتوں کے سوا کچھ نہ پایا۔"[۵۱] انہوں نے اپنے بارہ حواریوں کے لیے "بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل

۴۵۔ یوحنا ۱۱ : ۳۵

۴۶۔ یوحنا ۸ : ۵۹

۴۷۔ متی ۱۶ : ۲۰ ' لوقا ۹ : ۲۱

۴۸۔ متی ۴ : ۱ وما بعد' مرقس ۱ : ۱۳ ' لوقا ۴ : ۲ و ما بعد۔

۴۹۔ یعقوب کا عام خط' ۱ : ۱۳

۵۰۔ متی ۲۴ : ۳۶ ' مرقس ۱۳ : ۳۲

۵۱۔ مرقس ۱۱ : ۱۳ ' متی ۲۱ : ۱۹

کے بارہ قبیلوں کا انصاف" کرنے[52] کی پیشگوئی کی' حالانکہ ان میں یہودا اسکریوتی بھی شامل تھا" جس نے اسے پکڑوا بھی دیا۔"[53] صاف ظاہر ہے وہ خدا کی طرح علیم کل اور عالم الغیب نہیں تھے۔

مذکورہ بالا حوالے بالواسطہ مگر صریح طور پر حضرت عیسیٰؑ کے خدا ہونے کی نفی اور ان کی بشریت کا اظہار کرتے ہیں۔ تاہم اناجیل کے بعض مقامات میں ان کے انسان اور بشر ہونے کا اعلان و اظہار اس سے بھی واضح اور براہ راست ہے۔ مثلاً انجیل متی میں پہلے صحیفوں کے حوالہ سے ان کے بارے میں کہا گیا ہے: "دیکھو یہ میرا خادم ہے' جسے میں نے چنا۔"[54] گویا وہ خدا کے بندے' خادم اور اس کے چنے ہوئے رسول ہیں' خدا نہیں۔ کتاب اعمال میں بھی ایک سے زیادہ جگہ انہیں خدا کا "خادم" یعنی بندہ[55] کہا گیا ہے۔ نیز مسیح' خدا کو "مجھ سے بڑا" کہتے ہیں۔[56] اسی طرح وہ کہتے ہیں: "لیکن اب تم مجھ جیسے شخص کے قتل کی کوشش میں ہو۔"[57] یاد رہے جس لفظ کا ترجمہ "شخص" کیا گیا ہے' انگریزی بائبل (Authorised Version) میں اس کے لیے لفظ آدمی (man) استعمال کیا گیا ہے۔

اناجیل کی مذکورہ بالا تصریحات کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے' بائبل کی ایک معروف لغت کے مقالہ نگار' حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں لکھتے ہیں:

He could hunger and thirst. He could feel joy, sorrow love, pity and even anger. He prayed to God like any other man, specially in the crises of his life. He was

---

۵۲۔ متی ۱۹ : ۲۸

۵۳۔ متی ۱۰ : ۴' مرقس ۳ : ۱۹

۵۴۔ متی ۱۲ : ۱۸

۵۵۔ اعمال ۳ : ۱۳' ۴ : ۲۷' ۴ : ۳۰

۵۶۔ یوحنا ۱۴ : ۲۸

۵۷۔ یوحنا ۸ : ۴۰

tempted. He shrank from the prospect of death.... He confessed ignorance.... It is the picture of a man.

"انہیں بھوک اور پیاس لگتی ہے۔وہ خوشی، غم، محبت، رحم حتیٰ کہ غصہ بھی محسوس کرتے ہیں۔وہ دوسرے انسانوں کی طرح اور خصوصاً اپنی زندگی کے نازک لمحات میں، اللہ سے دعا کرتے ہیں۔ان کی (شیطان سے) آزمائش ہوئی۔وہ موت کے خطرہ سے گھبرا کر پیچھے ہٹے--- انہوں نے (بعض معاملات میں) لاعلمی کا اعتراف کیا--- یہ ایک انسان کی تصویر ہے۔" (۵۸)

جرمن فاضل ہارنیک نے بھی لکھا ہے:

This feeling.... working, struggling and suffering individual is a man.

"یہ (مسیح) جذبات کا مالک ہونے --- (عام انسان کی طرح) کام اور جدوجہد کرنے اور تکلیف و مشقت کا شکار ہونے کے لحاظ سے انسان ہی ہیں۔" (۵۹)

انجیل کے مطابق عیسیٰ خدا کے بندے اور رسول ہیں، خدا نہیں ہیں۔وہ خدا یا اس کا حصہ نہیں، بلکہ اس کے بھیجے ہوئے ہیں۔(۶۰) اسی لیے "خدا ہی سے نکلا"(۶۱) کے معنے خود ہی یہ کرتے ہیں: "کیونکہ میں آپ سے نہیں آیا بلکہ اس نے مجھے بھیجا۔"(۶۲) سب رسولوں کی طرح، وہ اپنی مرضی کی باتیں نہیں کرتے، بلکہ وہی باتیں کر کے فریضۂ رسالت ادا کرتے ہیں جو انہیں کہی گئی ہیں، اور جن کے لیے انہیں بھیجا گیا ہے: "کیونکہ میں نے کچھ اپنی طرف سے نہیں کہا، بلکہ باپ جس نے مجھے بھیجا اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ کیا کہوں اور کیا بولوں۔" (۶۳)

58. J. Hastings: Dictionary of the Bible, Edinburgh, 1963, p. 140.

59. Adolf Harnack: What is Christianity? (Eng. Trans.), p. 129.

۶۰۔ یوحنا ۴:۳۴، ۵:۳۷، ۶:۳۸، ۷:۱۶، ۸:۲۶، ۹:۴، ۱۵:۲۱، ۱۶:۵، ۱۷:۳

۶۱، ۶۲۔ یوحنا ۸ : ۴۲

۶۳۔ یوحنا ۱۲ : ۴۹

انجیل کی مذکورہ بالا آیات میں حضرت عیسیٰؑ نے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ وہ خدا نہیں' خدا کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ سارے انبیاء کی طرح ان کی بعثت کا مقصد خدا کی توحید اور اپنی رسالت کی دعوت دینا ہے' اور انہی دو چیزوں کو تسلیم کرنے پر نجات کا دارومدار ہے۔ وہ کہتے ہیں: "اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے' جانیں۔" (۶۴)

معجزات اور عبدیت

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے بندہ اور رسول ہونے کا عقیدہ ان کے ہم عصر ساتھیوں اور قریب کے زمانہ کے لوگوں میں اتنا راسخ تھا' کہ پولس اور اس کے ہم نوا کوشش کے باوجود اسے اناجیل سے کھرچنے میں ناکام رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے لوگوں نے آپ کے معجزات اپنی آنکھوں سے دیکھے' مگر ان کا عقیدہ یہ نہ تھا کہ حیرت انگیز معجزات دکھانے کی وجہ سے آپ خدا ہیں۔ مثلاً اس اندھے سے جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لعاب کی برکت سے بینائی ملی' پوچھا گیا: "تو اس کے حق میں کیا کہتا ہے؟" تو "اس نے کہا کہ وہ نبی ہے۔"(۶۵) خود عیسیٰؑ نے لعزر نامی مردہ شخص کو زندہ کر کے اس عمل کو خدا کی طاقت سے منسوب کیا' اور کہا: "اے باپ میں تیرا شکر کرتا ہوں کہ تو نے میری سن لی۔"(۶۶) نیز مردوں کو زندہ کرنے جیسے معجزات ہی کا ذکر کرتے ہوئے(۶۷) انہوں نے واضح طور پر کہا: "میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کر سکتا۔"(۶۸)

مذکورہ بالا موحد عیسائی فاضل طامس ایملن کے بقول:

Surely this is not the voice of God, but of man!

۶۴۔ یوحنا ۱۷ : ۳

۶۵۔ یوحنا ۹ : ۱۷

۶۶۔ یوحنا ۱۱ : ۴۱

۶۷۔ یوحنا ۵ : ۲۱

۶۸۔ یوحنا ۵ : ۳۰

"یقیناً یہ خدا کی نہیں، بلکہ ایک انسان کی آواز (گفتگو) ہے۔" (۶۹)

اور بقول ہیسٹنگز:

The N.T. is clear on the true humanity of Jesus.

"نیا عہد نامہ (انجیل) واضح طور پر یسوع کو ایک صحیح معنوں میں انسان کے طور پر پیش کرتا ہے۔" (۷۰)

معجزات تو دراصل نبی کی نبوت کی تصدیق اور اس کے نشان کے طور پر اسے ملتے ہیں، اور وہ نبی کی نہیں بلکہ خدا ہی کی قدرت کا اظہار ہوتے ہیں۔ اس طرح کے معجزات بہت سے انبیاء نے دکھلائے۔ قرآن کے نزدیک حضرت موسیٰؑ، اور بائبل کے مطابق حضرت ہارونؑ کی لاٹھی فرعون کے سامنے سانپ بنی۔ (۷۱) اسی لاٹھی سے زمین کی گرد جوؤں میں تبدیل ہو گئی، اور وہ اہل مصر پر مسلط ہو گئیں۔ (۷۲) حضرت یعقوبؑ کی آنکھیں ٹھیک کرنے کے لیے حضرت یوسفؑ نے انہیں اپنا ہاتھ لگایا۔ (۷۳) ایک اسرائیلی نبی ایشع علیہ السلام (الیسع) کے کہنے پر، دریا میں نہانے سے ایک کوڑھی کو کوڑھ سے نجات ملی۔ (۷۴) اسی پیغمبر کی ہڈیوں کی برکت سے ایک مردہ زندہ ہوا۔ (۷۵)

حضرت عیسیٰؑ کے کہنے کے مطابق تو پختہ ایمان والا غیر نبی بھی پہاڑ کو اپنی جگہ سے سرکا سکتا، (۷۶) اور درخت کو محض حکم دے کر جڑ سے اکھاڑ سکتا ہے۔ (۷۷)

---

69. A. Wallace: op. cit. (Essay on Thomas Emlyn).

70. J. Hastings: Dictionary of the Bible, p. 415.

۷۱۔ خروج ۷ : ۱۰

۷۲۔ خروج ۸ : ۱۷

۷۳۔ پیدائش ۴۶ : ۴

۷۴۔ ۲ - سلاطین ۵ : ۱۴

۷۵۔ ۲ - سلاطین ۱۳ : ۲۱

۷۶۔ متی ۱۷ : ۲۰

۷۷۔ لوقا ۱۷ : ۶

حقیقت یہ ہے کہ معجزات' خدائی تو در کنار' نبوت کی بھی حتمی دلیل نہیں ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کے بقول' "جھوٹے نبی" بھی "بڑے نشان اور عجیب کام" دکھا سکتے ہیں (۷۸) حتیٰ کہ مسیح کے مخالف فریسی بھی مسیح کی طرح "بدروحیں" نکالنے کا مظاہرہ کرتے تھے۔ (۷۹) بلکہ بقول مسیح' معجزات طلب کرنا اور ان پر ایمان کا مدار رکھنا تو برے اور "زناکار" لوگوں کا کام ہے۔ (۸۰)

اسی لئے معجزات و نشانات کی کثرت کے باوجود اولین عیسائی' عیسیٰؑ کو بشر اور رسول ہی مانتے تھے۔ اور معجزات کو خدا کی طرف سے مانتے ہوئے ان کے دکھانے والے انبیاء (بشمول حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو "آدمی" ہی کہتے تھے۔ چنانچہ مسیح کے ایک معجزہ سے ایک مفلوج کو شفا ہوئی تو "لوگ یہ دیکھ کر ڈر گئے اور خدا کی تمجید کرنے لگے' جس نے آدمیوں کو ایسا اختیار بخشا۔" (۸۱) اس زمانہ کے لوگ زیادہ سے زیادہ انہیں "قدرت والا نبی" کہتے تھے' اور اس سے انکی مراد معجزات دکھانے والا پیغمبر تھا۔ (۸۲) تکثیر طعام (تھوڑے کھانے سے ایک "بھیڑ" کے سیر ہونے) کا معجزہ دیکھ کر بھی لوگوں نے یہی کہا کہ "جو نبی دنیا میں آنے والا تھا' فی الحقیقت یہی ہے۔" (۸۳) اس امر کا مؤثر اظہار' حواری پطرس نے بھی عیسیٰؑ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اس طرح کیا: "اے اسرائیلیو یہ باتیں سنو کہ یسوع ناصری ایک شخص تھا' جس کا خدا کی طرف سے ہونا تم پر ان معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا جو خدا نے اس کی معرفت تم

۷۸۔ متی ۲۴ : ۲۴

۷۹۔ متی ۱۲ : ۲۷' لوقا ۱۱ : ۱۹

۸۰۔ متی ۱۲ : ۳۹

۸۱۔ متی ۹ : ۸

۸۲۔ لوقا ۲۴ : ۱۹

۸۳۔ یوحنا ٦ : ۱۴

میں دکھائے۔"(۸۴)

اسی طرح حواریوں کے منتخب ساتھی برنباس کی عیسیٰؑ کے بارے میں تبلیغ اور نصیحت بھی یہی تھی کہ وہ "نیک مرد" تھے۔ (۸۵)

اناجیل کی انہی تصریحات کے پیش نظر انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں لکھا ہے:

Apart from the Birth stories at the opening of Matthew and Luke....there is nothing in these three Gospels to suggest that their writers thought of Jesus as other than human.

"متی اور لوقا کے شروع میں مسیح کی (بن باپ) پیدائش کی کہانیوں سے قطع نظر، (پہلی) تینوں اناجیل میں کوئی ایسی بات نہیں جو ظاہر کرے کہ ان کے مصنفین یسوع کو انسان کے علاوہ کچھ اور سمجھتے تھے۔" (۸۶)

مسیح اور "ابن آدم"

اپنی بشریت و عبدیت پر زور دینے کے لئے عیسیٰؑ نے اناجیل میں بار بار (اٹھتر دفعہ)"(۸۷) اپنے لیے "ابن آدم" کا لقب استعمال کیا ہے۔(۸۸) اس میں بھی ان کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ بائبل میں حزقیاہ نبی کو بھی بار بار ابن آدم (آدم زاد) کہا گیا ہے(۸۹) اور دانیال نبی کو بھی۔(۹۰)

بعض عیسائی "ابن آدم" کے اس لقب کو خاص معنے پہنانے کی کوشش کرتے ہیں،

۸۴۔ اعمال ۲ : ۲۲

۸۵۔ اعمال ۱۱ : ۲۴

86. Encyclo. Brit. (14th. edition, 1929), vol. 13, p. 16.

۸۷۔ قاموس الکتاب، ص۔۱۵

۸۸۔ مثلاً دیکھئے: متی ۱۰ : ۲۳، مرقس ۱۰ : ۴۵، لوقا ۵ : ۲۴، یوحنا ۳ : ۱۳، وغیرہ۔

۸۹۔ حزقی ایل ۲ : ۱، ۳ : ۱، ۳ : ۳، وغیرہ۔

۹۰۔ دانی ایل ۸ : ۱۷

یعنی اس سے خدا کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں تجسم (Christ in incarnate form) مراد لیتے ہیں۔[۹۱] مگر محققین نے واضح کیا ہے کہ اصل ارامی زبان میں یہ لفظ برناش یا برناشا (Barnash or Barnansha) تھا' جس کا سیدھا سادا مطلب آدمی یا انسان ہے۔ارامی سے یونانی اور پھر دوسری زبانوں میں ترجمہ ہوتے ہوتے "ابن آدم" کی شکل میں ایک غیر فطری یونانی اصطلاح (unnatural Greek phrase) وجود میں آئی۔[۹۲]

دراصل یہودی اپنے دور مظلومیت اور غلامی میں بڑی مدت سے حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے ایک مبارک و ممسوح (یا 'مسیح' = Anointed) بادشاہ کے منتظر تھے' جو انہیں ان کی پستی سے نجات دلائے۔[۹۳] بعض انبیائے سابقین اس آنے والے کی آمد کی پیش گوئیاں کرتے رہے تھے' اور انہی پیشگوئیوں نے یہود کو دور ظلمت میں زندہ رکھا تھا۔[۹۴] ہیرودیس بادشاہ (جس کے زمانہ میں حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے) "یہودیوں کے بادشاہ" کی پیدائش کے بارے میں سن کر اسی لئے گھبرا گیا تھا' کہ اسے خطرہ پیدا ہوا[۹۵] کہ وہ شخصیت پیدا ہو گئی ہے جسے "خدا' اس کے باپ داؤد کا تخت دے گا' اور وہ یعقوب کے گھرانے پر ابد تک بادشاہی کرے گا' اور اس کی بادشاہی کا آخر نہ ہو گا۔"[۹۶] اگرچہ مسیح کے دنیا سے تشریف لے جانے سے یہ امیدیں ختم ہو گئیں اور انہیں ماننے والوں کو کہنا پڑا: "ہم کو امید تھی کہ اسرائیل کو مخلصی یہی دے گا۔"[۹۷] تاہم بعد میں مسیح کے بہت جلد

---

91. J.P. Boyd: Bible Dictionary, New, York, 1958, p. 94.

92. Encyclopaedia of Religion And Ethics, vol, 7, pp. 516-17;
New Catholic Encyclopaedia, vol.13, p. 431.

93. J. Hastings: Dictionary of the Bible, p. 415.

۹۴۔ مثلاً: یسعیاہ ۱۱: ۱۱ ومابعد' یرمیاہ ۳۳: ۱۵-

۹۵۔ متی ۲: ۲ - ۳

۹۶۔ لوقا ۱: ۳۲ - ۳۳

۹۷۔ لوقا ۲۴: ۲۱

دوبارہ آنے کی امید قائم ہو گئی۔ (۹۸) رومی حاکم پیلاطس کا مسیح سے سوال اور ان پر الزام بھی یہی تھا کہ وہ خود کو یہودیوں کے بادشاہ اور ان کے سیاسی و سماجی نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔ (۹۹) گویا اس زمانہ کے لوگ اگر عیسیٰؑ کو نبی کے علاوہ کچھ اور سمجھتے تھے تو مسیح منتظر اور موعود بادشاہ سمجھتے تھے' خدا نہیں مانتے تھے۔ اور عیسیٰؑ نے بھی اپنے متعلق "ابن آدم" جیسے الفاظ کے استعمال سے اپنے بندہ اور انسان ہونے پر اس لئے زور دیا ہے کہ ایک تو انہیں نبی سے زیادہ کچھ نہ سمجھا جائے' اور دوسرے لوگ ان سے بطور مسیح اور مبارک بادشاہ' سیاسی و قومی نجات کی غلط توقعات وابستہ نہ کر لیں۔ (۱۰۰)

(To avoid exciting false hopes of nationalistic character)

یعنی "ابن آدم" کا لقب اختیار کرنا بھی عیسیٰؑ کی طرف سے اپنے عجز و درماندگی ہی کا اعتراف تھا' نہ کہ اپنے انسانی پردہ میں خدا ہونے کا۔

"ابن اللہ" اور "خدا"

بعد کے عیسائی مذہبی ادب میں عیسیٰؑ کے لئے مسیح اور ابن آدم' کی بجائے 'خداوند (Lord) اور خدا کا بیٹا (Son of God) کے القاب پر زیادہ زور دیا گیا' (۱۰۱) حالانکہ:

It is highly improbable that this title was in use in the life time of Jesus.

"اس کا کوئی امکان نہیں کہ ('خداوند' کا) یہ لقب یسوع کی زندگی میں (ان کے لئے) استعمال کیا گیا ہو" (۱۰۲) اور جہاں تک "ابن اللہ" یا "خدا کا بیٹا" کہلانے کا تعلق ہے' بقول

۹۸۔ متی ۲۴ : ۳۰' ۲۶ : ۶۴' وغیرہ

۹۹۔ مرقس ۱۵ : ۲' یوحنا ۱۸ : ۳۳' ۱۹ : ۱۹' نیز دیکھئے:

Encyclopaedia of Religion And Ethics, vol. 7, p. 517.

100. J. Hastings: op. cit., p. 142.

101. Ibid., pp. 142, 143.

102. Vincent Taylor: The Names Of Jesus, p. 43 (quoted in Hastings' Dictionary, p. 143).

لغات ہیسٹنگز:

Whether Jesus used it of Himself is doubtful.

"یہ امر مشکوک ہے کہ یسوع نے اس لقب کو اپنے لئے استعمال کیا۔"(۱۰۳) اور:

In the Synoptic Gospels, the expression 'Son of God' really a Messianic designation, is rather used of Jesus than by Him of Himself.

"اناجیل متوافقہ میں "خدا کا بیٹا" کی اصطلاح' جو در حقیقت بحیثیت (سیاسی) مسیح ان کا لقب تھا' یسوع کے متعلق (دوسروں نے) استعمال کی ہے' نہ کہ یسوع نے اپنے بارے میں۔"(۱۰۴) نیز:

In his teaching Jesus does not describe himself as God, and speaks of God as another.

"یسوع نے اپنی تعلیمات میں خود کو خدا نہیں کہا' بلکہ وہ خدا کا ذکر ایک الگ اور دوسری ہستی کے طور پر کرتے ہیں۔" (۱۰۵)

ہارنیک نے بھی لکھا ہے:

The sentence: I am the Son of God, was not inserted in the Gospel by Jesus himself, and to put that sentence there side by side with the others is to make an addition to the Gospel.

"یہ جملہ 'میں خدا کا بیٹا ہوں' انجیل میں یسوع نے شامل نہیں کیا۔ اور اسے انجیلی بیانات میں شامل کرنا انجیل میں اضافہ کرنے کے مترادف ہے۔" (۱۰۶)

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں اس بات کو ذرا محتاط انداز میں اس طرح ادا کیا گیا ہے:

103,104,105. J. Hastings: op.cit., pp. 143, 338.

106. Adolf Harnack: op. cit., p. 149.

The Gospels do not quote him as using the title for himself in so many words...

"اناجیل یہ بیان نہیں کرتیں کہ اس (یسوع) نے یہ لقب (خدا کا بیٹا) بہت زیادہ الفاظ میں (یا بہت دفعہ) اپنے لئے استعمال کیا ہو۔" (۱۰۷)

مگر بائبل کی ایک اور معروف و متداول قاموس العلوم میں مشہور جرمن سکالر این شمٹ (N. Schmidt) نے صاف طور پر لکھا ہے:

"یسوع نے کبھی اپنے آپ کو 'خدا کا بیٹا' نہیں کہا نہ ہی کبھی (ان کی زندگی میں) انہیں اس لقب سے مخاطب کیا گیا۔" بلکہ مسیح کے لئے اس لقب کا استعمال یونانی حلقوں (Hellenic Circles) کے زیر اثر شروع ہوا۔ (۱۰۸) نیز:

Jesus never called himself the "Son of God" and the title when bestowed upon Him by others involves no more than the acknowledgement that He was Messiah.

"یسوع کبھی خود کو 'خدا کا بیٹا' نہیں کہتے۔ اور (اناجیل میں) جب دوسرے لوگ یہ لقب انہیں دیتے ہیں' تو اس سے مراد صرف اس بات کا اعتراف ہے کہ وہ انہیں مسیحا مانتے ہیں۔" (۱۰۹)

اور انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ا تھکس میں بھی تصریح کی گئی ہے کہ ابن اللہ کا لقب بعد میں انجیل نگاروں نے اگر عیسیٰؑ کے لئے استعمال کیا تو یہ ان کے (سیاسی) مسیح ہونے کے سلسلہ میں ایک اعزازی نام کے طور پر تھا:

In the Gospels, though the evidence is confused, signs

---

107. Encyclo. Brit. (1962), vol. 13, p. 21.

108. T.K. Chenyl. and J.S.Black (editors): Encyclopaedia Biblica, London, 1899, c. 4701, 4702.

109. Ibid., c. 4689.

are not wanting that occasionally the phrase was employed as a honorific title for the anointed one.

"اناجیل میں اگرچہ شہادت ملی جلی ہے ' تاہم کئی علامات بتاتی ہیں کہ یہ اصطلاح 'ممسوح و مبارک (بادشاہ) کے لئے ایک اعزازی لقب کے طور پر مستعمل تھی۔" (۱۱۰)

انہی وجوہ کی بنا پر عیسائیوں کے ایک قدیم فرقہ "متبنیہ" (Adoptionists) کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ خلقی و طبعی طور پر خدا کے فرزند نہیں 'بلکہ ان کی اعلیٰ خصوصیات کی وجہ سے خدا نے انہیں اپنا متبنیٰ بنالیا ہے۔ (۱۱۱)

حقیقت یہ ہے کہ اگر ابتداء میں عیسیٰؑ کے بارے میں "ابن اللہ" کا لفظ استعمال ہوا 'تو اس کا مفہوم سامی محاورہ (Semitic idiom) کے مطابق سمجھنا چاہیئے' نہ کہ حقیقی اور لفظی معنوں کے لحاظ سے۔ (۱۱۲) سامی محاورہ کے مطابق ' اگر کوئی کسی کا خصوصی طور پر محبوب (uniquely loved) ہوتا یا خاص طور پر کسی سے منسوب و متعلق ہوتا 'تو اسے اس کا 'بیٹا' کہہ دیا جاتا تھا۔ (۱۱۳) اور اس کا مطلب نہ تو حقیقی بیٹا ہوتا اور نہ متبنیٰ۔ ان معنوں میں اس کا بکثرت استعمال قدیم و جدید عہد ناموں میں نہ صرف عیسیٰؑ بلکہ بہت سے دوسرے محبوبان و خاصان خدا کے لئے کیا گیا ہے 'اور جو زیادہ پیارے ہیں انہیں "پہلوٹھا" (first born) کہا گیا ہے۔ بلکہ بعض کو ازراہ محبت و تکریم "مجھ سے پیدا ہوا" (begotton) بھی کہہ دیا گیا ہے۔ مثالیں ملاحظہ فرمایئے :

---

110. Encyclopaedia of Religion And Ethics, vol. 7, p. 515.

111. Will Durant: The Story of Civilisation, vol. 3, p. 605 (Arabic Edition, 11: 294).

112. J. Hastings: op. cit., p. 143.

113. Encyclopaedia of Religion And Ethics, vol. 7, p. 515.

خدا نے حضرت موسیٰ کی زبانی فرعون سے کہلوایا: ”اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پہلوٹھا ہے۔“ (۱۱۴) بنی اسرائیل سے براہ راست بھی کہا گیا ہے: ”تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو۔“ (۱۱۵) خدا نے مزید کہا: ”میں اسرائیل کا باپ ہوں اور افرائیم میرا پہلوٹھا ہے۔“ (۱۱۶) حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے ایک نغمہ میں فرمایا: ”خداوند نے مجھ سے کہا تو میرا بیٹا ہے۔ آج تو مجھ سے پیدا ہوا ہے۔“ (۱۱۷) حضرت سلیمانؑ کے بارے میں حضرت داؤدؑ کو بشارت دی گئی: ”میں نے اسے چن لیا ہے کہ وہ میرا بیٹا ہو اور میں اس کا باپ ہوں۔“ (۱۱۸) داؤدؑ کے ایک اور نغمہ میں خدا کو ”یتیموں کا باپ“ کہا گیا ہے۔ (۱۱۹) کتاب ایوب میں دو جگہ ”خدا کے بیٹے“ سے بظاہر مراد فرشتے ہیں۔ (۱۲۰)

بنی اسرائیل میں تو بعض عام لوگوں کے نام بھی (مثلاً) ابیاہ (Abia) ابی ایل (Abiel) وغیرہ ہوتے تھے۔ (۱۲۱) اول الذکر کا مطلب ہے: ”یہوواہ (خدا) میرا باپ ہے“ اور ثانی الذکر کا معنی ہے: ”ایل (خدا) میرا باپ ہے۔“ (۱۲۲)

عہد جدید میں بھی آدم کو 'خدا کا بیٹا' کہا گیا ہے۔ (۱۲۳) نیز

۱۱۴۔ خروج ۴ : ۲۲

۱۱۵۔ استثناء ۱۴ : ۱

۱۱۶۔ یرمیاہ ۳۱ : ۹

اسرائیل 'یعقوبؑ' کا نام ہے اور افرائیم ان کا پوتا اور یوسفؑ کا بیٹا تھا۔

دیکھئے: پیدائش ۴۶ : ۲۰ ' ۴۸ : ۱ - ۲

۱۱۷۔ زبور ۲ : ۷

۱۱۸۔ ۱- تواریخ ۲۸ : ۶

۱۱۹۔ زبور ۶۸ : ۵

۱۲۰۔ ایوب ۱ : ۶ ' ۳۸ : ۷

۱۲۱۔ ۱ - سموئیل ۸ : ۲ ' ۹ : ۱

122. The New Catholic Encyclopaedia, vol. 13. p. 427.

۱۲۳۔ لوقا ۳ : ۳۸

صلح کرانے والوں کے بارے میں کہا گیا: "مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔"(۱۲۴) اس کے علاوہ دشمنوں سے محبت رکھنے والوں کو "اپنے باپ جو آسمان پر ہے کے بیٹے" کہا گیا۔(۱۲۵)

"باپ اور بیٹے" کا یہ تعلق محبت اور عزت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سے کوئی اور مخصوص معنی مراد نہیں ہیں۔ بقول یوحنا' جب مسیح نے کہا": باپ بیٹے سے محبت رکھتا ہے۔" اور "باپ بیٹے کو عزیز رکھتا ہے"(۱۲۶) تو ان کی مراد خدا کی ان سے محبت تھی۔ آگے یوحنا کی اپنی تعبیر ہے کہ "اس سبب سے یہودی اور بھی زیادہ اسے قتل کرنے کی کوشش کرنے لگے کہ وہ نہ فقط سبت کا حکم توڑتا' بلکہ خدا کو خاص اپنا باپ کہہ کر اپنے آپ کو خدا کے برابر بناتا تھا۔"(۱۲۷) جب مسیح کے زمانے والے بھی یوحنا ہی کے بقول "خدا کے فرزند" اور "خدا سے پیدا" ہوئے ہیں"(۱۲۸) تو مسیح کیسے خدا کو "خاص اپنا باپ" کہہ سکتے تھے؟

جہاں تک یہودیوں کی طرف سے مسیح کی مخالفت اور ان کے قتل کی کوشش کرنے کا تعلق ہے' اس کی وجہ ان کا خدا کو "خاص اپنا باپ" کہنا نہ تھا۔ اس مخالفت کی اصل وجہ خود یوحنا ہی نے دوسرے مقامات پر اس طرح بیان کی ہے: "اگر ہم اسے یوں ہی چھوڑ دیں تو سب اس پر ایمان لے آئیں گے' اور رومی آکر ہماری جگہ اور قوم دونوں پر قبضہ کر لیں گے۔" وہ ان کے معجزات کی کثرت دیکھ کر گھبراتے تھے کہ "دیکھو جہان اس کا پیرو ہو چلا۔" اسی طرح مخالفت کی اصل وجہ میں مسیح کا اپنا قول یوحنا نے یوں نقل کیا ہے: "اب تم مجھ جیسے شخص کے

۱۲۴۔ متی ۵ : ۹

۱۲۵۔ متی ۵ : ۴۵

۱۲۶۔ یوحنا ۳ : ۳۵ ' ۵ : ۲۰

۱۲۷۔ یوحنا ۵ : ۱۸

۱۲۸ یوحنا ۱ : ۱۲ - ۱۳

نیز دیکھئے : افسیوں ۱ : ۵ "لے پالک بیٹے"

قتل کی کوشش میں ہو‘ جس نے تم کو وہی حق بات بتائی جو خدا سے سنی۔"[۱۲۹] حق کی مخالفت اور پیغمبروں کی زبانی اپنے جرائم اور برائیوں کی تردید سننے کا حوصلہ نہ رکھنا ہی لوگوں کو انبیاء کی مخالفت اور قتل پر ابھارتے رہے ہیں‘ اور یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔ "خدا کا بیٹا" کہلانا ان کی مخالفت اور ان کے قتل کی کوشش کا سبب نہ تھا۔ یہ تو یہود کے ہاں‘ اور بائبل اور سامی محاورہ میں ایک عام سی چیز تھی۔

بہر حال‘ اوپر کی مثالوں سے واضح ہے کہ بائبل میں اسرائیل‘ بنی اسرائیل‘ افرائیم‘ داؤدؑ‘ سلیمانؑ‘ فرشتوں اور یتیموں وغیرہ سب کے لئے "خدا کے بیٹے" کا لقب استعمال کیا گیا ہے۔ اگر خدا اور ان افراد کے درمیان تعلق کے لئے ان الفاظ کا استعمال باپ اور بیٹے کا حقیقی تعلق ثابت نہیں کرتا‘ تو عیسیٰؑ کو کیونکر لفظی معنوں میں خدا کا اکلوتا‘ اور اس سے پیدا شدہ (Begotten) بیٹا مانا جا سکتا ہے؟ اگر کسی نے انہیں ان کی زندگی میں "خدا کا بیٹا" کہا[۱۳۰] اور آسمان سے آواز آئی کہ "یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں"[۱۳۱] تو یہ فیصلہ کرنے کا حق کسے پہنچتا ہے کہ باقی افراد کے لئے تو باپ اور بیٹے کے مجازی معنے مراد ہیں اور عیسیٰؑ کے لئے حقیقی؟

درست یہی ہے کہ باپ اور بیٹے کے الفاظ کا عبرانی اور سامی مفہوم بڑا وسیع ہے۔ بقول ہیسٹنگز:

A "Son of God" is a man, or even a people, who reflect the character of God.

"خدا کا بیٹا" وہ فرد یا قوم ہے جس میں (نیکی اور اچھائی کی) خدائی صفات پائی

۱۲۹۔ یوحنا ۱۱ : ۴۸ ‘ ۱۲ : ۱۹ ‘ ۸ : ۴۰

۱۳۰۔ متی ۸ : ۲۹ ‘ ۱۴ : ۳۳ ‘ مرقس ۳ : ۱۱ ‘ ۵ : ۷ ‘ یوحنا ۱ : ۴۹ ‘ ۱۱ : ۲۷

۱۳۱۔ متی ۳ : ۱۷ ‘ ۱۷ : ۵ ‘ مرقس ۱ : ۱۱

جائیں۔"(۱۳۲)

اسی طرح مسیح کے سوانح نگار رینان نے 'بیٹا' اور 'فرزند' کے استعمال کی بہت سی مثالیں دے کر لکھا ہے:

The word 'son' has the widest meanings in the Semitic language, and in that of the New Testament.

"سامی زبان میں اور نئے عہد نامہ میں لفظ 'بیٹا' کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔"(۱۳۳)
اس مصنف کے نزدیک بھی یہ امر مشکوک ہے کہ عیسیٰ نے یہ لفظ اپنے لئے خود استعمال کیا ہو' اور وہ کہتا ہے کہ اگر انہوں نے استعمال کیا بھی تو "ابن آدم" اور "مسیح" کے معنوں ہی میں کیا' نہ کہ الگ کسی خاص معنیٰ میں۔(۱۳۴)

عہد نامہ قدیم کے محاورہ میں فرشتوں کو "خدا کا بیٹا" تو در کنار "خداوند" بھی کہا گیا ہے۔ حضرت لوطؑ نے فرشتوں کو "اے میرے خداوند" کہہ کر مخاطب کیا۔(۱۳۵) اسی طرح فانی انسانوں کو نہ صرف "حق تعالیٰ کے فرزند" بلکہ "اللہ" بھی کہا گیا ہے۔(۱۳۶) اسی سے بقول یوحنا' عیسیٰؑ نے نئے عہد نامہ میں دلیل پکڑی کہ اگر ان انسانوں (یا انبیاء) کو جن کے پاس خدا کا کلام آیا' عہد نامہ قدیم میں مجازاً "خدا" کہا گیا ہے تو خود انہیں بھی (مجازاً) "خدا کا بیٹا" کہا جا سکتا ہے۔(۱۳۷) مگر انہوں نے یہ بھی واضح کیا کہ "بیٹے اور باپ" کا یہ مجازی تعلق ان کے لئے خاص نہیں ہے' بلکہ سب کے لئے ہے۔ مثلاً

---

132. J. Hastings' Dictionary, p. 143.

133. E. Renan : Life of Jesus, p. 181.

134. Ibid., p. 182.

۱۳۵۔ پیدائش ۱۸ : ۲ - ۳ ' ۱۹ : ۱ - ۲

۱۳۶۔ زبور ۸۲ : ۶

۱۳۷۔ یوحنا ۱۰ : ۳۴ - ۳۶

انہوں نے کہا: "میں اپنے باپ اور تمہارے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں۔"(۱۳۸) یہ مجازی تعلق بالخصوص ان لوگوں کے لئے ہے جو "تخلقوا باخلاق اللّٰہ" (اپنے اندر اللہ کی صفات یعنی اچھائی اور نیکی پیدا کرو) کے مصداق اچھے اور راست باز ہوں- چنانچہ جب مسیح سے بحث کرتے ہوئے ان کے مخالف یہودیوں نے کہا: "ہمارا ایک باپ - یعنی خدا" تو مسیح نے انہیں جواب دیا: "تم اپنے باپ ابلیس سے ہو اور اپنے باپ کی خواہشوں کو پورا کرنا چاہتے ہو۔"(۱۳۹)

مختصر یہ کہ بائبل میں "خدا کے بیٹے" کا اطلاق بہت سی ہستیوں پر کیا گیا ہے' اور مسیح کی اس سلسلہ میں کوئی خصوصیت نہیں۔ بہت سے افراد جو اچھے اور خدا کے قانون پر چلنے والے تھے 'بائبل کے عبرانی محاورہ میں "خدا کے بیٹے" کہلائے- مسیح کو کسی الگ اور خاص معنوں میں "خدا کا بیٹا" قرار دینے کی عیسائیوں کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں' اور نہ یہ کہنے کی کہ "خدا کے بیٹے کے لقب کا کوئی ایسا خصوصی مفہوم ہے جسے خود خدا کے سوا کوئی نہیں سمجھتا۔"(۱۴۰)

عقیدہ تثلیث کی تدریجی تکمیل

ان حقائق کے باوجود رفتہ رفتہ کتاب مقدس کی توحید کی تعلیم اور عیسیٰؑ کی بشریت و عبدیت کے بے شمار مظاہر کو نظر انداز کیا جانے لگا- نیز "بیٹا" کے لفظ کو مجازی کی بجائے حقیقی معنوں پر محمول کرنے کے علاوہ اسے عیسیٰؑ کے لئے خاص کرنے کا رجحان پیدا ہوا- اور انہیں خصوصی معنوں میں "خدا کا بیٹا" اور "خدائی اختیارات میں شریک" قرار دیا جانے

۱۳۸۔ یوحنا ۲۰ : ۱۷

۱۳۹۔ یوحنا ۸ : ۴۱ ' ۴۴

140. S.M. Jackson (editor): Encyclopaedia of Religious Knowlede, London & New York, 1911, vol.10,p. 499.

لگا۔اس سے ”خدا باپ“اور ”خدا بیٹا“کا تصور ابھرا‘جس کے ساتھ یہ اصرار بھی شامل تھا کہ یہ بظاہر مختلف ہونے کے باوجود مختلف نہیں ہیں۔پھر بعض رائج الوقت تثلیث پسند مذاہب اور فلسفوں کے زیر اثر‘اس تصور میں خدا کی حکمت و طاقت کی علامت اور نمائندہ ”روح القدس“کو شامل کر کے مسیحی تثلیث کی تکمیل ہوئی۔اس پورے عمل میں عیسائیت پر یونانی‘ رومی اور دیگر قدیم مذاہب اور فلسفوں کے بڑھتے ہوئے گہرے اثرات کا بڑا دخل تھا‘جو نہ صرف عقیدہ تثلیث میں نمایاں ہوئے‘بلکہ عیسیٰؑ کو مخصوص معنوں میں ”خدا کا بیٹا“قرار دینے کے تصور کی تکوین و تکمیل میں بھی ان کا حصہ ہے۔مثلاً یونان میں

Kings and emperors liked to think of themselves as descended from the gods.

”بادشاہ اور حکمران‘ خود کو دیوتاؤں کی نسل سے سمجھنا پسند کرتے تھے۔“(۱۴۱)

چنانچہ یونانیوں کو عیسائیت کی طرف مائل کرنے کی کوششوں کے دوران اور ان کے عیسائیت قبول کرنے کے بعد‘مسیحی مذہبی فکر پر یونانی فکر کے جو اثرات ہوئے‘انہوں نے عیسیٰؑ کو بھی ”خدا کے جوہر“سے سمجھے جانے اور ”خدا کا بیٹا“قرار دیے جانے کی حوصلہ افزائی کی۔(۱۴۲)

دوسری طرف یونانی فلسفہ میں افلاطون اور اس کے پیرو کاروں کے نزدیک ماہیت خداوندی (Divine nature) کی تین حیثیتیں تھیں‘جنہیں وہ سبب اول (First Cause) حکمت و کلام (Reason or Logos) اور روح کائنات (The Soul and Spirit of the Universe) کی حیثیت سے پہچانتے تھے۔اس فکر نے مسیحیت میں بھی تین خداؤں کے تصور کی بنیاد رکھی‘جن میں کلام (Logos) کو ابدی باپ کے فرزند (Son of the Eternal Father) کی صورت میں دنیا کے خالق و مدبر

141, 142. J.Hastings: op.cit., p. 143.

(Creator and Governor) کی حیثیت حاصل تھی۔[۱۴۳] (یونانی اور دیگر فلسفوں کے مسیحی فکر پر اثرات کو باب چہارم میں بھی واضح کیا گیا ہے۔ اس باب کا حوالہ نمبر ۲۶ اور اس کے متعلقات ملاحظہ فرمائیں)۔

اس طرح یونانی نظریات ہی کے زیر اثر عیسائیوں نے "خدا کے بیٹے" جیسے الفاظ کی توضیح و تعبیر زیادہ لفظی معنوں میں کی[۱۴۴] (more literally interpreted)۔ چنانچہ مذکورہ صدر ان بے شمار آیات کو چھوڑ کر جن میں حضرت عیسیٰؑ ' خدا کا ذکر کرتے ہوئے اسے ایک الگ 'متمیز اور بالاتر ہستی قرار دیتے ہیں' ایسی آیات کی لفظی تعبیر پر عقیدہ کی بنیاد رکھی گئی جن میں عیسیٰؑ کی زبان سے کہلوایا گیا تھا کہ "میں اور باپ ایک ہیں"[۱۴۵] یا "جس نے مجھے دیکھا اس نے باپ کو دیکھا۔"[۱۴۶] پولس نے مسیح کے "مردوں میں سے جی اٹھنے" کو اس کے (حقیقی) بیٹا ہونے کی دلیل ٹھہرایا۔[۱۴۷] حالانکہ یہ بیٹا ہونے کی کوئی معقول دلیل نہیں' اور نہ باقی زندہ ہونے والے مردوں کو انجیل میں خدا کا حقیقی یا مجازی بیٹا قرار دیا گیا ہے۔[۱۴۸] پھر ستم بالائے ستم یہ کہ بغیر کسی دلیل یا مسیح کے قول کے' انہیں محض بیٹے کے درجہ سے اٹھا کر "خدا کا اکلوتا بیٹا" بنا دیا گیا'[۱۴۹] باوجود اس کے کہ عہد نامہ قدیم و جدید میں اب بھی ان مجازی بیٹوں کا ذکر موجود ہے جن کا تذکرہ ہم نے اوپر کیا ہے۔

اس سلسلہ میں کچھ راہ بائبل کے ترجمہ در ترجمہ نے بھی ہموار کی۔ خدا کے لئے جس لفظ کا ترجمہ "باپ" (Father) کیا گیا (اور اب بھی کیا جاتا ہے)' وہ عربی لفظ "رب" بمعنی

---

143. Edward Gibbon: op. cit., vol. 2, pp. 335-336.

144. J. Hastings: op.cit., p. 143.

۱۴۵۔ یوحنا ۱۰ : ۳۰

۱۴۶۔ یوحنا ۱۴ : ۹

۱۴۷۔ رومیوں ۱ : ۴

۱۴۸۔ مثلاً دیکھئے: یوحنا ۱۱ : ۴۱' ۲ - سلاطین ۱۳ : ۲۱

۱۴۹۔ یوحنا ۳: ۱۶۔ نیز: نیو کیتھولک ڈکشنری' ص۔ ۹۱۲

مالک و پروردگار (Master, Nourisher) کے مترادف ہے' اور اس کے معنوں میں خالق و باری (Author and Founder) بھی شامل ہیں۔[۱۵۰] اسی طرح جن الفاظ کا ترجمہ "خدا کا بیٹا" کیا گیا ہے ان میں دو یونانی الفاظ Pais (Tiata) اور (Tiatsa Paida) اہم ہیں' جن کا مطلب لڑکا اور خادم (boy, servant) ہے' اور وہ عربی لفظ "غلام" یا "فتیٰ" کے ہم معنیٰ ہیں۔[۱۵۱] چونکہ خادم کو بھی لڑکا یا بیٹا کہہ کر پکار لیا جاتا تھا' اس لئے بعض تراجم میں ان الفاظ کو خادم (servant) لکھا گیا' اور بعض میں بیٹا (son)- مثال کے طور پر ذیل کی آیت کو مختلف تراجم میں ملاحظ فرمائیں:

The God of Abraham, and Issac, and of Jacob, the God of our fathers, hath glorified His Son Jesus.

"ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کے خدا یعنی ہمارے باپ دادا کے خدا نے اپنے بیٹے یسوع کو جلال دیا۔"[۱۵۲] اس کے برعکس بعض دوسرے تراجم میں "اپنے بیٹے" کی بجائے "اپنے خادم" (His servant) کے الفاظ ہیں۔[۱۵۳]

تاہم ان ساری تحریفات اور سینہ زوریوں کے باوجود عیسائی کلیسیا کو مسیح کی خدائی منوانے اور قائم کرنے' اور تثلیث کو مسیحیت کے بنیادی عقیدہ کے طور پر منوانے میں صدیاں لگیں:

---

150. J.P. Boyd: Dictionary of the Bible, p.37;

Pallen & Wynne: The New Catholic Dictionary, New York, p. 912.

151. Thomas Green : A Greek-English Lexicon, London, p. 134.

۱۵۲۔ اعمال ۳ : ۱۳

153. The Bible (King James' Version), Acts 3 : 13.

اردو بائبل' مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور (۱۹۸۵ء)' آیت مذکورہ بالا۔

نیز دیکھئے :

The Kingdom Interliner (Greek-English Bible), New York, 1969.

The recognition of Christ as the incarnation of the logos was practically universal before the close of the third century, but his deity was still widely denied.... At the council of Nicaea in 325, the deity of Christ received official sanction.

"مسیح کو کلام کا مظہر ماننا تیسری صدی ختم ہونے تک عام ہو چکا تھا۔ مگر ابھی ان کی (مکمل) خدائی کا انکار بکثرت تھا--- ۳۲۵ء میں جا کر نیقیہ کونسل میں مسیح کی خدائی (کے عقیدہ) کو سرکاری منظوری ملی۔"[۱۵۴] اس کونسل نے 'بائبل کے سارے دلائل کو نظر انداز کر کے' صرف اندھی تقلید اور بادشاہ وقت کی خوشنودی کے لئے قرار دیا کہ مسیح بحیثیت "خدا کے بیٹے" کے خدا سے پیدا ہوئے تھے 'بنائے نہیں گئے تھے (begotten, not made) اور یہ کہ وہ "خدا باپ" سے متحد الاصل (of the same essence as Father) ہیں۔[۱۵۵] اس طرح مسیح کو خدا کے مساوی مقام دینے کا راستہ صاف کر دیا گیا' حالانکہ پولس نے بھی ابتداء میں جب عقائد میں تحریف کی تو مسیح کو کسی حد تک خدا کے نیچے اور ماتحت ہی رکھا تھا۔ مثلاً اس نے لکھا تھا: "پس میں تمہیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہر مرد کا سر مسیح' اور عورت کا سر مرد' اور مسیح کا سر خدا ہے۔"[۱۵۶] نیز جیسا کہ پہلے گذرا' اس نے خدا (God) اور خداوند (Lord) میں فرق کرنے کی کوشش کی تھی۔[۱۵۷] تاہم بعد میں اس نے انہیں "خدا کا بیٹا" ہی نہیں "بزرگ خدا" تک قرار دے دیا۔[۱۵۸]

154. Encyclo. Brit. (1962), vol. 5, p. 677.

155. Ibid., vol. 13, p. 22.

۱۵۶۔ ا- کرنتھیوں ۱۱ : ۳

۱۵۷۔ ا : کرنتھیوں ۸ : ۵

۱۵۹۔ ططس ۲ : ۱۳

یونانیوں کے علاوہ جب دوسری غیر اقوام کے لوگ کثرت سے عیسائی ہونا شروع ہوئے' تو ان کی مذہبی روایات بھی عیسائیت میں شامل ہوتی گئیں۔ ان میں سے بھی بہت سے (مصری' رومی' اشوری' اہل بابل اور اہل کلدانیہ وغیرہ) تین خداؤں کے ماننے والے تھے۔ ہندو اور بدھ مت کے اثرات بھی اس دور میں پائے جاتے تھے' اور ان مذاہب میں بھی تثلیث کا عقیدہ موجود تھا۔ ہندو مت میں برہما' وشنو اور شو کی تثلیث۔[159] اور بدھ مت میں بدھ' دھرم اور سنگھ (Buddha, Dharma and Sangha) کی تثلیث (Buddhist Trinity) رائج ہو چکی تھی۔[160] دوسری طرف اشوری' بعل دیوتا اور شمس و قمر کی تثلیث کے قائل تھے۔[161] بالخصوص مصری تثلیث' جو آئی سیس (Isis)' آسیرس (Osiris) اور ان کے بیٹے ہورس (Horus) پر مشتمل تھی' اہل روم میں بڑی مقبول تھی۔[162]

رومی بادشاہ قسطنطین کے زیر اثر' جس نے اس وقت تک ابھی عیسائیت قبول بھی نہیں کی تھی' جب نیقیہ کی کونسل نے عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا اور اس کے ساتھ متحد الاصل قرار دے کر ان کی الوہیت کی راہ ہموار کی' تو ان کے ساتھ روح القدس کو ملا کر عیسائی تثلیث بھی مکمل کر دی۔[163] اس کے لئے بھی بائبل یا عیسیٰؑ کے ملفوظات سے کوئی دلیل ناطق تلاش کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی' بلکہ:

159. J. N. Farquhar: An Outline of Religious Literature of India, London, 1920, p. 148; The Chambers' Encyclopaedia, (1901), vol. 10, p. 295.

160. Marcus Dods, D.D: Mohammed, Buddha and Christ, London, 1894, p. 183.

161. Will Durant: op. cit., vol. 3,p. 595.

162. Ibid., vol.3, p. 588 (Arabic Edition, 11:275); C.F.Potter: The Faiths Men Live By, p.116.

163. Encyclo. Brit. (1962), vol. 5, p.676.

The deity of the Son was believed to carry with it that of the Spirit, who was associated with Father and Son in the baptismal formula and in the current symbols.

"یہ یقین کر لیا گیا کہ "بیٹے کی الوہیت" روح (القدس) کی الوہیت کو بھی شامل ہے' اور اسے (روح القدس کو) باپ اور بیٹے کے ساتھ بپتسمہ (دیتے وقت ادا کئے جانے والے) کلمات اور (دوسری) مروجہ مذہبی علامات میں شامل کر لیا گیا۔"(۱۶۴) اور کہا گیا کہ:

The Holy spirit.... is to be worshipped and glorified with the Father and the Son as divine.

"روح القدس --- کو الوہیت کا حامل سمجھتے ہوئے اس کی باپ اور بیٹے کے ساتھ (یکساں) عبادت اور تعظیم کی جانی چاہیے۔"(۱۶۵) روح القدس کو مکمل الوہیت کے درجہ تک یہ ترقی قسطنطنیہ کی کونسل منعقدہ ۳۸۱ء میں جا کر ملی۔(۱۶۶)

اس کے جلد ہی بعد تثلیث کے ان تینوں اقانیم وارکان کو عوامی عقیدہ میں مساوی حیثیت مل گئی' اور کلیسیا نے قرار دے دیا کہ:

The Father is God, the Son is God, and the Holy spirit is God, and yet they are not three Gods but one God.

"باپ بھی خدا ہے' بیٹا بھی خدا ہے' اور روح القدس بھی خدا ہے۔ تاہم وہ تین خدا نہیں بلکہ ایک ہی خدا ہے۔"(۱۶۷)

---

164. Ibid., vol. 5,p. 678.

165. Encyclo. Brit. (1973), vol. 11, p. 616.

166. New Catholic Encyclopaedia, vol. 14, p.299.

167. Encyclo. Brit. (1962), vol. 22, p. 479.

مزید وضاحت کے طور پر کہا گیا:

The three persons,Father, Son and Holy spirit, were distinct from one another, but were equal in their eternity and power.

"تینوں اقانیم — باپ بیٹا اور روح القدس — ایک دوسرے سے الگ اور ممیّز ہیں، مگر ابدیت اور قوت کے لحاظ سے مساوی ہیں۔"(۱۶۸) نیز:

God is three really distinct persons.... (and they) are co-equal, co-eternal, and co-substantial, and deserve co-eqaul glory and adoration.

"خدا تین واقعی مختلف شخصیتیں (اقانیم) ہے۔ اور وہ تینوں آپس میں مساوی، ازلی اور ایک ہی جوہر سے ہیں، اور مساوی تسبیح و تقدیس اور عبادت کے حقدار ہیں۔"(۱۶۹)

یہ عقائد گھڑتے ہوئے اس بات کی قطعاً پروانہ کی گئی کہ تثلیث کی یہ تعلیم "کتاب مقدس" کے عہد عتیق میں بالکل معدوم ہے، اور عہد جدید میں بھی اس کی ابتدائی شکل کو عیسیٰؑ نے نہیں بلکہ پولس نے شامل کیا ہے۔ اور یہ ایک ایسی بین حقیقت ہے جس کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں۔ چنانچہ کیتھولک انسائیکلوپیڈیا میں ہے:

The doctrine of the Holy Trinity is not taught in the O.T. In the N.T. the oldest evidence is in the Pauline epistles.

"تثلیث مقدس کا عقیدہ عہد نامہ قدیم میں نہیں سکھایا گیا۔ اور عہد نامہ جدید میں اس کی اولین شہادت پولس کے خطوط میں ملتی ہے۔"(۱۷۰)

---

168. Ibid., vol. 13, pp.22-23.

169. New Catholic Dictionary p. 973.

170. New Catholic Ecyclopaedia. vol. 14,p. 306.

خدا کی تثلیث میں بالعموم خدا" باپ" "مسیح" بیٹا "اور" روح القدس "شامل کئے جاتے ہیں' مگر مریم مقدسہ سے دعا اور شفاعت کا عقیدہ (۱۷۱) انہیں بھی عملاً خدائی کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے۔ (تثلیث اور روح القدس سے متعلق بعض وضاحتیں اور مباحث گزشتہ باب کی فصول "عیسائیت ساز کونسلیں اور حکمران" اور "مشرقی و مغربی کلیساؤں کی علیحدگی" وغیرہ میں گذر چکے ہیں۔ مریم کی "الوہیت" کے بارے میں مزید بحث موجودہ باب کے آخر میں ہے)۔

عقیدہ تثلیث کے مزعومہ دلائل

تثلیث کا نظریہ واضح طور پر شرک اور تین خداؤں کو تسلیم کرنے کے مترادف' اور کتاب مقدس کی مذکورہ بالا تعلیم توحید کے برعکس تھا۔ مگر اصرار یہ کیا گیا کہ یہی توحید ہے اور اسے تثلیث فی التوحید (Trinity in Unity) یا (Tri-Unity) کا دلچسپ نام دیا گیا (۱۷۲) ہر دور کے عیسائی موحدین نے اس کی مخالفت کی' مگر ان کی شنوائی نہ ہوئی۔ سرویطس (Servitus) جیسے لوگوں نے جب فریاد کی کہ:

An imaginary Trinity foisted upon us under the pretence and in the name of unity.

"ایک خیالی تثلیث کو توحید کے بہانے اور توحید کے نام پر ہمارے اوپر مسلط کر دیا گیا۔" (۱۷۳) تو کلیسیا نے ایسے لوگوں کو زندہ جلا کر خاموش کر دیا۔ (۱۷۴) تاہم لوگوں کی تسلی کے لئے کچھ عقلی و نقلی دلائل کی تلاش بھی ضروری تھی۔ لہٰذا کتاب مقدس کی توحید کے بارے میں واضح تعلیم اور نصوص کو نظر انداز کر کے بعض متشابہات اور مفروضات کو عقیدہ تثلیث کے "ثبوت" کے طور پر پیش کیا

171. American People's Encyclopaedia, vol. 14, pp. 997-98.

۱۷۲۔ قاموس الکتاب' ص۔ ۲۳۳

173. Michael Servitus: Errors of Trinity (quoted by A. Reland in Treatises Concerning the Mohametons, p. 190).

۱۷۴۔ دیکھئے باب ۴' حوالہ نمبر ۱۴۲

گیا۔ مثلاً ایک بڑی "اہم" دلیل یہ پیش ہوئی کہ عہد عتیق میں اکثر خدا تعالیٰ کے لئے صیغہ واحد استعمال ہوا ہے۔ لیکن بعض اوقات صیغہ جمع بھی آتا ہے۔ مثلاً:
"پھر خدا نے کہا ہم انسان کو اپنی صورت پر اپنی شبیہ کی مانند بنائیں۔" (پیدائش ۱: ۲۶)[۱۷۵]

عہد عتیق کے توحید کے موضوع پر مذکورہ بالا حوالوں (۱۷۶) میں صاف طور پر "ایک ہی خداوند" "واحد خدا" "میں ہی خدا ہوں" "کون میرا شریک ہے" "تیرے سوا کوئی خدا نہیں" جیسے واضح اور محکم الفاظ تھے۔ اس لئے صیغہ جمع کو ان کی روشنی میں سمجھتے ہوئے چاہئے تو یہ تھا کہ جمع کے صیغہ کو جمع تعظیمی قرار دیا جاتا۔ مگر یہاں مقصود تو کھینچ تان کر کے کلیسیائی کونسلوں کے بادشاہوں کے زیر اثر گھڑے ہوئے عقائد کو جواز مہیا کرنا تھا۔ اس لئے اس کھینچ تان سے گریز نہیں کیا گیا۔ حد یہ ہے کہ اسرائیل کے "سمع" یعنی کلمہ توحید پر بھی ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا گیا کہ خدا نے کہا تو یہی ہے کہ "سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے" مگر یہاں خدا کے لئے عبرانی میں لفظ الوہیم استعمال ہوا ہے' جو صیغہ جمع ہے۔ یہ بات کتنی مضحکہ خیز ہے کہ خدا کو بظاہر ایک کہا اور کہلوایا جائے اور صرف الوہیم کے استعمال سے کثرت (جس کا لازمی مطلب تثلیث نہیں ہے) کی تعلیم بھی اسی کلمہ توحید میں دے دی جائے جبکہ "الوہیم" کا سیدھا سادا مطلب "ہمارا خدا" ہے (جیسا کہ عموماً بائبل میں لکھا گیا ہے) نہ کہ "ہمارے خدا۔"[۱۷۷]

عہد نامہ عتیق سے تثلیث کی ایک اور دلیل یسعیاہ نبی کے اس فرمان سے ڈھونڈی گئی: "اب خداوند خدا نے اور اس کی روح نے مجھے بھیجا ہے۔"[۱۷۸] لطیفہ یہ پیدا کیا گیا کہ

۱۷۵۔ قاموس الکتاب' حوالۂ مذکور۔

۱۷۶۔ مثلاً: استثناء ۶: ۴' زبور ۸۶: ۱۰' زکریاہ ۱۴: ۷-۹' یسعیاہ ۴۳: ۱۰-۱۲' ۴۴: ۲۴'
۲۔ سموئیل ۷: ۲۲' ۱۔ سلاطین ۸: ۲۳۔

۱۷۷۔ تثلیث کی اس "دلیل" کے لئے دیکھئے: قاموس الکتاب' حوالۂ مذکور۔

۱۷۸۔ یسعیاہ ۴۸: ۱۶

اس آیت میں متکلم یسعیاہ نہیں بلکہ "بیٹا" ہے' اور اسے بھیجنے والے خدا اور اس کی روح ہیں۔(۱۷۹) لہذا تثلیث "ثابت" ہو گئی! حالانکہ اس کے متکلم یسعیاہ ہیں' ان کے سینکڑوں برس بعد پیدا ہونے والے مسیح نہیں۔ اور نہ ہی یہ بات پیشگوئی کے انداز میں کہی گئی ہے۔ نیز جہاں تک "خدا اور اس کی روح" کے الفاظ کا تعلق ہے' ان سے مراد خدا اور اس کا حکم یا خدا کی ذات ہے۔ ایک ہی ذات کے لئے عطف کا یہ استعمال سامی و غیر سامی زبانوں میں عام ہے' اور اس کا مقصد تاکید ہے۔ یسعیاہ کا مطلب یہ ہے کہ خدا ہی کی ذات نے مجھے بھیجا ہے' یا خدا اور اس کے حکم ہی سے میں آیا ہوں۔

اسی طرح کا استدلال کتاب پیدائش کے شروع سے بھی کیا گیا'(۱۸۰) جہاں زمین و آسمان کے پیدا ہونے سے پہلے خدا کی روح کا پانی کی سطح پر ہونے اور خدا کے "روشنی ہو جا" کہنے کا ذکر ہے۔ حالانکہ خدا کی روح سے مراد تو خدا کی ذات ہے' اور خدا کے کچھ کہنے سے اس کی صفت کلام کا الگ اور مجسم ہونا کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا۔

ان دلائل کے سلسلہ میں ایک بنیادی بات یہ ہے کہ بائبل کی مذکورہ اور دیگر آیات(۱۸۱) میں کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جس میں روح یا بیٹے کو خدا کے ہم پلہ اور مساوی کہا گیا ہو' جیسا کہ بعد میں عقیدہ بنا۔ حتیٰ کہ تثلیث کی اہم ترین اور "معرکہ الاراء" آیت ذیل بھی (امکان تحریف سے قطع نظر) اقانیم ثلاثہ کو خدا' اور بالخصوص مساوی درجہ کے خدا' ثابت نہیں کرتی۔ یعنی باپ' بیٹے اور روح القدس کے مجرد ذکر سے ہرگز یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ آپس میں مساوی اور خدا ہیں: "پس تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور ان کو باپ اور

۱۷۹۔ قاموس الکتاب' حوالہ مذکور۔

۱۸۰۔ پیدائش ۱ : ۱ - ۳

۱۸۱۔ اعمال ۲ : ۳۸ - ۳۹ ' ۵ : ۳۰ - ۳۲ ' ۷ : ۵۵ - ۵۶ ' افسیوں ۱ : ۳ ' تھسلنیکیوں ۱ : ۳ - ۵' متی ۳ : ۱۱' مرقس ۱ : ۱۰ - ۱۱' یوحنا ۱۴ : ۲۶ ' وغیرہ

بیٹے اور روح القدس کے نام سے بپتسمہ دو۔"[۱۸۲] اور دوسری بنیادی بات یہ ہے کہ عہد نامہ عتیق اور جدید دونوں کے زمانہ میں ان آیات کے لکھنے یا پڑھنے والوں نے تثلیث کا وہ عقیدہ نہ رکھا' نہ اخذ کیا' نہ سمجھا' نہ بیان کیا جو بعد میں کلیسیا نے اختیار کیا اور اسے مسیحی ایمان کا مرکزی عقیدہ قرار دیا۔[۱۸۳]

نقلی دلائل کے علاوہ مشہور عیسائی متکلم آگسٹائن (م ۴۳۰ء) اور اس کے خوشہ چینوں نے عقیدہ تثلیث کو ثابت کرنے کے لیے جو عقلی دلائل پیش کئے ہیں' وہ بھی مذکورہ نقلی دلائل کی طرح انتہائی کمزور اور بودے ہیں۔ انہوں نے تثلیث کو مثالوں سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر یا تو وہ ایک کل کے تین اجزاء کی مثالیں دیتے ہیں' مثلاً:

انسان = گوشت + خون + ہڈی' یا فنکار = فطرت + مہارت + مشق (Artist = Nature + Skill + Practice)' سورج = سورج + روشنی + گرمی' اور درخت = جڑ + شاخیں + پھل ——— '[۱۸۴] اور یا ایک ہی وجود کی تین مختلف حیثیتوں کی (جیسے دماغ اپنے وجود کا علم رکھنے کے لحاظ سے عالم بھی ہے' معلوم بھی اور آلہ علم بھی' یا ایک شخص کا وجود' اس کا اس وجود کا علم' اور اس علم سے اس کی محبت کی مثال۔[۱۸۵]

طامس ایکویناس نے (Summa Theologica) میں انہی دلائل کو آگے بڑھایا ہے۔[۱۸۶] لیکن یہ لائق متکلمین بھول جاتے ہیں کہ عیسائی عقیدہ کے مطابق اقانیم ثلاثہ نہ تو

۱۸۲۔ متی 19:28۔ اس آیت کے محرف اور جعلی ہونے کے بیان کے لئے دیکھئے:
A.S.Peake : Commentary on the Bible, London, 1919, p. 723;
Hastings' Dictionary of the Bible, p. 1015;
Encyclo. Brit (14th. Edition, 1929), vol. 13, p. 23:
That the Trinitarian baptismal formula does not go back to Jesus himself, is evident and recognised by all independent critics.
"یہ بات بالکل واضح اور تمام آزاد (وغیر جانبدار) نقادوں کے نزدیک جانی پہچانی (حقیقت) ہے کہ تثلیث کے بپتسمہ والے فارمولا (کلمہ یا جملہ) (کی سند) یسوع تک نہیں پہنچتی۔"

۱۸۳۔ اس بات کو آگے چل کر (اس باب کے آخر میں) مزید حوالوں سے واضح کیا گیا ہے۔

184. St. Augustine: The City of God (Everyman's Library), London, 1945, part II, p. 75;
J. W. Sweetman: Islam And Christian Theology, London, 1945, vol, 1, p. 75.

185. St. Augustine:op. cit., p. 335.

186. The New Catholic Encyclopaedia. vol. 14. pp. 303-304.

ایک وحدت کے اجزاء ہیں' نہ ایک وجود کی مختلف حیثیتیں' اور نہ ایک وجود کی مختلف صفات۔ بلکہ تینوں الگ 'مستقل اور حقیقی وجود رکھتے ہیں۔ اسی لیے تو آگسٹائن اور دوسرے عیسائی مفکرین نے کہا ہے کہ جو باپ ہے وہ بیٹا نہیں' جو بیٹا ہے وہ باپ نہیں' اور روح القدس بھی نہ باپ ہے نہ بیٹا۔[(۱۸۷)]

حقیقت یہ ہے کہ تثلیث کے مزعومہ عقلی و نقلی دلائل انتہائی بودے اور بے بنیاد ہیں۔ چنانچہ ہیسٹنگز کی لغات کے فاضل مقالہ نگار یہ لکھنے پر مجبور ہیں:

> The Christian doctrine of God as existing in three persons and one substance is not demonstrable by logic or by scriptural proofs.
>
> "عیسائی نظریہ کہ خدا تین اقانیم (شخصیتیں) اور ایک اصل رکھتا ہے' منطق یا بائبل کے دلائل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔"[(۱۸۸)] وہ بس اسے ایک "ضروری مفروضہ (necessary hypothesis) قرار دیتے ہیں۔[(۱۸۹)] اور واقعی یہ حقیقت سے دور محض ایک مفروضہ ہی ہے!

مزے کی بات یہ ہے کہ یہ مفروضہ جسے بعد میں ایمان کی بنیاد قرار دیا گیا' تیسری اور چوتھی صدی عیسوی کی پیداوار ہے' اور اس سے قبل کے عیسائی اس عقیدہ پر ایمان کے بغیر ہی دنیا سے چلے گئے۔ حتیٰ کہ پولس اور اس کے متبعین جنہوں نے شروع میں کتاب مقدس کی تعلیمات توحید میں تبدیلی کی' ان کا بھی تثلیث کے عقیدہ یا اس کی اس شکل پر ایمان نہ تھا جو بعد کی صدیوں میں ابھری۔ جیسا کہ ذیل کے حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے' ان کا ایمان یا تو خدائے واحد پر تھا اور یا (پولس کی طرح) خدائے واحد اور خداوند مسیح پر' جسے وہ خدا کے مساوی نہیں بلکہ اس کے ماتحت جانتے تھے' جیسا کہ پولس کے ایک خط[(۱۹۰)] کے حوالہ سے پہلے بیان ہوا۔ اسی طرح انجیل میں شامل "یوحنا بزرگ" کے پہلے "عام خط" میں بھی صرف

187. Encyclo. Brit. (1962), vol. 13, pp. 22-23.
188, 189. Hastings' Dictionary of the Bible (1963), p. 1015.

۱۹۰۔ ا۔ کرنتھیوں ۱۱ : ۳

باپ اور بیٹے پر ایمان لانے پر زور دیا گیا ہے' نہ ان کو مساوی حیثیت دی گئی اور نہ روح القدس پر اقنوم ثالث کی حیثیت سے ایمان کو واجب کہا گیا ہے: "مخالف مسیح وہی ہے جو باپ اور بیٹے کا انکار کرتا ہے۔ جو کوئی بیٹے کا انکار کرتا ہے' اس کے پاس باپ بھی نہیں۔ جو بیٹے کا اقرار کرتا ہے اس کے پاس باپ بھی ہے۔" (۱۹۱)

انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے حوالہ سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مسیح اور روح القدس کو خدائی کا درجہ ۳۲۵ء میں ملا۔ (۱۹۲) فی الحقیقت اس نظریہ کے اولین قابل ذکر جراثیم اوریگن اور طرطلین جیسے دوسری اور تیسری صدی کے عیسائی مفکرین کے ہاں ملتے ہیں۔ (۱۹۳)

ایک اور عیسائی فاضل' حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں' حتیٰ کہ پولس کی بھی' عقیدہ تثلیث سے عدم واقفیت اور بائبل میں اس کے ثبوت کے عدم وجود کی شہادت اس طرح دیتے ہیں:

The Gospels, Acts of the Apostles, and Epistles of St. Paul are all ignorant of the Trinity.

"اناجیل' رسولوں کے اعمال اور پولس کے خطوط' سب کے سب تثلیث سے ناآشنا ہیں۔" (۱۹۴)

اسی طرح انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں طبقہ اول کے عیسائیوں کے بارے میں لکھا ہے:

The doctrine of the Trinity appeared inconsistent with the unity of God, which is emphasized in the

---

۱۹۱۔ ۱۔ یوحنا ۲ : ۲۲ - ۲۳

192. Encyclo. Brit. (1962), vol. 5, pp. 677-78;
The New Catholic Encyclopaedia, vol, 14, p. 299.

193. The New Catholic Encyclopaedia, vol. 14, pp. 296 - 297

194. Hurbert Muller: Uses of the Past, p. 169, footnote.

scriptures. They, therefore, denied it and accepted Jesus Christ, not as incarnate God, but as God's highest creature.

"تثلیث کا عقیدہ انہیں توحید خداوندی 'جس پر کتب مقدسہ میں زور دیا گیا تھا' سے متضاد معلوم ہوتا تھا۔ اس لیے انہوں نے اس کا انکار کیا۔ اور یسوع مسیح کو مجسم خدا کے طور پر نہیں' بلکہ خدا کی اعلیٰ ترین مخلوق کے طور پر قبول کیا۔"(۱۹۵)

اس طرح بعد کے عیسائیوں کی اندھی اور بے دلیل عقیدت نے حضرت عیسیٰؑ کو جو خدا کے بندے اور رسول تھے' خدا کا درجہ بھی دیا اور ابن اللہ کا بھی۔ عہد نامہ قدیم و جدید کی آیات توحید کو پس پشت ڈال کر انہیں اور روح القدس کو الٰہ بنایا گیا۔ اور "تین بھی اور ایک بھی" کے غیر منطقی اور بے جواز عقیدہ کو دین کی بنیاد قرار دے دیا گیا۔ حالانکہ ساری تحریفات کے باوجود آج بھی اناجیل قرآن کے اس بیان کی تصدیق کرتی ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی تعلیم یہ تھی:

قَالَ اِنِّی عَبْدُ اللّٰہِ ' اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا

"(عیسیٰؑ نے) کہا میں خدا کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔" (۱۹۶)

اور:

مَاقُلْتُ لَھُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتَنِیْ بِہٖ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَ رَبَّکُمْ

"اے اللہ! میں نے تو ان لوگوں سے وہی کہا تھا جو تو نے مجھے کہنے کا حکم دیا تھا۔ یعنی اللہ ہی کی عبادت کرو' وہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔"(۱۹۷)

---

195. Encyclo. Brit. (14th Edition, 1929), vol. 3, p. 634.

۱۹۶۔ القرآن ۱۹ : ۳۰

۱۹۷۔ القرآن ۵ : ۱۱۷

نیز:

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ

"اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ سو اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔"(۱۹۸)

مگر اس مقدس تعلیم کو پس پشت ڈالتے ہوئے پہلے پولس نے عقیدہ توحید میں تحریف کی' اور پھر اس کے بعد آنے والے پادریوں' مذہبی رہنماؤں اور بادشاہوں نے عیسائیوں کو رفتہ رفتہ تثلیث کے گڑھے میں ڈال دیا۔ پھر وہ اتنا گرے کہ اپنے مزعومہ تین خداؤں کے علاوہ حضرت مریمؑ' اولیاء' (Saints) اور فرشتوں کی عبادت یا کم از کم عابدانہ تعظیم بھی کرنے لگے۔(۱۹۹) حتیٰ کہ نیقیہ کی دوسری کونسل (منعقدہ ۷۸۷ء) نے فرشتوں وغیرہ کی تصاویر اور بت بنانے' ان کی تعظیم (veneration) کرنے اور ان سے دعا کرنے کو باقاعدہ طور پر جائز قرار دے دیا۔(۲۰۰) اور جہاں تک مریم کو الوہیت کا درجہ دے کر ان کی پرستش کرنے (Mariolatry) کا تعلق ہے' یہ اس سے بھی بہت پہلے عیسائی دنیا میں رائج ہو چکی تھی' اور اس کے دروازے نسطوریس اور اس کے مخالفین کے درمیان مباحث اور ان کے نتیجہ میں کھل چکے تھے:

The worship of Mary was greatly emphasized after the Nestorian controversy.

"نسطوریس کی (چھیڑی ہوئی) بحث کے بعد سے مریم کی عبادت پر بہت زور دیا

۱۹۸۔ القرآن ۳ : ۵۱

199. Smith and Cheetham: A Dictionary of Christian Antiquities, London, vol. 2, p. 1176.

200. Encyclopaedia of Religion And Ethics, vol. 4, p. 581; The New Catholic Dictionary, p. 44.

جانے لگا۔"(۲۰۱)

آگے چل کر عیسائیوں کے مریمی اور کولی ریڈین فرقے (Mariamites and Colyridians) اس میں پیش پیش ہوئے۔(۲۰۲) تاہم افیسس (Ephasus) کی کونسل منعقدہ ۴۳۱ء کے بعد ہی سے' جب کہ کنواری مریم کو باقاعدہ "خدا کی ماں" تسلیم کیا گیا تھا'(۲۰۳) مریم سے نجات و معافی کے حصول اور غم و الم اور خطرات سے بچنے کی دعائیں ہونے لگیں۔اسے بندوں اور مسیح کے درمیان شافع (Mediator) مانا گیا' اور کلیسا اس کی شان میں حمد و ثنا سے گونجنے لگے۔(۲۰۴)

اس طرح عیسائیت نے ہر طرح کے شرک کو اپنے اندر سمو لیا' گو اس نے دعویٰ یہی برقرار رکھا کہ وہ توحید کی داعی ہے۔ مشہور مسیحی فاضل اخلاقیات و تاریخ لیکی نے بالکل درست کہا ہے:

> (Christianity) assumed a form that was quite as polytheistic and quite as idolatrous as the ancient paganism.
>
> "عیسائیت نے ایسی شکل اختیار کرلی جو قدیم مذاہب کی طرح بالکل مشرکانہ و بت پرستانہ تھی۔" (۲۰۵)

---

201. J. W Sweetman: Islam and Christian Theology, vol.1, p. 32.
نسطوریس کی ("خدا کی ماں" کے بارے میں) بحث کے لئے دیکھئے:
باب چہارم' فصل بعنوان "عیسائیت ساز کونسلیں اور حکمران" (حوالہ نمبر ۸۸ و مابعد)۔

202. J. Hastings: Dictionary of the Bible (5 vols., Edinburgh, 1905), vol. 3, pp. 289–91;
George Sale : Translation of the Koran, Preliminary Discourse, London, p. 27.

203. Encyclopaedia of Religion And Ethics, vol. 9, p. 908.

204. Encyclo. Brit. (14th edition, 1929), vol.14, p. 1000;
Encyclo. Brit. (1973), vol. 14, pp. 991-992.

205, W.E.H. Lecky : History of European Morals, London, 1869, vol, 2, p. 97.

راہ نجات: کفارہ' یا عمل اور توبہ؟

مذہب عقائد و اعمال کا وہ مجموعہ ہے جو زندگی گذارنے کے ایک طریقہ (way of life) کے طور پر خدا کی طرف سے مقرر کیا گیا (ordained by God) ہو' یا جس کے بارے میں کچھ لوگوں کا خیال ہو کہ وہ خدا کی طرف سے مقرر کیا گیا (supposed to be ordained by God) ہے-اس طرح مذہب کا مقصد' خدا سے انسان کے تعلق کو مضبوط بنانا اور نجات و برکات کا حصول ہے- (۱)

ہر مذہب میں اس مقصد کے لیے طریقے' قوانین اور شریعت مقرر ہے- عیسائی مذہب کا دعویٰ ہے کہ وہ یہودی مذہب کا تسلسل ہے-اس لیے اس میں یہود کی مقدس کتاب کو بائبل کے "عہد عتیق" کی حیثیت سے برقرار رکھا گیا ہے-اور اسی لیے بائبل کے "عہد جدید" میں مسیح کا یہ قول مرقوم ہے: "یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں- منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں- کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا' جب تک سب کچھ پورا ہو جائے- پس جو کوئی ان چھوٹے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا' وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا- لیکن جو ان پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا' وہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کہلائے

1. F. Max Muller: Introduction to the Science of Religion, London, 1873, pp. 151-152;

E. B. Idowu: African Traditional Religion, A Definition, London, 1973, p. 75.

گا-" (۲)

عہد عتیق میں نجات کا تصور

اس لحاظ سے چاہیے تو یہ تھا کہ عیسائیت میں بھی انہی عقائد و اعمال کی اہمیت ہوتی اور اس میں بھی نجات و برکات کے حصول کا انحصار انہی چیزوں پر ہوتا' جن کی دعوت یہودیت اور بائبل کے عہد عتیق نے دی تھی- مگر ہوا یہ کہ جس طرح عیسائیوں نے یہودیت اور تمام الہامی مذاہب کی تعلیم توحید کو مسخ کر ڈالا تھا' اسی طرح انہوں نے مروجہ عیسائیت میں نجات کے مدار کو بھی یکسر بدل ڈالا- یہودیت اور دوسرے الہامی مذاہب میں نجات کا انحصار خدا کے فضل پر تھا' جو ایمان اور قانون شریعت پر عمل سے حاصل ہوتا ہے' اور جس کے حصول میں عمل کی کمی کو توبہ اور رجوع الی اللہ سے دور کیا جاتا ہے- اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے ایک لغات بائبل کے فاضل مصنف لکھتے ہیں: "عہد عتیق میں نجات حاصل کرنے کے لیے انسان پر جو شرائط عائد ہوتی ہیں' ان میں سے سب سے اہم' خدا پر مکمل بھروسہ رکھنا تھا- دوسری جو پہلی کا فطری نتیجہ تھی' وہ خدا کی اخلاقی شریعت کی' جسے مختلف مجموعہ قوانین میں بیان کیا گیا ہے' فرمانبرداری کرنا تھا- لیکن خدا صرف شریعت کے الفاظ کی ہی پابندی نہیں چاہتا- گناہوں کی معافی کے لیے توبہ ضروری تھی اور اکثر گناہوں کے لیے توبہ کے عمل کے طور پر قربانیاں چڑھانا پڑتی ہیں-" (۳)

گویا نجات کا طریقہ ایمان اور عمل تھا- مگر عمل میں کمی اور کوتاہی کی تلافی کے لیے توبہ کا طریقہ تھا' جس کا ایک ذریعہ قربانی بھی تھا- چنانچہ عہد قدیم میں بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے کہا گیا: "تم اپنی بری راہوں سے باز آ جاؤ اور اس ساری شریعت کے مطابق جس کا حکم میں نے تمہارے باپ دادا کو دیا' اور جسے میں نے اپنے بندوں نبیوں کی معرفت تمہارے پاس

(۲) متی ۵ : ۱۷ - ۱۹

(۳) قاموس الکتاب' ص۔ ۱۰۲۹

نیز دیکھئے: The Jewsish Encyclopaedia (Article on Atonement).

بھیجا ہے 'میرے احکام و آئین کو مانو۔"[۴] اسی طرح کہا گیا: "......تم میری طرف پھر کر میرے حکموں کو مانو اور ان پر عمل کرو......"[۵]

یہود کا شریعت کے بارے میں تصور یہ تھا کہ وہ خدا کی مقرر کردہ ہے' اور اس کی خلاف ورزی پر وہ ناراض ہوتا ہے۔ مگر اپنے گناہ گار بندوں کی کمزوری کے پیش نظر گناہ اور نافرمانی کے بعد رجوع اور توبہ کرنے والوں پر مہربان بھی ہے۔ اس لیے اس نے فرمایا ہے": اے برگشتہ اسرائیل واپس آ۔ میں تجھ پر قہر کی نظر نہیں کروں گا۔ کیونکہ خداوند فرماتا ہے میں رحیم ہوں۔ میرا قہر دائمی نہیں.... خداوند فرماتا ہے اے برگشتہ بچو واپس آؤ۔ کیونکہ میں خود تمہارا مالک ہوں۔"[۶] نیز فرمایا: "کیا لوگ گر کر پھر نہیں اٹھتے؟ کیا کوئی برگشتہ ہو کر واپس نہیں آتا؟"[۷] اور: "اگر وہ قوم جس کے حق میں میں نے کہا اپنی برائی سے باز آئے' تو میں بھی اس بدی سے جو میں نے اس پر لانے کا ارادہ کیا باز آؤں گا۔"[۸]

عہد عتیق کی تعلیمات کے مطابق برائیاں اور خطائیں معاف کرنے کے لیے خدا کی رحمت کسی سہارے کی محتاج یا کسی روک کی پابند نہیں۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک مزمور میں ہے": اے خدا اپنی شفقت کے مطابق مجھ پر رحم کر۔ اپنی رحمت کی کثرت کے مطابق میری خطائیں مٹا دے۔ میری بدی کو مجھ سے دھو ڈال اور میرے گناہ سے مجھ کو پاک کر۔"[۹] اسی طرح حضرت سلیمانؑ نے اپنی قوم کے لیے خداوند قدوس سے مناجات کرتے ہوئے کہا: "اگر وہ تیرا گناہ کریں (کیونکہ کوئی ایسا آدمی نہیں جو گناہ نہ کرتا ہو)۔۔۔ سو اگر وہ ۔۔۔ اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان سے تیری طرف پھریں ۔۔۔ اور اس گھر کی طرف جو میں نے تیرے نام کے لیے بنایا ہے' رخ کر کے تجھ

۴۔ ۲۔ سلاطین ۱۷ : ۱۳
۵۔ نحمیاہ ۱ : ۹
۶۔ یرمیاہ ۳ : ۱۲ - ۱۴
۷۔ ایضاً ۸ : ۴
۸۔ ایضاً ۱۸ : ۸
۹۔ زبور ۵۱ : ۱ - ۲

سے دعا کریں' تو تو --- ان کی سب خطاؤں جو ان سے تیرے خلاف سرزد ہوں معاف کر دینا۔" (۱۰)

نادانستہ خطاؤں کی معافی کے لیے توبہ کے طور پر "خطا کی قربانی" کا طریقہ بھی موجود تھا۔ (۱۱) اور اس رواج کو بھی خدا کا حکم سمجھ کر اختیار کر لیا گیا تھا کہ (عموماً سال میں ایک مرتبہ) ایک بکرے کو بیابان میں لے جا کر چھوڑ دیا جاتا' اور سمجھا جاتا کہ وہ قوم کی بدکاریوں اور گناہ کو لاد کر لے گیا ہے۔ اس بکرے کو "عزازیل کا بکرا" (Scapegoat) کہا جاتا تھا۔ (۱۲) مگر ان قربانیوں اور رسموں کی حیثیت محض ثانوی تھی۔ اصل چیز جو خدا کو مطلوب تھی' وہ نیکوکاری اور توبہ تھی۔ جیسا کہ اس نے فرمایا": تمہارے ذبیحوں کی کثرت سے مجھے کیا کام؟ میں مینڈھوں کی سوختنی قربانیوں سے اور فربہ بچھڑوں کی چربی سے بیزار ہوں۔ اور بیلوں اور بھیڑوں اور بکریوں کے خون میں میری خوشنودی نہیں--- اپنے آپ کو دھو۔ اپنے آپ کو پاک کرو۔ اپنے برے کاموں کو میری آنکھوں کے سامنے سے دور کرو۔ بدفعلی سے باز آؤ۔ نیکوکاری سیکھو۔ انصاف کے طالب ہو۔ مظلوموں کی مدد کرو۔ یتیموں کی فریادرسی کرو۔ بیواؤں کے حامی ہو۔" (۱۳) نیز فرمایا: "میں قربانی نہیں بلکہ رحم پسند کرتا ہوں۔" (۱۴)

نجات اور عہد جدید: شریعت پر عمل' اور توبہ کی اہمیت

باب دوم میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی تعلیمات میں بھی نجات اور "آسمان کی بادشاہی" کے حصول کے لیے' نیکوکاری اور توبہ کی ضرورت پر زور دیا گیا تھا۔

۱۰۔ ۱۔ سلاطین ۸ : ۴۶ - ۵۰

۱۱۔ احبار' باب ۴

۱۲۔ احبار ۱۶ : ۱۰' ۱۶ : ۲۱ - ۲۲

عزازیل کے معنی 'چھوڑا ہوا بکرا' یا 'بیابان' ہیں۔ دیکھئے: قاموس الکتاب' ص - ۴۶۳

۱۳۔ یسعیاہ ۱ : ۱۱' ۱۶ - ۱۷

۱۴۔ ہوسیع ۶ : ۶

انجیل کے مطابق، جب ایک بد چلن عورت نے ندامت کے آنسو بہائے، تو مسیح نے "اس عورت سے کہا کہ تیرے گناہ معاف ہوئے۔"[15] پولس کی تعلیم کے مطابق تو "بغیر خون بہائے معافی نہیں ہوتی۔"[16] مگر مسیح کی تعلیم کے مطابق ایمان اور توبہ، نجات اور معافی کے لیے کافی ہیں۔[17] انجیل لوقا کے باب ۱۵ میں نیکی کے لیے خدا کی طرف رجوع اور توبہ کی فضیلت و اہمیت واضح کرنے کے لیے حضرت عیسیٰؑ کی زبان مبارک سے تین عمدہ تمثیلیں موجود ہیں۔ ان میں سے پہلی تمثیل ملاحظہ فرمائیں: "تم میں کون آدمی ہے جس کے پاس سو بھیڑیں ہوں اور ان میں سے ایک کھو جائے تو ننانوے کو بیابان میں چھوڑ کر اس کھوئی ہوئی کو جب تک مل نہ جائے ڈھونڈتا نہ رہے۔ پھر جب مل جاتی ہے تو وہ خوش ہو کر اسے کندھے پر اٹھا لیتا ہے۔ اور گھر پہنچ کر دوستوں اور پڑوسیوں کو بلاتا اور کہتا ہے میرے ساتھ خوشی کرو، کیونکہ میری کھوئی ہوئی بھیڑ مل گئی۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ اس طرح ننانوے راستبازوں کی نسبت جو توبہ کی حاجت نہیں رکھتے، ایک توبہ کرنے والے گناہ گار کے باعث آسمان پر زیادہ خوشی ہوگی۔"[18] نیز عمل کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے، مسیح نے کہا: "اگر تو زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے تو حکموں پر عمل کر۔"[19] مسیح کے اس قول کی اہمیت واضح کرتے ہوئے معروف جرمن مسیحی فاضل ہارنیک لکھتا ہے:

> He desired no other belief in his person and no other attachment to it than is contained in the keeping of commandments.
>
> "وہ (مسیح) اپنی ذات کے متعلق کسی اور اعتقاد یا عقیدت کی خواہش نہیں رکھتے

۱۵۔ لوقا ۷ : ۴۸

۱۶۔ عبرانیوں ۹ : ۲۲

۱۷۔ لوقا کے مذکورہ بالا حوالہ (۷ : ۴۸) کے علاوہ دیکھئے: متی ۹ : ۲

۱۸۔ لوقا ۱۵ : ۳ - ۷

۱۹۔ متی ۱۹ : ۱۷

تھے- وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ لوگ احکام پر عمل کریں-" (۲۰)

چنانچہ قبول عیسائیت کے ابتدائی زمانہ میں پولس کا نظریہ بھی باقی یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح یہ تھا کہ نجات کے لیے توبہ اور عمل کی ضرورت ہے- چنانچہ اس نے اگرپا (Agrippa) بادشاہ کے روبرو اپنے بیان میں کہا: "میں ---- سارے ملک یہودیہ کے باشندوں کو اور غیر قوموں کو سمجھاتا رہا کہ توبہ کریں اور خدا کی طرف رجوع لا کر توبہ کے موافق کام کریں-" (۲۱) اور ابتدائی عیسائی کلیسا کے رہنما اور (عیسائیوں کے خیال کے مطابق) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھائی (۲۲) یعقوب (James) نے کہا: "جس نے ساری شریعت پر عمل کیا اور ایک ہی بات میں خطا کی' وہ سب باتوں میں قصوروار ٹھہرا-" (۲۳) نیز: "اے نکمے آدمی کیا تو یہ بھی نہیں جانتا کہ ایمان بغیر اعمال کے بے کار ہے؟ جب ہمارے باپ ابرہام نے اپنے بیٹے اضحاق کو قربان گاہ پر قربان کیا وہ اعمال سے راستباز نہ ٹھہرا؟ پس تو نے دیکھا ہے کہ ایمان نے اس کے اعمال کے ساتھ مل کر اثر کیا اور اعمال سے ایمان کامل ہوا-" (۲۴) یعقوب کا یہ قول مسیح کے اس فرمان کے مطابق تھا: "جس کے پاس میرے حکم ہیں اور وہ ان پر عمل کرتا ہے وہی مجھ سے محبت رکھتا ہے- اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ میرے باپ کا پیارا ہو گا' اور میں اس سے محبت رکھوں گا-" (۲۵)

عام یہودیوں کی طرح حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ نجات شریعت پر عمل میں مضمر ہے' اور عمل میں کمی کی تلافی توبہ سے ہوتی ہے- کفارہ کا عجیب و غریب عقیدہ' جس کی رو سے مسیح کی مزعومہ قربانی کو انسانیت کے پاک کرنے کی کلید

---

20. Adolf Harnack: What Is Christianity? (English Translation), p. 129.

۲۱۔ اعمال ۲۶ : ۱۹ – ۲۱

22. A. L. Moore : A Dictionary of the Church, p. 41.

۲۳۔ یعقوب کا عام خط' ۲ : ۱۰

۲۴۔ ایضاً ۲ : ۲۰ – ۲۲

۲۵۔ یوحنا ۱۴ : ۲۱

قرار دیا گیا' بعد کی پیداوار ہے- اس سلسلہ میں باب دوم میں انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کا حوالہ گذر چکا ہے کہ:

The early fathers did not regard the sufferings of Christ as a vicarious satisfaction of God's warth....

"ابتدائی زمانہ کے آبائے کلیسیا' مسیح کی تکالیف (اور تصلیب) کو خدا کے غضب کے بالواسطہ طور پر ٹھنڈا کرنے کا ذریعہ نہیں گردانتے تھے-"[۲۶] اسی طرح کیتھولک انسائیکلوپیڈیا میں ہے:

In the N.T. atonement does not play a primary role.

"نئے عہد نامہ میں کفارہ (کا عقیدہ) کوئی اہم کردار انجام نہیں دیتا-" [۲۷]

عقیدۂ کفارہ اور عیسائیت میں اس کی اہمیت

ان ساری باتوں کے باوجود اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم' حواریوں کے عقیدہ اور خود اپنے ابتدائی نظریہ کے برعکس' پولس نے کفارہ کے عقیدہ کی بنیاد رکھی- اس نے یہ نظریہ وضع کیا کہ آدم پر گناہ کا اثر اور نتیجہ ان تک محدود نہیں رہا' بلکہ یہ ازلی گناہ (original sin) ان کی ساری اولاد کو گناہ گار کر گیا- حتیٰ کہ اس کی تلافی حضرت عیسیٰؑ کے صلیب پانے سے ہوئی- وہ لکھتا ہے: "جس طرح ایک ہی شخص (یعنی آدم) کی نافرمانی سے بہت سے لوگ گناہ گار ٹھہرے' اسی طرح ایک (یسوع) کی فرمانبرداری سے بہت سے لوگ راستباز ٹھہریں گے-"[۲۸] اس نے اپنے ایک تبلیغی خط میں لکھا: "مسیح کتاب مقدس کے مطابق ہمارے گناہوں کیلئے مؤا اور دفن ہوا- اور تیسرے دن کتاب مقدس کے مطابق جی اٹھا"-[۲۹]

---

26. Encyclo. Brit. (1962), 5 : 634.

27. The New Catholic Encyclopaedia, vol.1, p. 1025.

۲۸- رومیوں ۵ : ۱۹

۲۹- ۱- کرنتھیوں ۱۵ : ۳ - ۴

اس نے یہ بھی لکھا کہ مسیح نے "اپنے آپ کو سب کے فدیہ میں دیا-" (۳۰) اور: "اسے خداوند نے اس کے خون کے باعث --- کفارہ ٹھہرایا-"(۳۱) نیز: "اور بکروں اور بچھڑوں کا خون لے کر نہیں بلکہ اپنا ہی خون لے کر --- اپنے آپ کو --- خدا کے سامنے بے عیب قربان کر دیا-"(۳۲)

اس کے ساتھ ہی پولس نے شریعت پر عمل کی اہمیت کو کم کر کے اس بات پر زور دیا کہ نجات کے لیے مسیح کی مزعومہ قربانی پر ایمان ہی اصل چیز ہے- اس نے عہد قدیم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مذکورہ بالا تعلیم کے برعکس اور اپنے 'یعقوب اور دوسرے حواریوں اور "رسولوں" کے ابتدائی نظریات کے علی الرغم کہا: "راستبازی اگر شریعت کے وسیلہ سے ملتی تو مسیح کا مرنا عبث ہوتا-"(۳۳) اور اگر "شریعت والے ہی وارث ہوں تو ایمان بے فائدہ رہا اور وعدہ لاحاصل ٹھہرا- کیونکہ شریعت تو غضب پیدا کرتی ہے اور جہاں شریعت نہیں وہاں عدول حکمی نہیں"-(۳۴) اور: "جہاں شریعت نہیں وہاں گناہ محسوب نہیں ہوتا-"(۳۵) گویا خدا اگر بندوں کو عدول حکمی سے روکنا چاہتا ہے اور بندہ گناہ' نافرمانی اور خدا کے غضب سے بچنا چاہتا ہے' تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ شریعت کا ٹنٹا ہی ختم کر دیا جائے- نہ احکام ہوں گے' نہ ان کی خلاف ورزی ہو گی- نہ رہے بانس نہ بجے بانسری- اسی لیے اس نے لکھا: "اس نے وہ شریعت جس کے حکم ضابطوں کے طور پر تھے موقوف کر دی-"(۳۶)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ جس طرح ابتدا میں حواریوں نے پولس کے دوسرے

۳۰- ۱- تیمتھیس ۲ : ۲

۳۱- رومیوں ۳ : ۲۵

۳۲- عبرانیوں ۹ : ۱۲ - ۱۴

۳۳- گلتیوں ۲ : ۲۱

۳۴- رومیوں ۴ : ۱۴ - ۱۵

۳۵- رومیوں ۵ : ۱۳

۳۶- افسیوں ۲ : ۱۵- نیز دیکھئے: عبرانیوں: ۷ : ۱۲ ' ۸ : ۱۳

نظریات پر گرفت کی' اسی طرح انہوں نے اس کی شریعت کو بے وقعت قرار دے کر نجات کے مدار کو بدلانے کی کوشش کی بھی سخت مخالفت کی۔ چنانچہ یعقوب (James) اور دوسرے حواریوں نے پولس کو صاف صاف بتایا کہ یہودیوں میں سے حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لانے والے "ہزارہا آدمی شریعت کے بارے میں سرگرم ہیں" اور تمہارے بارے میں مشہور ہے کہ تم "ختنہ اور موسوی رسموں" کے خلاف اور "موسیٰ سے پھر جانے کی تعلیم دیتے ہو۔" اس لیے انہوں نے اسے نذر اور منت ماننے کے یہودی طریق کار پر عمل کے لیے آمادہ کیا' تاکہ "سب جان لیں کہ جو باتیں انہیں تیرے بارے میں سکھائی گئی ہیں' ان کی کچھ اصل نہیں۔ بلکہ تو خود بھی شریعت پر عمل کر کے درستی سے چلتا ہے۔" (۳۷)

پولس کو اس وقت تو ان کی بات قبول کرنا پڑی۔ مگر بعد میں لکھے جانے والے اپنے خطوط میں اس نے مذکورہ صدر طریقہ پر ایمان' شریعت' عمل اور توبہ کو نجات کا ذریعہ قرار دینے کی بجائے' صرف ایمان اور ایمان میں بھی مسیح کی مزعومہ قربانی کے اعتقاد پر زور دیا۔

اس امر کی تصدیق کرتے ہوئے کہ پولس ہی ازلی گناہ اور اس کی مذکورہ تلافی کے نظریہ کا بانی ہے' ہربرٹ ملر لکھتا ہے:

> Specifically, he introduced the idea of original sin. The prophets of Israel had made little or nothing of the Genesis myth of Garden of Eden and Jesus made nothing at all of it; he never mentions the Fall of Adam or the curse of Original sin.

> "اس (پولس) نے خاص طور پر ازلی گناہ کا نظریہ رائج کیا۔ انبیائے اسرائیل نے کتاب پیدائش میں مذکور باغ عدن کے واقعہ سے کوئی خاص نتائج اخذ نہیں کئے تھے اور یسوع نے تو اس پر توجہ ہی نہ دی تھی۔ اس (یسوع) نے کبھی ہبوط آدم یا

۳۷۔ اعمال ۲۱ : ۱۷ - ۲۶

ازلی گناہ کی لعنت کا ذکر تک نہیں کیا تھا۔" (۳۸)

پولس کو یہ نظریہ وضع کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ دراصل جیسا کہ باب سوم میں بتایا گیا ہے' یہ دعویٰ کرنے کے بعد کہ حضرت عیسیٰؑ کو ان کے مخالفین نے صلیب دی تھی' پولس اور اس کے ہم خیال عیسائیوں کو ایک قدیم یہودی عقیدہ کے چیلنج کا سامنا تھا' جس کے مطابق "جسے پھانسی ملتی ہے وہ خدا کی طرف سے ملعون ہے۔" (۳۹) کیا ان کا "خداوند" (نعوذ باللہ) ملعون تھا؟

اس قباحت سے بچنے کے لیے چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ ان حقائق و واقعات پر غور کرتا جن کی روشنی میں ثابت کیا جا سکتا ہے کہ مسیح کو صلیب (سولی) نہیں دی گئی تھی۔ اس کی بجائے اس نے یہ کہہ دیا کہ مسیح صلیب پر لٹک کر "لعنتی" تو بنے' مگر اس لیے کہ ہم (اپنے یا آدم کے) قانون شریعت پر عمل نہ کر سکنے کی بنا پر کمائی ہوئی لعنت سے چھٹکارا پا سکیں۔ وہ لکھتا ہے:

"مسیح جو ہمارے لیے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔ کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔" (۴۰)

اس طرح یہ کہنے سے مسیح کے فسانۂ مظلومیت میں دہرا اثر پیدا ہو گیا کہ انہوں نے نہ صرف صلیب پا کر دکھ اٹھایا' بلکہ یہ سب ہم سے گناہ کا بار ہٹانے کے لیے تھا۔ گو اس نظریہ کا دلائل و حقائق سے واسطہ نہ تھا' مگر اس میں عوامی اپیل تھی۔ اس لیے یہ مقبول ہوتا گیا۔ پولس کے زیرِ اثر ساتھیوں اور شاگردوں کی ان باتوں کو عوام بہت پسند کرتے تھے: "محبت اس میں نہیں کہ ہم نے خدا سے محبت کی۔ بلکہ اس میں ہے کہ اس نے ہم سے محبت کی اور ہمارے گناہوں کے لیے اپنے بیٹے کو بھیجا۔" (۴۱) نیز: "خدا نے دنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اس نے

---

38. Herbert Muller: Uses of the Past, p. 160.

۳۹۔ استثناء ۲۱ : ۲۳

۴۰۔ گلتیوں ۳ : ۱۳

۴۱۔ یوحنا کا پہلا عام خط' ۴ : ۱۰

اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا' تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے"۔[۴۲] پطرس سے منسوب ایک خط[۴۳] میں بھی لکھا گیا: "تمہاری خلاصی فانی چیزوں یعنی سونے چاندی کے ذریعہ سے نہیں ہوتی - بلکہ ایک بے عیب اور بے داغ برے یعنی مسیح کے بیش قیمت خون سے -"[۴۴] انجیل متی میں مسیح سے یہ قول منسوب کیا گیا: "یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لیے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے -"[۴۵] اور: "میں ہوں وہ زندگی کی روٹی جو آسمان سے اتری --- جو روٹی میں جہان کی زندگی کے لیے دوں گا' وہ میرا گوشت ہے -"[۴۶] اس سلسلہ میں یہاں تک مبالغہ اور زیادتی کی گئی کہ پہلے سارے انبیاء کی عظمت اور دعوت کی نفی کرتے ہوئے' مسیح سے یہ قول منسوب ہوا: "جتنے مجھ سے پہلے آئے سب چور اور ڈاکو ہیں --- اچھا چرواہا میں ہوں - اچھا چرواہا بھیڑوں کے لیے اپنی جان دیتا ہے --- میں اپنی بھیڑوں کے لیے جان دیتا ہوں -"[۴۷]

پولس کے بعد آنے والے مسیحی مفکرین نے عقیدۂ کفارہ کو زیادہ تر "ازلی گناہ" کی معافی ہی سے متعلق کیا' اور پولس ہی نے ایسا کرنے کی بنیاد رکھی تھی - مگر اس کی تحریروں میں کہیں کہیں کفارہ کو عمومی رنگ بھی دیا گیا ہے' اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اسے عام گناہوں کی معافی سے بھی متعلق کرتا ہے - مثلاً وہ لکھتا ہے: "ہم کو اس میں اس کے خون کے

۴۲۔ انجیل یوحنا ۳ : ۱۶

۴۳۔ یہ خط اگر واقعی کسی پطرس کا ہے تو وہ پطرس حواری نہیں' جو ایک ان پڑھ ماہی گیر تھے۔ (دیکھیے: متی 18:5) - بہت سے عیسائی نقادوں نے متعدد دوسری وجوہ کی بنا پر بھی اسے پطرس حواری کا خط تسلیم نہیں کیا - دیکھیے :

Oxford History of the Church p.394.

۴۴۔ ۱- پطرس ۱ : ۱۸ - ۱۹

۴۵۔ متی ۲۶ : ۲۸

۴۶۔ یوحنا ۶ : ۵۱

۴۷۔ یوحنا ۱۰ : ۸ - ۱۵

وسیلہ سے مخلصی یعنی قصوروں کی معافی --- حاصل ہے۔"[۴۸] ادھر انجیل متی کا مذکورہ بالا حوالہ (متی ۲۶:۲۸) بھی کفارہ کی عمومیت پر دلالت کرتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اناجیل میں یہ تضاد بھی پایا جاتا ہے کہ بعض گناہ (کفارہ سے بھی) معاف نہ ہوں گے' مثلاً: "جو کوئی روح القدس کے برخلاف کوئی بات کہے گا وہ اسے معاف نہ کی جائے گی' نہ اس عالم میں نہ آنے والے میں۔"[۴۹]

بعد کے دور میں آئرے نیس (Irenaeus)' امبروس (Ambrose) اینسلم (Anselam)' آگسٹائن (Augustine) اور طامس ایکویناس (Thomas Acquinas) کی تحریروں نے کفارہ کے نظریہ کی تفصیل و توضیح کی اور اسے زیادہ تر ازلی گناہ سے متعلق کیا۔ حتیٰ کہ یہ عیسائی عقائد کا بنیادی جزو بن گیا۔[۵۰] چنانچہ کفارہ کے ذریعہ نجات کے اس نظریہ کی عیسائی عقائد و نظریات میں اہمیت کو واضح کرتے ہوئے انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں لکھا ہے:

> The doctrine of salvation has taken the most prominent place in the Christian faith: so prominent, indeed, that to a large portion of believers it has been the supreme doctrine, and the doctrine of the deity of Jesus has been valued only because of its necessity on the effect of atonement.

"نجات کے نظریہ کو عیسائی عقیدہ میں نمایاں ترین جگہ حاصل ہے' اتنی نمایاں کہ

۴۸۔ افسیوں ۱ : ۷

۴۹۔ متی ۱۲ : ۳۲' مرقس ۳ : ۲۹ "وہ ابد تک معافی نہ پائے گا۔ بلکہ ابدی گناہ کا قصوروار ہے۔"

50. New Catholic Encyclopaedia, vol.1, p. 1025.

اکثر عیسائی ایمانداروں کے نزدیک یہ (عیسائیت کا) اعلیٰ ترین نظریہ ہے۔ حتیٰ کہ یسوع کے خدا ہونے کے نظریہ کی اہمیت بھی اس لیے ہے کہ کفارہ کو مؤثر بنانے کے لیے اس کا ماننا ضروری ہے۔" (۵۱)

بپتسمہ اور عشائے ربانی

مسیحی طریق عبادت کی دو اہم ترین رسمیں، جن کی ادائیگی پر کیتھولک اور پروٹسٹنٹ عیسائیوں کا اتفاق ہے، بپتسمہ اور عشائے ربانی کی رسوم (Sacraments) ہیں۔ یہ دونوں رسمیں دراصل کفارہ ہی کے نظریہ و عقیدہ پر مبنی ہیں۔ بپتسمہ (جس کا ذکر گذشتہ باب میں بھی ہوا) پانی میں ڈبکی دیکر یا پانی وغیرہ چھڑک کر کسی کو عیسائیت اور اس کی "برکات" میں باقاعدہ داخل کرنے کی رسم ہے، جو عیسائی عقیدہ کے مطابق گناہ سے پاک کرتی ہے۔ (۵۲) اور عشائے ربانی (Lord's Supper) میں جسے رسم تشکر (Eucharist) اور اجتماعی عبادت (Communion) بھی کہا جاتا ہے، حضرت عیسیٰؑ کے شاگردوں کے ساتھ آخری کھانے کی یاد منائی جاتی ہے۔ اور اجتماعی عبادت و دعا وغیرہ کے بعد روٹی اور شراب پر مشتمل تبرک کھاتے ہوئے فرض کیا جاتا ہے کہ یہ تبرک دراصل مسیح کے کفارہ میں قربان کئے ہوئے بدن اور خون پر مشتمل ہے، اور اس کے کھانے پینے سے مسیحی ایماندار مسیح کی مزعومہ قربانی کے فوائد میں شریک ہو جاتا ہے۔ (۵۳)

عقیدۂ کفارہ کے مختلف عناصر

عقیدہ کفارہ کے بنیادی خدوخال پولس وغیرہ کے مذکورہ بالا حوالوں سے ظاہر ہیں۔

51. Encyclo. Brit. (1962), vol. 5, p. 634.
52. American People's Encyclopaedia, vol.3, p.38;
قاموس الکتاب، ص۔ ۱۳۶
53. American People's Encyclopaedia, vol, 8, pp. 88-90, and vol. 9, pp.987 - 88;
قاموس الکتاب، ص ۔ ۶۴۹، ۴۹۲
بہت سے (رومن کیتھولک) کلیساؤں میں اب روٹی اور شراب کی جگہ بسکٹوں یا wafers وغیرہ نے لے لی ہے۔ بعض (پروٹسٹنٹ) کلیساؤں میں شراب کی جگہ انگور کے شیرہ جیسا کوئی مشروب دیا جاتا ہے۔

مگر ان کی مزید وضاحت کے لیے ہم معروف عیسائی متکلم آگسٹائن اور بعض دوسرے عیسائی مفکرین کی طرف رجوع کریں گے۔

ان مفکرین نے سب سے پہلے تو باغ عدن میں حضرت آدم علیہ السلام کے ممنوعہ پھل کھانے کے گناہ کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔ آگسٹائن لکھتا ہے:

This command, then, of forbearing one fruit when there were so many besides it, being so easy to observe and so short to remember, specially since no lust then opposed the will.... was more unjustly broken, by how much it was the easier to keep.

"ایک پھل سے بچنے کا حکم جب کہ اس کے علاوہ بہت سے دوسرے موجود تھے (جنہیں کھانے کی اجازت تھی)، پورا کرنا آسان تھا یاد رکھنے کے لیے خاصا مختصر تھا۔ پھر اس وقت (آدم کی) قوت ارادی کے مقابلہ میں حرص بھی موجود نہ تھی۔ اس طرح عمل میں آسان ہونے کے لحاظ سے اس حکم کا توڑنا بہت ظالمانہ فعل تھا۔" (۵۴)

لہٰذا خدا اس پر بہت ناراض ہوا۔ حتیٰ کہ اس نے اس گناہ اور اس پر ناراضی کو آدم تک محدود نہ رکھا، بلکہ ان کی ساری اولاد پر پھیلا دیا۔ آگسٹائن آگے چل کر لکھتا ہے:

Hence came condemnation upon all the stock of man, parent and offspring undergoing one curse, from which none can be ever freed, but by the free and gracious mercy of God.

"اس طرح (اس گناہ سے) انسان کی پوری نسل پر لعنت چھا گئی، جس میں بڑے اور چھوٹے والد و مولود سب شامل ہیں اور جس سے کوئی بھی کبھی نہیں بچ سکتا، سوائے خدا کے آزادانہ و کریمانہ فضل کے۔" (۵۵)

54. St. Augustine: The City of God, vol. 2,p. 42.
Also see : Augustine's Enchiridion, XLV.

55. The City of God, p. 334-335.

آگسٹائن اور دوسرے عیسائی مفکرین کے نزدیک خدا نے لوگوں کو اس لعنت سے نکالنے اور اپنا فضل عطا کرنے کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ اپنے بیٹے کو قربان کر دیا' تاکہ انسان کے دامن پر ازلی گناہ کا داغ "خدا کے بیٹے" کے خون سے دھل کر صاف ہو جائے۔ بقول آگسٹائن:

Sin is quelled by the love of God, which none but He gives and He only by Jesus Christ, the mediator of God and man, who made himself mortal, that we might be made eternal.

"گناہ کی آگ کو خدا کی محبت ہی بجھاتی ہے' جو وہی عطا کرتا ہے اور یسوع مسیح کے ذریعہ عطا کرتا ہے' جو خدا اور انسان کا درمیانی واسطہ اور شفیع ہیں' اور جنہوں نے ہمیں جاودانی زندگی بخشنے کے لیے خود کو فانی بنایا (اور موت قبول کی)۔" (۵۶)

مسیحی فکر کے مطابق "انسان اپنی بگڑی ہوئی فطرت یا طبیعت کے باعث اس قابل نہیں کہ وہ اپنے اعمال یا کسی اور طریقے سے حق تعالیٰ تک رسائی حاصل کر سکے۔ بالفاظ دیگر وہ کوئی نیک کام کر ہی نہیں سکتا --- انسان اپنی طبیعت میں آلودگی اور بگاڑ کے باعث خدا کی طرف دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھا سکتا۔ اس لیے لازم ہے کہ خدا خود ہی اس کی طرف دوستی کا قدم بڑھائے۔ لیکن خدا اپنی قدوسیت کے باعث گناہ گار انسان سے اس وقت تک میل ملاپ نہیں کر سکتا جب تک کہ درمیان سے گناہ ہٹ نہیں جاتا۔ اب گناہ کو ہٹانے کے لیے ضروری تھا کہ خدا انسان کو اس کے گناہ کی سزا دیتا' جس سے انسان کی ہلاکت یقینی ہوتی۔ یا پھر وہ خود گناہ کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کوئی ایسا انتظام کرے کہ ایک طرف تو گناہ کا ٹھیک ٹھیک بدلہ ملے' اور دوسری طرف انسان بچ بھی جائے۔ یہ انتظام صرف فدیہ دینے سے ہی ممکن تھا۔ یعنی خدا خود انسان کا فدیہ ادا کرتا۔ اور اس نے یہی کیا۔ چونکہ گناہ انسان سے سرزد ہوا اس لیے اس کا فدیہ بھی صرف انسان ہی دے سکتا تھا۔ لیکن اس دنیا میں کوئی

۵۶۔ کتاب مذکور' ص۔ ۳۳۸

بھی ایسا انسان نہیں جو گناہ سے مبرا اور پاک ہو - ایک گناہ گار انسان دوسرے گناہ گار انسان کے گناہ کا فدیہ نہیں دے سکتا-(۵۷) یہاں امکان تجسم پیدا ہوتا ہے کہ کوئی ایسا انسان آئے جو گناہ سے منزہ ہو - اور خدا نے اس کا انتظام کیا- (۵۸)

گویا عیسائی مفکرین کے خیال میں خدا' انسانی گناہ کو بغیر کسی فدیہ کے معاف نہیں کر سکتا تھا' کیونکہ یہ اس کے تقدس اور عدل کے تقاضے کے خلاف ہوتا۔ ادھر وہ اپنے تقاضائے رحم کے مطابق معاف بھی کرنا چاہتا تھا' کہ ایک طرف اس کا انصاف سخت ہے اور دوسری طرف اس کی رحمت بے پایاں ہے-(۵۹) لہٰذا اس نے فیصلہ کیا کہ:

> Forgiveness and grace must be bestowed in such a way... that the interest of holiness shall not be compromised.
>
> "معافی اور فضل اس طرح عطا کیا جائے --(کہ) تقدس کا اصول متأثر نہ ہو-"(۶۰)
>
> اس غرض سے مسیح کی صورت میں ایسا شفیع (Mediator) مقرر ہوا جس کے ذمہ:
>
> restore friendship between God and the human family
>
> "خدا اور انسانی کنبہ کے درمیان دوستی بحال کرنا تھا-" (۶۱)

۵۷۔ اس مفروضہ کے لئے بھی کوئی دلیل نہیں' بلکہ بائبل اس کی تردید کرتی ہے: "شریر صادق کا فدیہ ہوگا اور دغاباز راستبازوں کے بدلہ میں دیا جائے گا-" دیکھئے: امثال ۲۱ : ۱۸

۵۸۔ قاموس الکتاب' ص۔ ۲۳۸

59. Interpretation —— A Journal of Bible and Theology, Virginia, July, 1983, p. 21.

60. J. Hastings: Dictionary of the Bible, 1909, p. 71.

61. Pallen and Wynne: New Catholic Dictionary, p. 617.

چنانچہ

Jesus gave himself ransom for all

"یسوع نے خود کو سب کے فدیہ میں دے دیا۔" (۶۲)

اور اس طرح انسانی نجات کا ذریعہ بنا۔ (۶۳)

نظریۂ کفارہ کا پس منظر

یہ ہیں مختلف اجزا اور عناصر عقیدۂ کفارہ کے، جن کے مجموعہ کو عیسائی مفکرین نے بڑے فخر کے ساتھ "نجات کا الٰہی منصوبہ" (Divine Plan of Salvation or Decretum Salutis) کا نام دیا۔ (۶۴) مگر کیا یہ منصوبہ اپنے تمام اجزا کے ساتھ بائبل میں پیش کیا گیا ہے، یا متأخر عیسائی مفکرین کی ذہنی اپج ہے؟ اس کے بارے میں مسیحی الٰہیات اور علم کلام کی ایک مبسوط کتاب میں لکھا ہے:

The existence of such a plan is partly presupposed, partly explicitly expressed in the Scripture.

"اس منصوبہ کا وجود جزوی طور پر فرض کیا گیا ہے، اور جزوی طور پر کتاب مقدس میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔" (۶۵)

مگر حقیقت یہ ہے کہ اس نام نہاد منصوبہ کا کوئی بھی اہم حصہ "کتاب مقدس" سے ثابت نہیں ہوتا، جیسا کہ عہد عتیق و جدید کے مذکورہ صدر حوالوں سے ظاہر ہے، اور جیسا کہ ہم عنقریب ان شاء اللہ مزید واضح کریں گے۔ یہ عقیدہ دراصل توہم پرستانہ اور وحشیانہ مذاہب کا پرتو ہے، جسے عیسائیت کا حصہ بنا لیا گیا ہے۔ علم انسانیات (Anthropology) اور عالمی عقائد و مذاہب کے عدیم المثال مسیحی محقق فریزر (Frazer) نے اپنی قابل قدر کتاب "شاخ زریں" (The Golden Bough) میں لکھا ہے:

62. Encyclopaedia of Religion and Ethics, vol. 8, p. 516.
63. Karl Rahnan: Foundations of Christian Faith, English Translation, New York, 1978, p. 114.
64-65. Van Oosterzee: Christian Dogmatics, London, 1874, p. 466.

It was an ancient custom in a crisis of great danger,that the ruler of the city or nation should give his beloved son to die for the whole people, as a ransom offered to the avenging demons.

"یہ ایک قدیم دستور تھا کہ کسی شہر یا ملک کا حاکم کسی عظیم خطرہ وابتلاء کے موقع پر اپنے پیارے بیٹے کو ساری قوم کی طرف سے مرنے کے لیے پیش کرتا' تاکہ وہ (سب کی طرف سے) انتقام پسند شیاطین کے حضور میں فدیہ ہو۔" (۶۶)

فریزر متعدد اقوام' اور بالخصوص یونان اور روم میں' اس جاہلانہ اور وحشیانہ رواج کی نشاندہی "شاخِ زریں" کی دو مبسوط جلدوں میں کرتے ہوئے لکھتا ہے:

The use of the Dying God as a scapegoat to free his worshippers from the troubles of all sorts... When we survey the history of the pathetic fallacy from its crude inception in savagery to its full development in the speculative theology of civilized nations, we cannot but wonder at the.... process which has refined the base and foolish custom of the scapegoat into the sublime conception of the God who dies to take away the sins of the world.

"ایک مرنے والے خدا کا قربانی کا بکرا بن کر اپنے عبادت گذاروں کو ساری تکالیف سے آزاد کرا لینے کا نظریہ --- جب ہم اس افسوس ناک مغالطہ کی تاریخ وحشی اقوام میں اس کی خام ابتداء سے لے کر مہذب اقوام کی قیاسی الٰہیات

66. J. G. Frazer: The Golden Bough, vol. 3, (The Dying God), London, 1912, p. 166.

میں اس کی مکمل نشوونما تک ملاحظہ کرتے ہیں' تو ہم اس طریقہ پر حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے جس کے ذریعہ (انسانی دماغ نے) قربانی کے بکرے کی گھٹیا اور احمقانہ رسم کو (بظاہر) ایسے ارفع تصور کی شکل دے دی ہے جس کی رو سے ایک خدا مر کر ساری دنیا کے گناہ اٹھا لے جاتا ہے۔" (۶۷)

بیٹے کی قربانی دے کر قوم کو آنے والی مصیبت سے بزعم خویش بچانے کی غیر انسانی اور جاہلانہ رسم کا سراغ بائبل کے عہد نامہ قدیم سے بھی ملتا ہے۔ مگر یہ رسم یہودیوں میں نہیں' بلکہ بت پرست اور بے خدا معاشروں میں عام تھی۔ (اس سلسلہ میں یاد رہے کہ ابراہیم کی قربانی نہ تو اپنے آپ سے یا قوم سے کوئی مصیبت ٹالنے کے لیے تھی' اور نہ کسی گناہ کی معافی کے سلسلہ میں)۔(۶۸) بنی اسرائیل کے مخالف موآبیوں میں بھی' جو بت پرست تھے' (۶۹) یہ رسم موجود تھی۔ چنانچہ اسرائیلیوں سے ایک نہایت سخت جنگ کے موقع پر شاہ موآب نے اپنے پہلوٹھے بیٹے کو قربان کیا۔ (۷۰) جب کہ اسرائیلیوں کو انبیاء کی معرفت خدا کی تعلیم (۷۱) یہ تھی کہ سوختنی قربانیوں مینڈھوں' پہلوٹھے اور اولاد کی قربانی کی بجائے "خداوند تجھ سے اس کے سوا کیا چاہتا ہے کہ تو انصاف کرے اور رحم دلی کو عزیز رکھے' اور اپنے خدا کے حضور فروتنی سے چلے۔" (۷۲) اس بات کی مزید وضاحت کے لیے انسائیکلو پیڈیا امریکانا کا درج ذیل حوالہ ملاحظہ فرمایئے:

In the teaching of the prophets, the emphasis was shifted to repentance as the essential condition without

67. The Golden Bough, vol, 6, (The Scapegoat), Preface.

۶۸۔ پیدائش ۲۲: ۲' ۲۲: ۷ - ۱۳

69. J.P Boyd: Bible Dictioanry, p. 66.

۷۰۔ ۲- سلاطین ۳: ۲۷

۷۱۔ اس سلسلہ میں اس باب کی فصل "عہد عتیق میں نجات کا تصور" پھر ملاحظہ فرمایئے۔

۷۲۔ میکاہ ۶: ۶ - ۸

which sacrifices and ritual practices did not secure forgiveness.

"انبیاء کی تعلیمات میں توبہ اور ندامت پر زور دیا گیا تھا' اور اسے ایسی بنیادی شرط قرار دیا گیا تھا جس کے بغیر صرف قربانیوں اور رسمی عبادات سے مغفرت کا حصول ممکن نہ تھا۔" (۷۳)

لیکن جس طرح پولس اور اس کے ہم خیالوں نے یونانی و رومی مشرکوں کے زیر اثر یہود کے عقیدۂ توحید کو مسخ کر کے اسے رفتہ رفتہ تثلیث کی شکل دی تھی' اسی طرح انہوں نے گناہوں کی معافی اور نجات کے لیے عمل' توبہ اور (ایک حد تک) جانوروں کی قربانی کی بجائے انسان بلکہ "خدا" کی قربانی کے جاہلانہ و مشرکانہ تصور کو عیسائیت کا حصہ بنادیا۔ اور عہد قدیم و جدید کی مذکورہ بالا بہت سی آیات و حقائق کو جھٹلاتے ہوئے بڑی دیدہ دلیری سے کہا: "پہلا عہد بھی خون کے بغیر نہیں باندھا گیا--- بغیر خون بہائے معافی نہیں ہوتی۔"(۷۴) حالانکہ خدا نے فرمایا تھا: "میں قربانی نہیں بلکہ رحم پسند کرتا ہوں اور خدا شناسی کو سوختنی قربانیوں سے زیادہ چاہتا ہوں۔"(۷۵) اور حضرت عیسیٰؑ نے بھی فریسی یہودیوں کے سامنے عہد عتیق کی یہ آیت دہراتے ہوئے کہا تھا: "تم جا کر اس کے معنی دریافت کرو کہ میں قربانی نہیں بلکہ رحم پسند کرتا ہوں۔" (۷۶)

عقیدۂ کفارہ کا تجزیہ

عقیدۂ کفارہ کے بطلان کے لیے اوپر کی مختلف فصول کی یہ وضاحتیں کافی ہیں کہ یہ عقیدہ بائبل کے عہد عتیق و جدید کی اصل اور بنیادی تعلیمات سے متصادم ہے' اور مشرک و جاہل قوموں کے زیر اثر' نیز مسیح کو مزعومہ صلیب دیئے جانے کی بنا پر "لعنتی" قرار دیئے جانے

73. Encyclopaedia Americana, 1958, vol.2, p.514.

۷۴۔ عبرانیوں ۹ : ۱۸ ' ۹ : ۲۰

۷۵۔ ہوسیع ۶ : ۶

۷۶۔ متی ۹ : ۱۳

سے بچانے کی خاطر عیسائی عقائد میں شامل کیا گیا ہے- تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بے بنیاد اور غیر منطقی عقیدہ کی کچھ اور کمزوریاں بھی واضح کی جائیں-

فصول بالا بالخصوص ''عقیدۂ کفارہ اور عیسائیت میں اس کی اہمیت'' اور ''عقیدہ کفارہ کے مختلف عناصر'' سے واضح ہو چکا ہے کہ کفارہ کا مسیحی نظریہ مندرجہ ذیل مفروضات پر مبنی ہے:

① آدمؑ سے خدا کی نافرمانی کا جو گناہ سرزد ہوا اس کی وجہ سے ان کی ساری اولاد گناہ گار اور ناپاک ٹھہری (دیکھیے: حوالہ نمبر ۲۸، ۵۵)-

② انسانیت کو اس ''ازلی گناہ'' سے توبہ وغیرہ کوئی چیز پاک نہیں کر سکتی تھی- پاکیزگی صرف ''فدیہ'' سے حاصل ہو سکتی تھی (حوالہ نمبر ۵۸)-

③ فدیہ وہی دے سکتا تھا جو خود گناہ سے مبرا و پاک ہو اور مسیح کے سوا ایسا کوئی نہیں تھا (حوالہ نمبر ۳۲، ۳۱، ۴۰، ۶۲)-

ذیل میں ہم ان مفروضات اور ان کے متعلقات پر فرداً فرداً بحث کریں گے-

① کیا خدا رحیم و کریم نہیں؟

خدا کی غالب صفات کیا ہیں؟ رحم اور محبت یا غضب اور انتقام؟ کیا خدا اتنا مغلوب الغضب ہے کہ ایک فرد کے گناہ کی سزا سب کو دیتا ہے؟

آگسٹائن وغیرہ نے عیسائی عقیدہ کے دفاع کے پیش نظر آدمؑ کے گناہ کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے (حوالہ نمبر ۵۴)- حالانکہ بائبل انہیں ''گناہ گار'' کہنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتی ہے: ''اور آدم نے فریب نہیں کھایا- بلکہ عورت فریب کھا کر گناہ میں پڑ گئی-''[(۷۷)] نیز اس غلطی کے ارتکاب کے بعد آدم اور حوا کے لیے عہد نامہ قدیم میں جو سزا مذکور ہے وہ فقط اتنی ہے کہ انہیں ''باغ عدن سے باہر'' اور زمین پر بھیج دیا گیا- جہاں وہ ''منہ کے پسینے کی روٹی کھائیں اور عورت کو حمل اور جننے کی تکلیف ہو-''[(۷۸)] (جو

(۷۷) ۱- تیمتھیس ۲ : ۱۴

۷۸- پیدائش ۳ : ۱۶ - ۱۹، ۳ : ۲۳

عیسائی عورتوں کو کفارہ پر یقین رکھنے کے باوجود، اب بھی ہوتی ہے۔ اگر ان کا ازلی گناہ کفارہ کو ماننے سے معاف ہو چکا، تو اب یہ تکلیف کیوں؟) اس سزا میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ آدم و حوا کا یہ گناہ نہ معاف ہوا اور نہ ہو گا، چہ جائیکہ ان کی اولاد پر اس گناہ کا دائمی وبال ہو۔ ان کی دور کی اولاد تو در کنار، ان کے صلبی بیٹے ہابیل کو بھی انجیل نے راستباز قرار دیا ہے۔ (۷۹)

پھر گناہ کتنا ہی سنگین کیوں نہ ہو، اس کی سزا اسی کو ملنی چاہیئے جس نے اس کا ارتکاب کیا ہے۔ ایک طرف تو عیسائی اپنے مذہب کو سراسر محبت اور خدا کے رحیم ہونے کے تصور پر مبنی بتاتے ہیں، اور دوسری طرف آدمؑ کے گناہ کی وجہ سے پوری نسل انسانی کو گناہ گار قرار دے کر خدا کے عادل اور رحیم ہونے کے تصور کی نفی کرتے ہیں۔ آگسٹائن اور اس کے ہم خیال مفکرین نے خدا کے عدل اور رحم و کرم کو بالکل فراموش کرتے ہوئے یہاں تک کہا کہ:

> Infants dying in infancy are justly condemned to eternal punishment.
>
> "وہ بچے جو (بغیر بپتسمہ لیے) مر گئے، ان کے لیے ابدی عذاب عین انصاف ہے۔"(۸۰)

"ازلی گناہ" کے ساری نسل انسانی کی طرف منتقل ہونے کا یہ تصور نہ صرف عقل سلیم کے، بلکہ بائبل کی تعلیم کے بھی خلاف ہے، جو کہتی ہے: "بیٹوں کے بدلے باپ دادا نہ مارے جائیں اور نہ باپ دادا کے بدلے بیٹے مارے جائیں۔ بلکہ ہر آدمی اپنے ہی گناہ کے لیے مارا جائے۔"(۸۱) اور: "جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی۔ بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ

۷۹۔ متی ۲۳ : ۳۵، عبرانیوں ۱۱ : ۴، ۱۔ یوحنا ۳ : ۱۲

80. Encyclopaedia of Religion and Ethics, vol. 5, p. 644;
St. Thomas Aquinas: the Summa Theologica (Eng. Trans.) London, 1920, vol, 2, p. 714.

۸۱۔ ۲۔ تواریخ ۲۵ : ۴

اٹھائے گا' اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ۔ صادق کی صداقت اسی کے لیے ہو گی اور شریر کی شرارت شریر کے لیے۔"[۸۲] قرآن اس کی تصدیق کرتے ہوئے کہتا ہے: ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ "اسی کے لیے ہے جو اس نے کمایا اور اسی کے لیے ہے جو اس نے بوجھ اٹھایا"۔ ﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ﴾ "کوئی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی"۔[۸۳]

پھر جب عہد عتیق کے مطابق گناہ کے بدلے آدم کو باغ عدن سے نکالنے (اور پولس کی متصوفانہ (mystical) اصطلاح کے مطابق "موت")[۸۴] کی سزا مل گئی' تو اس گناہ کے وبال کا ان کی اولاد در کنار' خود ان پر باقی رہنے کا کیا جواز ہے؟

② گناہ کی سزا کسے اور کتنی ملنی چاہیے؟

گناہ "ازلی" ہو یا کوئی اور' اس کی تلافی بھی اسی کو کرنا ہے جس پر گناہ کا بوجھ ہے۔ اور یہ تلافی توبہ اور عملی اصلاح سے ہو سکتی ہے۔ انسان کو گناہ گار دیکھ کر خدا یا کوئی پاکباز انسان خود کو فدیہ میں قربان کر دے' تو یہ ایسے ہی ہو گا جیسے کوئی طبیب مریض کا سر درد ٹھیک کرنے کے لیے اپنا سر پھوڑ دے۔ یا بادشاہ' ملک کے چوروں' ڈاکوؤں اور مجرموں کی بجائے شہزادے یا وزیر اعظم کو پھانسی پر لٹکا دے۔ بے گناہ کو سزا دے کر مجرم کا جرم مٹانے کی توقع یقیناً احمقانہ اور مضحکہ خیز ہے۔ کسی معمولی عقل و فہم کے مالک جج نے تو آج تک یہ نہیں کیا کہ اپنی عدالت میں پیش ہونے والے مجرموں کو "پاک کرنے" کے لیے اپنے معصوم و بے گناہ بیٹے کو ان کی جگہ سزا دے دے۔ پھر خدائے حکیم و دانا سے یہ بے عقلی کیوں منسوب کی جاتی ہے؟ معصوم کا مجرم کی جگہ قربان کرنے یا ہونے کا تصور' یقیناً انصاف اور عقل دونوں سے بعید ہے۔

علاوہ ازیں' کفارہ کا عقیدہ ایک ظالم و جابر اور اذیت پسند (sadistic) خدا کا تصور پیش کرتا ہے' جو پہلے تو سینکڑوں ہزاروں برس تک ایک فرد کے گناہ کی سزا اس کی ساری

۸۲۔ حزقی ایل' ۱۸ : ۲۰ ۔ نیز : ۱۸ : ۴

۸۳۔ القرآن ۲ : ۲۸۶' ۳۵ : ۱۸

۸۴۔ رومیوں ۵ : ۱۷

اولاد کو دیتا رہتا ہے اور پھر اذیت پسندی کے مزید جوش میں خود قربان ہو کر' یا اپنے ''معصوم بیٹے'' کو قربان کر کے ''رحم اور معافی'' کی صورت نکالتا ہے - یہ ایک خون کے پیاسے خدا کا تصور ہے' جس کے نزدیک ''بغیر خون بہائے معافی نہیں ہوتی۔''[۸۵] سوال یہ ہے کہ اگر وہ نعوذ باللہ اتنا ہی ظالم و جابر ہے تو اس میں یکایک ایسی محبت و شفقت کہاں سے آ گئی کہ اس نے اپنا ''اکلوتا بیٹا'' قربانی کے لیے بخش دیا؟[۸۶] اور اگر یہ محبت پہلے سے طے شدہ ''منصوبہ'' کے مطابق تھی' تو آدم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے ادوار کے درمیان پیدا ہونے والے بے شمار افراد کا کیا قصور تھا کہ وہ اس محبت و رحمت سے محروم رہے؟[۸۷]

برصغیر پاک و ہند کے مایۂ ناز عالم' مصنف و مناظر' شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے مسیحی عقیدۂ کفارہ کے بارے میں جو علمی و عقلی سوالات اٹھائے ہیں' ان میں انہوں نے فرمایا ہے: ''اگر یہی طریق نجات ہے تو پہلے نبیوں کی امتوں کی نجات کس طرح ہو گی؟

اور اگر یہی طریق نجات خدا کے ہاں مقرر تھا' تو شروع دنیا میں سب سے پہلے نبی پر اس کو ظاہر کیوں نہ کیا گیا' تاکہ رحم اور عدل برابر رہتا؟''[۸۸]

عقیدۂ کفارہ کے خدا کی محبت و شفقت اور رحم پر مبنی ہونے کے مسیحی تصور کے بارے میں ایک سوال یہ بھی ہے' کہ اگر خدا کی محبت اتنی گہری اور عام ہے کہ اس کی بنا پر دی ہوئی مسیح کی مزعومہ قربانی سب کے لیے (حوالہ نمبر ۳۰) ہے' تو پھر اس قربانی و کفارہ کی برکات سے متمتع ہونے کی لیے اس پر ایمان لانے کی شرط کیوں رکھی جائے؟ ''سب کے لیے عام'' ہونے کا مطلب تو واقعی سب کے لیے ہونا چاہیے - ماننے نہ ماننے کی قید کیوں؟ اور

۸۵۔ عبرانیوں ۹ : ۲۲

۸۶۔ یوحنا ۳ : ۱۶

۸۷۔ یہ بات مسیحی مفکرین کو بھی کھٹکی ہے۔ آگسٹائن نے اس کھٹک سے بچنے کے لئے ایک اور بے بنیاد مفروضہ گھڑا ہے' یعنی مسیح سے پہلے کے لوگوں سے پوچھا جائے گا کہ وہ مسیح اور ان کے کفارہ پر ایمان رکھتے تھے یا نہیں۔ دیکھئے:
St. Augustine: The Enchiridion, xxxi.

۸۸۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری : جوابات نصاریٰ' گوجرانوالہ' ۱۹۸۳' ص۔ ۸۴

جہاں تک کفارہ کی دوسری مزعومہ بنیاد یعنی عدل خداوندی پر زور دینے کا تعلق ہے، اس پر منجملہ دیگر اعتراضات و سوالات کے شیخ الاسلام موصوف کا ایک یہ سوال اب تک تشنۂ جواب ہے کہ "اگر مجرم لوگ محض کفارہ مسیح پر ایمان لا کر چھوٹ جائیں تو خدا کا عدل کیسے قائم رہ سکتا ہے؟"[(۸۹)]

ان عقلی دلائل سے قطع نظر، جس طرح کتاب مقدس، نظریہ کفارہ کے باقی اجزا اور مفروضات کی تصدیق نہیں کرتی، اسی طرح وہ اس مفروضہ کی تصدیق بھی نہیں کرتی کہ فدیہ کے بغیر معافی اور نجات ناممکن ہے۔ فصول بالا "عہد عتیق میں نجات کا تصور" اور "نجات اور عہد جدید" اس غلط مفروضہ کی واضح تردید کرتی ہیں۔ اب مزید وضاحت کے لیے بائبل کا یہ فرمان ملاحظہ فرمائیے: "اگر شریر اپنے تمام گناہوں سے جو اس نے کیے ہیں باز آئے اور میرے سب آئین پر چل کر جو جائز اور روا ہے کرے، تو وہ یقیناً زندہ رہے گا۔ وہ نہ مرے گا۔ وہ سب گناہ جو اس نے کیے ہیں، اس کے خلاف محسوب نہ ہوں گے۔ وہ اپنی راستبازی میں جو اس نے کی، زندہ رہے گا۔"[(۹۰)]

کتنے صریح الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ نجات گناہوں سے باز آنے اور آئین شریعت پر چلنے میں ہے۔ جو یہ کرتا ہے، اسے نہ کسی دوسرے کے فدیہ کی ضرورت ہے اور نہ کسی دوسرے کا گناہ اسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔

③ گناہ کی تلافی اور معصومیت

کیا گناہ کی تلافی کے لیے ایک معصوم جان کو قربان کرنا ضروری تھا۔ اور کیا مسیح (بائبل کے مطابق) بالکل معصوم تھے۔ اور کیا ان کے سوا گناہ سے پاک اور کوئی نہ تھا؟

جہاں تک گناہ کی تلافی کا تعلق ہے، اس کی بائبل کے نزدیک ممکن اور پسندیدہ صورت (توبہ اور نیکی) اوپر بیان ہو چکی ہے۔ مسیح کی معصومیت کا بھی بائبل نے متضاد سا

۸۹۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری : اسلام اور مسیحیت، گوجرانوالہ، ۱۹۸۲، ص۔ ۱۴۰

۹۰۔ حزقی ایل ۱۸ : ۲۱ - ۲۲، نیز دیکھیے : ۱۸ : ۲۶ - ۲۸

تصور پیش کیا ہے۔ اگر انہیں اس لحاظ سے ازلی گناہ سے پاک سمجھا جائے کہ وہ "آدم کے بیج" (Seed of Adam) سے پیدا نہیں ہوئے، تو وہ بہر حال مریم سے تو ہیں،[۹۱] جو آدم و حوا ہی کی اولاد سے تھیں۔ نیز وہ عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق 'صلیب پانے اور "لکڑی پر لٹکنے" والا ہونے کے لحاظ سے از روئے بائبل (نعوذ باللہ) ملعون ہیں۔[۹۲] ان کی ذاتی نیکی کا انجیلی تصور یہ ہے کہ وہ جھوٹ بھی بولتے ہیں۔ اپنے "بھائیوں" کو کہتے ہیں میں فلاں جگہ (عید منانے) نہیں جاؤں گا، مگر اس کے باوجود "ظاہراً نہیں بلکہ پوشیدہ" وہاں چلے جاتے ہیں۔[۹۳] وہ اپنی ماں سے توہین آمیز طریقہ سے کلام کرتے ہوئے کہتے ہیں: "اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام؟"[۹۴] حالانکہ کتاب مقدس کا حکم تھا: "تو اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کرنا۔"[۹۵] وہ لوگوں کو مے پیش کرتے ہیں۔[۹۶] حالانکہ کتاب مقدس کے مطابق "مے سے بصیرت جاتی رہتی ہے۔"[۹۷] پھر مسیح نے یوحنا بپتسمہ والے سے بپتسمہ لیا،[۹۸] اور یوحنا کا بپتسمہ توبہ اور گناہوں کی معافی کے لیے تھا۔(۹۹) بائبل کی یہ تمام باتیں کسی طور پر مسیح کو مکمل طور پر معصوم ثابت نہیں کرتیں۔

اسی طرح یہ خیال بھی بالکل بے بنیاد ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں خدا کو "کفارہ کی قربانی" کے لیے مسیح کے علاوہ کوئی اور "معصوم برہ" میسر نہیں آیا۔ آدم کے بیٹے ہابیل

۹۱۔ متی ۱ : ۱۸، ۱ : ۲۵، لوقا ۱ : ۳۱

۹۲۔ استثنا ۲۱ : ۲۳، گلتیوں ۳ : ۱۳

۹۳۔ یوحنا ۷ : ۸ - ۱۰

۹۴۔ یوحنا ۲ : ۴

۹۵۔ خروج ۲۰ : ۱۲

۹۶۔ یوحنا ۲ : ۷ - ۱۰

۹۷۔ ہوسیع ۴ : ۱۱

۹۸۔ مرقس ۱ : ۹

۹۹۔ ایضاً ۱ : ۴

راستباز تھے۔[100] دانیال نبی کے بارے میں کتاب مقدس کہتی ہے: "وہ دیانتدار تھا اور اس میں کوئی خطا یا تقصیر نہ تھی۔"[101] یوسیاہ کے بارے میں لکھا ہے: "اس نے وہ کام کیا جو خداوند کی نگاہ میں ٹھیک تھا۔ اور اپنے باپ دادا کی سب راہوں پر چلا اور دائیں یا بائیں ہاتھ کو مطلق نہ مڑا۔"[102] حزقیاہ کے بارے میں ہے: وہ خداوند سے لپٹا رہا۔ اور اس کی پیروی کرنے سے باز نہ آیا۔ بلکہ اس کے حکموں کو مانا، جن کو خداوند نے موسیٰ کو دیا تھا۔"[103] سموئیل نے بھی لوگوں سے اپنی بے گناہی اور معصومیت کی شہادت مانگی، اور انہوں نے دی۔[104] زکریا اور ان کی بیوی کے متعلق ہے: "وہ دونوں خدا کے حضور راستباز اور خداوند کے سب احکام و قوانین پر بے عیب چلنے والے تھے۔"[105] یوحنا بپتسمہ دینے والے کے بارے میں مسیح کی اپنی گواہی انجیل میں موجود ہے: "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو عورتوں سے پیدا ہوئے ہیں، ان میں یوحنا بپتسمہ دینے والے سے بڑا کوئی نہیں ہوا۔" (۱۰۶) انجیل ان کی راستبازی اور فطری نیکی پر دلالت کرتی ہے،[107] اور انسان کے پیدائشی گناہ گار ہونے کے نظریہ کی بھی ان کے بارے میں یہ پیش گوئی کر کے جڑ کاٹ دیتی ہے کہ وہ "اپنی ماں کے بطن میں سے روح القدس سے بھر جائے گا۔"[108] اسی طرح جن متعدد افراد کو کتاب مقدس میں "خدا کا بیٹا" اور "پہلوٹھا" کہا گیا ہے، انہیں ان کی نیکی، راست بازی اور خدا سے ان کے قرب کی وجہ ہی سے

۱۰۰۔ دیکھئے: حوالہ نمبر ۷۹۔

۱۰۱۔ دانی ایل ۶ : ۴

۱۰۲۔ ۲۔ سلاطین ۲۲ : ۲

۱۰۳۔ ۲۔ سلاطین ۱۸ : ۶

۱۰۴۔ ۱۔ سموئیل ۱۲ : ۳ - ۵

۱۰۵۔ لوقا ۱ : ۶

۱۰۶۔ متی ۱۱ : ۱۱

۱۰۷۔ مرقس ۶ : ۲۰، لوقا ۱ : ۱۵

۱۰۸۔ لوقا ۱ : ۱۵

ایسا کہا گیا ہے۔ (۱۰۹)

اگر یہ سارے بزرگ "مسیح کے کفارہ" پر اعتقاد تو در کنار' ان سے پہلے گذرنے کی بنا پر اسے جانتے تک نہ تھے' اور اس کے باوجود وہ کتاب مقدس کی رو سے راستباز' دیانتدار' بے خطا' بے عیب اور خدا کے پیارے تھے' تو اس سے ایک طرف اس مفروضہ کی واضح تردید ہوتی ہے کہ "اس دنیا میں کوئی بھی ایسا انسان نہیں جو گناہ سے مبرا و پاک ہو" اور گناہ کا فدیہ (۱۱۰) بن سکے۔ اور دوسری طرف اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اگر یہ لوگ کفارہ کے واقع ہونے سے پہلے اور اس پر ایمان نہ رکھنے کے باوجود یہ مقام حاصل کر سکتے ہیں' تو کوئی وجہ نہیں کہ باقی سب انسانوں کو کفارہ اور اس پر ایمان کے بغیر نجات و قرب خداوندی سے محروم اور ازلی گناہ کے عیب سے داغدار قرار دیا جائے۔

④ کیا خدا قادر مطلق نہیں؟

نظریۂ کفارہ کا یہ مفروضہ بھی مضحکہ خیز ہے کہ قادر مطلق خدا' ازلی گناہ کی سزا دینے کا اتنا پابند تھا کہ "بیٹے کی قربانی" اور فدیہ کے بغیر اسے معاف نہیں کر سکتا تھا۔ مسیحی مفکرین نے اس بات کو خدا کے تقدس اور عدل کے منافی قرار دیا ہے کہ وہ گناہ کو سزا یا فدیہ کے بغیر معاف کرے۔ (۱۱۱) مگر عدل و تقدس پر زور دیتے ہوئے انہوں نے نہ صرف خدا کے فضل و رحم کو فراموش کیا ہے' بلکہ اس کی بے پایاں قدرت و بالاتری کو بھی پس پشت ڈالنے کی جسارت کی ہے۔ اپنے مفروضہ کو مضحکہ خیزی بلکہ حماقت کی آخری انتہا تک پہنچاتے ہوئے انہوں نے یہاں تک فرض کر لیا کہ ازلی گناہ سے آدم اور ان کی پوری اولاد شیطان کی غلامی (bondage) اور ملکیت (ownership) میں چلی گئی تھی' جس سے اولاد آدم کو چھڑانے کے لیے مسیح کی قربانی پیش کی گئی۔ چنانچہ انہوں نے کہا:

Christ's death was a ransom paid to Satan by means of

۱۰۹۔ دیکھئے: باب پنجم' حوالہ نمبر ۱۱۴ وما بعد۔

۱۱۰۔ دیکھئے: حوالہ نمبر ۵۷' باب ھذا۔

۱۱۱۔ دیکھئے: حوالہ نمبر ۵۹ - ۶۰' باب ھذا۔

which man was delivered from the bondage of sin.

"مسیح کی موت شیطان کو ادا کیا جانے والا ایک فدیہ تھی، جس کے ذریعہ انسان کو گناہ کی غلامی سے نجات ملی۔" (۱۱۲)

آگسٹائن جیسے مفکر جس پر مسیحی دنیا کو ناز ہے' کا نظریہ بھی یہی تھا(۱۱۳) اور دو چار چھوٹے موٹے مسیحی مفکرین نہیں' بلکہ پوری مسیحی دنیا صدیوں تک اس نظریہ کی مضحکہ خیزی اور بے بنیاد نوعیت کا ادراک کئے بغیر اسے اپنائے رہی۔ چنانچہ بارہویں صدی عیسوی تک کلیسیا کا عام اعتقاد یہی تھا۔(۱۱۴) قاموس مذاہب و اخلاقیات میں ہے:

Fanciful as this theory appears to us to-day, it.... continued for many centuries to be the prevailing interpretation of the death of Christ.

"اگرچہ آج یہ نظریہ ہمیں عجیب دکھائی دیتا ہے' تاہم اسے صدیوں تک مسیح کی موت کی غالب تشریح کے طور پر قبول کیا جاتا رہا۔" (۱۱۵)

بالآخر اس نظریہ کی لغویت کا ادراک کرنے کے بعد مسیحی مفکرین نے اس کی تکرار ختم کر دی' بلکہ آج وہ اس کے ذکر تک سے شرماتے ہیں۔ مگر اس کی تہ میں جو سوچ کار فرما تھی وہ یہی تھی کہ خدا (نعوذ باللہ) اتنا بے اختیار ہے کہ وہ گناہ کو از خود معاف نہیں کر سکتا' نہ اس کے اثرات سے بنی آدم کو رہائی دلا سکتا ہے' جب تک وہ اس رہائی کا معاوضہ اور فدیہ ادا نہ کرے۔ اور اس کے فضل و رحم میں فدیہ کی شرط کے بغیر معاف کر دینے کی کوئی گنجائش نہیں۔ ظاہر

---

112. Collier's Encyclopaedia, New york, 1957, vol, 2, p. 476;
E.A. Livingstone (ed): The Consise Oxford Dictionary of the Christian Church, London, 1977. p. 39.

113. Augustine: De Erinitate, Bk. 13, chap. 12 – 15.

114. Encyclopaedia Americana, vol.2, p., 515.

115. Encyclopaedia of Religion And Ethics, vol. 5, p. 643.

ہے یہ مفروضات ایک قادر و توانا اور رحمان و رحیم خدا کے تصور کے منافی ہیں' اور ان میں خدا کی صفات میں توازن کو نظر انداز کیا گیا ہے' کہ اس کے عدل پر زور دیتے ہوئے اس کے بے پایاں فضل کو فراموش کر دیا گیا ہے۔

⑤ کیا مسیح کی "قربانی" اختیاری تھی؟

کفارہ پر مبنی انسان کی فلاح و نجات کے اس مزعومہ "خدائی منصوبہ" کا ایک اور مضحکہ خیز اور لغو پہلو یہ ہے کہ مسیح' جو اس کے مرکزی کردار ہیں' وہ نہ صرف یہ کہ اس کی ضرورت و اہمیت سے بے خبر ہیں بلکہ اس میں دل و جان سے شریک بھی نہیں ہیں۔ اگر وہ محبت و خدمت انسانیت کے جذبہ سے سرشار ہو کر انسان کی نجات کے لئے شعوری و اختیاری قربانی پیش کرنے والے ہوتے' تو انجیل ان کے بارے میں یہ نہ کہتی کہ اپنی گرفتاری اور مزعومہ موت کو قریب دیکھ کر "وہ غمگین اور بے قرار ہونے لگا۔ اس وقت اس نے ان سے کہا میری جان نہایت غمگین ہے --- پھر ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔"(۱۱۶) اگر وہ انسان کی گناہ سے نجات کے لئے ایک باقاعدہ منصوبہ و مقصد کے تحت قربانی پیش کر رہے تھے' تو "غمگین اور بے قرار" ہونے اور موت اور قربانی کا "یہ پیالہ" ٹالنے کے لئے انہوں نے کیوں دعا کی؟ اگر وہ اس سارے منصوبہ میں دل سے شریک ہوتے' تو "قربانی کی موت" کو قریب دیکھ کر "نہایت حیران اور بے قرار"(۱۱۷) اور "سخت پریشانی میں مبتلا"(۱۱۸) نہ ہوتے' نہ وہ "بڑی آواز سے چلا کر" فریاد کرتے: "اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"(۱۱۹) اگر وہ "نجات کے خدائی منصوبہ" میں شریک تھے تو انہیں چلانے' فریاد کرنے اور

۱۱۶۔ متی ۲۶ : ۳۶ - ۴۰

۱۱۷۔ مرقس ۱۴ : ۳۳

۱۱۸۔ لوقا ۲۲ : ۴۴

۱۱۹۔ متی ۲۷ : ۴۶ ' مرقس ۱۵ : ۳۴' لوقا ۲۳ : ۴۶۔

خدا کے چھوڑ دینے کی شکایت کرنے کی بجائے اپنی موت اور قربانی کا استقلال اور خندہ پیشانی سے استقبال کرنا چاہیے تھا' اور اس "پیالہ کے ٹلنے" کا خیال تک ذہن میں نہ لانا چاہیئے تھا۔

ایک دوسرے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو عقیدہ کفارہ کی دو اہم بنیادیں مسیح کا صلیب پر مرنا' اور مر کر جی اٹھنے کے ذریعہ "موت پر فتح پانا" ہے۔ آیئے دیکھیں کہ ان دونوں باتوں میں کہاں تک صداقت موجود ہے۔

⑥ کیا مسیح واقعی مصلوب ہوئے اور پھر جی اٹھے؟

نظریۂ کفارہ کی اصل بنیاد مسیح کے "دکھ اٹھا کر صلیب پر مرنے" کا عقیدہ ہے۔ سب سے پہلے یہی نظریہ بنا کہ مسیح صلیب پا کر فوت ہوئے۔ عقیدہ کفارہ کے باقی مفروضات اسی بنیادی مفروضہ کے گرد گھومتے ہیں۔

قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ مسیح کے صلیب پانے کے خیال نے ابتدائی زمانہ کے عیسائیوں کو اس مشکل میں مبتلا کر دیا تھا کہ یہودی عقیدہ کے مطابق صلیب اور پھانسی کی موت مرنے والا "لعنتی" سمجھا جاتا تھا۔[۱۲۰] پولس نے اسی مشکل سے بچنے کے لئے یہ مفروضہ وضع کیا کہ مسیح نے ہمیں گناہ اور شریعت کے طوق سے رہائی دلانے کے لئے اس "لعنت کی موت" کو قبول کیا۔[۱۲۱] اس لئے انہیں لعنتی سمجھنے کی بجائے انسانیت کا نجات دہندہ قرار دینا چاہئے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے مسیح کے مرنے کے بعد جی اٹھنے پر بڑا زور دیا' بلکہ اسے عقیدہ کفارہ ہی کا نہیں بلکہ پورے دین کا مدار قرار دیا۔ وہ لکھتا ہے۔ "اگر مسیح نہیں جی اٹھا تو ہماری منادی بھی بے فائدہ ہے اور ہمارا ایمان بھی بے فائدہ --- اور اگر مسیح نہیں جی اٹھا تو --- تم اب تک اپنے گناہوں میں گرفتار ہو۔ لیکن فی الواقع مسیح

۱۲۰۔ استثناء ۲۱ : ۲۳' گلتیوں ۳ : ۱۳

۱۲۱۔ دیکھئے: حوالہ نمبر ۱۲۰ (گلتیوں ۳ : ۱۳)

مردوں میں سے جی اٹھا ہے۔"[۱۲۲] نیز: "اسے مردوں میں سے جلا کر اپنی دہنی طرف آسمانی مقاموں پر بٹھایا"[۱۲۳]

لیکن اگر بائبل کے بیانات کا بغور جائزہ لیا جائے' تو مسیح کا "صلیب پر مرنا" بھی' اور (بفرض محال) "مر کر جی اٹھنا بھی" حقیقت اور قیاس دونوں سے بالکل بعید ثابت ہوتے ہیں۔

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ جب مسیح نے خود کو ایسے حالات میں پایا جو ان کی گرفتاری' سزا اور موت پر منتج ہو سکتے تھے' تو انہوں نے موت سے بچنے کی دعا کی: "اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔" اگرچہ انہوں نے یہ بھی کہا: "تو بھی نہ جیسا میں چاہتا ہوں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو۔"[۱۲۴] مگر کتاب مقدس کہتی ہے کہ "خداوند شریروں سے دور ہے' پر وہ صادقوں کی دعا سنتا ہے۔"[۱۲۵] مسیح یقیناً صادق تھے۔ اگرچہ بطور آزمائش موت اور تکلیف صادقوں پر بھی آسکتی ہے' لیکن جب انہوں نے بچنے کی خواہش اور دعا کی' تو کتاب مقدس کے مذکورہ فرمان کے مطابق انہیں یقیناً موت سے محفوظ رہنا چاہیے تھا۔ اور قیاس یہی کہتا ہے کہ وہ محفوظ ہی رہے۔ چنانچہ مسیحیت کی ابتداء ہی سے متعدد افراد اور فرقے اس بات کے قائل رہے ہیں کہ مسیح کو صلیب نہیں دی گئی۔ اگر صلیب ہوئی تو غدار حواری یہودا اسکریوتی کو ہوئی اور یا شمعون کرینی کو' جو مسیح کی صلیب' صلیب گاہ تک اٹھا کر لے گیا تھا۔[۱۲۶] بعد کے زمانہ میں مسیح کے صلیب پانے کا عقیدہ ہی عام ہوا۔ مگر ابتدائی زمانہ میں اس کے برعکس عقیدہ بھی اتنا نمایاں اور پھیلا ہوا تھا کہ مسیح کی صلیبی موت کا سرگرم پرچارک ہونے کے باوجود' پولس نے بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر اس امر کا اعتراف کیا کہ مسیح کی مذکورہ

۱۲۲۔ ۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۱۴ - ۲۰

۱۲۳۔ افسیوں ۱: ۲۰

۱۲۴۔ متی ۲۶: ۳۹

۱۲۵۔ امثال ۱۵: ۲۹

126. Encyclopaedia of Religion And Ethics, vol, 4, p. 833;
Encyclo. Brit. (14th edition., 1929), vol, 3, p. 176.

دعا سنی گئی- اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ وہ صلیب سے بچ گئے -پولس کہتا ہے:
"اس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زور زور سے پکار کر اور آنسو بہا بہا کر اس سے دعائیں اور التجائیں کیں جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا -اور خدا ترسی کے سبب سے اس کی سنی گئی -اور باوجود بیٹا ہونے کے اس نے دکھ اٹھا اٹھا کر فرمانبرداری سیکھی-"[۱۲۷] گویا زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ مسیح نے دکھ اٹھایا' مگر ان کی موت سے بچنے کی دعا بہر حال سنی گئی -اور حقیقت یہ ہے کہ مسیح نے خود بھی بطور پیش گوئی اپنے دکھ اٹھانے ہی پر زور دیا تھا' صلیب پانے کی پیش گوئی نہیں کی تھی۔[۱۲۸] انہوں نے یہودی علماء اور سرداروں کو" نبیوں کے قاتلوں کے فرزند" کہہ کر خطاب کیا' اور ہابیل سے لے کر زکریا تک سب راست بازوں کا خون بہانے کا ذمہ دار قرار دیا- مگر اس موقع پر بھی آپ نے یہ پیش گوئی نہیں کی کہ میرا خون بہانے کا وبال بھی تم پر آنے والا ہے-[۱۲۹]

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ مسیح کے مبینہ طور پر صلیب پانے کی کوئی حقیقی شہادت موجود نہیں ہے -انجیل نگاروں نے سنی سنائی باتوں کو اکٹھا کر کے جو کچھ لکھا ہے' اس میں جا بجا تضادات و اختلافات نمایاں ہیں' جن کا بلا تعصب اور غیر جانبداری سے جائزہ لے کر ایک منصف مزاج مؤرخ اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اس موقع پر اگر کسی کو صلیب دی گئی' تو وہ کم از کم حضرت عیسیٰؑ نہیں تھے- چنانچہ برصغیر پاک و ہند کے جید عالم اور مصنف امام العصر حضرت مولانا محمد براہیم میر سیالکوٹی نے اپنے ایک تحقیقی مقالہ "کسر الصلیب" میں لکھا ہے: "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب دیئے جانے کے متعلق اناجیل نے کوئی عینی شہادت بیان نہیں کی--- واقعہ کے وقت کوئی بھی مومن موجود نہیں تھا --- اور

۱۲۷۔ عبرانیوں ۵ : ۷ - ۸

۱۲۸۔ متی ۱۷ : ۱۲ ' لوقا ۲۲ : ۱۵ ' ۲۴ : ۲۶
حوالہ نمبر ۱۵۹ اور متعلقہ بحث بھی دیکھئے۔

۱۲۹۔ متی ۲۳ : ۲۹ - ۳۶

یہودی چونکہ دشمن اور کافر ہیں' اس لئے ان کی گواہی معتبر نہیں- علاوہ بریں واقعہ صلیب اور اس کے ضمیمہ جات کی نسبت اناجیل میں کئی قسم کی اختلاف بیانیاں موجود ہیں' جو ان کے بیانات کو نہایت مشکوک کر دیتی ہیں-"[۱۳۰] مسیحی فاضلین نے خود بھی اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ مسیح کی مزعومہ تصلیب کے وقت ان کے شاگرد موجود نہیں تھے-[۱۳۱]

دراصل خود اناجیل کی روشنی میں حقیقت حال یہ ہے کہ مسیح کی مصیبت اور گرفتاری کے وقت "سب شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے-"[۱۳۲] صرف "ایک جوان اپنے ننگے بدن پر مہین چادر اوڑھے ہوئے اس کے پیچھے ہو لیا- اسے لوگوں نے پکڑا مگر وہ چادر چھوڑ کر ننگا بھاگ گیا-"[۱۳۳] حواری پطرس فاصلہ رکھ کر مسیح کے پیچھے پیچھے چلا' مگر اس نے بھی مشکل پڑنے پر ان کا ساتھ چھوڑ دیا- بلکہ اس نے تین دفعہ یہ کہا کہ وہ انہیں جانتا ہی نہیں-[۱۳۴] مبینہ طور پر صلیب دیئے جانے کے موقع کا ان میں سے کوئی بھی گواہ نہیں- صرف "بہت سی عورتیں جو گلیل سے یسوع کی خدمت کرتی ہوئی پیچھے پیچھے آئی تھیں' دور سے دیکھ رہی تھیں-"[۱۳۵] لوقا نے دور سے کھڑے ہو کر دیکھنے والی ان عورتوں کے ساتھ "جان پہچان والوں"[۱۳۶] کو شامل کیا ہے- مگر یوحنا نے تحریف اور سینہ زوری سے کام لے کر تین عورتوں اور ایک "محبوب" شاگرد کو "صلیب کے پاس" کھڑا کر دیا ہے[۱۳۷] تاہم اس کے بیان کی کمزوری اس بات سے ظاہر ہے کہ یہ بات باقی تینوں اناجیل کے بیان کے خلاف ہے-

---

۱۳۰- حافظ محمد ابراهیم میرؒ کسر الصلیب' سیالکوٹ' 1933' ص ۵ - ۶

131. Encyclopaedia Biblica, c. 1879.

۱۳۲- متی ۲۶ : ۵۶' مرقس ۱۴ ۵۰

۱۳۳- مرقس ۱۴ : ۵۱ - ۵۲

۱۳۴- متی ۲۶ : ۶۹ - ۷۵' مرقس ۱۴ : ۶۶ - ۷۲' لوقا ۲۲ : ۵۴ - ۶۲

۱۳۵- متی ۲۷ : ۵۵' مرقس ۱۵ : ۴۰ - ۴۱

۱۳۶- لوقا ۲۳ : ۴۹

۱۳۷- یوحنا ۱۹ : ۲۵ - ۲۶

نیز اس نے تینوں اناجیل کے برعکس، مسیح کی والدہ مریم کو بھی ان عورتوں میں شامل کیا ہے۔(۱۳۸) تاہم ان میں سے جس نام پر متی، مرقس اور یوحنا کا اتفاق ہے، وہ مریم مگدلینی (Mary Magdalene) ہے۔ اور یہی وہ نام ہے جسے چاروں اناجیل متفقہ طور پر مرنے کے بعد جی اٹھنے کی گواہ (زیادہ صحیح یہ ہے کہ یسوع کی قبر خالی ہونے کی گواہ) کے طور پر پیش کرتی ہیں۔ بلکہ یوحنا نے صرف اسی عورت کو قبر خالی پائے جانے کے موقعہ کی واحد گواہ بتایا ہے(۱۳۹) یہ وہی عورت ہے جو "سات بدروحوں" کا شکار رہی تھی۔(۱۴۰) اعصابی تکلیف اور ہسٹیریا کی اس مریضہ کے سابقہ کردار پر بھی بعض لوگوں نے شک کیا ہے۔(۱۴۱) ایسی عورت کی شہادت پر مسیح کی زندگی اور موت کے بارے میں اہم عقائد کی بنیاد کو کسی طور پر بھی ایک معقول اور مضبوط بنیاد قرار نہیں دیا جا سکتا۔

⑦ دیگر تضادات

اس سلسلہ میں اناجیل کے دیگر بیانات میں بھی بڑا تضاد پایا جاتا ہے، جو صاف ظاہر کرتا ہے کہ مسیح کے صلیب دیئے جانے کے مبینہ و مزعومہ واقعہ کو ثابت کرنے کے لئے موقع کا کوئی گواہ موجود نہیں۔ ایسے بعض مزید تضادات اور الجھنیں درج ذیل ہیں:

(۱) صلیب کو صلیب گاہ تک کون اٹھا کر لے گیا؟ پہلی تین اناجیل کے مطابق شمعون کرینی نامی شخص سے یہ کام لیا گیا، مگر انجیل یوحنا کے مطابق خود مسیح کو اپنی صلیب اٹھانا پڑی۔(۱۴۲)

(۲) بقول اناجیل جو دو مجرم اور بدکار مسیح کے ساتھ صلیب پر لٹکائے گئے، ان میں سے مسیح پر طعنہ زنی کس نے کی؟ لوقا کے مطابق ایک نے طعنہ زنی کی۔ حتیٰ کہ مسیح نے

۱۳۸۔ ایضاً

۱۳۹۔ یوحنا ۲۰ : ۱، متی ۲۸ : ۱ وما بعد، مرقس ۱۶ : ۱ وما بعد، لوقا ۲۴ : ۱۰۔

۱۴۰۔ لوقا ۸ : ۲، مرقس ۱۶ : ۹

۱۴۱۔ قاموس الکتاب، ص - ۹۰۶

۱۴۲۔ متی ۲۷ : ۳۲، مرقس ۱۵ : ۲۱، لوقا ۲۳ : ۲۶، یوحنا ۱۹ : ۱۷۔

دوسرے کو فردوس میں اپنے ساتھ ہونے کی خوش خبری بھی سنادی، جس سے اس بات کو مزید تقویت ملتی ہے کہ وہ طعنہ زنی کا مرتکب نہ تھا۔ مگر مرقس کے مطابق دونوں بدکار، مسیح کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے رہے۔ (۱۴۳)

(۳) کیا تصلیب کے بعد تمام ملک پر اندھیرا چھا گیا اور دوسری نشانیاں ظاہر ہوئیں؟ تین اناجیل اس کا ذکر کرتی ہیں۔ (۱۴۴) مگر یوحنا، جو عموماً مبالغہ پسند ہے، اس کا ذکر نہیں کرتا۔ پھر یہ بات بھی ناقابل یقین ہے کہ ملک بھر میں اندھیرا چھا جائے، سورج کی روشنی جاتی رہے، مقدس کا پردہ بیچ سے پھٹ جائے، زمین لرزے، چٹانیں تڑک جائیں، قبریں کھل جائیں، بہت سے جسم ان سے اٹھ کر ''مقدس شہر'' میں چلیں پھریں اور ''بہتوں کو دکھائی دیں'' (۱۴۵) اور اتنے زیادہ اور ایسے واضح نشانات دیکھنے کے باوجود یہودی، مسیح کی مزعومہ تصلیب کے بعد بھی رومی حاکم پیلاطس سے درخواست کریں کہ مسیح اور اس کے ساتھ دوسرے صلیب پانے والے اخلاقی مجرموں کی ''ٹانگیں توڑ دی جائیں'' اور اتنے ہولناک نشانات دیکھنے کے بعد بھی ایک سپاہی بھالے سے ''مردہ'' مسیح کی پسلی چھید کر اس سے خون اور پانی بہائے۔ (۱۴۶)

انجیل متی کے مصنف نے تو اس ضمن میں تضاد بیانی کی حد کر دی ہے۔ ایک ہی باب میں وہ ایک طرف یہ کہتا ہے کہ ''واقعہ صلیب'' کے بعد جب یہ ہولناک واقعات ہوئے، تو دیکھنے والے ''ڈر کر کہنے لگے کہ بے شک یہ خدا کا بیٹا تھا۔'' اور دوسری طرف چند ہی سطروں کے بعد بتاتا ہے کہ جب یہودیوں نے پیلاطس سے یسوع کی قبر کی نگرانی کا مطالبہ کیا تو کہا: ''خداوند ہمیں یاد ہے کہ اس دھوکے باز نے جیتے جی کہا تھا میں

۱۴۳۔ لوقا ۲۳ : ۳۹ - ۴۳، مرقس ۱۵ : ۳۲، لوقا ۲۳ : ۴۴۔

۱۴۴۔ متی ۲۷ : ۴۵، مرقس ۱۵ : ۳۳، لوقا ۲۳ : ۴۴۔

۱۴۵۔ لوقا ۲۳ : ۴۴ - ۴۵، متی ۲۷ : ۵۱ - ۵۴.

۱۴۶۔ یوحنا ۱۹ : ۳۱ - ۳۵

تین دن کے بعد جی اٹھوں گا --- ایسا نہ ہو کہ اس کے شاگرد آ کر اسے چرا لے جائیں، اور لوگوں سے کہہ دیں کہ وہ مردوں سے جی اٹھا اور یہ پچھلا دھوکہ پہلے سے بھی برا ہو۔"(۱۴۷) مذکورہ ہولناک واقعات اگر حقیقی ہوتے، تو یہودی مسیح کو بدستور "دھوکے باز" کہنے کی بجائے اپنے جرم پر ندامت اور توبہ میں مصروف ہوتے، اور ان میں سے اکثر مسیح پر ایمان لا چکے ہوتے۔

غرض، بائبل کی ایک معروف و مستند قاموس کے الفاظ میں:

> There is no reason to suppose that the great darkness, the earthquake, the rending of the veil in the temple and the rising of the dead from their tombs actually occurred.
>
> "یہ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں کہ عظیم تاریکی، زلزلہ، معبد کے پردہ کے پھٹنے اور مردوں کے مقابر سے نکلنے کے واقعات حقیقت میں وقوع پذیر ہوئے۔"(۱۴۸)

(۴) اس سلسلہ میں متی اور دوسری اناجیل کے بیانات کا تضاد یہیں تک محدود نہیں۔ ایک طرف تو متی کا مذکورہ بالا حوالہ ظاہر کرتا ہے کہ عام یہودیوں کو بھی مسیح کی اس مزعومہ و مبینہ پیشگوئی کا علم تھا کہ وہ مر کر جی اٹھیں گے، اور دوسری طرف انجیل یوحنا کے مطابق ان کے قریب ترین حواریوں کو بھی اس کا علم نہ تھا۔ چنانچہ یوحنا انجیل نگار لکھتا ہے کہ شاگرد خالی قبر دیکھنے تک "اس نوشتہ کو نہ جانتے تھے جس کے مطابق اس کا مردوں سے جی اٹھنا ضرور تھا۔" (۱۴۹)

(۵) یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اناجیل کے بیان کے مطابق مسیح کو کس جرم میں صلیب دی گئی؟ بقول لوقا "وہ اپنی قوم کو بہکاتے اور قیصر کو خراج دینے سے منع کرتے اور اپنے آپ کو مسیح بادشاہ کہتے" تھے۔(۱۵۰) مگر یوحنا نے مسیح کی زبانی اس کی تردید کی ہے۔

۱۴۷۔ متی ۲۷ : ۶۲ - ۶۴

148. Encyclo. Biblica, c. 4701.

۱۴۹۔ یوحنا ۲۰ : ۹

۱۵۰۔ لوقا ۲۳ : ۲، نیز : مرقس ۱۵ : ۲

اس کے بقول' مسیح نے کہا: "میری بادشاہی اس دنیا کی نہیں۔"(۱۵۱) اس انجیل کے مطابق یہودیوں نے پیلاطس سے کہا تھا: "شریعت کے موافق وہ قتل کے لائق ہے' کیونکہ اس نے اپنے آپ کو خدا کا بیٹا بنایا۔" (۱۵۲)

اول الذکر الزام کی تردید اس طرح ہوتی ہے کہ اگر یہ درست ہوتا تو رومی حکام یقیناً سختی سے اس بغاوت کا نوٹس لیتے' جبکہ اناجیل ہی کے مطابق وہ اسے چھوڑنا چاہتے تھے' اور پیلاطس نے صاف کہا تھا: "میں اس کا کچھ جرم نہیں پاتا۔"(۱۵۳) اور: "جن باتوں کا الزام تم اس پر لگاتے ہو' ان کی نسبت نہ میں نے اس میں کچھ قصور پایا' نہ ہیرودیس نے---اس سے کوئی فعل سرزد نہیں ہوا جس سے وہ قتل کے لائق ٹھہرتا۔"(۱۵۴) اور واقعہ یہ ہے کہ مسیح تو اپنے مواعظ اور گفتگو میں علی الاعلان کہا کرتے تھے: "جو قیصر کا ہے قیصر کو' اور جو خدا کا ہے خدا کو دو۔"(۱۵۵) پھر یہ دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے کہ "وہ اپنی قوم کو بہکاتے اور قیصر کو خراج دینے سے منع کرتے" تھے؟

جہاں تک دوسرے الزام یعنی خدا کا بیٹا کہلانے کا تعلق ہے' پانچویں باب کی فصل "ابن اللہ اور خدا" میں واضح ہو چکا ہے کہ عہد نامہ قدیم و جدید میں متعدد افراد کے متعلق یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں' اور یہ کوئی ایسا جرم نہ تھا جس کی وجہ سے انہیں صلیب دی جاتی۔ یہ بات بھی بتائی جا چکی ہے کہ (اگر خدا کا بیٹا کہلانا جرم تھا بھی' تو) مسیح کا اپنی ذات کے لئے ان الفاظ کا استعمال کرنا صحیح طور پر ثابت بھی نہیں ہوتا۔ بہرحال اگر صرف بحث کی خاطر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مسیح نے خود کو کسی خاص معنی میں "خدا کا بیٹا" کہہ کر جرم اور "کفر بکنے"

۱۵۱۔ یوحنا ۱۸ : ۳۶

۱۵۲۔ ایضا ۱۹ : ۷۔ نیز : متی ۲۶ : ۶۳ - ۶۶

۱۵۳۔ یوحنا ۱۹ : ۴ - ۷

۱۵۴۔ لوقا ۲۳ : ۱۴ - ۱۵

نیز دیکھئے: مرقس ۱۵ : ۱۴' متی ۲۷ : ۱۷۔ ۱۸

۱۵۵۔ متی ۲۲ : ۲۱

(blasphemy) کا ارتکاب کیا تھا تو بھی یہودی مذہب و دستور کے مطابق اس کی سزا رومی حکام نہیں، بلکہ خود یہودیوں کو دینا چاہئے تھی- یہ تو مانا جاسکتا ہے کہ وہ امن و امان اور انتظامی مسئلہ ہونے کی وجہ سے رومی حکام کی اجازت کے محتاج تھے،(۱۵۶) مگر ان کے مذہبی اصول کا تقاضا یہی تھا کہ ایک تو سزا خود دیں، اور دوسرے یہ سزا سنگساری کی شکل میں ہو، جیسا کہ عہد نامہ قدیم میں کہا گیا تھا: "اور وہ جو خداوند کے نام پر کفر بکے ضرور جان سے مارا جائے- ساری جماعت اسے قطعی سنگسار کرے-"(۱۵۷) اگر مسیح کے جلد ہی بعد ایک جوشیلے مسیحی ستفنس (Stephen) کو یہودیوں نے خود سنگسار کیا،(۱۵۸) تو وہ مسیح کو بھی خود سنگسار کر سکتے تھے-

جب مسیح نے کوئی ایسا جرم ہی نہیں کیا جس کی وجہ سے رومی یا یہودی قانون انہیں صلیب پر لٹکا سکتا تھا، تو وہ بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے جس پر صلیب کی کہانی کھڑی کی گئی-

(۶) ہم اوپر بیان کر چکے ہیں (حوالہ نمبر ۱۴۸) کہ مسیح نے اپنے تکلیف اٹھانے کی پیشگوئی تو کی، مگر صلیب پانے کی نہیں- ممکن ہے عیسائی اس کی تردید میں کہیں کہ مسیح نے مخالفین کی طرف سے نشان طلب کرنے پر پیش گوئی کی تھی: "اس زمانہ کے برے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں- مگر یوناہ نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان نہ دیا جائے گا- کیونکہ جیسے یوناہ نبی تین سات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا، ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا-"(۱۵۹) عہد نامہ قدیم سے بھی اس بات کی

۱۵۶۔ یوحنا ۱۸ : ۳۱ "ہمیں روا نہیں کہ کسی کو جان سے ماریں-"

تاہم اسی آیت کے مطابق رومی حاکم پیلاطس نے انہیں "اپنی شریعت کے مطابق فیصلہ" کرنے کا اختیار دے دیا تھا۔

۱۵۷۔ احبار ۲۴ : ۱۶

۱۵۸۔ اعمال ۷ : ۵۷ - ۵۹

۱۵۹۔ متی ۱۲ : ۳۹ - ۴۰

تصدیق ہوتی ہے کہ "یوناہ (یونس) تین دن رات مچھلی کے پیٹ میں رہا۔"(۱۶۰) اور یہودیوں نے پیلاطس سے "مسیح کی قبر" کی نگرانی بھی "تیسرے دن تک" کرنے کو کہا۔(۱۶۱) لیکن کیا "ابن آدم" یعنی مسیح تین رات دن زمین کے اندر رہے؟ اناجیل کے مطابق مسیح کو "تیاری کے دن جو سبت (ہفتہ) سے ایک دن پہلے ہوتا ہے"(۱۶۲) یعنی جمعہ کے روز صلیب دی گئی (اسی لئے اس کی یاد میں ایسٹر کا مقدس جمعہ (Good Friday) منایا جاتا ہے)۔ سبت گذرنے کے بعد ہفتہ (week) کے پہلے دن یعنی اتوار کو "بہت سویرے" کچھ عورتیں قبر پر آئیں' تو انہوں نے اسے خالی دیکھا۔(۱۶۳) اس حساب سے مسیح کے "زیرزمین" رہنے کی مدت زیادہ سے زیادہ دو رات اور ایک دن (جمعہ کے بعد کی رات' ہفتہ کا دن اور ہفتہ کی رات) بنتی ہے' نہ کہ تین دن رات۔ اس سے یا تو مسیح کی مذکورہ بالا پیش گوئی غلط ثابت ہوتی ہے' اور یا یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح کا صلیب بنانا غلط طور پر مشہور ہو جانے اور یہ عقیدہ بن جانے کے بعد انجیل نگاروں نے یہ پیش گوئی مسیح سے منسوب کی۔ اور اناجیل کے بہت سے دوسرے تضادات کی طرح اس پر غور نہیں کیا کہ عہد نامہ عتیق (کتاب یوناہ) سے کھینچ تان کر کے جو پیش گوئی انہوں نے مسیح سے منسوب کی ہے' وہ ان کے اپنے بیانات کی روشنی میں درست بھی ثابت ہوتی ہے یا نہیں۔ غرض مذکورہ پیش گوئی کا حقائق سے تضاد ثابت کرتا ہے کہ یہ مسیح کا قول ہی نہیں' اور نہ اس کے ذریعہ انہوں نے اپنے صلیب پانے کی پیش گوئی کی ہے۔

(۷) مسیح کی مزعومہ موت کے بعد مبینہ تدفین کی شہادت بھی واضح نہیں ہے۔ اناجیل کے مطابق "ارمتیہ کے رہنے والے یوسف" نے پیلاطس سے مسیح کی "لاش" مانگی'

۱۶۰۔ یوناہ ۱ : ۱۷
۱۶۱۔ متی ۲۷ : ۶۴
۱۶۲۔ مرقس ۱۵ : ۴۲
۱۶۳۔ مرقس ۱۶ : ۱ - ۶ ' لوقا ۲۴ : ۱ - ۶

اسے کفنایا' اور ایک چٹان میں کھودی گئی قبر میں رکھ کر قبر کے منہ پر پتھر لڑھکا دیا۔[۱۶۴] حواری حضرات اس موقع پر بھی قریب نہیں آئے۔ البتہ متی نے قبر کے سامنے دو عورتوں کا ذکر کیا ہے' اور یوحنا نے لکھا ہے کہ ارمتیہ کے یوسف اور ایک دوسرے شخص نیکدیمس نے لاش کو خوشبو وغیرہ لگا کر قبر میں رکھا۔[۱۶۵] گویا مسیح کی "موت" کے وقت کی طرح ان کی "تدفین" کے موقع پر بھی ان کے وہ شاگرد اور حواری موجود نہ تھے جو دن رات مسیح کے ساتھ رہتے اور انہیں اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے' اور جو یہ تصدیق کرنے کی پوزیشن میں تھے کہ اگر مذکورہ قبر میں کوئی لاش رکھی گئی ہے تو وہ کس کی ہے۔

(۸) مسیح کا "مرنا" اور مر کر "جی اٹھنا" دونوں آپس میں مربوط ہیں۔ اگر جی اٹھنا بغیر شک وشبہ کے ثابت ہو جائے تو مرنا خود بخود ثابت ہو جائے گا۔ مگر مرنے کی طرح جی اٹھنے کی شہادتیں بھی ناقص' متضاد اور ناقابل اعتبار ہیں۔ صلیب پا کر "مرنے" کی طرح "جی اٹھنا" بھی کسی شاگرد یا معتبر شخص نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ بلکہ "مرنے" کا منظر تو اناجیل کے بقول بعض عورتوں نے دور سے دیکھا' مگر جہاں تک "جی اٹھنے" کا تعلق ہے' اس مزعومہ واقعہ کو تو کسی نے بھی نہیں دیکھا۔ عقیدت مند عورتوں نے زیادہ سے زیادہ جو دیکھا وہ خالی قبر تھی۔ اور ہر عقل سلیم کا مالک جانتا ہے کہ قبر خالی ہونے کا لازمی مطلب "جی اٹھنا" نہیں ہوتا' بلکہ اس میں کئی اور احتمالات ہو سکتے ہیں۔ اگر کسی نے "قبر" کی جگہ خالی دیکھی' تو ممکن ہے اس میں موجود لاش (جس کسی کی بھی وہ تھی) کو بعض اپنے یا پرائے "چرا" کر لے گئے ہوں۔ چنانچہ خود بائبل نے اس امکان کا ذکر اس طرح کیا ہے:

"سردار کاہنوں ---- نے بزرگوں کے ساتھ جمع ہو کر مشورہ کیا اور (قبر کی نگرانی

۱۶۴۔ مرقس ۱۵ : ۴۲ - ۴۷ ' متی ۲۷ : ۵۷ - ۶۰ ' لوقا ۲۳ : ۵۰ - ۵۳۔

۱۶۵۔ متی ۲۷ : ۶۱ ' یوحنا ۱۹ : ۳۸ - ۴۰

کرنے والے) سپاہیوں کو بہت سارو پیہ دے کر کہا یہ کہہ دینا کہ رات کو جب ہم سو رہے تھے' اس کے شاگرد آکر چرا لے گئے --- اور یہ بات آج تک یہودیوں میں مشہور ہے۔"(۱۶۶)

غرض یہ کہ محض خالی قبر کو کسی تاریخی حقیقت یا اہم عقیدہ کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا' جبکہ اصل واقعہ (جی اٹھنے) کو کسی نے نہیں دیکھا' جیسا کہ محققین نے اعتراف کیا ہے:

(An) event.... which, however, no eye saw.

"البتہ (جی اٹھنے) کا یہ واقعہ کسی آنکھ نے نہیں دیکھا۔" (۱۶۷)

پھر اس امر میں بھی کئی اختلافات و تضادات ہیں کہ قبر کے خالی نظر آنے والا واقعہ کا شاہد کون ہے' اور اس نے اور وہاں کیا دیکھا۔ مثلاً:

(الف) لوقا نے دیکھنے والوں میں "گلیل کی عورتوں" کو شمار کیا ہے۔ باقی دو اناجیل متوافقہ (متی اور مرقس) نے بھی ایک سے زیادہ نام گنوائے ہیں۔ مگر یوحنا کے مطابق صرف مریم مگدلینی اکیلی گئی' اور اس نے قبر کو خالی پایا۔" (۱۶۸)

(ب) لوقا کے مطابق "دو شخص براق پوشاک پہنے ان (عورتوں) کے پاس آکھڑے ہوئے۔" وہ ان سے باتیں کرتے ہیں اور مسیح کی "مصلوب ہونے کی پیش گوئی" یاد دلاتے ہیں' مگر حواریوں کے لئے کوئی پیغام نہیں دیتے۔(۱۶۹) اس کے برعکس مرقس کے مطابق' وہ "ایک جوان کو سفید جامہ پہنے" دیکھتی ہیں' اور وہ انہیں کہتا ہے کہ شاگردوں کو بتادیں کہ تم اسے گلیل میں دیکھو گے۔ (۱۷۰)

(ج) مرقس کے بیان کے مطابق "انہوں (عورتوں) نے کسی سے کچھ نہ کہا۔ کیونکہ وہ ڈرتی

۱۶۶۔ متی ۲۸ : ۱۱ - ۱۵

(167) Adolf Harnack: History of Dogma, (London, 1961), vol. 1, p. 85;

Adolf Harnack: What Is christianity, p. 164.

۱۶۸۔ دیکھئے: حوالہ نمبر ۱۳۹۔

۱۶۹۔ لوقا ۲۴ : ۴ وما بعد۔

۱۷۰۔ مرقس ۱۶ : ۵ - ۷

تھیں۔" جبکہ لوقا کے مطابق، قبر سے لوٹ کر انہوں نے ان گیارہ (حواریوں) اور باقی سب لوگوں کو ان سب باتوں کی خبر دی۔" (۱۷۱)

(د) مرقس اور لوقا کے مطابق، انہوں نے قبر والی چٹان میں داخلہ سے پہلے چٹان کے منہ پر رکھے ہوئے بھاری پتھر کو "لڑھکا ہوا پایا۔" مگر متی کے مطابق، جب وہ "قبر کو دیکھنے آئیں --- ایک بڑا بھونچال آیا، کیونکہ خداوند کا فرشتہ آسمان سے اترا اور پاس آکر پتھر کو لڑھکا دیا اور اس پر بیٹھ گیا۔" (۱۷۲)

(ہ) متی اور یوحنا کے مطابق، وہ خوشی سے شاگردوں کو خبر دینے دوڑیں۔ مگر مرقس کے مطابق، انہوں نے ہیبت اور ڈر کے مارے کسی سے کچھ نہ کہا۔ (۱۷۳)

عیسائی بے شک ان تضادات کو "معمولی" سمجھ کر نظر انداز کر دیں۔ مگر یہ واضح تضادات صاف چغلی کھاتے ہیں کہ انجیل نگاروں نے مسیح کے مرنے اور جینے کے مبینہ واقعات نہ خود دیکھے ہیں، اور نہ چشم دید گواہوں سے سن کر لکھے ہیں۔ انہوں نے صرف عوام میں پھیلے ہوئے بعض قیاسات و توہمات کو الفاظ کا جامہ پہنا دیا ہے۔ اور کوئی بھی غیر جانبدار فرد یا عدالت ان تضادات کے ہوتے ہوئے متعلقہ واقعات پر یقین نہیں کر سکتی۔

(۹) کسی نے مسیح کو "جی اٹھتے ہوئے" تو نہیں دیکھا، مگر کیا جی اٹھنے کے بعد انہیں دیکھا گیا؟ عیسائی کہتے ہیں بہت لوگوں نے دیکھا۔ مگر مزعومہ واقعات کی یہ کڑی بھی شبہ اور تضادات سے خالی نہیں:

(الف) انجیل متی و مرقس کے مطابق، وہ "پہلے مریم مگدلینی کو، جس میں سے اس نے سات بدروحیں نکالی تھیں" دکھائی دیا۔ جبکہ بقول لوقا، انہیں سب سے پہلے دو عام مسافر دیہاتیوں نے دیکھا۔ (۱۷۴)

۱۷۱۔ مرقس ۱۶ : ۸، لوقا ۲۴ : ۹

۱۷۲۔ مرقس ۱۶ : ۴، لوقا ۲۴ : ۲، متی ۲۸ : ۱ - ۲

۱۷۳۔ متی ۲۸ : ۸، یوحنا ۲۰ : ۱۸

۱۷۴۔ متی ۲۸ : ۱، ۲۸ : ۹، مرقس ۱۶ : ۹، لوقا ۲۴ : ۱۳ وما بعد۔

(ب) اناجیل بتاتی ہیں کہ بعد ازاں مسیح اپنے گیارہ خاص شاگردوں کو بھی نظر آئے- مگر انجیلوں کے بیانات یہاں بھی متضاد و متخالف ہیں- بقول متی' شاگرد انہیں گلیل کے ایک پہاڑ پر جاکر ملے' مگر "بعض نے شک کیا-" مرقس کے مطابق "وہ ان گیارہ کو جب وہ کھانے بیٹھے تھے دکھائی دیا' اور اس نے ان کی بے اعتقادی اور سخت دلی پر ان کی ملامت کی-"

لوقا کے بیان کے مطابق' مذکورہ دیہاتیوں نے شاگردوں کو بتایا کہ انہوں نے مسیح کو دیکھا ہے- اور "وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ یسوع آپ ان کے بیچ میں آ کھڑا ہوا اور ان سے کہا تمہاری سلامتی ہو --- کس واسطے تمہارے دل میں شک پیدا ہوتے ہیں-" اور یوحنا کا بیان ہے کہ مزعومہ تصلیب اور "جی اٹھنے" کے بعد "ہفتہ کے پہلے دن" (اتوار) کو شام کے وقت' جب شاگرد یہودیوں کے ڈر سے ایک جگہ بند تھے' مسیح اچانک ان کے "بیچ میں کھڑا ہوا" --- اس نے اپنے ہاتھوں اور پسلی کو انہیں دکھایا --- پس شاگرد خداوند کو دیکھ کر خوش ہوئے-" یوحنا ان کے شک اور بداعتقادی کا ذکر نہیں کرتا۔ صرف ایک شاگرد توما کے شک کا ذکر کرتا ہے' جو موقع پر موجود نہ تھا- مگر آٹھ روز بعد پھر بند دروازوں کے اندر ظاہر ہو کر مسیح نے اس کا شک بھی دور کر دیا- (۱۷۵)

یہ تضادات بھی صاف ظاہر کرتے ہیں کہ اناجیل نے محض عوامی ضعیف الاعتقادی کو زبان دے دی ہے- اور جب ہم انجیل نگاروں کے باہم متضاد بیانات سے آگے بڑھ کر مسیح کی "بعد از مرگ رؤیت" کے متعلق پولس کا بیان دیکھتے ہیں تو وہ سب سے الگ اور مختلف نظر آتا ہے' اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح کے بارے میں عوام میں طرح طرح کی خوش خیالیاں اور توہمات پیدا ہو چکے تھے' جنہیں عیسائی مقدسین نے تحقیق و تفتیش کے تکلف کے بغیر کتاب مقدس میں جگہ دے دی- پولس لکھتا ہے: "مسیح کتاب مقدس کے مطابق ہمارے گناہوں کے لئے مؤا اور دفن ہوا' اور تیسرے دن کتاب مقدس کے مطابق جی اٹھا- اور کیفا کو اور اس کے بعد ان بارہ کو دکھائی دیا- پھر پانچ سو سے زیادہ بھائیوں کو ایک ساتھ دکھائی دیا- پھر

۱۷۵۔ متی ۲۸:۱۶-۱۷' مرقس ۱۶:۱۴' لوقا ۲۴:۳۶ - ۳۸' یوحنا ۲۰:۱۹' ۲۰ : ۲۵ وما بعد۔

یعقوب کو دکھائی دیا' پھر سب رسولوں اور سب سے پیچھے مجھ کو--------"(۱۷۶)

اس عبارت میں پولس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مسیح پہلے کیفا یعنی پطرس کو نظر آئے' پھر بارہ شاگردوں کو (حالانکہ یہوداا سکریوتی کی غداری کے بعد شاگرد گیارہ رہ گئے تھے)' اور پھر پانچ سو کو' اور پھر یعقوب کو- مگر اناجیل میں یہ واقعات کہیں مذکور نہیں ہیں- جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پولس نے افواہوں اور کہانیوں پر یقین کر کے یہ بات لکھی- جہاں تک اس کی اپنی رؤیت کا تعلق ہے ہم اس پر تیسرے باب کی فصول "پولس کے حالات" اور "پولس کے مکاشفات" میں سیر حاصل بحث کر چکے ہیں- یہاں یہی کہنا کافی ہو گا کہ پولس کی یہ "رؤیت" نہ تو مسیح کے "جی اٹھنے" کے فوراً بعد کی ہے کہ اسے جی اٹھنے کے ثبوت کے طور پر پیش کیا جا سکے' اور نہ وہ ان کے ساتھ رہا یا چلا پھرا تھا کہ انہیں ٹھیک سے پہچان سکے- اس لئے اسے بھی کافی اور مضبوط شہادت کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا-

(۱۰) مسیح کے "مصلوب ہونے" اور مرنے کے بعد "جی اٹھنے" کی ان نام نہاد شہادتوں کے سلسلہ میں ایک اور اہم اور بنیادی بات بھی قابل ذکر ہے- اناجیل کی ساری تحریفات کے باوجود' ان میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ شاگردوں' حتیٰ کہ پولس' پر "ظاہر ہونے" کے مختلف واقعات میں مسیح نے اپنی زبان سے کہا ہو کہ وہ مصلوب ہوئے یا مر کر جی اٹھے ہیں- اناجیل متوافقہ کے مطابق انہوں نے زیادہ سے زیادہ ان شاگردوں کی "بے اعتقادی اور سخت دلی" پر انہیں ملامت کی اور کہا "مجھے چھو کر دیکھو کیونکہ روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی-" صرف یوحنا نے اپنے معمول کے مطابق مبالغہ سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے: "اس نے اپنے ہاتھوں اور پسلی کو انہیں دکھایا-"(۱۷۷) یہ کہہ کر گویا اس نے مسیح کے مصلوب ہونے کی تصدیق کی ہے- مگر مسیح کی زبان سے اس نے بھی انہیں کہلوایا کہ وہ صلیب پر مرے تھے اور پھر جی اٹھے ہیں-

---

۱۷۶۔ ا- کرنتھیوں ۱۵ : ۳ - ۸

۱۷۷ مرقس ۱۶ : ۱۴' لوقا ۲۴ : ۳۹' یوحنا ۲۰ : ۲۰

دراصل 'مصلوب ہو کر جی اٹھنے کا سارا افسانہ اس ایک یا دو فرشتوں یا" سفید جامہ والے جوان" سے منسوب ہے جو صرف مریم مگدلینی یا اس کی ساتھی عورتوں کو نظر آیا- یوحنا نے دعویٰ کیا ہے کہ مریم مگدلینی نے قبر کے مقام پر فرشتوں کے علاوہ مسیح کو بھی دیکھا (گو پہچانا نہیں)' اور ان سے گفتگو بھی کی - مگر اس گفتگو میں بھی انہوں نے اپنے مرنے اور دوبارہ اٹھنے کا ذکر نہیں کیا' صرف اپنے عنقریب "اوپر جانے" (صعود) کا ذکر کیا- اسی طرح انجیل متی کے بقول 'جب عورتیں قبر پر سے "فرشتہ" کی باتیں سن کر" شاگردوں کو خبر دینے دوڑیں" تو یسوع ان سے ملا- اس نے انہیں کہا: "ڈرو نہیں- جاؤ میرے بھائیوں سے کہو گلیل کو چلے جائیں' وہاں مجھے دیکھیں گے-" مگر یہاں بھی مسیح نے اپنے مرنے اور جی اٹھنے کا اپنی زبان سے دعویٰ نہیں کیا-[۱۷۸]

اب ایک یا چند ضعیف الاعتقاد عورتوں کے وہم پر اتنے بڑے واقعہ اور عقیدہ کی بنیاد کس طرح رکھی جا سکتی ہے' جبکہ ان کے بیانات میں مذکورہ بالا متعدد اختلافات و تضادات بھی موجود ہیں ؟

(۱۱) "مرنے" اور "جی اٹھنے" کی طرح اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ "جی اٹھنے" کے بعد مسیح کہاں گئے اور کب گئے ؟ ان اختلافات کو ہارنیک نے خوب واضح کیا ہے-[۱۷۹]
انجیل لوقا سے مسیح کا یہ خیال ظاہر ہوتا ہے کہ وہ "صلیب پانے" کے دن ہی فردوس میں ہوں گے - مگر یہی لوقا اپنی ہی بات کو بھول کر اس سے اگلے باب میں لکھتا ہے کہ مسیح "تیسرے دن جی اٹھنے" کے بعد دیہاتیوں کو' اور پھر حواریوں کو نظر آئے' اور ان سے بات چیت کے بعد انہیں برکت دی- اور "جب وہ انہیں برکت دے رہا تھا' تو ایسا ہوا کہ ان سے جدا ہو گیا اور آسمان پر اٹھایا گیا-" اس کے برعکس کتاب اعمال کے مطابق وہ جی اٹھنے کے چالیس روز بعد تک حواریوں کو ملتا رہا' اور اس کے بعد "ان کو

۱۷۸- متی ۲۸ : ۵ - ۱۰' مرقس ۱۶ : ۶ - ۷' لوقا ۲۴ : ۵ وما بعد' یوحنا ۲۰ : ۱۰ - ۱۷-

179. Adolf Harnack: History of Dogma, p. 211f.

دیکھتے دیکھتے اوپر اٹھالیا گیا- اور بدلی نے اسے ان کی نظروں سے چھپالیا-"(۱۸۰) بقول ہارنیک' بعض عیسائی اس بات کے بھی قائل رہے ہیں کہ مسیح کا آسمان کی طرف صعود' جی اٹھنے کے اٹھارہ ماہ بعد' اور بعض کے مطابق گیارہ سال بعد ہوا- (۱۸۱)

یاد رہے اس معاملہ میں ہمارا موقف یہ نہیں کہ مسیح آسمان پر نہیں گئے- ہم صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اناجیل کے بیانات یہاں بھی مختلف ہیں' اور ان اختلافات کی وجہ سے صعود کے ان بیانات کو "مر کر جی اٹھنے" کی حتمی دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا-

(۱۲) مسیح کے "مر کر جی اٹھنے" کا معاملہ تضادات' اختلافات' قیاسات اور توہمات پر مبنی ہونے کی وجہ سے شروع ہی سے شک و ارتیاب کا باعث بنا رہا- (۱۸۲) بعد میں اگرچہ پولس اور اس کے ہم خیالوں کی تبلیغ و اشاعت اور کلیسیا کی عالمی کونسلوں کے فیصلوں نے اسے عیسائیت کا جزو لاینفک بنا دیا' مگر ابتداء میں کیفیت یہ تھی کہ خود حواری بھی اس پر شک کرتے تھے- چنانچہ جب مریم مگدلینی اور اس کی ساتھی عورتوں نے حواریوں کو قبر خالی ہونے اور "براق پوشاک" والے دو اشخاص کی باتوں کی اطلاع دی' تو "یہ باتیں انہیں کہانی سی معلوم ہوئیں اور انہوں نے ان کا یقین نہ کیا-"(۱۸۳)

ان دو شخصوں کی بات بھی عجیب ہے- لوقا ایک طرف تو یہ بتاتا ہے کہ وہ اچانک عورتوں کے پاس آ کھڑے ہوئے' اور انہیں بتایا کہ مسیح جی اٹھا ہے' اور دوسری طرف' اسی باب میں تھوڑا ہی آگے چل کر دیہاتیوں کی زبانی ان عورتوں کا قول نقل کرتا ہے کہ "ہم نے رؤیا میں فرشتوں کو بھی دیکھا- انہوں نے کہا وہ زندہ ہے-" (۱۸۴) گویا اس موقع پر مسیح کو تو انہوں نے سرے سے دیکھا ہی نہیں' اور فرشتوں کو بھی حقیقت میں نہیں بلکہ رؤیا اور

۱۸۰- لوقا ۲۳: ۴۳' ۲۴: ۵۱' اعمال ۱: ۲- ۳' ۹-
181. Adolf Harnack: op. cit., p. 204.
182. The "Religion", London, vol. 14 (January, 1984), p. 74.
۱۸۳- لوقا ۲۴: ۱۱' مرقس ۱۶: ۱۱' ۱۶: ۱۴-
۱۸۴- لوقا ۲۴: ۲۳

خیال کے عالم میں دیکھا ہے- اور فی الحقیقت مسیح کے مختلف ظہور بھی جن کی رؤیت کا دعویٰ کیا گیا ہے' اسی قبیل سے ہیں- انجیل یوحنا کے بقول وہ "بند دروازوں" کے اندر اچانک آ موجود ہوتے ہیں-(۱۸۵) اور انجیل لوقا کے مطابق پہچانے جانے کے ساتھ ہی "نظر سے غائب" ہو جاتے ہیں-(۱۸۶) مرنے کے بعد مسیح کے ظہور کو حقیقت کا رنگ دینے کے لئے انہیں شاگردوں کے ساتھ کھاتا پیتا بھی دکھایا گیا ہے-(۱۸۷) مگر ایک طرف کھانے پینے اور دوسری طرف نظر سے غائب ہو جانے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا' بلکہ ایک نیا تضاد پیدا ہوتا ہے- اور جہاں تک پہچاننے کا تعلق ہے' ان کے قریب ترین ساتھی بھی ان کے ظہور کے وقت انہیں آسانی سے پہچان نہ سکے- مثلاً مریم مگدلینی انہیں باغبان سمجھتی ہے- حتیٰ کہ ان کے "تیسرے ظہور" کے موقع پر بھی "شاگردوں نے نہ پہچانا کہ یسوع ہے-" (۱۸۸)

خلاصہ یہ کہ مسیح کی تصلیب' تدفین' قیامت (جی اٹھنا)' رؤیت' اور ظہور کے تمام انجیلی بیانات بیسیوں تضادات' اختلافات اور شبہات سے پوری طرح گھرے ہوئے ہیں' اور ان کے ہوتے ہوئے یہ مبینہ "واقعات" فی الحقیقت توہمات' قیاسات اور عوامی خوش عقیدگی سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتے- بلکہ ان سے قرآن کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے:

﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾

"اور انہوں نے اسے نہ تو قتل کیا اور نہ صلیب دیا' بلکہ وہ شبہ میں ڈالے گئے-"

یعنی انہوں نے مسیح کے بدلے کسی اور کو (جو غالباً ان کا ہم شکل تھا یا بنایا گیا تھا) صلیب دے دی- (۱۸۹)

۱۸۵۔ یوحنا ۲۰ : ۱۹' ۲۶

۱۸۶۔ لوقا ۲۴ : ۳۱

۱۸۷۔ لوقا ۲۴ : ۴۱ - ۴۳' یوحنا ۲۱ : ۹ - ۱۲

۱۸۸۔ یوحنا ۲۰ : ۱۵' ۲۱ : ۴

۱۸۹۔ القرآن 157:4- "شبہ میں ڈالے گئے" کی مفصل وضاحت کے لئے دیکھئے: "شھادۃ القرآن" از حافظ محمد ابراھیم میرؒ سیالکوٹی (مطبوعہ ۱۹۵۸ء)' ج ۱' ص ۴۳ و مابعد-

انجیل نگاروں نے عہد عتیق کی بعض آیات خصوصاً "مزامیر" کے کچھ جملوں کو جو حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے حالات و ظروف کے مطابق ادا کئے اور جو قطعاً پیش گوئی کے رنگ میں نہیں ہیں، مسیح پر گذرنے والے مبینہ واقعات (مثلاً تصلیب سے پہلے سپاہیوں کا ان کے کپڑے آپس میں بانٹنا، ان کا پیاسا ہونا، ٹانگوں کی ہڈی کا توڑا نہ جانا اور پہلو چھیدنا)(۱۹۰) پر زبردستی چسپاں کر کے انہیں پیش گوئی کا رنگ دیا ہے- اگر عہد عتیق کے ایسے مقولوں کو پیش گوئی کا رنگ دیا جا سکتا ہے، تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ عہد عتیق خصوصاً مزامیر و زبور کے بہت سے دوسرے جملے، مسیح کے صلیب اور موت سے صاف بچ نکلنے کے قرآنی اعلان کی تصدیق اور پیش گوئی کرتے ہیں- مثلاً:

"اے خداوند مجھ پر رحم کر! تو جو موت کے پھاٹکوں سے مجھے اٹھاتا ہے-"

اور: "اس نے تجھ سے زندگی چاہی اور تو نے بخشی-"

"مصیبت کے دن خداوند تیری سنے--- اب میں جان گیا کہ خداوند اپنے ممسوح کو بچا لیتا ہے-"

"صادقوں کی نجات خداوند کی طرف سے ہے--- مصیبت کے وقت وہ ان کا محکم قلعہ ہے- اور خداوند ان کی مدد کرتا اور ان کو بچا لیتا ہے- وہ ان کو شریروں سے چھڑاتا اور بچا لیتا ہے- اس لئے کہ انہوں نے اس میں پناہ لی ہے-"

اور جس مزمور سے انجیل یوحنا میں کپڑے بانٹے جانے کی پیشگوئی نقل کی گئی ہے، اسی میں ہے: "اے یعقوب کی اولاد! اب اس کی تمجید کرو- کیونکہ اس نے نہ مصیبت زدہ کی مصیبت کو حقیر جانا نہ اس سے نفرت کی- نہ اس سے اپنا منہ چھپایا- بلکہ جب اس نے خدا سے فریاد کی تو اس نے سن لی-"

پھر ایک اور مزمور میں ہے:

"میرا توکل خدا پر ہے- میں ڈرنے کا نہیں- انسان میرا کیا کر سکتا ہے- اے خدا تیری

۱۹۰- یوحنا ۱۹: ۲۴، ۲۸، ۳۶، ۳۷

منتیں مجھ پر ہیں - میں تیرے حضور شکر گذاری کی قربانیاں گذاروں گا کیونکہ تو نے میری جان کو موت سے چھڑایا۔"(۱۹۱)

اس طرح دلائل و شواہد کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ جب خدا کے "ممسوح" نے مصیبت کے وقت اس سے دعا اور فریاد کی تو خدا نے انہیں ذلت اور "لعنت" کی موت سے بچالیا- ان کی تصلیب' قیامت اور ظہور کے سارے قصے غلط فہمی پر مبنی ہیں- نہ انہوں نے انسانی گناہوں کی معافی کے لئے اس طرح کی کوئی قربانی دی اور نہ خدا اس کا محتاج اور پابند ہے کہ ایسی قربانی کے بغیر گناہ معاف نہ کر سکے- اس کا فضل اس کے عدل پر حاوی ہے اور اس کی حکمت اور انصاف اس سے بہت بلند ہے کہ گناہ گاروں کے بدلے ایک معصوم جان قربان کر دے- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے پہلے بھی اصول مغفرت ایمان' عمل' پابندی شریعت' توبہ اور فضل تھے- اور ان کی آمد کے بعد بھی ان اصولوں کو تبدیل کر کے مغفرت کا ایک بالکل نیا اور مختلف معیار (ساری انسانیت کے لئے ایک معصوم کا کفارہ) مقرر کرنے کا نہ تو کوئی جواز تھا اور نہ اس کی ضرورت تھی-

۱۹۱- زبور ۹. ۱۳' ۲۱: ۴' ۲۰. ۱-۶' ۳۷: ۳۹-۴۰' ۲۲: ۲۳-۲۴' ۵۶: ۱۱-۱۳.

باب ہفتم

بائبل کی ترتیب و تدوین

گذشتہ ابواب میں ہم نے جا بجا "کتاب مقدس" بائبل کے حوالے دیئے ہیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی اس کے حوالے دیئے جائیں گے۔ اس لئے کہ بائبل ہی عیسائیوں کی بنیادی اور معتبر کتاب ہے۔ جب تک یہ ان کے نزدیک قابل استناد رہے گی' اس کے حوالے تو دیئے جائیں گے۔ مگر اس کے ساتھ اب ہمیں یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ غیر جانبدارانہ نقطہ نظر سے یہ کتاب کہاں تک واقعی قابل استناد اور الہامی کہلانے کی مستحق ہے۔ اس سلسلہ میں ہم موجودہ اور آئندہ ابواب میں اس کی ترتیب و تدوین' اس کے تناقضات و تضادات اور اس کی تعلیم و تہذیب کا جائزہ لیں گے۔

بائبل کیا ہے؟

مسیحی کتاب مقدس بائبل کے دو بڑے حصے ہیں۔ پہلے کو پرانا عہد نامہ' عہد نامہ قدیم یا عہد عتیق کہا جاتا ہے' اور دوسرے کو نیا عہد نامہ یا عہد جدید۔ پرانا عہد نامہ یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کے نزدیک مقدس اور الہامی کتاب ہے (عام طور پر اسے "تورات" بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ مگر اصلاً تورات اس کا ایک حصہ ہے' جیسا کہ اگلی فصل بعنوان "عہد نامہ قدیم" کے آخر میں واضح کیا گیا ہے)۔ جبکہ نیا عہد نامہ یا انجیل خالصتاً عیسائیوں کی مقدس کتاب ہے۔[1] گویا عہد عتیق' خدا اور اس کی "منتخب قوم یہود" کے درمیان' اور عہد جدید' خدا اور بنی اسرائیل یا (عیسائیوں کے خیال کے مطابق) عام انسانیت سے خدا کے میثاق' عہد' قانون اور شریعت کو

1. Encyclopaedia Americana, vol. 3, p. 612.

کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ عہد اور قانون جو اس نے اپنے انبیاء اور مقدسین کی معرفت بنی اسرائیل یا انسان پر عائد کیا۔ [۲]

گذشتہ ابواب کے مطالعہ سے قارئین پر واضح ہو گیا ہو گا کہ توحید اور تثلیث اور توبہ و کفارہ وغیرہ کے اہم اور بنیادی مسائل میں عہد عتیق و جدید میں بعد المشرقین پایا جاتا ہے۔ اس کے باوجود عیسائیوں کا اصرار ہے کہ بائبل کے یہ دونوں حصے مقدس اور الہامی ہیں اور نیا عہد نامہ 'پرانے کی "تکمیل" ہے۔ [۳]

عہد نامہ قدیم

تمام عیسائی پرانے عہد نامہ کے مشمولات پر متفق نہیں۔ پروٹسٹنٹ فرقوں کے عیسائی عہد قدیم کے انہی انتالیس (۳۹) صحائف و کتب کو معتبر و مقدس مانتے ہیں جو یہودیوں کے نزدیک معتبر اور الہامی ہیں۔ جبکہ رومن کیتھولک' اینگلی کان اور مشرقی کلیسیا سے متعلق عیسائی' کچھ مزید کتابوں کو مقدس اور پرانے عہد نامہ کا ضروری حصہ تصور کرتے ہیں۔ [۴] اول الذکر گروہ (یہودیوں اور پروٹسٹنٹ عیسائیوں) کے نزدیک یہ زائد کتابیں غیر مستند' غیر الہامی اور متروک ہیں' اور وہ انہیں اپوکریفہ (Apocrypha) یعنی عام لوگوں سے مستتر اور "پوشیدہ" دستاویزوں کا نام دیتے ہیں۔ [۵] بعض پروٹسٹنٹ کلیسیائیں (چرچ آف انگلینڈ اور لوتھری) انہیں "چال چلن کے نیک نمونے اور اخلاق کی درستی کے لئے" انفرادی طور پر پڑھنے کی اجازت تو دیتی ہیں' مگر عقائد کے ثبوت کے طور پر

۲۔ قاموس الکتاب' ص۔ ۶۷۱

3. K.A. Dickson: The History And Religion of Israel, London, 1976, pp. 10-11.

4. Encyclopaedia Americana, vol. 3,p. 612.

5. E.H. Palmer: The Encyclopaedia of Christianity, Wilmington, Delaware, 1964, p. 307.

قاموس الکتاب' ص۔ ۱۸

اور عام کلیسیائی محفلوں میں ان کی کوئی اہمیت نہیں۔[6] اس کے باوجود ان میں سے بعض کتابیں پروٹسٹنٹ عیسائیوں کی مستند "کنگ جیمز بائبل" میں ۱۶۲۸ء تک شامل رہیں۔[7] جبکہ مشرقی کلیسیا (Eastern Orthodox Church) اپنی ایک مجلس منعقدہ ۱۶۷۲ء کے فیصلہ کے مطابق ان میں سے باروخ اور مکابیوں کی کتاب کو الہامی تسلیم نہیں کرتا۔[8]

ان زائد اور "پوشیدہ" کتابوں کی تعداد میں بھی خاصا اختلاف ہے۔ رومن کیتھولک فرقہ کی مستند بائبل میں مذکورہ متفقہ ۳۹ کتابوں کے علاوہ اپوکریفہ کی سات کتابیں شامل کر کے '۴۶ کتب پر مشتمل پرانے عہد نامہ کو مستند و الہامی قرار دیا گیا ہے۔[9] مگر بائبل کے بعض قدیم نسخوں ' مثلاً ایک مشہور نسخہ موسوم بہ "نسخۂ سکندریہ" (Codex Alexandrinus) کے مطابق' پرانے عہد نامہ میں چھیالیس کی بجائے پچاس کتابیں شامل ہیں۔[10] جبکہ انسائیکلوپیڈیا امریکانا کے مطابق 'بہت سے غیر پروٹسٹنٹ عیسائی چودہ (اور بعض بیانات کے مطابق) اس سے بھی زیادہ کتابوں کو' جو پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے نزدیک اپوکریفہ میں شامل ہیں' مستند مانتے ہیں۔ اور انہیں اپوکریفہ کا حصہ تسلیم نہیں کرتے۔[11]

اپوکریفہ کا معاملہ مختلف عیسائی فرقوں اور بائبل کے پرانے نسخوں میں باہمی تضادات اور کتابوں کی تعداد تک ہی محدود نہیں' بلکہ اس کی بعض آیات کے بارے میں بھی بنیادی اختلافات موجود ہیں۔ مثلاً آستر (آستیر) کی کتاب' پروٹسٹنٹ اور کیتھولک دونوں اپنی اپنی بائبل میں شامل کرتے ہیں' مگر کیتھولک بائبل کے مطابق اس کتاب میں پروٹسٹنٹ بائبل کی نسبت ایک سو کے قریب آیات زائد ہیں' جبکہ یہ زائد آیات پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے

6. Palmer's Encyclopaedia of Christianity, p. 307.
Also see: E.J.Goodspeed: The Apocrypha (Chicago, 1938).
قاموس الکتاب' ص۔ ۱۸' ۱۲۱
7. Roddy and Sellier : In Search of Historic Jesus, p. 12.
8. Encyclo. Brit. (1962), vol. 3, p 577.
9. The Holy Bible, RSV (Revised Standard Version), Catholic Edition, London, 1966, p. vi, ix.
10. F.G. Bratton: A History of the Bible, London, 1961, p. 99.
۱۱۔ امریکانا' حوالہ مذکور۔

نزدیک اپوکریفہ کا حصہ ہیں۔ (۱۲)

پرانے عہد نامہ کی کتابوں اور آیات میں یہ اختلاف زیادہ تر یہودیوں کی کتب مقدسہ کے قدیم یونانی ترجمہ پر مبنی ہیں' جو "ہفتادی ترجمہ" یا نسخہ سبعینہ (Septuagint) کے نام سے معروف ہے' اور جس میں قدیم عبرانی نسخہ کی نسبت کچھ زائد کتابیں شامل تھیں۔ یہی زائد کتابیں اپوکریفہ کہلائیں۔ (۱۳) آگے بڑھنے سے پہلے مناسب ہے کہ یہودی بائبل کے اس نسخہ کی تاریخ تدوین مختصراً بیان کر دی جائے۔ اس سے بائبل کے عام طریق تدوین کو سمجھنے میں بھی مدد ملے گی۔

سلیمان علیہ السلام کے بیٹے کے عہد میں یہود کے بارہ معروف قبائل میں سے دس بغاوت کر کے الگ ہو گئے' اور یہودیوں کی دو الگ اور متحارب سلطنتیں' یہوداہ (Judah) اور اسرائیل بن گئیں۔ ۷۲۲ ق م میں اسوریوں نے شمالی سلطنت اسرائیل (جسے اس کے پایہ تخت کے نام پر سامریہ Samaria بھی کہا جاتا ہے) پر حملہ کر کے اسے تاخت و تاراج کیا اور اسرائیلی قبائل کو قید کر کے لے گئے۔ ان میں سے کچھ مر کھپ گئے اور کچھ دوسری قوموں کا حصہ بن کر ہمیشہ کے لئے تاریخ عالم کی گمنام وادیوں میں کھو گئے' حتیٰ کہ اب ان کا سراغ ملنا مشکل ہے۔ (۱۴) بقیہ دو قبائل کی تباہی' بابل کے بادشاہ بخت نصر (نبوکدنضر) کے ہاتھوں دو مرتبہ خصوصاً ۵۸۶ ق۔م میں ہوئی۔ اس نے یہود کی مرکزی عبادت گاہ (مقدس ہیکل) کو تباہ و برباد کیا' مقدس کتابوں کو یکسر تلف کرایا اور قتل و غارت سے بچے ہوئے یہودیوں کو اسیر کر کے بابل لے گیا۔ پچاس سال کی اسیری کے بعد ایران کے بادشاہ کیخسرو (سائرس)

---

12. The Catholic Bible (RSV), 1966, p 448ff.
Also see: R.H. Pfeiffer:
History of N.T. (New Testament) Translations, with an Introduction to the Apocrypha, New York, 1949.
13. Encyclopaedia of Christianity, p. 309;
Encyclopaedia Americana, vol. 3, p. 612.
۱۴۔ ۱۔ سلاطین ۱۲ : ۱۹ - ۲۰ ' ۲۔ سلاطین ۱۷ : ۱۳ وما بعد۔
Also see: Roddy and sellier : op. cit., p. 24,
Boyd's Bible Dictionary, pp. 56, 82

نے انہیں رہائی دلائی اور اپنے وطن (فلسطین) جانے کی اجازت دی - تاہم بہت سے یہودی واپس جانے کی بجائے دوسرے ملکوں خصوصاً بابل اور مصر میں پھیل گئے -[۱۵] اسیری اور جلا وطنی کے زمانہ میں کتب مقدسہ ضائع ہو گئیں - فلسطین واپس آنے والے یہودیوں کے لئے ان کی واپسی کے تقریباً سو سال بعد (روایت کے مطابق) عبرانی نسخہ معروف یہودی عالم اور ربی عزرا (Ezra) (۴۵۸ ق۔م) نے مرتب کرایا' یا بعض بیانات کے مطابق اس کی تصحیح و تصدیق (verification) کی اور اسے قوم کے سامنے پیش کیا -[۱۶]

اگرچہ محققین نے عزرا کی جانب سے تورات یا پرانے عہد نامہ کے کسی نسخہ کی تیاری یا تصدیق کو "ایک بے بنیاد افسانہ" (pure legend) سے تعبیر کیا ہے - [۱۷]

اور اقرار کیا ہے کہ:

> There is no reliable record of the making of the O. T. canon.

"پرانے عہد نامہ کے مستند نسخہ کی تدوین کا کوئی قابل اعتماد ریکارڈ موجود نہیں۔"[۱۸]

تاہم یہودیوں کے زمانۂ اسیری کے بعد اگر عزرا یا کسی اور نے تورات کا کوئی عبرانی نسخہ تیار کیا بھی تھا' تو وہ بھی تاریخی تباہی اور ترجمہ در ترجمہ ہو کر اپنی اصلیت کھونے سے محفوظ نہ رہ سکا -

مزید برآں فلسطین میں واپس آنے والے اور دوسرے ملکوں میں بس جانے والے یہودیوں کی نئی نسلیں بڑی حد تک عبرانی سے ناآشنا ہو چکی تھیں - اس لئے ایک تو ان کے

۱۵' ۱۶۔ ۲-سلاطین ۲۴:۱۰-۱۷' ۲-تواریخ ۳۶:۱۳-۲۰' حزقی ایل ۱۶:۳۹-۴۰' ۲۳:۲۲-۲۵' یرمیاہ ۳۹:۱-۹' نحمیاہ ۸:۱ وما بعد۔

Also see : Jesus In His Time, by Daniel-Rops, p. 73;

Encyclo. Brit. (1962), vol, 9, p. 14.

Encyclopaedia Universalis, Paris, 1974,vol. 3, pp. 426ff.

17,18. American People's Encyclopaedia, vol. 3, p. 420.

لئے عبرانی متن کی بجائے مفصل ارامی ترجمہ (تارگوم یا تارجوم) کی ضرورت پیش آئی- اور دوسرے یونانی زبان میں کتب مقدسہ کی کیونکہ نئی نسلیں اب زیادہ تر اس زبان کو استعمال کرتی تھیں-[19] ادھر عزرا سے منسوب عبرانی نسخہ پر ۱۶۱ ق-م میں ایک اور تباہی آئی' جس میں یہ بھی ناپید ہو گیا- یہ اس طرح ہوا کہ سکندر یونانی کے جانشینوں میں سے ایک ظالم حکمران انطیوکس (Antiochus) نے یروشلم پر تسلط جمانے اور اس کی مرکزی عبادت گاہ کو لوٹنے کھسوٹنے کے بعد یہودی شریعت سے متعلق تمام مقدس کتابوں (The Books of Law) کو پھاڑا اور جلایا' اور انہیں پاس رکھنے کی سزا موت مقرر کی-[20] پھر حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے تقریباً ستر سال بعد عبرانی و یونانی ہر نوع کی بائبل پر تباہی و مصیبت روم کے بادشاہ طیطس (Titus) کے ہاتھوں آئی' جب ہیکل پھر برباد ہوا' ہزاروں لاکھوں یہودی قتل ہوئے اور گلیاں اور بازار مقتولین اور تباہ شدہ املاک سے بھر گئے-[21] ان تباہیوں نے اصل اور درست صحائف انبیاء کا وجود عملاً بالکل مٹا ڈالا-

یہودی روایات کے مطابق تورات کا یونانی ترجمہ تیسری صدی قبل مسیح میں شاہ مصر کی فرمائش پر ستر (یا بہتر) یہودی علماء نے کیا- اسی لئے اسے نسخہ سبعینہ یا ہفتادی نسخہ (Septuagint) کہا جاتا ہے-[22] اس میں عبرانی نسخہ کی ترجمہ شدہ کتابوں کے علاوہ دوسری مذہبی کتابیں بھی شامل ہوتی گئیں' جو فلسطینی یہودیوں کے نزدیک معتبر نہ تھیں- یہی کتابیں "اپوکریفہ" کہلائیں-[23]

پہلی صدی قبل مسیح تک ہفتادی نسخہ فلسطین میں بھی رائج ہو چکا تھا- چنانچہ اس زمانے

---

19. Jesus In His Time, p. 73.

۲۰- مکابیوں' باب اول' خصوصاً ۱ : ۵۶ - ۵۷

21. Flavius Josephus: Antiquities of the Jews, v: 11, x:3.

22-23. J.P. Boyd: Bible Dictionary, p. 85;

F.G. Bratton: History of the Bible, p. 100.

نیز دیکھئے: حاشیہ نمبر ۱۳-

کی عیسائی کلیسا نے بھی اسے ہی اپنایا۔[۲۴] یہی وجہ ہے کہ اپوکریفہ عیسائیوں کی مسلمہ بائبل کا حصہ بن گیا۔ چوتھی صدی میں جیروم (St.Jerome) نے ولگیٹ (Vulgate) (بمعنی "عوامی ترجمہ") کے نام سے بائبل کا جو لاطینی ترجمہ کیا' اس میں اسی کو بنیاد بنایا۔[۲۵] مگر اپوکریفہ کی کتابوں کا ترجمہ کرنے کے باوجود اس نے اس کے استناد کے بارے میں شبہ ظاہر کیا' اور انہیں صرف "اخلاقی اصلاح" (edification) کے لئے شامل کیا۔[۲۶] یاد رہے کہ رومی کلیسیا کے نزدیک ولگیٹ ہی بائبل کا مستند ترجمہ ہے۔[۲۷] غرض ہفتادی نسخہ اور ولگیٹ دونوں میں "اپوکریفہ" کی زائد اور مشکوک و غیر معتبر کتابیں شامل ہو گئیں۔

دوسری طرف فلسطینی یہودی' ہفتادی نسخہ اور ولگیٹ کی بجائے عبرانی بائبل پر انحصار کرتے رہے۔ اس لئے انہوں نے اپوکریفہ کی کتابوں کو مستند تسلیم نہ کیا۔ اسی طرح تحریک اصلاح کلیسیا کے بعد پروٹسٹنٹ عیسائیوں نے بھی اپوکریفہ کو مسترد کر کے عبرانی بائبل ہی کو مستند عہد عتیق قرار دیا۔[۲۸]

جیروم کے تذبذب کے باوجود ہپو (Hippo) اور کارتھیج (Carthage) میں ۳۹۳ء اور ۳۹۷ء میں منعقد ہونے والی چرچ کونسلوں نے اپوکریفہ کی کتابوں کو مستند (canonical) قرار دیا تھا۔[۲۹] مگر تحریک اصلاح کلیسیا کے رہنما مارٹن لوتھر نے ۱۵۳۴ء میں جب عہد نامہ قدیم کا عبرانی' اور عہد نامہ جدید کا یونانی سے جرمن زبان میں ترجمہ

۲۴۔ قاموس الکتاب' حوالہ مذکور
بائبل ڈکشنری محولہ بالا' حوالہ مذکور۔

25. J.P. Boyd: op. cit., p. 85.
26. The Catholic Bible (RSV), p. vii;
Bratton's History of the Bible, p. 100f.

۲۷۔ قاموس الکتاب' ص - ۱۰۶۷

28. The Catholic Bible (RSV), p. vii.
29. Bratton's History of the Bible, p. 103;
Collier's Encyclopaedia, vol,3, p. 395.

کیا تو جیروم کی طرح کہا کہ اپوکریفہ کی کتابیں "ویسے پڑھنے کے لئے مفید اور اچھی" (good and useful for reading) تو ہیں، مگر مقدس و الہامی دستاویزی (Scripture) نہیں ہیں۔ اس کے باوجود رومن چرچ کی ٹرینٹ کونسل منعقدہ ۱۵۴۶ء اور وطیقان (Vatican) کونسل منعقدہ ۱۸۷۰ء نے انہیں دوبارہ کیتھولک عیسائیوں کے لئے مستند و الہامی قرار دے دیا۔[۳۰]

اپوکریفہ سے قطع نظر، عہد نامہ قدیم کی کتابیں عام طور پر تین حصوں میں تقسیم کی جاتی ہیں۔ پہلی پانچ کتابیں (اسفار خمسہ) جن میں تکوین عالم، انسان اور پھر بنی اسرائیل کے ابتدائی حالات، تاریخ اور قوانین مذکور ہیں، تورات یا تورہ (Torah) "قانون" (Law) اور کتب موسیٰ (Mosaic Books) یا "خمیس موسیٰ" (Pentateuch) کے ناموں سے موسوم ہیں۔[۳۱] ان کے بعد کچھ انبیاء اور ملوک بنی اسرائیل کے حالات و واقعات اور مواعظ وغیرہ پر مشتمل کوئی اکیس کتابوں کو "صحف انبیاء" یا نبیم (Nebiim or Prophets) کا نام دیا گیا ہے۔ تیسرے سلسلہ میں ضرب الامثال، مواعظ، حمد و گیت اور اخبار و تواریخ پر مشتمل کچھ اور کتابیں ہیں، جنہیں محض کتب یا "کتبیم" اور "تحریریں" (Kethubim, Hagiographa or Writings) کہہ دیا جاتا ہے۔[۳۲]

پرانے عہد نامہ میں شامل کتابوں کی تعداد ہمیشہ یکساں نہیں رہی، بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ ان میں کمی بیشی ہوتی رہی ہے۔ مشہور یہودی مؤرخ جوزیفس (Josephus) مصنف انٹیکوئی ٹیز (Antiquities) نے پہلی صدی عیسوی کے آخر میں ان کی مجموعی تعداد

30. Bratton's History of the Bible, p. 103;
Collier's Encyclopaedia, vol,3, p. 395.

۳۱۔ "تورہ" بمعنیٰ قانون عبرانی نام ہے اور (Pentateuch) بمعنیٰ کتب خمسہ یونانی۔ دیکھئے: بائڈکی بائبل ڈکشنری، ص۔ ۳۷

32. Encyclopaedia Americana, vol, 3, p. 614;
Bratton's History of the Bible, p. 92;
J.R. Dummelow(ed.) : A Commentary on the Holy Bible, London, 1952, p.xii.

بائیس لکھی ہے، جن میں سے پانچ کتب موسیٰ، تیرہ صحف انبیاء اور چار حمد و امثال کی کتابیں شامل تھیں۔[۳۳] مگر یہودی روایات کی مشہور کتاب تالمود میں ایک جگہ ان کی تعداد چوبیس بتائی گئی ہے، یعنی پانچ کتب موسیٰ، آٹھ صحائف اور گیارہ دیگر کتابیں۔[۳۴] اس کے برعکس، جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے، اب ان کتابوں کی تعداد کم از کم انتالیس ہے۔ (وقت کے ساتھ ساتھ مقدس کتابوں اور ان کے مشمولات میں کمی بیشی پر مزید بحث انشاء اللہ عنقریب ہو گی)۔

عہد نامہ جدید

اب تک ہم زیادہ تر بائبل کے عہد نامہ قدیم کی تدوین و ترتیب ہی پر گفتگو کرتے رہے ہیں۔ جہاں تک عہد نامہ جدید کا تعلق ہے، وہ صرف عیسائیوں کے نزدیک بائبل کا حصہ ہے، اور اس میں ستائیس کتابیں ہیں۔ چار انجیلوں[۳۵] (Gospels) یعنی متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کے بیان کردہ مسیح کے حالات و مواعظ کے بعد، عہد نامہ جدید میں "رسولوں کے اعمال" کے نام سے حواریوں کے حالات اور مسیحی کلیسیا کی ابتدائی تاریخ ہے۔ اس کے علاوہ مختلف کلیسیاؤں اور افراد کے نام پولس کے چودہ تبلیغی و مذہبی خطوط، نیز یعقوب (James)، پطرس (Peter)، یوحنا (John) اور یہوداہ (Jude) کے نام سے سات مزید خطوط اور "یوحنا عارف کا مکاشفہ" عہد نامہ جدید میں شامل ہیں۔[۳۶]

یہ کتابیں کس طرح عہد نامہ جدید اور بائبل کا حصہ بنیں، اس پر تو ہم ان شاء اللہ بعد میں روشنی ڈالیں گے۔ پہلے یہ بتا دینا مناسب ہے کہ عہد عتیق کی طرح عہد جدید میں شامل کتابوں کی تعداد بھی وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہی ہے۔ یوسے بئیس (Eusebius) (م ۳۴۰ء) جسے تاریخ کلیسیا کا باپ (Father of Church History) کہا جاتا ہے، اور

33-34. Encyclopaedia Americana, 3:61f;

Dummelow (ed): A Commentary on the Holy Bible, p. xii.

(۳۵) گاسپل یا انجیل بمعنیٰ خوشخبری، یعنی مسیح کی آمد اور ان کے ذریعہ نجات کی خوشخبری (دیکھئے: بائبل ڈکشنری از ہائنز، ص-۴۲)

36. G. Lanezkowski: Sacred Writings, 1961, p. 207f.

اس کے دیگر ہم عصر مستند مسیحی رہنماؤں اور مصنفین کے نزدیک یعقوب (James) کا خط' پطرس (Peter) کا دوسرا خط' یہوداہ (Jude) کا خط اور یوحنا کا دوسرا اور تیسرا خط' غیر الہامی اور غیر مستند (non-canonical) تھے۔ (۳۷) چنانچہ اب بھی بائبل کے قدیم سریانی (Syriac) نسخہ میں جسے پشیتا (Peshitta) کہا جاتا ہے' موجودہ بائبل کے یہ حصے موجود نہیں ہیں۔ (۳۸)

یوسے بئیس سے پہلے ایک اور اہم اور مستند مسیحی مفکر' رہنما اور مصنف آئرے نیئس (Irenaes) (م ۲۰۰ء) نے مستند مسیحی کتب مقدسہ کی جو فہرست چھوڑی ہے' اس میں پطرس کا دوسرا اور یوحنا کا تیسرا خط' یعقوب اور یہوداہ کے خطوط' نیز عبرانیوں کے نام پولس کا خط شامل نہیں۔ اور اس کے برعکس ہرمیس کی مذہبی تالیف موسومہ "چرواہا" (The Shepherd of Hermans) شامل ہے۔ (۳۹) یہ وہی کتاب ہے جس کا ذکر ہم نے چوتھے باب میں اس ضمن میں کیا ہے کہ اس میں مسیح کی الوہیت کے مقابلہ میں توحید کو اجاگر کیا گیا تھا (دیکھئے حوالہ نمبر ۱۰' باب چہارم)۔ اور شاید اسی "جرم" کی وجہ سے بعد میں اسے انجیل برنباس کی طرح مستند کتابوں سے خارج کر دیا گیا۔

اسی طرح دوسری اور تیسری صدی میں اسکندریہ کے مشہور بشپ کلیمنٹ (Clement) (م ۲۱۵ء) نے مستند الہامی کتابوں کی جو فہرست بنائی' اس میں پطرس کا دوسرا اور یوحنا کا تیسرا خط' نیز یعقوب کا خط شامل نہیں تھے' اور کلیمنٹ و برنباس کے خطوط (جو موجودہ نئے عہد نامہ کا حصہ نہیں ہیں) شامل کئے گئے تھے۔ جبکہ آبائے کلیسا میں سے ایک اور اہم شخصیت طرطلین (Tertullian) (م ۲۲۲ء) نے اپنی فہرست سے پطرس کے دوسرے اور یوحنا کے دوسرے اور تیسرے خط کو نیز پولس کے عبرانیوں کے نام خط کو خارج کر دیا تھا۔ (۴۰)

37. Bratton's History of the Bible, p. 122.

38. Concise Oxford Dictionary of the Church, p. 393.

39,40. Bratton's History of the Bible, p. 122.

ان حقائق کے پیش نظر مسیحی فضلاء نے تسلیم کیا ہے کہ:

Even a beginning had not been made in forming the N.T. canon until the second century, and late in the third century, there were still the disputed books.

"دوسری صدی تک نئے عہد نامہ کا مستند مجموعہ تیار کرنے کی ابتداء تک نہ ہوئی تھی- اور تیسری صدی کے اواخر (بلکہ چوتھی صدی کے نصف اول) تک متنازعہ کتابوں کا وجود باقی تھا-" (۴۱)

گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تین ساڑھے تین سو سال بعد تک بھی یہ طے نہ ہوا تھا کہ عیسائیوں کی غیر متنازعہ الہامی کتابیں کون سی ہیں-

بائبل کی الہامی اور استنادی حیثیت

ان حقائق کے باوجود راسخ العقیدہ عیسائیوں کا اصرار رہا ہے کہ بائبل کلام الٰہی (Word of God) ہے' اور اسے ملہم (Inspired) مقدسین نے مرتب کیا ہے- (۴۲)

'تحریک اصلاح کلیسیا سے پہلے کے عیسائی تو بائبل کو وحی والہام مانتے ہی تھے' مگر "روشن خیالی" کا دور شروع ہونے کے بعد بھی اس بات پر اصرار کیا گیا- چنانچہ ۱۶۴۹ء میں انگلستان کی پارلیمنٹ کے تیس ارکان اور مختلف مسیحی مکاتب فکر کے ایک سو چالیس سے زائد علمائے دین نے پانچ چھ سال کی بحث و تمحیص کے بعد" ویسٹ منسٹر کے اقرار ایمان" (Westminster Confession) کے نام سے ایک اعلان تیار کیا' جسے انگلستان کی پارلیمنٹ نے قانونی حیثیت دی' اور جو امریکہ میں بھی" فلاڈلفیا کے اقرار ایمان" کے نام سے اپنایا گیا- اس "عظیم تاریخی کلیسیائی دستاویز" کے پہلے باب کی شق نمبر دو اور چار میں عہد عتیق اور عہد جدید میں شامل موجودہ کتابوں کو "پاک نوشتے" (Holy Scripture)

41. American People's Encyclopaedia, vol, 3, p. 426.

42. King James' Bible, Gideons International, 1961, Introduction; Catholic Bible (RSV), 1966.

اور "خدا کا تحریری کلام" قرار دیا گیا ہے:- اور شق نمبر آٹھ میں کہا گیا ہے: "عہد عتیق عبرانی میں (جو خدا کے لوگوں کی زبانی تھی)، اور عہد جدید یونانی میں (جسے انجیل کے تحریر کئے جانے کے زمانہ میں سب قومیں بخوبی جانتی تھیں) خدا کے الہام سے لکھے گئے، اور ان کی خدا نے خود حفاظت کی اور تمام زمانوں میں تخریب سے پاک رکھا۔"[۴۳] چرچ آف انگلینڈ کا آرٹیکل نمبر چھ بھی انہیں "مستند" اور "خدا کے الہام سے" قرار دیتا ہے۔ اور بائبل کے الہامی ہونے کا نظریہ راسخ العقیدہ کیتھولک اور غیر کیتھولک عیسائیوں کے اکثر و بیشتر گروہوں کے درمیان ایک متفقہ عقیدہ ہے۔"[۴۴] چنانچہ پوپ لیو سیزدہم (Leo XIII) نے ۱۸۹۳ء میں کیتھولک نظریہ کی ترجمانی کرتے ہوئے، تقریباً ساڑھے تین سو برس قبل منعقد ہونے والی ٹرینٹ کونسل کے بائبل کے متعلق فیصلہ پر مہر تصدیق ثبت کی، اور اپنے ایک فرمان (Encyclical) میں کہا:

> All the books and the whole of each book which the Church receives as sacred and canonical were written at the direction of the Holy Spirit.
>
> "وہ تمام کتابیں اور ان میں سے ہر کتاب کا ہر ایک حصہ جنہیں کلیسیا نے مقدس اور مستند قرار دے کر قبول کیا ہے، روح القدس کے لکھوانے سے لکھے گئے۔"[۴۵]

دوسری طرف انیسویں صدی ہی کے ایک معروف پروٹسٹنٹ مصنف نے لکھا:

> Every book of it, every chapter of it, every verse of it, every word of it.... every letter of it, is the direct utterance of the Most High.

۴۳۔ قاموس الکتاب، ص- ۱۰۶۷ - ۱۰۶۹

44. G.Lanezkowski: op. cit., p. 31;
Watch Tower Bible Society : Is The Bible Really the Word of God? New York, 1969, pp. 150-151.

45. A Companion to the Bible, p. 7.

"اس (بائبل) کی ہر کتاب، ہر باب، ہر آیت، ہر لفظ اور ہر حرف براہ راست خدائے برتر کا فرمودہ ہے۔" (۴۶)

مگر حقائق و شواہد سے عیسائیوں کے اس دعویٰ کی تصدیق نہیں ہوتی، اور حقائق و شواہد کے بغیر ایسا دعویٰ محض زبردستی ہے یا خوش عقیدگی۔

کسی بھی قدیم کتاب کو کسی قدیم مصنف کی طرف منسوب کرنا تو کوئی مشکل کام نہیں۔ مگر اس امر کو ثابت کرنے کے لئے اندرونی و بیرونی شہادتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ بالخصوص کسی کتاب کو منزل من اللہ، وحی والہام پر مبنی، اور کلام خداوندی قرار دینے سے قبل امور ذیل کا فیصلہ کرنا ہوگا:

(1) کیا اس کتاب نے اپنے بارے میں الہام خداوندی ہونے کا دعویٰ کیا ہے، اور کیا یہ دعویٰ بادی النظر میں قابل اعتماد قرار دیا جا سکتا ہے؟

(2) جو شخصیت یا شخصیتیں اس "الہام" یا تصنیف کا ذریعہ بنیں، وہ کون تھیں اور کہاں تک قابل اعتماد تھیں۔ کتاب کی تصنیف میں انکا طریق کار کیا تھا، اور یہ کب مرتب ہوئی؟

(3) اس کتاب اور اس کے مختلف حصوں کو درجۂ استناد کیسے ملا، یعنی کس نے اور کیسے اس کتاب کو وحی والہام قرار دیا؟

(4) کیا اس کتاب کا کوئی قدیم نسخہ ملہم یا مصنف کا خود مرتب کردہ (autograph)، یا اس کے قریب کے زمانہ کا موجود ہے؟

(5) کیا کتاب کے بعد کے نسخے اس قدیم نسخہ یا نسخوں کے مطابق رہے ہیں؟

(6) کیا موجودہ متداول نسخے بھی تبدیلی و تحریف سے پاک ہیں، اور کیا یہ کتاب تناقضات و اختلافات سے مبرا ہے، یا اس کے تناقضات بھی اسی بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اسے مختلف اوقات میں مختلف لوگوں نے تحریر کیا ہے؟

(7) کیا اس کتاب کے مندرجات میں ایسی باتیں تو نہیں جو عقل و دانش اور اخلاق و

---

46. J.W. Burgan: Inspiration And Interpretation, London, 1861, p. 89.

انسانیت سے اتنی گری ہوئی ہوں' کہ انہیں دیکھ کر فطرت سلیمہ کا مالک ایک غیر جانبدار و غیر متعصب شخص بے اختیار کہے کہ یہ کلام الٰہی نہیں ہو سکتا؟

موجودہ باب کے باقی حصہ اور آئندہ ابواب میں بائبل کے متعلق انہی سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۔ دعویٰ الہام اور اس کی حیثیت

بائبل نے کہیں اپنے متعلق یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ از اول تا آخر خدا کا الہام شدہ کلام ہے۔ تاہم بعض عیسائی پولس کے درج ذیل قول کو بائبل کے دعویٰ الہام کے طور پر پیش کرتے ہیں: "ہر ایک صحیفہ جو خدا کے الہام سے ہے' تعلیم اور الزام اور اصلاح اور راست بازی میں تربیت کرنے کے لئے فائدہ مند بھی ہے۔"(۴۷) مگر ایک تو یہ دعویٰ خود صحیفوں یا صحیفہ نگاروں نے نہیں کیا' بلکہ (عہد نامہ قدیم میں) اس کے لکھے جانے کے بہت بعد پولس نے کیا۔ اور دوسرے اس کا یہ دعویٰ ان تمام صحائف کے بارے میں نہیں جو آج عہد نامہ قدیم و جدید کے حصے بنا دیئے گئے ہیں۔ وہ صرف یہ کہتا ہے: "ہر ایک صحیفہ جو خدا کے الہام سے ہے" مگر یہ تصریح نہیں کرتا کہ اس دعویٰ کی ذیل میں کون کون سے صحائف آتے ہیں۔ اسی طرح جب وہ "روح" کے الہام کا دعویٰ کرتا ہے' اور کہتا ہے: "تاکہ ان باتوں کو جانیں جو خدا نے ہمیں عنائت کی ہیں۔"(۴۸) تو اس سے یہ صراحت نہیں ہوتی کہ اس سے مراد موجودہ بائبل کی ساری کتابوں کی ساری باتیں ہیں۔ البتہ عہد عتیق کے صحائف کی طرف ایک اور مبہم اشارہ پولس کے کلام میں یوں موجود ہے: "تو بچپن سے ان پاک نوشتوں سے واقف ہے۔"(۴۹) بظاہر یہ اشارہ عہد قدیم کے ان صحیفوں کی طرف ہے جو پولس کے زمانہ میں معروف و متداول تھے۔ مگر یہ صحیفے اور ان کی تعداد تو مختلف ادوار میں بدلتی رہی

۴۷۔ ۲۔ تیمتھیس ۳ : ۱۶

۴۸۔ ۱۔ کرنتھیوں ۲ : ۱۲ (اس سے اگلی آیت میں مذکور "دعویٰ الہام" کا ذکر اگلے باب میں ہے)۔

۴۹۔ ۲۔ تیمتھیس ۳ : ۱۵

ہے' جیسا کہ اپوکریفہ کے بیان اور متعلقہ ابحاث میں اوپر بیان ہوا' اور عنقریب ان شاء اللہ مزید واضح ہو گا۔

اندریں حالات بائبل کا اپنے بارے میں بحیثیت مجموعی الہامی ہونے کا دعویٰ کرنا ہی سرے سے ثابت نہیں ہوتا۔ دوسرے لوگ اس کے بارے میں یہ دعویٰ کریں گے تو وہ "مدعی سست گواہ چست" کا مصداق ہو گا۔

البتہ بائبل میں شامل بعض انفرادی کتابوں میں الہامی ہونے کا دعویٰ موجود ہے۔ مثلاً کتاب احبار اس طرح شروع ہوتی ہے: "اور خداوند نے خیمہ اجتماع میں سے موسیٰ کو بلا کر اس سے کہا---"(۵۰) اور اس کے بعد کتاب کے متن میں متعدد بار دہرایا گیا ہے: "اور خداوند نے موسیٰ سے کہا"(۵۱)۔ اسی طرح کتاب خروج میں لوحوں پر کندہ احکام کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ "خدا ہی کا لکھا اور ان پر کندہ کیا ہوا تھا۔"(۵۲) گنتی اور استثناء میں بھی اس طرح کے الفاظ موجود ہیں۔(۵۳) یا مثلاً یرمیاہ کی کتاب اس طرح شروع ہوتی ہے: "یرمیاہ بن خلقیاہ کی باتیں --- جس پر خداوند کا کلام --- نازل ہوا۔"(۵۴) نیز حزقی ایل کی کتاب میں بھی خداوند کے کلام کے نزول کا ذکر کیا گیا ہے۔(۵۵) اور ہوسیع' یوایل(۵۶) وغیرہ بعض صحائف میں بھی یہ ذکر موجود ہے۔ لیکن اس کا لازمی مطلب یہ نہیں کہ خداوند کا کلام نازل ہونے کا دعویٰ کرنے کے بعد ان صحائف میں جو کچھ لکھا گیا وہ نازل شدہ کلام ہی ہے۔ اس کا ایک حصہ کلام الٰہی بھی ہو سکتا ہے اور اس میں انسانی کلام کی آمیزش بھی ممکن ہے۔ اور یہ بات ہم اپنی طرف سے محض ایک ممکنہ مفروضہ کے طور پر نہیں کہتے' بلکہ

۵۰-۵۱۔ احبار ۱ : ۱' ۴ : ۱' ۵ : ۴' ۶ : ۱' ۶ : ۸' ۲۲ : ۷' ۵ وغیرہ۔

۵۲۔ خروج ۳۲ : ۱۶

۵۳۔ گنتی ۱ : ۱' ۲ : ۱' ۳ : ۵' وغیرہ۔ استثناء ۱ : ۳۔

۵۴۔ یرمیاہ ۱ : ۱ - ۴

۵۵۔ حزقی ایل ۱ : ۳' ۵ : ۵' ۶ : ۱' ۱۱ : ۱۴ وغیرہ۔

(۵۶) ہوسیع ۱ : ۱ یوایل ۱ : ۱'۔ نیز دیکھئے: یوناہ' میکاہ' صفنیاہ' حجی وغیرہ کتابوں کی ابتدائی آیات۔

بائبل ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان صحائف میں انسانی کلام کی آمیزش ہوتی رہی ہے۔اس ضمن میں ذیل کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔بائبل کی تحریفات اور تبدیلیوں پر تو انشاءاللہ اگلے باب میں الگ گفتگو ہوگی، فی الحال ہم صرف یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ بائبل کی کچھ کتابوں کے بارے میں اگر دعویٰ الہام موجود بھی ہے تو ان میں محض الہامی باتیں بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ انسانی کلام کا وافر حصہ ان میں شامل ہے۔

کتاب استثناء بائبل کی ان چند کتابوں میں سے ہے جن میں الہام کا صریحاً یا کنایۃً دعویٰ کیا گیا ہے اور یہ تأثر بھی دیا گیا ہے کہ اسے موسیٰ نے لکھا ہے (اور ایسا ہوا کہ جب موسیٰ اس شریعت کی باتوں کو ایک کتاب میں لکھ چکا ---" (۵۷) مگر اس کتاب کے آخر میں ہے:

"پس خداوند کے بندہ موسیٰ نے خداوند کے کہے کے موافق وہیں موآب کے ملک میں وفات پائی اور اسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل دفن کیا گیا۔ آج تک کسی آدمی کو اس کی قبر معلوم نہیں۔اور موسیٰ اپنی وفات کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا--- اور بنی اسرائیل موسیٰ کے لیے موآب کے میدانوں میں تیس دن تک روتے رہے--- اور اس وقت سے اب تک بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ کی مانند ---- نہیں اٹھا۔" (۵۸)

صاف ظاہر ہے کہ یہ عبارت موسیٰ ؑ (جن سے یہ کتاب منسوب کی جاتی ہے) کی زندگی کے دوران نہیں لکھی گئی۔اس لیے اسے اس کلام کا حصہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا جو موسیٰ ؑ پر نازل ہوا۔ یہ تو کسی گمنام مصنف کا عام تاریخی بیان ہے جسے "الہام" کے نام سے دنیا کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے۔جب کہ محققین تو یہاں تک کہہ چکے ہیں کہ:

The greater part of the Pentateuch is not derived from Moses.

۵۷۔ استثناء ۳۱ : ۲۴

۵۸۔ ایضاً ۳۴ : ۵ وما بعد۔

"کتب خمسہ کا اکثر حصہ موسیٰ سے ماخوذ و منقول نہیں ہے" اور یہ مختلف ذرائع و منابع (various sources) سے اکٹھا کیا گیا ہے- حتیٰ کہ بعض فاضلین نے تو ان کے دو درجن سے زائد مختلف مصنفین کی نشاندہی کی ہے- (۵۹)

اسی طرح کتاب پیدائش میں "اور خدا نے یعقوب سے کہا---"(۶۰) جیسے جملے بظاہر یہ تاثر دیتے ہیں کہ کلام خداوندی پیش کیا جا رہا ہے- مگر جب ہم یعقوب کے بیٹوں اور ان کی اولاد کے ذکر کے ضمن میں "ملک روم" کے بادشاہوں کا ذکر پڑھتے ہیں(۶۱) تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ وہ کلام نہیں جو موسیٰ پر نازل ہوا- (ہم بتا چکے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے نزدیک کتاب پیدائش 'کتب موسیٰ میں شامل ہے- دیکھئے: حوالہ نمبر ۳۱' باب ھذا) بلکہ یہ ان کے صدیوں بعد لکھا گیا' کیوں کہ موسیٰ کے زمانہ اور ان کے بہت بعد تک بنی اسرائیل میں بادشاہت کا وجود تک نہ تھا:

> Whoever wrote this passage must have lived after the institution of monarchy, which was some two centuries after the time of Moses.
>
> "جس کسی نے بھی یہ پیرا لکھا وہ ضرور بادشاہت کے آغاز کے بعد والے زمانہ کا ہو گا' جو کہ موسیٰ کے زمانہ کے دو صدیاں بعد تھا-" (۶۲)

علیٰ ھذا القیاس' کتاب پیدائش میں بتایا گیا ہے کہ ابراہیم نے دان نامی شہر تک اپنے دشمنوں کا تعاقب کیا- ظاہر ہے یہ بات بھی خدا نے ابراہیم پر وحی نہیں کی' نہ ابراہیم نے

---

59. Dr.E. Sellier: Introduction to the Old Testament, English Translation by W.Montgomery, London, (1923), pp. 25-26;
W. Barclay : Making of the Bible, p. 32.

۶۰۔ پیدائش ۳۵ : ۱

۶۱۔ ایضاً ۳۶ : ۳۱ وما بعد

62. Bratton's History of the Bible, p. 86.

اسے خود لکھوایا' نہ ہی یہ موسیٰ کے زمانہ میں لکھی گئی جن سے یہ منسوب ہے' بلکہ یہ ان کے ایک طویل عرصہ بعد لکھی گئی- کیونکہ ابراہیم اور موسیٰ کے زمانہ میں اس شہر کا نام دان نہیں لیس تھا' جیسا کہ کتاب قضاۃ سے ظاہر ہوتا ہے: "پھر انہوں (بنی دان) نے --- اس شہر کا نام اپنے باپ دان کے نام پر جو اسرائیل کی اولاد تھا دان ہی رکھا- لیکن پہلے اس شہر کا نام لیس تھا-"[۶۳] اسی طرح کتاب پیدائش ہی میں جس بستی کا نام حبرون مذکور ہے "اگلے وقتوں" میں یعنی کتاب پیدائش کے مزعومہ زمانہ تحریر میں' اس کا نام قریت اربع تھا-[۶۴]

پھر جب ہم ان کتابوں میں بنی اسرائیل کے بڑوں کے مفصل نسب نامے اور اولاد واحفاد کی تفصیل پڑھتے ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ خدا کو یہ نسب نامے الہام کرنے کی کیا ضرورت تھی- ان سے ایک غیر متعصب اور غیر جانبدار قاری کو یہی تاثر ملتا ہے کہ کوئی عام مؤرخ ونسب شناس انساب کا بیان کر رہا ہے- نمونہ کے طور پر یہ نسب نامہ ملاحظہ فرمائیں اور خود ہی انصاف کریں: "اور عیسو یعنی ادوم کا نسب نامہ یہ ہے- عیسو کنعانی لڑکیوں میں سے حتی ایلون کی بیٹی عدہ کو اور حوی صبعون کی نواسی اور عنہ کی بیٹی اہلیامہ کو اور اسماعیل کی بیٹی اور بنایوت کی بہن بشامہ کو بیاہ لایا- اور عیسو سے عدہ کے الیفز پیدا ہوا اور بشامہ کے رعوایل پیدا ہوا اور اہلیامہ کے یعوس اور یعلام اور قورح پیدا ہوئے-"[۶۵] پھر تھوڑا ہی آگے عیسو اور ان کے بیٹوں کا ایک اور مختلف نسب نامہ دیا گیا ہے-

ضمناً ان دو نسب ناموں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دو مختلف انسانی روایتوں اور تحریروں کو اکٹھا کیا گیا ہے (اس پہلو پر بھی ان شاءاللہ مزید گفتگو عنقریب ہو گی)- اس سے قطع نظر' یہ بے مقصد حد تک مفصل نسب نامہ بھی انسانی بیان ہونے کا بدیہی تاثر دیتا ہے-

---

۶۳- پیدائش ۱۴ : ۱۴' قضاۃ ۱۸ : ۲۹

۶۴- پیدائش ۳۵ : ۲۷' ۳۷ : ۱۴' قضاۃ ۱ : ۱۰

۶۵- پیدائش ۳۶ : ۱ وما بعد-

ورنہ خدا کو الہام کر کے بنی اسرائیل کو یہ نسب نامے سکھانے کی کیا ضرورت تھی؟ ہم بائبل میں جا بجا موجود ان متعدد نسب ناموں(٦٦) کو نقل کر کے اپنی کتاب کو بوجھل نہیں بنانا چاہتے۔ صرف اس نسب نامہ کا ایک حصہ پیش کریں گے جس کا ذکر جاری ہے: "اور عیسو کا جو کوہ شعیر کے ادومیوں کا باپ ہے یہ نسب نامہ ہے۔ عیسو کے بیٹوں کے نام یہ ہیں۔ الیفز عیسو کی بیوی عدہ کا بیٹا اور رعوایل عیسو کی بیوی بشامہ کا بیٹا' الیفز کے بیٹے تیمان اور اومر اور صفو اور جعتام اور قنز تھے۔ اور تمنع عیسو کے بیٹے الیفز کی حرم تھی اور الیفز سے اس کے عمالیق پیدا ہوا۔ سو عیسو کی بیوی عدہ کے بیٹے یہ تھے۔ رعوایل کے بیٹے یہ ہیں۔ نحت اور زارح اور سمہ اور مزہ۔ یہ عیسو کی بیوی بشامہ کے بیٹے تھے۔ اور اہلیامہ کے بیٹے جو عنہ کی بیٹی اور صبعون کی نواسی اور عیسو کی بیوی تھی' یہ ہیں۔ عیسو سے اس کے یعوس اور یعلام اور قورح پیدا ہوئے۔"(٦٧)

اسی پر بس نہیں' اس بیان کے فوراً بعد عیسو کی اولاد کا ایک تیسرا بیان اس طرح شروع ہوتا ہے: "اور عیسو کی اولاد میں جو رئیس تھے سو یہ ہیں---" اور اس کے ساتھ ہی عیسو کی بیویوں کے ناموں اور یتمان' اومر' صفو' قنز' قورح' جعتام' عمالیق' نحت' زارح' سمہ' مزہ' یعوس' یعلام اور قورح کے ناموں کی گردان پھر شروع ہو جاتی ہے۔ اور پھر شعیر حوری کے بیٹوں وغیرہ کی اسی انداز کی ایک اور طویل فہرست ہے۔(٦٨) ظاہر ہے کہ یہ بیان انسان کی بیان کردہ تاریخ اور علم الانساب تو کہلا سکتا ہے' مگر اسے الہام خداوندی کہنا سوائے خوش عقیدگی اور لکیر کی فقیری کے اور کچھ نہیں۔

کچھ یہی حال بائبل میں بیان کردہ بہت سے واقعات وحوادث کا بھی ہے' جو کوئی مذہبی اور اخلاقی سبق دینے کی بجائے محض بے مقصد تاریخ نگاری کے ضمن میں آتے ہیں۔ ان غیر

٦٦۔ کتاب تواریخ اور نحمیاہ وغیرہ میں ایسے کئی نسب نامے ہیں' جن کے لئے ا۔ تواریخ کا پہلا باب اور نحمیاہ کا باب ١٢ ملاحظہ فرمالیں۔

٦٧۔ پیدائش ٣٦ : ٩ - ١٤

٦٨۔ ایضاً ٣٦ : ١٥ - ٣٠

ضروری واقعات یا واقعات کی غیر ضروری تفصیلات کی' بائبل کی متعدد کتابوں مثلاً پیدائش' قضاۃ' سموئیل' سلاطین' تواریخ وغیرہ سے بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں- مگر یہاں ہم ایسے واقعات کا ذکر بالخصوص اس ضمن میں کر رہے ہیں کہ بائبل کے بعض حصوں میں اگر کبھی کلام خداوندی ہونے کا دعویٰ یا تاثر ہوتا بھی ہے' تو اس کے ساتھ ایسی غیر ضروری تفصیلات جوڑ دی گئی ہیں جو صاف بتاتی ہیں کہ ایک عام واقعہ نگار یا مؤرخ بنی اسرائیل کے ایسے واقعات بیان کر رہا ہے جنہیں عوامی کہانیاں (folklore) ہونے کے لحاظ سے قومی ادب میں تو شمار کیا جا سکتا ہے' مگر وحی قرار نہیں دیا جا سکتا-

بائبل کے بیان کردہ واقعات کے اس خاص پہلو کی مثالیں بھی بہت ہیں' مگر طوالت سے بچنے کے لیے ہم بطور نمونہ ایک ہی مثال پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں- کتاب سلاطین میں ایک جگہ لکھا ہے: ''اور خداوند کا کلام سلیمان پر نازل ہوا کہ یہ گھر جو تو بناتا ہے سو اگر تو میرے آئین پر چلے--- تو میں اپنا وہ قول جو میں نے تیرے باپ داداسے کہا تیرے ساتھ قائم رکھوں گا-''[۶۹] اس کے بعد سلیمان نے خداوند کا جو گھر (ہیکل) بنایا اس کے طول و عرض اور متعلقات کی تفصیل دی گئی ہے' اور یہاں تک بتایا گیا ہے کہ ''ایک دروازہ کے بھی دونوں پٹ دہرے ہو جاتے اور دوسرے دروازے کے بھی دونوں پٹ دہرے ہو جاتے تھے-''[۷۰] یہ بھی خیر ٹھیک ہے' کیونکہ یہود کو اپنی اس مرکزی عبادت گاہ سے بڑا تعلق تھا- مگر آگے سلیمان کے اپنے محل کی تعمیر کا قصہ شروع ہو جاتا ہے- ہم اسے بھی اس لحاظ سے قبول کرتے ہیں کہ سلیمان کی شان و شوکت کی یاد یہود کی ملی تاریخ کا حصہ ہے- اس لئے جب ہم محل کی لمبائی چوڑائی اور اس کی دیوار کے ستونوں کی قطاروں اور دیودار کے شہتیروں[۷۱] کے بارے میں پڑھتے ہیں تو اسے سلیمانی شوکت کا اظہار سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن جب ہم اس قسم کی

۶۹۔ ا-سلاطین ۶ : ۱۱ - ۱۲

۷۰۔ ایضاً ۶ : ۳۴

۷۱۔ ایضاً ۷ : ۱ - ۳

غیر ضروری تفصیل پڑھتے ہیں کہ "اور کھڑکیوں کی تین قطاریں تھیں اور تینوں قطاروں میں ہر ایک روزن دوسرے روزن کے مقابل تھا اور سب دروازے اور چوکھٹیں مربع شکل کی تھیں اور تینوں قطاروں میں ہر ایک روزن دوسرے روزن کے مقابل تھا۔"(۷۲) تو ہم اسے سلیمانی شوکت کی عوامی کہانی یا کسی سرکاری و نیم سرکاری فہرست کی نقل تو کہہ سکتے ہیں، مگر الہام اور وحی نہیں۔(۷۳) اسی طرح مثال کے طور پر جب نحمیاہ اور عزرا کی کتابوں کی تقریباً ستر (۷۰) "آیات" صرف یہ بیان کرتی ہیں کہ بابل کی اسیری سے واپسی پر مختلف اسرائیلی گروہوں اور خاندانوں، ان کے گانے والوں اور گانے والیوں اور ان کے گدھوں اور گھوڑوں کی تعداد کیا تھی (اور دونوں کتابوں کی بتائی ہوئی تعداد میں اختلاف بھی ہے۔ مثلاً بنی ارخ، بنی پخت موآب، بنی زتو وغیرہ کی تعداد میں) تو اسے عوامی قصہ کہانی والی تاریخ کے سوا کچھ اور سمجھنایا تو انتہائی زیادتی ہے اور یا بہت بڑی غلط فہمی۔ ان "آیات" کا پورا اقتباس یہاں نہیں دیا جا سکتا۔ صرف نمونہ ملاحظہ فرمائیں: "اسرائیلی قوم کے مردوں کا شمار یہ ہے۔ بنی پرعوس دو ہزار ایک سو بہتر، بنی سفطیاہ تین سو بہتر، بنی ارخ سات سو پچھتر (تقریباً ساٹھ آیات میں اسی طرح قبائلی گروہوں کے نام اور ان کی تعداد ہے)---ان کے ساتھ دو سو گانے والے اور گانے والیاں تھیں۔ ان کے گھوڑے سات سو تھے۔ ان کے خچر دو سو پنتالیس، ان کے اونٹ چار سو پنتیس اور ان کے گدھے چھ ہزار سات سو بیس تھے۔" یہی کیفیت گنتی کی کتاب کے شروع میں دی ہوئی قبائلی مردم شماری کی اور اس کے باب ۳۳ میں مندرج ان مقامات کی خشک اور طویل فہرست کی ہے، جن سے بنی اسرائیل مصر سے نکلنے کے بعد

۷۲۔ ایضاً ۷ : ۴ - ۵

صندوق شہادت، کہانت اور کاہنوں کے لباس وغیرہ کے بارے میں انتہائی تفصیل اور غیر ضروری طوالت کے ساتھ ہدایات (خروج باب ۳۰ - ۳۱) بھی اسی ذیل میں آتی ہے۔ اسی طرح عزرا، باب ۱۰ کی آخری تقریباً ۲۵ آیات میں ان لوگوں کی ایک طویل، خشک، بے معنی اور غیر ضروری فہرست ہے جنھوں نے زمانہ اسیری میں اجنبی و غیر یہودی عورتوں سے شادیاں کی تھیں۔

73. Encyclo Brit. (1973), vol. 9, p. 18.

گذرے۔ (۷۴)

بائبل بالخصوص اس کے عہد عتیق کی اصلیت و حقیقت یہ ہے کہ وہ سینہ بسینہ روایت ہونے والی عوامی کہانیوں اور تاریخی و نیم تاریخی واقعات کا مجموعہ ہے، جسے رفتہ رفتہ تحریری شکل ملی اور بہت بعد میں جا کر اسے مذہبی دستاویز کی حیثیت حاصل ہو گئی، کیونکہ بنی اسرائیل کی تاریخ قومیت و مذہب کا امتزاج رہی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے خوش عقیدہ اور لکیر کے فقیر عیسائی تو آنکھیں بند کر سکتے ہیں مگر اس کا اعتراف ہر کھلے ذہن کے نقاد کو کرنا پڑا ہے۔ چنانچہ تاریخ بائبل کے مولف گلیڈ سٹون بریٹن لکھتے ہیں:

> .... ballads, histories, legends and songs about early patriarchs and kings. Much of this tradition was orally transmitted from generation to generation, a fact that explains such confused and garbled accounts as, for example, Generis 12 and 26, where the same story is told of Abrahm and Isaac.

> "(بائبل مشتمل اور مبنی ہے) منظوم روایتی قصوں، تواریخ، قومی روایتی کہانیوں اور نظموں پر، جو (بنی اسرائیل کے) قدیم آباء و ملوک کے بارے میں تھیں۔ ان روایات کا زیادہ تر حصہ ایک نسل سے دوسری نسل کو زبانی منتقل ہوتا رہا۔ یہی حقیقت ان الجھے اور بگڑے ہوئے واقعات کی توجیہ پیش کرتی ہے جن کی مثال کتاب پیدائش کے ابواب ۱۲ اور ۲۶ ہیں، جن میں ابراہیم اور اسحاق کے متعلق ایک ہی قصہ بیان کیا گیا ہے۔" (۷۵)

محقق مذکور نے بائبل کو سینہ بسینہ عوامی کہانیوں کا مجموعہ قرار دے کر اس میں مذکور "الجھی اور بگڑی ہوئی" جن کہانیوں کی ایک مثال پیش کی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابراہیم

۷۴۔ عزرا ۲: ۱ - ۷۰، نحمیاہ ۷: ۶ - ۷۳، گنتی ۱: ۵ و ما بعد، ۳۳: ۱ و مابعد

75. F.G. Bratton: op. cit., pp. 85-86.

اور اسحاق علیہما السلام کے متعلق ایک ہی کہانی' کتاب پیدائش کے دو مذکورہ ابواب میں موجود ہے- باب ۱۲ میں ابراہیمؑ کے متعلق ہے کہ کال پڑنے پر وہ بادشاہ کی امداد کے طالب ہوئے' اور اپنی خوبصورت بیوی کو بچانے کے لیے اسے اپنی بہن ظاہر کیا- بادشاہ نے اس خاتون کو گھر بلالیا تو اس (بادشاہ) پر بلائیں آئیں اور اس نے انہیں چھوڑ کر ابراہیم سے پوچھا کہ "تو نے مجھے کیوں نہ بتایا کہ یہ تیری بیوی ہے-" باب ۲۶ میں تقریباً یہی باتیں ابراہیمؑ کی بجائے اسحاقؑ' ان کی بیوی اور ایک بادشاہ کے متعلق بیان کی گئی ہیں- یاد رہے کہ الجھے اور بگڑے ہوئے واقعات کی یہ صرف ایک مثال ہے- ایسی بہت سی مثالیں بائبل میں موجود ہیں' جن میں سے بعض حسب ضرورت آئندہ بھی بیان ہوں گی-

اسی طرح خداوند کا "ٹھنڈے وقت باغ میں پھرنا" "ابر کے ستون میں ہو کر" اترنا' اور "خیمہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر ہارون اور ان کی بہن مریم کو موسیٰ کی ایک غیر عورت سے شادی پر اعتراض کرنے کی بنا پر ڈانٹنا" (۷۶) عوامی کہانیاں ہی تو ہیں- اور ایسی بہت سی کہانیاں بائبل میں موجود ہیں-

اوپر کی مثالوں سے بالواسطہ مگر واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ بائبل میں اگر کہیں دعویٰ الہام ہے' تو اس کے ساتھ ہی اس میں انسانی کلام کی موجودگی کے بین شواہد بھی موجود ہیں- لیکن اب ہم بالواسطہ اور مستنبط دلائل کی بجائے براہ راست بائبل کی عبارت سے ثابت کریں گے کہ الہام اور وحی پر مبنی کلام میں واقعی انسانی اضافے کئے جاتے رہے ہیں:

کتاب یرمیاہ میں ہے کہ بارورک نے یرمیاہ کے حکم سے ان پر نازل ہونے والا خداوند کا کلام ایک طومار میں لکھا' مگر بادشاہ یہویقیم نے اسے جلادیا۔ "تب یرمیاہ نے دوسرا طومار لیا اور بارورک بن نیریاہ منشی کو دیا- اور اس نے اس کتاب کی سب باتیں جسے شاہ یہوداہ یہویقیم نے آگ میں جلادیا تھا یرمیاہ کی زبانی اس میں لکھیں- اور ان کے سوا ویسی ہی اور بہت سی باتیں ان میں بڑھادی گئیں-" (۷۷)

۷۶- پیدائش ۳ : ۸ ' گنتی ۱۲ : ۱ وما بعد

۷۷- یرمیاہ ۳۶ : ۵ وما بعد' ۳۶ : ۳۲

معروضات بالا کی روشنی میں ہم اپنے دعویٰ کو دہرانے میں حق بجانب ہیں کہ اولاً بائبل نے بحیثیت مجموعی اپنے متعلق کلام خداوندی ہونے کا دعویٰ ہی نہیں کیا-اور اگر بعض کتب اور ابواب میں یہ دعویٰ موجود ہے اور اسے تسلیم کر لیا جائے' تو بھی اس میں انسانی کلام کی بکثرت آمیزش سے انکار نہیں کیا جا سکتا-

دعویٰ الہام اور بائبل کا عہد جدید

مذکورہ نقطۂ نظر سے ہم نے اب تک عہد عتیق ہی کا جائزہ لیا ہے-لیکن عہد جدید کا حال بھی اس سے مختلف نہیں۔ اناجیل اربعہ کے مصنفین نے مسیح کی پیدائش اور نسب نامے سے لے کر مزعومہ موت تک کے واقعات بیان کئے ہیں' جن میں جا بجا مسیح کی تعلیمات و فرمودات مذکور ہیں-ہم فی الحال اس سے بحث نہیں کرتے کہ مسیح کے فرمودات کس حد تک درست بیان کئے گئے ہیں-مگر یہ بات بدیہی اور ظاہر ہے کہ مسیح کا نسب نامہ' ان کی پیدائش اور دیگر حالات زندگی بہر حال اس وحی کا حصہ نہیں جو مسیح پر نازل ہوئی-اب یہی کہا جا سکتا ہے (اور کہا جاتا ہے) کہ مصنفین اناجیل ملہم تھے-مگر بات وہی ہے کہ انہوں نے خود یہ دعویٰ نہیں کیا- بلکہ ان کے بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عام واقعات و سیرت نگار ہیں' جنہوں نے مختلف دوسرے واقعات نگاروں کے ساتھ مسیح کے حالات کچھ زبانی اور کچھ تحریری ذرائع سے اکٹھے کئے' اور ان کے تضادات' تناقضات اور خلاف عقل پہلوؤں کو نظر انداز کر کے انہیں بیان کر دیا-تضادات و تناقضات پر تو انشاءاللہ اگلے باب میں گفتگو ہو گی-فی الحال ہم یہی واضح کریں گے کہ اناجیل اربعہ اور عہد جدید کی دیگر کتابیں عام انسانی تصانیف ہیں (گو تضادات بھی ان کے انسانی کلام ہونے ہی کا ثبوت ہیں)-

لوقا کی انجیل اس طرح شروع ہوتی ہے: "چونکہ بہتوں نے اس پر کمر باندھی ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں ان کو ترتیب وار بیان کریں' جیسا کہ انہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے ان کو ہم تک پہنچایا-اس لیے اے معزز تھیفلس میں نے بھی مناسب جانا کہ سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کر کے ان کو تیرے لیے ترتیب سے لکھوں-" (۷۸) اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ

۷۸- لوقا ۱: ۱-۳

انجیل نگار بہت سے بیان کرنے اور لکھنے والوں میں سے ایک ہے' جو کچھ روایات کو اکٹھا کر کے لکھنے کی کوشش کر رہا ہے- وہ الہام کا دعویٰ نہیں کرتا- بلکہ صرف یہ کہتا ہے کہ جو روایات اور بیان ہم تک پہنچائے گئے ہیں وہ انہیں "دریافت" کر کے ترتیب سے لکھنا چاہتا ہے- قطع نظر اس بات کے کہ لوقا ان باتوں کو "ٹھیک ٹھیک" اور "ترتیب سے" بیان نہیں کر سکا"[۷۹] یہ کسی طور سے ایک ملہم کا بیان نہیں ہو سکتا- یہ ایک عام انسانی مصنف کا بیان ہے جو سنی سنائی روایات کی اپنے طور پر تحقیق کر کے انہیں جمع کرنا چاہتا ہے-

انجیل متی مسیح کے نسب نامہ کے بیان سے' انجیل مرقس ان کے بارے میں پہلے انبیاء کی پیش گوئیوں سے شروع کر کے' اور انجیل یوحنا نوفلاطونی و غناسطی انداز سے ابتدا کر کے' بغیر الہام کا دعویٰ کیے' مسیح کے حالات بیان کرتی ہیں- "رسولوں کے اعمال" میں بھی الہام کا دعویٰ کیے بغیر حواریوں اور ابتدائی کلیسیا کے حالات ہیں۔ اس کے بعد پولس وغیرہ کے خطوط ہیں جس نے "رسالت" اور مکاشفات کے عمومی دعوے تو کیے ہیں' مگر اس کا یہ مطلب کسی طرح نہیں بنتا کہ خطوط میں جو اس نے لکھا وہ سارے کا سارا الہامی ہے- اس نے اور دیگر مکتوب نگاروں نے تو مختلف علاقوں اور کلیسیاؤں میں پیش آمدہ مسائل اور کچھ عمومی باتوں پر اظہار خیال کیا ہے- جیسا کہ ایک غیر جانبدار محقق نے لکھا:

> Paul wrote his letter in bad Greek, sometimes hurriedly,often vehemently; in his haste he was apt to be casual or inprecise, in his passion, to be immoderate or obscure, and he never had a thought that he was writing a New Testament.

"پولس نے اپنے خطوط ناقص یونانی زبان میں لکھے- وہ کبھی جلدی میں لکھتا اور اکثر تندی کو اپناتا- جلد بازی کی وجہ سے (اس کی تحریر) بے قاعدہ اور غیر واضح ہو جاتی ہے' اور جذبات کی وجہ سے غیر معتدل اور مبہم- اور یہ تو اسے بالکل معلوم نہ

۷۹- یہ تبصرہ بھی ہمارا نہیں' بلکہ بائبل کے مستند اور تحقیقی قاموس (Encyclopaedia Biblica) کا ہے- دیکھیے قاموس مذکور' ص - ۱۷۹۰

تھا کہ وہ (ان خطوط کو لکھتے ہوئے بائبل کا) نیا عہد نامہ تحریر کر رہا ہے۔" [۸۰]

علاوہ ازیں عہد جدید میں بھی عہد قدیم کی طرح خلاف عقل و مشاہدہ باتیں ہیں' جو الہام اور وحی کے امکان کی نفی کرتی ہیں۔ (تناقضات و تضادات پر' جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے' انشاء اللہ الگ باب میں گفتگو ہو گی۔) مثلاً مسیح کے تبلیغ شروع کرنے سے پہلے شیطان سے آزمائے جانے کا ذکر اناجیل متوافقہ نے کیا ہے۔ مگر اس میں مرقس کا مندرجہ ذیل اضافہ صاف طور پر وحی کی بجائے عوامی قصہ کہانی کا رنگ رکھتا ہے: "اور وہ بیابان میں چالیس روز تک شیطان سے آزمایا گیا اور جنگلی جانوروں کے ساتھ رہا کیا۔ اور فرشتے اس کی خدمت کرتے رہے۔" [۸۱]

سوال یہ ہے کہ تبلیغی خدمات کے آغاز سے پہلے کی یہ بات جس کا باقی انجیل نگاروں کے ہاں کوئی ذکر نہیں' اس انجیل نگار کو کیسے اور کہاں سے پہنچی؟ اور جنگلی جانوروں کے ساتھ رہ کر فرشتوں سے خدمت لینا کہاں تک فطرت' عقل اور مشاہدہ میں آنے والی بات ہے؟

اسی طرح یہ اعتقاد کہ بیماروں' گونگوں' اندھوں وغیرہ کی بیماری کی وجہ ان میں "بدروح" کا ہونا ہے' یہ اس زمانہ کا ایک توہم پرستانہ عوامی عقیدہ تھا[۸۲]' جس کی جھلک اناجیل میں جا بجا ملتی ہے۔[۸۳] حتی کہ یہ بھی لکھا ہے کہ شمعون کی ساس کی تپ (بخار) مسیح کے اس تپ کو "جھڑکنے" سے اتری۔[۸۴] اور یہ بھی کہ مسیح نے ایک شخص سے ناپاک روحوں کا ایک "پورا لشکر" نکالنا چاہا' تو ان روحوں نے "اس کی منت کر کے کہا کہ ہم کو ان سوروں میں بھیج دے تاکہ ہم ان میں داخل ہوں۔ پس اس نے ان کو اجازت دی اور

---

80. Herbert Muller : Uses of the Past, p. 89.

۸۱۔ متی ۴ : ۱ وما بعد' لوقا ۴ : ۱ وما بعد' مرقس ۱ : ۱۳۔

82. K.A. Dickson: The Story of the Early Chruch, London, 1979, p. 11.

۸۳۔ متی ۹:۳۲' ۱۲:۲۲' مرقس ۱:۲۳-۲۴' ۳:۱۱' ۷:۲۵ - ۳۰'
لوقا' ۴ : ۴۱' ۷ : ۲۱' ۸ : ۲' وغیرہ۔

۸۴۔ لوقا ۴ : ۳۸ - ۳۹

ناپاک روحیں نکل کر سوروں میں داخل ہو گئیں۔ اور وہ غول جو کوئی دو ہزار کا تھا کڑاڑے پر سے جھپٹ کر جھیل میں جا پڑا اور جھیل میں ڈوب مرا۔"[۸۵] ایک دیوانے سے "ناپاک روحوں" کے پورے لشکر کو نکال کر کسی دوسرے آدمی کے ملکیتی جانوروں میں داخل کرنا اور ان جانوروں کا ڈوب مرنا اس زمانہ کا ایک دلچسپ عوامی قصہ تو ہو سکتا ہے 'مگر وحی نہیں۔ پھر "ناپاک روحوں" کا مسیح کو دیکھ کر اس کے آگے "گر پڑنا" اور "پکار کر" کہنا کہ "تو خدا کا بیٹا ہے" اور مسیح کا ان کو "بڑی تاکید کرنا کہ مجھے ظاہر نہ کرنا"[۸۶] ناقابل فہم اور پایۂ اعتبار سے گری ہوئی باتیں ہیں۔

علیٰ ھذا القیاس 'مسیح کی پیدائش کے بعد مجوسیوں کا سجدہ اور نذر و نیاز 'حاملہ مریم کے یوحنا (یحییٰ) کی حاملہ والدہ کو سلام کرنے سے بچہ کا اس کے رحم میں "اچھل پڑنا"[۸۷] اور مسیح کی مزعومہ موت کے بعد مندرجہ ذیل بیان واضح طور پر سنی سنائی 'عوامی اور سینہ بسینہ روایات پر مبنی بیانات ہیں: "اور مقدس کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور زمین لرزی اور چٹانیں تڑک گئیں۔ اور قبریں کھل گئیں اور بہت سے جسم ان مقدسوں کے جو سو گئے تھے جی اٹھے۔ اور اس کے جی اٹھنے کے بعد قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں گئے اور بہتوں کو دکھائی دیئے۔" [۸۸]

دراصل ان مقدسوں کا قبروں سے اٹھ کر شہر میں پھرنا' اور اسی طرح مسیح کا مبینہ طور پر "مر کر جی اٹھنا" جیسے مبینہ واقعات 'اس زمانہ کے دوسرے توہم پرستانہ مذاہب سے اخذ کئے گئے ہیں:

There were at the time when Gospels were written,

۸۵۔ مرقس ۵ : ۱ - ۱۱ ' متی ۸ : ۲۸ - ۳۴

۸۶۔ مرقس ۳ : ۱۱

۸۷۔ متی ۲ : ۱ - ۱۱' لوقا ۱ : ۳۹ - ۴۱

۸۸۔ متی ۲۷ : ۵۱ - ۵۳ ' لوقا ۲۳ : ۴۴ - ۴۵
حوالہ نمبر ۷۵ بھی ملاحظہ فرمالیں۔

many myths of dying and resurrected Gods.... Christianity rose and developed amidst a welter of superstitious religions and mystical cults.

"جس زمانہ میں اناجیل لکھی گئیں' اس میں مرنے اور جی اٹھنے والے خداؤں کے بارے میں بہت سی خیالی داستانیں مشہور تھیں --- عیسائیت کی نشو ونما تو ہم پسندانہ مذاہب اور افسانوی عقائد کے پراگندہ ہجوم میں ہوئی۔" (۸۹)

مثالیں اور بھی دی جا سکتی ہیں۔ مگر مذکورہ شواہد اور مثالیں یہ واضح کرنے کے لیے کافی ہیں کہ اول تو بائبل کا اپنا دعویٰ ہی وحی والہام کا نہیں ہے۔ اور جتنا کچھ ہے' اس کی تردید اس میں انسانی کلام' عوامی روایات اور بے سرو پا قصہ کہانیوں کے امتزاج سے ہو جاتی ہے۔ فرانسیسی فاضل موریس بوکائی کے بقول:

A Revelation is mingled in all these writings, but all that we possess to-day is what men have seen fit to leave us. These men manipulated the texts....

"ان تحریروں میں وحی کا امتزاج تو ہے' مگر جو کچھ آج ہمارے پاس ہے وہی ہے جو کچھ انسانوں نے ہمارے لیے چھوڑنا' مناسب سمجھا۔ اور ان لوگوں نے (وحی کے) متون کو توڑا مروڑا۔" (۹۰)

۲۔ بائبل کے مصنفین کون تھے؟

بائبل کی بعض کتابوں کے بارے میں اگر دعویٰ الہام ثابت بھی ہو' اور اس کی خلاف عقل و مشاہدہ باتوں کو نظر انداز بھی کر دیا جائے' تو بھی دیکھنا پڑے گا کہ اس کتاب کے مصنفین و جامعین کون ہیں اور کہاں تک قابل اعتماد ہیں؟

بلکہ مصنفین کے قابل اعتماد ہونے کا سوال تو بعد میں پیدا ہوتا ہے' بائبل کی متعدد

89. John Lewis: Religions of the World Made Simple, London, p. 102.

90. Dr. Maurice Bucaille: The Bible, The Qur'an and Science, (English

کتابوں کو جن شخصیات سے منسوب کیا گیا ہے' ان سے ان کتابوں کا انتساب ہی ثابت نہیں ہوتا' یعنی وہ انکے مصنف ہی نہیں' اور دراصل تاریخ سے ان سوالات کا درست جواب حاصل کرنا ممکن نہیں کہ کن لوگوں نے کب بائبل کو مرتب کیا' اور وہ کہاں تک قابل اعتماد تھے۔ تاریخ ان سوالات کا جتنا کچھ جواب دیتی ہے' اس سے بائبل کی الہامی و استنادی حیثیت مزید مشکوک ہو کر رہ جاتی ہے۔

جہاں تک عہد عتیق کا تعلق ہے' یہ ہزاروں سالوں (ایک اندازہ کے مطابق تقریباً پانچ ہزار سال[91] کے عرصہ پر پھیلی ہوئی یہودی روایات' توہمات اور قصوں کا مجموعہ ہے۔ اور ان روایات اور کہانیوں کے اصل مصنفین کا کچھ پتہ نہیں:

> The (Old Testament of the) Bible is largely the product of the spiritual, intellectual and political experince of the Israelites over many centuries. Little of an authentic nature is known regarding the authorship of its parts. These were generally recognised as work of a large number of prophets, sages, psalmists, apostles, and scribes, few of whose names are known. Some of the books of the Bible are regarded as composites, containing material from various sources, welded together in their present form by copyists.

> "بائبل (کا پرانا عہد نامہ) زیادہ تر نتیجہ ہے اسرائیلیوں کے صدیوں پر محیط روحانی' عقلی اور سیاسی تجربات کا۔ اس کے بعض حصوں کے بارے میں مستند طور پر کچھ معلوم نہیں کہ انہیں کس نے تصنیف کیا۔ یہ (حصے) عام طور پر کثیر التعداد انبیاء' دانشمندوں' مناجات نویسوں' رسولوں اور کاہنوں کی تصانیف خیال کیے جاتے ہیں' جن کے نام بہت کم معلوم ہیں۔ بائبل کی بعض کتابیں مرکب

91. In Search of Historic Jesus, by Roddy and Sellier, p 14.

مجموعے شمار کیئے گئے ہیں' جن میں مختلف ذرائع سے حاصل شدہ مواد کو جوڑ کر نقل نویسوں نے اسے موجودہ شکل دی ہے۔" (۹۲)

بائبل سے متعلق ایک اور معروف کتاب کے مصنف' عہد عتیق کے مختلف حصوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

Their authorship is often unknown, or attributed worngly, but in all sincerity, to writers who, it is now clear, could not have written them– at least in their present form.

"ان کے مصنف اکثر غیر معلوم ہیں۔ یا پھر ان کی تصنیف پورے اخلاص کے ساتھ 'مگر غلط طور پر' ایسے لکھنے والوں سے منسوب کی گئی ہے جن کے بارے میں اب واضح ہو چکا ہے کہ وہ انہیں کم از کم ان کی موجودہ شکل میں نہیں لکھ سکتے تھے۔" (۹۳)

مثلاً عہد عتیق کی پہلی پانچ کتابوں کے بارے میں ہم بتا چکے ہیں کہ یہ موسیٰ سے غلط طور پر منسوب کی گئی ہیں۔ اسی طرح اور بہت سی کتابیں ہیں۔ مثال کے طور پر سیموئیل کی دو کتابوں کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ انہیں سیموئیل نبی نے خدا کے الہام سے لکھا۔ چنانچہ کیتھولک بائبل کے حواشی میں ہے:

Samuel was traditionally supposed to have written these books–hence the title.

"روایتی طور پر یہ سمجھا گیا تھا کہ سیموئیل نے ان کتابوں کو لکھا ہے' اس لیے ان کا عنوان یہ ہے (یعنی اس لیے یہ سیموئیل سے منسوب ہیں)۔" (۹۴)

92. The New Funk and Wagnall's Encyclopaedia, New Yourk, 1949, vol.4, p. 1300.

93. Stanley Cook: Introduction to the Bible (Panguin Books), 1956, p. 33.

94. Notes to the Catholic Bible (RSV), p. 999.

مگر جب ہم ان کتابوں میں سیموئیل کی وفات کا ذکر[۹۵] اور اس کے بعد کے حالات پڑھتے ہیں تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ سیموئیل سے غلط طور پر منسوب ہیں' اور انہیں کسی نامعلوم مصنف نے سیموئیل کے بعد لکھا ہے۔

دراصل یہودیوں میں رواج ہو چکا تھا کہ وہ کسی بھی تحریر کو کسی قدیم پیغمبر یا معروف شخصیت سے منسوب کر دیتے تھے:

Attributing a contemporary or recently composed book to an ancient prophet or wise man, was common practice.

"کسی موجودہ یا قریب کے زمانہ کی کتاب کو ایک قدیم نبی یا دانشمند (مثلاً موسیٰ' سلیمان' عزرا وغیرہ) سے منسوب کرنا عام معمول تھا۔"[۹۶]

اس سلسلہ میں تحقیق و تفتیش کا تکلف نہیں کیا جاتا تھا۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں (حوالہ نمبر ۱۵' باب ھذا) کہ یہود کی قومی تباہیوں' اسیری اور جلاوطنی کے ادوار کے بعد (غیر مصدقہ روایت کے مطابق) کاہن و فقیہ عزرا نے تورات کی ترتیب و تصحیح کی اور اسے من و عن قبول کر لیا گیا۔ مگر عزرا کے اپنے نام سے منسوب جو کتاب عہد عتیق کا حصہ ہے' وہ بھی مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والے فرمانوں' نسب ناموں اور فہرستوں کا مجموعہ ہے۔ اس کے صرف باب ۷ تا ۹ میں واحد متکلم کا صیغہ یہ تاثر دیتا ہے کہ اسے عزرا نے لکھا ہے۔[۹۷]

یہود کی زود اعتقادی کا عالم یہ تھا کہ یوسیاہ بادشاہ نے اپنے عہد میں خدا کے گھر کی مرمت کرائی[۹۸]' تو سردار کاہن خلقیاہ کو ایک کتاب ملی۔ اس اکیلے آدمی کی شہادت پر بادشاہ اور پوری قوم نے اسے کتاب الٰہی تسلیم کر لیا۔[۹۹] خلقیاہ جتنا کچھ بھی قابل اعتماد تھا' یہ دیکھنے

۹۵۔ ۱- سموئیل ۲۵ : ۱ وما بعد

96. Bratton's History of the Bible, pp.89-90.

۹۷۔ قاموس الکتاب' ص۔ ۶۴۴

۹۸۔ بریٹن کی تاریخ بائبل کے مطابق ۶۲۱ ق۔م میں۔ دیکھئے: کتاب مذکور' ص - ۸۹

۹۹۔ ۲- سلاطین ۲۲ : ۸ وما بعد' ۲- تواریخ ۳۴ : ۱۴ وما بعد۔

کی کوشش نہیں کی گئی کہ کتاب کب سے یہاں موجود تھی یا کیسے یہاں آئی اور اس کو لکھنے والا کون تھا' اور یروشلم اور ہیکل کی زبردست تباہی و بربادی (دیکھیے حوالہ نمبر ۱۵' باب ھذا) کے بعد بائبل کا کوئی درست نسخہ کیا واقعی کسی کونے میں سلامت پڑا رہا تھا جس پر خلقیاہ سے پہلے کسی کی نظر نہیں پڑی؟ اس امکان پر بھی کسی نے توجہ نہیں دی کہ شاید خلقیاہ نے بادشاہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے یہ افسانہ گھڑا ہو (یوسیاہ بادشاہ اپنے کئی پیشروؤں کے برعکس گہرا مذہبی رجحان رکھتا تھا)۔[100] یہ امکان بھی ہے کہ اس کتاب میں بعض مذہبی و سماجی قوانین ایسے تھے جنہیں اس زمانہ کے مذہبی و سیاسی رہنماؤں نے قوم کے لیے مفید جانتے ہوئے اسے "موسیٰ کی شریعت کی کتاب" یا کتاب استثناء (کتاب تثنیہ شرع =Dueteronomy) کے نام سے رائج کر دیا۔(۱۰۱) غالبًا یہی وہ کتاب تھی جو عزرا کے زمانہ تک مکمل درجہ استناد (canonical status) حاصل کر چکی تھی۔ اور اس کے حصول درجہ استناد کی ابتدا اسے موسیٰ سے منسوب کرنے سے ہوئی:

> In order to make this reform more binding, the promulgators of Deuteronomy created the impression that the law was from Moses, for only by ascribing the work to ancient authority could they hope to give it proper sanction.

> "(قوم کو تحریک) اصلاح کا پابند بنانے کے لیے کتاب استثناء کے نافذ کرنے والوں نے یہ تاثر پیدا کیا کہ یہ قوانین موسیٰ کی طرف سے ہیں۔ کیونکہ کسی قدیم سند کے سہارے ہی پر وہ امید کر سکتے تھے کہ یہ کتاب مناسب درجہ قبولیت و منظوری حاصل کرے گی۔" (۱۰۲)

۱۰۰۔ ۲- سلاطین ۲۲ : ۲

101 - 102. Bratton's History of the Bible, p. 97.

کتابوں کے غلط انتساب، ان کے مصنفین کی گمنامی، اور ان کی بلا تحقیق قبولیت ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ بسا اوقات ایک ہی کتاب میں مختلف مصنفین اور راویوں کے متضاد بیانات جمع ہو گئے ہیں، یا مختلف کتابوں میں متضاد و متناقض بیانات موجود ہیں۔ ان میں سے بعض کا تذکرہ ہم ان شاءاللہ آئندہ باب میں کریں گے۔

عہد جدید کی تدوین اور اس کے مصنفین

مصنفین کی گمنامی اور کتابوں کے غلط ناموں کی طرف انتساب کے معاملہ میں بھی عہد جدید کی کیفیت عہد قدیم سے مختلف نہیں۔

قرآن مجید اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاحب کتاب پیغمبر تھے۔(۱۰۳) (قرآن کی تصدیق تورات و انجیل پر تبصرہ انشاءاللہ اگلے باب کے شروع میں ہوگا)۔ مگر عیسائیوں کی اپنی روایات حضرت عیسیٰؑ یا ان کے حواریوں کے پاس کسی الگ کتاب کا ذکر نہیں کرتیں۔(۱۰۴) اس کے برعکس مسیحی محقق کہتے ہیں:

Jewish Scriptures.... became the Bible of the primitive Church.

"یہودی نوشتے ہی --- ابتدائی کلیسیا کی بائبل بن گئے۔" (۱۰۵)

اور:

During the early years that succeeded the death of Jesus, no written record appears to have been made of his life and teaching. A few of the most striking of his

۱۰۳۔ القرآن ۵: ۴۶، ۱۹: ۳۰، ۵۷: ۲۷۔

۱۰۴۔ البتہ محققین کہتے ہیں کہ اناجیل اربعہ سے پہلے کچھ اناجیل اور دستاویزیں موجود تھیں، جو ضائع ہو گئیں (حوالہ نمبر ۱۰۹، ۱۱۰)۔ ناممکن نہیں کہ ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملنے والی اصل انجیل بھی موجود ہو۔

105, Collier's Encyclopaedia, vol.3, p. 395.

sayings were perhaps embodied in some simple liturgy; but generally speaking, as his followers were in constant expectation of his early return from heavan, they felt no need to make a written record of his life on earth....

"معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کی "موت" کے بعد گذرنے والے ابتدائی سالوں میں ان کی زندگی اور تعلیمات کا کوئی تحریری ریکارڈ تیار نہیں کیا گیا۔ (البتہ) ان کے فرمودات میں سے چند زیادہ مؤثر باتوں کو شاید کسی سادہ عبادت و اذکار میں شامل کر لیا گیا ہو۔ مگر بالعموم چونکہ ان کے متبعین مسلسل ان کی آسمان سے آمد ثانی کے منتظر رہتے تھے' اس لیے انہوں نے ان کی زمینی زندگی کو ضبط تحریر میں لانے کی ضرورت نہ سمجھی۔" (۱۰۶)

تاہم جب آمد ثانی سے مایوسی ہوتی گئی اور یادیں مدہم پڑنا شروع ہو گئیں' تو لوگوں نے اپنے طور پر فرمودات مسیح کے کچھ مجموعے بنائے' جنہیں "اقوال" یا "لوگیا" (Logia) کہا جاتا تھا۔ اور پھر انہی زبانی روایات اور مجموعات کلام کو سامنے رکھ کر انجیل نگاروں نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اناجیل لکھیں' جن میں عام نقادان فن کے نزدیک مرقس کی انجیل اولین تھی (گو پولس کے خطوط پہلے لکھے جا چکے تھے)۔ اور یہ انجیل بھی ۶۵ء سے پہلے نہیں لکھی گئی۔(۱۰۷) مگر اناجیل میں جو کچھ لکھا گیا' اس میں مسیح کے اپنے الفاظ کو دیانت و امانت سے پیش کرنے کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ کیونکہ جیسا کہ مصنف مذکور لکھتے ہیں:

We must remember that in ancient times it was the

---

106. Bernard M.Allen: The Sotry Behind the Gospels, London, 1926, pp.4-5.

107. Ibid.

common practice for even the most conscientious chroniclers and historians to put into the mouths of the characters, of whom they wrote, words which they considered appropriate to the occasion, without any intention of implying that they were the exact words used.

"ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ قدیم زمانہ میں دستور تھا کہ انتہائی دیانت دار واقعات نگار اور مؤرخ بھی ان کرداروں کے منہ میں جن کے بارے میں وہ لکھ رہے ہوتے' ایسے الفاظ ڈال دیتے جو انہیں موقع محل کے مناسب نظر آتے۔ ان کا یہ ظاہر کرنے کا بالکل ارادہ نہ ہوتا تھا کہ وہ (ان کرداروں کے) بالکل درست اور اصل الفاظ استعمال کر رہے ہیں۔" (۱۰۸)

متی اور لوقا کی انجیلوں میں فرمودات مسیح کی گہری مماثلت کو دیکھ کر بائبل کے محقق نقاد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ان کے مؤلفین نے فرمودات کے کسی مشترک منبع سے استفادہ کیا ہے۔(۱۰۹) مگر کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ یہ ذریعہ کس کی تصنیف تھا اور کہاں تک قابل اعتماد تھا۔ نہ کوئی یہ ضمانت دے سکتا ہے کہ ہر دو مؤلفین نے اس ذریعہ کو کتنی دیانتداری سے استعمال کیا ہے۔ کیونکہ ان میں باہم اختلافات موجود ہیں' جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔ اس بنیادی منبع (جو اب ناپید ہو چکا ہے) کی صحیح نوعیت و کیفیت اور اس کے مصنف کے نامعلوم ہونے کی وجہ سے اسے محض Q (Quelle = source) یعنی "میم" (منبع) کا نام دے دیا گیا ہے۔(۱۱۰)

108. Ibid. (p.5).

109. Irene Allen: The Early Church And The New Testament, London, 1951, pp. 133–134.

110. H.A. Guy: A Critical Introduction to the Gospels, London, 1973, p.54.

بعض نقادوں نے یہ بھی فرض کیا ہے (کیونکہ حتمی شواہد کسی کے پاس بھی نہیں) کہ "فرمودات مسیح" کے مفروضہ مجموعوں کے علاوہ "مصائب مسیح" کی کچھ کہانیاں (Passion Narratives) بھی اناجیل کی تالیف سے پہلے عوام میں گردش کر رہی تھیں۔ اور:

> There are good reasons for supposing that Mark and Matthew made use of the same Passion Narratives, but Luke and John used different ones, because although they agree in their main facts, they differ very much in detail.

> "یہ بات ماننے کی معقول وجوہ موجود ہیں کہ مرقس اور متی نے ایک ہی قصۂ مصائب سے فائدہ اٹھایا، مگر لوقا اور یوحنا نے مختلف قصوں کو استعمال کیا۔ اس لیے کہ اگرچہ وہ اہم واقعات کے بارے میں متفق ہیں، مگر تفصیلات کے بیان کے اندر ان میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔" (۱۱۱)

بعض ماہرین نے اس سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر کہا ہے کہ فرمودات اور قصص مصائب کے علاوہ کچھ اور قسم کے قصے، حکایات اور روایات بھی اناجیل کی بنیاد بنیں، جن میں

> sayings, anecdotes, scraps of debate or conversation, miracle stories, parables, stories about Jesus and the like

> "اقوال، واقعات، بحث و گفتگو کے ٹکڑے، معجزات کی کہانیاں، تمثیلات اور یسوع کے بارے میں کہانیاں وغیرہ" (۱۱۲) شامل ہیں۔

دوسری طرف بعض محققین نے اناجیل کے کسی بھی تحریری منبع (written source) کے وجود کا سرے سے انکار کیا ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق، اناجیل سے پہلے عیسائیوں میں

111. Ibid.

112. Collier's Encyclopaedia, vol. 9, p. 199.

قصص (Narratives) اور اقوال (Sayings) کی شکل میں دو قسم کا مواد زبانی طور پر گردش کر رہا تھا۔ "قصص" میں مسیح کی پیدائش، معجزات اور مزعومہ موت کے بارے میں کہانیاں شامل تھیں، جو یونانی مشاہیر (Greek heroes) کے کارناموں کی کہانیوں کی طرز پر اور ان سے متاثر ہو کر بنائی گئی تھیں۔ اور "اقوال" میں مسیح کے فرمودات پر مشتمل روایات شامل تھیں، جن میں بہت کچھ کمی بیشی ہو چکی تھی۔ [113]

یہ تو عہد جدید کے مصادر کا ذکر تھا۔ جہاں تک اس کے مصنفین کا تعلق ہے، اصل مصادر کے مصنفین کی طرح عہد جدید کے اپنے مصنفین بھی قطعی طور پر گمنام اور نامعلوم ہیں:

> The Gospels themselves do not refer by name to their authors, and titles of the Gospels were added not earlier than a generation or two after composition, when they had been collected together in a corpus, and so required identification to distinguish them from one another.
>
> "خود اناجیل میں ان کے مصنفین کے ناموں کا کوئی حوالہ موجود نہیں۔ اور ان کے عناوین (انجیل متی، انجیل مرقس وغیرہ) کا اضافہ ان کی تالیف کے ایک دو نسل بعد تک کے عرصہ سے پہلے نہیں ہوا، جب کہ انہیں ایک مجموعی کتاب میں اکٹھا کیا گیا، اور اس لیے ان میں باہمی امتیاز کرنے کے لیے (الگ ناموں کی) شناخت کی ضرورت پیش آئی۔" [114] اور:
>
> In fact the Gospels and the Acts were published amonymously; the present titles came from the second century.

113. Encyclo. Brit. (1973), vol. 10, p. 593.
114. Bernard Allen : op. cit.

"دراصل اناجیل اور اعمال (کی کتاب) گمنام طور پر (مصنفین کے ناموں کے بغیر) شائع ہوئیں' اور ان کے موجودہ عناوین (اور انتساب) دوسری صدی میں رائج ہوئے۔" (۱۱۵)

انجیل یوحنا وغیرہ میں ایسے حوالے (۱۱۶) جن سے یہ تأثر ملے کہ یہ مسیح کے کسی چہیتے حواری کی تالیف ہے' بھی اسی دور میں داخل کیے گئے۔ (۱۱۷)

گویا نئے عہد نامہ میں شامل اناجیل بعض ناموں کی طرف منسوب ضرور ہیں' مگر یہ نام ان کے اصل مؤلفین کے نہیں ہیں۔ مثلاً انجیل متی' متی حواری کی تالیف نہیں۔ مسیحی فاضلین کی تحقیق کے مطابق اس میں زیادہ سے زیادہ متی سے منسوب و مروی فرمودات مسیح کے کسی مجموعہ کو (جس کی صحت اور سند کا ہمیں علم نہیں) استعمال کیا گیا ہے۔ مگر مسیح کے اقوال کے علاوہ جو مواد اس میں ہے' اس کے بارے میں اتنا بھی نہیں بتایا جا سکتا کہ وہ کہاں سے آیا اور اس کی حیثیت کیا ہے۔ اور مختلف ذرائع سے اکٹھی ہونے والی یہ انجیل ۸۵ء سے پہلے مرتب نہیں ہوئی تھی۔ (۱۱۸)

مرقس کی انجیل' جیسا کہ پہلے ذکر ہوا' ۶۵ء کے قریب مرتب ہوئی۔ روایتی طور پر اس کا مؤلف پولس کا ایک معتمد ساتھی (جس کے ساتھ اس کا کچھ عرصہ اختلاف بھی رہا) یوحنا مرقس (John Mark) تھا۔ (۱۱۹) مگر اس کی شخصیت اور پایۂ اعتبار کے بارے میں کسی کو لائق اعتنا معلومات حاصل نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں اس انجیل کے کم از کم آخری حصہ کا محرف اور تبدیل ہونا ثابت ہو چکا ہے' اور اس پر ہم انشاءاللہ آئندہ باب میں روشنی ڈالیں گے۔ اس لیے اگر یہ واضح بھی ہو جائے کہ یہ انجیل واقعی مرقس کی تصنیف ہے' تو بھی یہ محفوظ نہ

---

115. Encyclo. Brit. (1973), vol. 13, pp. 32 - 33.

۱۱۶۔ یوحنا ۱۹ : ۲۶ ' ۲۱ : ۷ ' ۲۱ : ۲۴' وغیرہ

117. Encyclo. Brit. (1973), 13:32-33.

118, 119. Collier 's Encyclopaedia, vol.9 p.200;

قاموس الکتاب' ص۔ ۹۰۲

ہونے کی وجہ سے ساقط الاعتبار ہے۔

اسی طرح تیسری انجیل اور "رسولوں کے اعمال" نامی نئے عہد نامہ میں شامل کتاب لوقا سے منسوب کی جاتی ہے۔ مگر اس کی شخصیت کے بارے میں بھی کوئی پختہ ثبوت نہیں ملتا۔ اور کم از کم سات مختلف افراد پر لوقا صاحب انجیل ہونے کا لیبل چسپاں کیا گیا ہے۔ یہ انجیل اغلباً ۷۵ سے ۸۵م تک کسی سال میں لکھی گئی۔ [۱۲۰]

چوتھی انجیل یوحنا سے منسوب ہے جو روایتی طور پر یوحنا حواری سمجھا جاتا رہا ہے۔[۱۲۱] مگر:

Liberal critics from the 19th century onward have denied the Johannie authorship.

"انیسویں صدی اور اس کے بعد کے آزاد و غیر جانبدار نقادوں نے اس کے یوحنا کی تصنیف ہونے سے انکار کیا ہے۔"[۱۲۱]

اس میں یونانی و غناسطی افکار کی بھرمار اور باقی اناجیل سے اس کے نمایاں اختلافات و تضادات (جن پر انشاءاللہ آئندہ باب میں بحث ہوگی) بھی اس نظریہ کی نفی کرتے ہیں کہ یہ کسی حواری (یا عیسائی اصطلاح کے مطابق "رسول") کی تصنیف ہے۔ نیز قدیم ایشیائے کوچک کا مشہور بشپ پیپاس (Papias) (۶۰ء تا ۱۳۰ء) جو رسولی روایات کو خوب جانتا تھا' اس کے بارے میں خاموش ہے۔ اور مسیحی آبائے قدیم میں سے ایک اور اہم شخصیت پولی کارپ (Polycarp) (م ۱۵۰ء) نے بھی جو یوحنا حواری کا شاگرد بتایا جاتا ہے' اس انجیل کا ذکر نہیں کیا۔[۱۲۲] اندریں حالات جو لوگ اب بھی اسے یوحنا حواری کی تصنیف قرار دیتے ہیں' ان کے پاس اسکا کوئی ثبوت نہیں۔ اور حقیقت میں انیسویں صدی ہی نہیں بلکہ دوسری صدی میں

120. Collier 's Encyclopaedia, 9:200;

قاموس الکتاب' ص۔ ۸۶۵

121. Collier's Encyclopaedia, vol. 11, p. 425.

122. Catholic Encyclopaedia, vol. 7, p. 1085.

قاموس الکتاب' ص۔ ۱۰۸۵' ۱۱۶۷

بھی عیسائیوں کی ایک معقول تعداد اسے "یوحنا رسول" کی تصنیف ماننے سے انکاری تھی۔ (۱۲۳)

یوحنا حواری کو اس انجیل کا مؤلف ثابت نہ کر سکنے کی وجہ سے بعض عیسائی مصنفین نے کسی "یوحنا بزرگ" (John the Elder) کو اس کا مصنف بتایا ہے۔ جس کے بارے میں ان میں سے بعض نے حضرت عیسیٰؑ کا شاگرد اور بعض نے ان کے شاگردوں کا شاگرد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ مگر ان دعووں کا بھی کوئی ثبوت موجود نہیں۔ (۱۲۴) حقیقت یہ ہے کہ یہ انجیل بھی بائبل کی متعدد کتابوں کی طرح کسی ایک مصنف کی نہیں، بلکہ مختلف گمنام مصنفین کی مختلف اوقات میں لکھی گئی تحریروں کا مجموعہ ہے، جنہیں کسی اور گمنام مؤلف نے اکٹھا کر دیا:

> There are indications of more than one hand in the Gospel.
>
> "اس انجیل میں ایک سے زیادہ (مصنف کا) ہاتھ ہونے کے آثار پائے جاتے ہیں۔" (۱۲۵) اور:
>
> The authorship of the fourth Gospel is a perplexing problem.
>
> "چوتھی انجیل کے مصنف (کو معلوم اور طے کرنے) کا مسئلہ بڑا پریشان کن ہے۔" (۱۲۶)

اناجیل اربعہ کے بعد نئے عہد نامہ میں جو کتاب شامل ہے، وہ "رسولوں کے اعمال" کے نام سے معروف ہے۔ یہ اگرچہ عیسیٰؑ کے صعود آسمانی کے فوراً بعد کے واقعات پیش کرتی ہے،

123. Encyclo. Brit. (1962), vol. 13, p. 102;
B. H. Streeter: The Four Gospels, London, 1925, p. 431.

124. B.H. Streeter: op. cit., p. 443.

125. New Catholic Encyclopaedia, vol. 7, p. 1080.

126. Collier's Encyclopaedia, vol. 9, p. 200.

مگر اسے "دوسری صدی کے بعد" ہی لوقا کی تصنیف قرار دیا گیا-اور "اول اول مسیحی کلیسیائیں اس سے کوئی تعلق نہ رکھتی تھیں-" (۱۲۷)

اس کے بعد پولس اور بعض دوسرے "رسولوں" کے خطوط ہیں- نئے عہد نامہ میں شامل ان خطوط کے بارے میں انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں لکھا ہے:

> More than half of them are ascribed to Paul, although critics have questioned this ascription in some cases.
>
> "ان میں سے آدھے سے زیادہ پولس سے منسوب کیے جاتے ہیں' اگرچہ نقادوں نے بعض صورتوں میں اس انتساب پر اعتراض کیا ہے-" (۱۲۸)

دوسری جگہ اس اعتراض کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

> Actually, however, only ten, including Ephesians can be ascribed to him, and there are many scholars who question the authenticity of Ephesians.
>
> "فی الحقیقت دس (خطوط) بشمول افسیون (کے نام خطوط) کو اس (پولس) سے منسوب کیا جاسکتا ہے' تاہم بہت سے نقادوں نے افسیون کے مستند ہونے پر بھی اعتراض کیا ہے-" (۱۲۹)

عبرانیوں کے نام خط' تیمتھیس کے نام دو خطوط اور ططس (Titus) کے نام خط (آخری تین کو کلیسیائی نظام سے متعلق خطوط =Pastoral Letters کہا جاتا ہے) پر ماہر نقادوں کے اعتراضات اتنے وزنی ہیں کہ ان کا دفعیہ بہت ہی مشکل ہے۔ خصوصاً مؤخرالذکر تین خطوط میں نمایاں الفاظ و اصطلاحات پولس سے منسوب باقی خطوط سے بہت مختلف اور دوسری صدی میں مستعمل الفاظ و اصطلاحات کے قریب ہیں۔اسی طرح بشپ'

۱۲۷۔ قاموس الکتاب' ص - ۶۷' ۶۸

128. Encyclo. Brit. (1973), vol. 3, p. 574.

129. Encyclo. Brit. (1973), vol. 17, p. 476.

پریسبیٹر (Presbyter) اور ڈیکن (Deacon) جیسے کلیسیائی عہدے جو ان میں مذکور ہیں' پولس کے دور کے بعد وجود میں آئے- نیز ان کا طرز تحریر باقی خطوط سے بالکل مختلف ہے-(۱۳۰)

پولس کے خطوط کے علاوہ باقی جو خطوط اور مواد نئے عہد نامہ میں شامل ہے اس میں سے بھی یعقوب (James) کا خط' پطرس کا دوسرا خط' یوحنا کا دوسرا اور تیسرا خط' اور یہوداہ اور یوحنا کے مکاشفہ کو مؤخر الاستناد (deuterocanonical) کہا جاتا ہے' کیونکہ انہیں مکمل درجہ استناد بہت بعد میں جاکر حاصل ہوا- اس لیے کہ:

The Church (hesitated) over their attribution to the authors whose names they now bear.

"کلیسیا کو ان کے مصنفین' جن کے نام ان پر لکھے ہیں' سے ان کے انتساب پر تأمل اور شک تھا-" (۱۳۱)

اور یہ شک عیسائیت کے ابتدائی زمانہ اور صدر اول سے موجود تھا- مثلاً اوریجن (Origen) (م ۲۵۴ء) نے عبرانیوں کے نام خط کے بارے میں کہا تھا:

God only knows who wrote this book.

"خدا ہی جانتا ہے کہ اسے کس نے لکھا ہے-" (۱۳۲)

مختصر یہ کہ عہد عتیق اور عہد جدید دونوں کی اکثر کتابیں گمنام اور ایک سے زیادہ مؤلفین کی تصنیف ہیں' جن کا ملہم ہونا تو دور کی بات ہے' ہم ان کی شخصیات ہی سے واقف نہیں ہیں- اور بہت سی کتابیں جس شخصیت کی طرف منسوب ہیں وہ فی الحقیقت اس کی تصنیف نہیں ہیں-

۳- بائبل کو درجہ استناد کیسے ملا؟

گمنام اور مختلف مؤلفین کی اس تالیف کو جس کا دعویٰ الہام انتہائی مخدوش ہے'

130. R.H.Fuller: A Critical Introduction to the New Testament, London, 1979, pp.133-134;
Encyclo. Brit. (1973), vol 17. pp. 444, 476.
131. Daniel-Rops: Life of Jesus, p. 29.
132. Bratton's History of the Bible, p. 122.

عیسائیوں کے ہاں درجہ استناد (authority or canon) مل جانا تاریخ مذاہب اور تاریخ انسانیت کے ایک اعجوبہ سے کم نہیں- تاہم اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ بائبل کو مستند اور الہامی کس نے اور کس بنیاد پر قرار دیا-

ایک یہودی روایت کے مطابق مقدس کتب کے عالم' فقیہ اور محرر (scribe) عزرا اور یہودی مذہبی و سیاسی رہنما نحمیاہ کے زمانہ (پانچویں صدی قبل مسیح) میں ہیکل کی ایک عظیم مجلس (Great Synagogue) منعقد ہوئی' جس نے کتابوں کے تقدس و استناد کا معیار (canon) مقرر کیا- یعنی کچھ کتابوں کو جو عوام و خواص میں صدیوں سے گردش کر رہی تھیں' مقدس اور الہامی (inspired) قرار دیا-[۱۳۳] مگر محققین کے نزدیک اس مجلس کا انعقاد ثابت نہیں- نیز ان کے بقول بعض کتابیں پانچویں صدی قبل مسیح سے پہلے ہی قبولیت عامہ حاصل کر چکی تھیں- ان محققین کے بیان کے مطابق اگر کسی مجلس کو بائبل کے عہد قدیم کو سند شرعی (canon) قرار دینے کا ذمہ دار قرار دیا جا سکتا ہے' تو وہ جامنیا (Jamnia) میں ۹۰ء تا ۱۰۰ء کے قریب منعقد ہونے والی مجلس ربانیین (Synod of Rabbis) یعنی یہودی علماء کی مجلس اعلیٰ ہے:

> After the fall of Jerusalem in A. D. 70 and the rise of Christian movement, the Jewish community felt obliged to fix the limits of its Bible more precisely.
>
> "۷۰ء میں سقوط یروشلم[۱۳۴] اور تحریک مسیحیت کی ترقی کے بعد قوم یہود اس بات پر مجبور ہوئی کہ وہ اپنی بائبل کی حدود کو زیادہ صحت کے ساتھ متعین کرے-"[۱۳۵]

---

133. Encyclo. Brit. (1973), vol.3, p.515;
Catholic Bible, p. 1003.

۱۳۴- دیکھئے حوالہ نمبر ۲۱' باب ھذا-

135. Encyclo. Brit. (1973), vol.3, p. 576;
Encyclo. Ameicana, vol.3, p.614.

یعنی ایک طرف یروشلم اور ہیکل کی تباہی سے پرانی کتابوں کے مٹ جانے کا خطرہ تھا' اور دوسری طرف عیسائی بھی یہودیوں کی کتابوں ہی کو اپنا کر ان میں سے جس سے ان کے موقف کی تائید ہوتی اسے مقدس والہامی قرار دے لیتے تھے- ان حالات میں یہودی عوام کو بتانے کی ضرورت تھی کہ ان کے مذہب کی بنیاد کن کتابوں پر ہے- چنانچہ کتاب یرمیاہ (جس سے عیسائی' مسیح کے بارے میں پیشگوئیوں کے بڑے حوالے دیتے تھے)' دانی ایل' ایستھر کے بعض حصوں اور موجودہ اپوکریفہ کے بارے میں قرار دیا گیا کہ یہ الہامی نہیں ہیں- باقی کم و بیش وہ کتابیں جو اب عہد عتیق کا حصہ ہیں' الہامی قرار دے دی گئیں"[۱۳۶] اور یہ بھی طے کیا گیا کہ کوئی اور کتاب کتب مقدسہ میں داخل نہیں کی جائے گی-[۱۳۷]

اس فیصلہ پر کافی حد تک اتفاق ہو گیا' مگر مکمل طور پر پھر بھی نہیں- چنانچہ یوسیبئیس (Eusebius) (۳۴۰ء) کے بیان کے مطابق مشرقی علاقوں کے ربیوں (Rabbis) کی فہرست کتب مقدسہ نہ تو جامنیا کی اس مجلس کی جاری کردہ عبرانی فہرست سے متفق تھی اور نہ عیسائیوں کی یونانی فہرست کے مطابق تھی- اس طرح:

The status of the disputed books remained in doubt for the first four centuries of the Christian era.

"اختلافی کتابوں کی حیثیت پہلی چار عیسوی صدیوں کے دوران شک و شبہ میں پڑی رہی-"[۱۳۸]

اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایسے تو نہیں ہوا کہ ادھر مذکورہ مجلس علمائے یہود نے فیصلہ کیا' اور ادھر کچھ کتابیں کسی قانون کی طرح نافذ ہو گئیں- مگر یہ ضرور ہے کہ اس فیصلہ نے یہودیوں میں ان کتابوں کی قبولیت اور رواج میں بڑا اہم کردار ادا کیا- تاہم مجلس کے

136. Encyclo. Brit. (1973), 3: 576.

137. B.K. Rattey: A Short History of the Herbrews, London, 1970, p.15.

138. Encyclo. Brit. (1973), 3:576.

انعقاد سے بہت پہلے کچھ کتابیں اپنی عوامی مقبولیت' قدامت (جس کا ایک "ثبوت" کسی گمنام مصنف سے منسوب ہونا بھی تھا' تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ جس کتاب کو آپ الہامی کتاب کے طور پر پیش کرتے ہیں وہ تو قریب کے زمانہ کے فلاں شخص کی تصنیف ہے)' قدیم مشاہیر سے غلط یا صحیح انتساب (مثلاً کتب خمسہ اور غزل الغزلات کی موسیٰ علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام سے نسبت)' مذہبی اجتماعات اور عبادات میں استعمال (مثلاً داؤد علیہ السلام سے منسوب نغموں کا ہیکل میں گایا جانا)' جیسی وجوہ کی بنا پر عوام اور ربیوں میں شہرت اور سند قبول حاصل کر چکی تھیں۔(۱۳۹) یہ ایک انسانی اور تاریخی عمل تھا جس سے خدا کے الہام کا کوئی تعلق نہ تھا۔ جامنیا کی مجلس نے ان کتابوں سے مزید انتخاب کیا اور ایک دوسرے انسانی و تاریخی عمل کے ذریعہ بعض کتابوں کی توثیق کی اور بعض کو مسترد کر دیا۔

عہد جدید اور درجہ استناد

یہود کے اپنی کتب مقدسہ کے بارے میں فیصلہ کے زیر اثر' عیسائیوں نے بھی یہودی بائبل کو کم و بیش کر کے اپنی بائبل کے عہد قدیم کے طور پر اپنا لیا (اس کا ذکر اسی باب کے شروع میں "عہد نامہ قدیم" کے زیر عنوان ہو چکا ہے)۔ اور جہاں تک مسیحی بائبل کے عہد جدید کا تعلق ہے' اس کو بھی درجہ استناد تقریباً بالکل اسی طرح حاصل ہوا جس طرح عہد قدیم کو ملا تھا۔

مسیحی فاضلین کے مطابق شروع میں مسیحی بائبل بھی صرف (کم و بیش موجودہ) عہد قدیم ہی پر مشتمل تھی:

> There was once a time when the Christian Bible did not contain both the Old and New Testaments.
>
> "ایک وقت تھا جب مسیحی بائبل میں پرانے اور نئے عہد نامہ کی تقسیم نہیں تھی۔"(۱۴۰)

---

139. Bratton's History of the Bible, p.92.
140. Encyclo. Brit (1973), 3:577;
F.C. Grant: The Gospels, Their Origin and Growth, London, 1957, p. 12.

یعنی نئے عہد نامہ کا وجود ہی نہ تھا کہ نئے اور پرانے کی تخصیص کی ضرورت پیش آئے۔

The earlist Christians, who were Jews, would have been surprised to learn that their Bible was incomplete.

"قدیم عیسائی' جو اصلاً یہودی تھے' یہ جان کر بڑے حیران ہوتے کہ ان کی بائبل (صرف عہد نامہ قدیم پر مشتمل ہونے کی وجہ سے) نامکمل ہے۔" (۱۴۱)

مگر جب (جیسا کہ گذشتہ سے پیوستہ فصل میں بیان ہوا)' اناجیل لکھی گئیں اور اس کے ساتھ ہی مختلف لوگوں نے مسیح کے اقوال و فرمودات اور آپ کی ذات اور زندگی کے بارے میں مختلف طرح کے مجموعے بنانے شروع کیے' تو ان میں کئی ایسی چیزیں بھی تھیں جنہیں رہنمایان کلیسیا پسند نہیں کرتے تھے' خصوصاً

circulation of writings that bore the names of Apostles but did not contain apostolic teachings (as that teaching was being interpreted by the Church.)

"ایسی تحریروں کا رواج جو 'رسولوں' (حواریوں) کے نام سے منسوب تھیں مگر ان کی تعلیم پر مشتمل نہیں تھیں (اس طرح جس طرح کلیسیا نے اس تعلیم کی تعبیر و تشریح کی تھی)۔" (۱۴۲)

چنانچہ ارباب کلیسیا نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ کچھ کتابوں کو دین کی اساس قرار دیا جائے' اور باقی کو مسترد کر کے اپنی پسند کے عقائد و نظریات کو محفوظ بنا دیا جائے۔
اس کلیسیائی ضرورت کو بعض "بدعتی" (heretic) افراد اور گروہوں نے اور بھی شدید بنا دیا۔ ان میں سے ایک مرقیون (Marcion) (المتوفی ۱۶۰ء تھا' جس نے اپنے زمانہ تک لکھی جانے والی مسیحی مذہبی تحریروں میں سے پولس کے خطوط اور لوقا کی انجیل کی زبردست تائید کرتے ہوئے انہیں مستند' اور باقی سب تحریروں کو مسترد قرار دیا۔ (۱۴۳) اس کے علاوہ

141. Encyclopaedia Americana, vol.3, p. 650.

142. Encyclo. Brit. (1973), vol. 3, p. 650.

143. John Foster: Church History, Part I, London, 1975, p. 56.

مونتانی (Montanist) فرقہ نے دعویٰ کیا کہ وہ جب مذہبی معاملات کے بارے میں کچھ کہتے ہیں تو یہ روح القدس کی طرف سے ہوتا ہے۔(۱۴۴) مرقیونی و مونتانی رجحانات کا مطلب یہ تھا کہ ہر کسی کو اپنی مرضی سے مذہب کی اساس بنانے کا حق ہے' جب کہ ارباب کلیسا یہ حق اپنے لیے محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ اور انہوں نے جو انتخاب کیا اس میں یہ معیار نہیں تھا کہ کون سی تحریر یا روایت صحیح طور پر مسیح تک پہنچتی ہے اور ان سے صادر ہوئی ہے۔ بلکہ یہ کہ کونسی کتاب کلیسا کے پسندیدہ مروجہ نظریات کی تائید کرتی ہے۔

> What we have in the Gospels would then be what the Church itself was teaching and saying, ascribed to the historical Jesus.

> "جو کچھ ہمارے پاس اناجیل میں موجود ہے' وہی ہے جو خود کلیسا کہہ اور بتا رہی تھی' جسے مسیح کی تاریخی شخصیت سے منسوب کر دیا گیا۔" (۱۴۵)

گویا بجائے اس کے کہ کلیسا کا عقیدہ اصل مذہبی دستاویزات پر مبنی ہوتا' اس نے اپنے من پسند و مروج عقیدہ کے مطابق طے کیا کہ کن دستاویزات کو مذہبی' مقدس اور الہامی قرار دینا ہے۔ عقائد کی یہ الٹی گنگا بہائے جانے پر اٹھارویں۔ انیسویں صدی کے معروف مفکر طامس پین (Thomas Paine) کا تبصرہ بڑا جامع اور دلچسپ ہے:

> These books.... are, we are told, the word of God. It is therefore proper for us to know who told us so, that we may know what credit to give to the report. The answer to this question is, that nobody can tell except that we tell one another so. The case, however, historically appears to be as follows: When the Church

---

144. Encyclo. Brit. (1973), vol. 3, p. 14.

145. Encyclo. Brit. (1962), vol.13, p.14.

mythologists established the system, they collected all the writings they could find.... They decided by vote which of the books out of the collection they had made should be the word of God, and which should not. They rejected several, they voted others to be doubtful, such as the books called the Apocraphy; and those books, which had a majority of votes, were voted to be the word of God. Had they voted otherwise, all the people, since calling themselves Christians, had believed otherwise; for the belief of the one comes from the vote of the other. Who the people were that did all this, we know nothing of; they called themselves by the general name of the Church, and this is all we know of the matter.

"ہمیں بتایا جاتا ہے کہ (بائبل کی) یہ کتابیں خدا کا کلام ہیں-اس لیے ہمارے لیے یہ جاننا مناسب ہو گا کہ کس نے ہمیں یہ بات بتائی' تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ ہمیں اس بات پر کتنا بھروسہ کرنا ہے-سو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ کوئی نہیں بتا سکتا (کہ کس کے کہنے سے ہم انہیں کلام الٰہی مانتے ہیں)' سوائے اس کے کہ ہم خود ہی ایک دوسرے کو یہ باور کرائیں (کہ یہ کلام الٰہی ہے)- تاہم تاریخی طور پر واقعہ کچھ اس طرح ظاہر ہوتا ہے: جب کلیسیا کے قصہ گوؤں نے اپنا نظام قائم کر لیا تو انہوں نے جتنی تحریریں مل سکتی تھیں' اکٹھی کر لیں-(۱۴۶) پھر انہوں نے

۱۴۶- ایسی بہت سی تحریروں کے علاوہ اناجیل بھی کئی تھیں' مثلاً انجیل برنباس' انجیل توما (Thomas) مصریوں کی انجیل' بارہ حواریوں کی انجیل (Gospel of The Twelve)' متی کی "جھوٹی" انجیل' مرقیون کی انجیل' پطرس کی انجیل' مریم کی انجیل' فلپ کی انجیل' باسیس وغیرہ کی انجیلیں-دیکھئے: بریٹین کی تاریخ بائبل' ص - ۱۵۰' ۱۵۱' اور امریکانا' جلد ۱۳' ص- ۷۰' ۷۱

رائے شماری سے فیصلہ کیا کہ اس مجموعہ کی کون سی کتابیں کلام الٰہی ہونی چاہئیں، اور کون سی نہیں۔ انہوں نے متعدد کتابوں کو مسترد کر دیا، بعض کو مثلاً اپوکریفہ میں شامل کتابوں کو مشکوک قرار دیا، اور وہ کتابیں جنہیں کثرت سے ووٹ ملے، انہیں کلام الٰہی قرار دے دیا۔ اگر وہ کوئی اور فیصلہ کرتے تو اس وقت سے جتنے لوگ عیسائی کہلاتے ہیں ان کا ایمان کچھ اور ہوتا۔ کیونکہ بعض (یعنی عوام) کا ایمان بعض (یعنی ارباب کلیسیا) کے ووٹ کے تابع ہے۔ یہ لوگ جنہوں نے یہ سب کچھ کیا، کون تھے؟ ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ انہوں نے اپنے لیے "کلیسیا" کا عمومی نام اختیار کیا۔ اور ہم بس اس کے بارے میں اتنا ہی جانتے ہیں۔" (۱۴۷)

فاضل مذکور کا لازماً یہ مطلب نہیں کہ واقعی کسی ایک وقت میں پادریوں کی کسی مجلس نے ووٹنگ کے ذریعہ ایک مرتبہ ہی فیصلہ کر دیا کہ کلام الٰہی کیا ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ واضح کرنا ہے کہ مسیحی کتب مقدسہ کو درجہ استناد خدا یا کسی پیغمبر نے نہیں دیا، بلکہ ارباب کلیسیا کے مختلف اوقات میں کیے گئے فیصلوں نے انہیں یہ مقام دیا۔ اس سلسلہ میں ۳۸۲ء کی مجلس علماء (Synod) جس کے فیصلوں کی توثیق پوپ دماسس (Damasus) نے اور پھر پانچویں صدی میں پوپ جیلاسئیس (Gelasius) نے کی، لاؤدیسیا (Laodicea) کی کونسل (۳۶۳ء)، ہپو (Hippo) (۳۹۳ء) اور کارتھیج (۳۹۷ء) کی کونسلوں، ۶۴۲ء کی چرچ کونسل، فلورنس میں منعقد ہونے والی کونسل (۱۴۴۱ء)، ٹرنٹ کونسل (۱۵۴۶ء) اور وطیقان کی پہلی کونسل (۱۸۷۰ء) کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ (۱۴۸)

بہر حال بعد کی کونسلوں نے تو زیادہ تر پہلے فیصلوں کی توثیق ہی کی، مگر نئے عہد نامہ کو مکمل طور پر قبولیت و رواج حاصل کرتے کرتے چار صدیاں لگ گئیں:

The complete N.T. as we have it to-day, was not fully developed until the 4th century.

---

147. Thomas Paine: The Age of Reason, Paris and London, 1794, pp.10-11.
148. Encyclo. Brit. (1973), 3:578;
Maurice Bucaille: op.cit., p. 23;
F.G Bratton: op. cit., p. 152.

"مکمل نیا عہد نامہ جس طرح وہ آج ہمارے پاس موجود ہے' چوتھی صدی تک پوری طرح نشو و نما حاصل نہ کر پایا تھا۔" (۱۴۹)

البتہ اس میں شامل اناجیل اربعہ' نئے عہد نامہ کے باقی حصوں سے بہت پہلے درجہ استناد و قبول حاصل کر چکی تھیں۔ مگر پھر بھی یہ درجہ انہیں دوسری صدی کے آخری ربع کے قریب جا کر حاصل ہوا۔ (۱۵۰)

دراصل دوسری صدی کے آخر تک بعض علاقوں اور اقوام (communities) میں بوجوہ کوئی خاص کتاب رواج پا کر مقبول ہو چکی تھی۔ مثلاً انجیل متی شام کے علاقہ میں' لوقا یونان میں' اور مرقس روم میں مقبول تھی۔ (۱۵۱) دوسری طرف کلیساؤں میں روم' لینس (Lyons)' کارتھیج اور سکندریہ کے کلیسا اور مذہبی مراکز موثر و مضبوط تھے' اور ان کی عبادات و مواعظ میں کوئی خاص انجیل یا دوسری مذہبی کتاب استعمال ہوتی تھی۔ (۱۵۲) رفتہ رفتہ ارباب کلیسا نے ان کتابوں کی مجموعی فہرستیں بنانا شروع کیں' جن میں سے ایک اہم فہرست مسیح کی "خدائی" کے علمبردار سکندریہ کے بشپ اثناسیس (Athanasius) کی تھی جسے اس نے ۳۶۷ء میں جاری کیا۔ (۱۵۳) جب ان فہرستوں کو مذکورہ بڑے کلیساؤں کی حمایت مل گئی' تو چھوٹے کلیساؤں نے خود بخود انہیں اپنا لیا:

> The example of the 'great churches' was followed by all the churches.
>
> "سب کلیساؤں نے بڑی کلیساؤں کی مثال کی پیروی کی۔" (۱۵۴)

---

149. Encyclo. Americana, vol.3,p.651.

150. Maurice Bucaille: op.cit., p. 90.

151. Daniel-Rops: op. cit., p. 28.

۱۵۲-۱۵۳۔ بریٹانیکا' حوالہ بالا۔ بریلین حوالہ بالا۔

154. Irene Allen: op.cit., p. 135.

اور "بڑی کلیسیاؤں" نے کتب مقدسہ کے انتخاب کا کوئی معروضی (objective) معیار اپنانے یا وحی کو اپنے نظریات کی بنیاد بنانے کی بجائے 'من پسند اور عوامی اپیل رکھنے والے پہلے سے اختیار کردہ (pre-conceived) نظریات کو تقویت دینے والی کتابوں کو چن کر انہیں الہامی قرار دے دیا- اسی لیے ہربرٹ ملر نے کہا ہے:

The New Testament was the product of the early churehes, not their basis.

"نیا عہد نامہ اولین مسیحی کلیسیاؤں کی بنیاد نہیں' بلکہ ان کی پیداوار تھا-" (۱۵۵)

اور جیسا کہ طامس پین نے کہا' جن کتابوں کو ارباب کلیسیا نے پسند کیا وہ درجہ قبول پا گئیں اور باقی یہ درجہ حاصل نہ کر سکیں-

مزید لطف کی بات یہ ہے کہ اس کے بعد بھی کافی عرصہ تک "الہامی" کتابوں کے بارے میں ارباب کلیسیا کی پسند و ناپسند بدلتی رہی- وگرنہ:

Why all the books cited as genuine by Clement of Alexandria, Origen and Tertullian and the rest of such writers should not be accounted equally authentic?

"کیا وجہ ہے کہ وہ سب کتابیں جنہیں سکندریہ کے کلیمنٹ' اوریجن' طرطلین اور اس قسم کے دوسرے مصنفین نے اصلی بتایا ہے' مساوی طور پر مستند قرار نہیں دی گئیں؟" (۱۵٦)

اسی طرح نئے عہد نامہ کی کتابوں کی ایک قدیم ترین فہرست جو آٹھویں صدی کے ایک نسخہ سے ۱۷۴۰ء میں شائع ہوئی اور جو مرتوروی نسخہ (Muratorian Fragment) کے نام سے معروف ہے' اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ۲۰۰ء کے قریب کے زمانہ میں مروج کتابوں کی مسلمہ فہرست ہے- مگر اس میں موجودہ نئے عہد نامہ کے پانچ نوشتے موجود نہیں-

155. Hurburt Muller: op. cit., p. 149.

156. John Toland: The Nazarenes, p. 75.

نیز اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ دوسری صدی کے آخر تک ارباب کلیسیا کسی حد تک نئے عہد نامہ کی مستند و مسلمہ کتابوں پر متفق ہو گئے تھے 'اگرچہ اس کے بارے میں اختلافات جاری رہے جو کہیں چوتھی صدی میں جا کر طے ہوئے 'مگر وہ بھی پوری طرح نہیں۔(۱۵۷)

ان ارباب کلیسیا نے 'جنہوں نے کتابوں کے الہامی یا غیر الہامی اور مستند یا غیر مستند ہونے کے فیصلے کیے ' اپنے بارے میں یہ تأثر دیا کہ وہ ملہم تھے۔اور بعد کے ادوار میں ان فیصلوں کو ماننے والوں نے اس تأثر کو گہرا کیا اور کہا کہ یہ فیصلے روح القدس کی رہنمائی میں ہوئے تھے۔(۱۵۸) مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ جب علمائے یہود نے عہد عتیق کی کچھ کتابوں کو جعلی اور غیر مستند (Apocryphal) قرار دیا تو انہوں نے بھی یہی دعویٰ کیا کہ یہ "روح القدس کی رہنمائی" سے ہے۔اور جب کیتھولک پادریوں نے اپنی مجالس میں ان مسترد کتابوں میں سے بعض کو قبول کیا تو ان کا دعویٰ بھی یہی تھا۔اسی طرح جب پروٹسٹنٹ عیسائیوں نے اپوکریفہ کی ساری کتابوں کو پھر رد کر دیا' تو انہوں نے بھی الہام اور روح القدس کی رہنمائی ہی کا دعویٰ کیا۔ پھر جب اسوری (Assyrian) چرچ طویل عرصہ تک پولس کے خطوط کے علاوہ تمام مقدس خطوط مسترد کرتا رہا' تو بھی اس کا یہی دعویٰ تھا۔(۱۵۹)

لائے ہیں بزم ناز سے یار خبر الگ الگ !

ان میں ہر گروہ کا دعویٰ ہے کہ اس کی بائبل مکمل 'مستند 'مقدس اور الہامی ہے۔اور صورت احوال یہ ہے کہ ان کی کتابوں کی کتابیں آپس میں نہیں ملتیں۔کیا روح القدس بھی خدا (کے مسیحی تصور) کی طرح تین بلکہ اس سے بھی زیادہ ہیں کہ ان میں سے ہر ایک نے کیتھولک 'پروٹسٹنٹ 'ریفارمڈ '(اصلاح یافتہ) اور مشرقی (وغیرہ) کلیسیاؤں کی کتب مقدسہ

157. Encyclo. Americana, vol. 3,p. 651;
W. Barclay : Gospel of John, Edinbugh, 1963, pxxxvii,
قاموس الکتاب 'ص۔۸۹۸

158. In Search of Historic Jesus, by Roddy and Sellier, p. 12.

159. Ibid., p. 12;
F.G. Bratton: op. cit., pp.152-153.
مزید وضاحت کے لیے اس باب کے شروع میں 'اپوکریفہ کی بحث پھر ملاحظہ فرمالیجئے۔

کے انتخاب کے سلسلہ میں مختلف طور پر رہنمائی کی؟ اگر فی الحقیقت ان سب کو روح القدس کی رہنمائی حاصل ہوتی' تو مثال کے طور پر پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے کچھ گروہ (جیسے کیلون Calvin کے پیروکار) عبرانیوں کے نام خط اور یوحنا کے مکاشفہ کو جنہیں بہت سے دوسرے عیسائی الہامی کہتے ہیں "بائبل سے خارج" unbiblical نہ کہتے - اور مارٹن لوتھر 'یعقوب کے خط کو (جو اب بھی پروٹسٹنٹ اور کیتھولک بائبل کا حصہ ہے) "تنکوں کے گھر" (epistle of straws) سے تعبیر نہ کرتا- [۱۶۰]

اندریں حالات ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ کسی کتاب کا محض اتفاقات سے کسی علاقہ میں رواج پا جانا اور ہیکل یا کسی اہم کلیسیا کا اسے قبول کر لینا' یہ دو بڑی وجوہ تھیں جنہوں نے عہد قدیم و جدید میں شامل بائبل کی کتابوں کو درجہ استناد بخشا - ورنہ جس طرح ان کتابوں کی تالیف میں الہام کو دخل نہیں تھا (یا الہام میں انسانی کاوش کی آمیزش ہو چکی تھی) اسی طرح ان کی قبولیت و رواج بھی الہام نہیں بلکہ انسانی فیصلوں پر مبنی تھا - اور اگر ان فیصلوں کو خدائی رہنمائی نصیب ہوتی تو مختلف مقدس کتابوں کو درجہ قبول دینے یا نہ دینے کے مسئلہ پر مختلف کلیسیا اور ارباب کلیسیا اتنے زیادہ اختلافات کا شکار نہ ہوتے:

> The formation of the canon was a purely human process and historical growth, in which all the churches differed for several centuries regarding the authentic list of books.
>
> "(مستند کتابوں کی) فہرست مسلمہ کی تدوین و تکمیل ایک خالصتہً انسانی عمل تھا - یہ ایک ایسا تاریخی ارتقاء تھا جس میں کئی صدیوں تک سب کلیسیا کتابوں کی مسلمہ فہرست کے بارے میں اختلافات کا شکار رہے-" [۱۶۱]

چنانچہ جیسا کہ اوپر واضح کیا جا چکا ہے' دوسری صدی عیسوی کے آخر میں مروج سریانی

160. F.G.Bratton: op.cit., p. 153.

161. Ibid., p. 234.

نسخہ (Syriac Version) اور چوتھی صدی کے شروع میں یوسیبیس (Eusabius) وغیرہ آبائے کلیسیا کے زیر استعمال نسخوں میں یوحنا' پطرس اور یعقوب کے بعض خطوط شامل نہ تھے' جو اب بائبل کا حصہ ہیں۔[۱۶۲] اور اسی طرح دوسرے ارباب کلیسیا الہامی کتابوں کی تعداد اور نوعیت کے بارے میں عرصۂ دراز تک گہرے اختلافات کا شکار رہے۔

۴۔ بائبل کے قدیم نسخے

اب تک کی بحث یہ واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ بائبل کی بعض کتابیں الہام سے بالکل عاری ہیں' جب کہ بعض میں الہام کے ساتھ کلام انسانی کی آمیزش ہو چکی ہے۔ مگر ابھی ہمیں یہ طے کرنا ہے کہ الہام اور وحی نہ سہی' ایک عام انسانی تصنیف کے طور پر بائبل کہاں تک قابل اعتماد ہے؟ اس امر کا فیصلہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم دیکھیں کہ بائبل کے قدیم نسخے واقعتہً کتنے قدیم ہیں اور موجودہ نسخے کہاں تک ان پر مبنی ہیں۔

اوپر کی تفصیلات سے واضح ہے کہ بائبل کے دونوں حصے (عہد نامہ قدیم و جدید) سینکڑوں برس کے عرصہ کے دوران اور مختلف اوقات میں لکھے گئے۔ اس لیے ان میں سے ہر کتاب کا اصل نسخہ (مبینہ ملہم یا مصنف کے زمانے کا) ملنا تو ناممکن ہے۔ مگر مجموعی طور پر بائبل یا اس کے دونوں بڑے حصوں میں سے کسی ایک حصہ کا ایسا نسخہ بھی مکمل حالت میں دستیاب نہیں جسے ارباب کلیسیا یا مجالس علمائے یہود و مسیحیین نے "اصلی و مستند" قرار دیا ہو۔ عیسائی علماء بائبل کے استناد پر زور دینے کے لیے اس کے بعض نسخوں کی قدامت کا بڑا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس فصل میں اس ڈھول کا پول بھی کھول دیا جائے۔

جہاں تک بائبل یا اس کی کسی بھی "کتاب" کے اصل تالیف شدہ نسخہ (original or autograph) کا تعلق ہے' اب کسی کے لیے بھی اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ:

None of the autographs of the Bible is extant.

---

162. Dummelow's Commentary, p. xiv.

"بائبل کا کوئی ایسا نسخہ موجود نہیں جو خود مؤلف کا مرتب شدہ (اور اس کے زمانہ کا) ہو۔" (۱۶۳)

بہر حال' قدیم نسخوں میں سے اہم اور معروف نسخے یہ ہیں:

(۱) نسخہ سینائی (Codex Sinaiticus): یہ نسخہ ۱۸۴۴ء میں کوہ سینا سے دریافت ہوا۔ یہ غالباً (probably) چوتھی صدی کا ہے۔ زیادہ تر عہد عتیق پر مشتمل ہے' مگر وہ بھی مکمل نہیں۔ نئے عہد نامہ کے حصہ میں بعض کتابیں شامل ہیں جو اب بائبل کا حصہ نہیں۔ مثلاً برنباس کا خط اور ہرمس کا چرواہا۔ مختصر پہچان کے لیے نقاد اس نسخہ کو "الفا" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔

(۲) نسخہ سکندریہ (Codex Alexandrinus): اس نسخہ کو مختصراً "ا" (A) کہا جاتا ہے۔ یہ بھی برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ پانچویں صدی کا ہے' مگر پانچویں سے سترہویں صدی تک کہاں کن ہاتھوں میں رہا' یقینی طور پر معلوم نہیں۔ یہ بھی نامکمل ہے' اور اس میں بھی زیادہ تر پرانا عہد نامہ (اس کا کافی حصہ) شامل ہے۔ نیز اس کے نئے عہد نامہ کے حصہ میں بعض ایسی تحریریں شامل ہیں' جو بعد میں بائبل سے خارج کر دی گئیں اور موجودہ بائبل میں نہیں ہیں' مثلاً کلیمنٹ کے خطوط۔ البتہ متی اور یوحنا کی انجیلیں اور کرنتھیوں کے نام پولس کا خط (سب نامکمل) اس میں شامل ہیں۔

(۳) وطیقانی نسخہ: یہ ویٹیکن (روم) میں پوپ کی لائبریری میں ہے۔ مختصراً اسے "ب" (B) کا نام دیا گیا ہے۔ بہت ہی نامکمل اور پرانے عہد نامہ پر مشتمل ہے (پیدائش اور زبور کے کچھ حصے اس میں شامل ہیں)۔ قریباً چوتھی صدی کا ہے۔ مگر ۱۴۸۱ء میں دریافت ہونے سے پہلے کن حالات سے گذرا' کچھ علم نہیں۔

(۴) افرائیمی نسخہ (Codex Ephraemi Syri Rescriptus): مختصراً "ج" کہلاتا ہے۔ پیرس کے قومی کتب خانہ میں موجود ہے۔ پانچویں صدی کا ہے۔ پرانے اور نئے عہد نامہ کا

163. Funk And Wagnall's Encyclopaedia, vol. 4, p. 1300; A.M.Hunter: Introducing The New Testament, London, 1976, p.12.

کچھ حصہ اس میں لکھا گیا تھا- مگر تیرھویں صدی میں اس کو مٹا کر کسی سریانی افرائیم نامی کی کہانی اس کے اوپر لکھی گئی- اب مختلف ترکیبوں سے اس کہانی کے نیچے لکھے ہوئے اصلی الفاظ پڑھنے کی کوشش کی جاتی ہے-

(۵) نسخہ بیزائی (Codex Bezae): مختصراً "د" (D) کہلاتا ہے- کیمبرج یونیورسٹی میں موجود ہے- پانچویں صدی کا ہے' مگر پانچویں صدی سے سولہویں صدی تک نامعلوم ہاتھوں میں رہا- اناجیل اور "رسولوں کے اعمال" کا متن جانچنے کے لئے مفید ہے- (۱۶۴)

بائبل کے ان قدیم نسخوں کے مندرجہ بالا جائزہ سے ظاہر ہے کہ:

(الف) کوئی قدیم نسخہ چوتھی صدی سے زیادہ پرانا نہیں ہے-

(ب) کسی نسخہ میں مکمل عہد عتیق یا مکمل عہد جدید موجود نہیں- اور

(ج) کوئی نسخہ اصل الہامی زبان (عبرانی یا ارامی) میں نہیں- (گو ان کے بعد کے بعض نامکمل نسخے عبرانی میں ہیں)-

ان سے قدیم تر ایک اور نسخہ بھی ہے- مگر اسے "بائبل کا نسخہ" کہنا زیادتی ہے- کیونکہ اس میں صرف انجیل یوحنا کا ایک معمولی جزو (a tiny scrap of John) شامل ہے- اس کے بارے میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ دوسری صدی کا ہے- اس کے بعض اجزاء تیسری صدی کے بھی ہیں' مگر وہ بھی انتہائی نامکمل ہیں- (۱۶۵)

(۶) بحیرہ مردار کے طومار: ان سارے قدیم نسخوں کے نقائص کے پیش نظر' ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۳ء تک بحیرہ مردار کی غاروں سے دستیاب ہونے والے طوماروں (Dead Sea Scrolls) سے مسیحی دنیا نے بائبل کے مکمل اور واقعی قدیم نسخے پالینے کی بڑی امیدیں باندھی تھیں' اور اب بھی مسیحی وغیر مسیحی عوام پر انکا رعب گانٹھا جاتا ہے- مگر انکی حقیقت یہ ہے کہ:

164. Encyclo. Brit. (1973), vol. 3, p. 579;
Encyclo. Americana, vol.3, p.652
A.M.Hunter: op. cit., p.13.

165. Encyclo. Americana, vol.3, p. 655.

(الف) وہ صرف عہد عتیق کے صحائف وکتب پیش کرتے ہیں' عہد جدید کے نہیں۔

(ب) عہد عتیق کی نسبت سے وہ بہت زیادہ قدیم نہیں ہیں' اگرچہ مذکورہ بالا "قدیم نسخوں" سے پرانے ہیں۔ان کا تعلق ۱۰۰ ق۔م سے لے کر ۱۰۰ عیسوی تک کے زمانہ سے ہے۔

(ج) عہد عتیق کی ساری کتابوں کے سارے حصے ان میں موجود نہیں ہیں۔اور

(د) عہد عتیق کے موجودہ نسخوں اور ان طوماروں کے تقابل کو ابھی تک پوری طرح منظر عام پر آنے نہیں دیا گیا۔ (۱۶۶)

(ہ) جو کچھ منظر عام پر آیا ہے' اس کا متداول و مروج نسخوں سے تفاصیل میں کہیں اختلاف ہے اور کہیں اتفاق۔مثال کے طور پر کتاب پیدائش میں مذکور ابراہیم کا واقعہ' کہ ان کی بیوی سارہ کو مصر کے بادشاہ نے بلوا بھیجا' ان طوماروں میں غیر ضروری اور فحش تفصیل کے ساتھ مندرج ہے۔حتیٰ کہ اس پاکیزہ خاتون کے چہرہ' ناک' ہاتھوں' بازوؤں' رانوں اور چھاتیوں کی بے ہودہ تعریفیں کی گئی ہیں۔(۱۶۷) لہٰذا بحیرہ مردار کے ان طوماروں کو "بائبل مقدس کی صداقت" کے ثبوت کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا' بلکہ وہ الٹا اس کو جعلی و محرف ثابت کرتے ہیں۔چنانچہ ان طوماروں کی علمی تحقیق پر مامور اہم ترین محققین میں سے ایک ڈاکٹر ہیو شون فیلڈ (Hugh Schonfield) نے حال ہی میں "اصلی نیا عہد نامہ" (The Original New Testament) شائع کیا ہے' جس میں مروجہ بائبل کے بہت سے حصوں کو جن پر موجودہ مسیحی عقائد کا دارومدار ہے' جعلی ثابت کیا گیا ہے۔ (۱۶۸)

۵۔ قدیم نسخے اور موجودہ بائبل: اختلاف وتضادات

بائبل کی صداقت اور الہامی حیثیت ثابت کرنے کے لئے بحیرہ مردار کے طومار اور دوسری

۱۶۶۔ قاموس الکتاب' ص۔ ۲۸' ۲۹' ۱۲۷' ۱۴۰۔

Concise Oxford Dictionary of the Church, pp.144-145.

167. T.H. Gaster: The Dead Sea Scriptures in English Translation, New York, 1964, pp. 259-260 (cf. Gen. 12:10—20).

168. The Daily ``Today'', London, March 28, 1986, pp. 14-15.

سے چوتھی صدی تک کے مذکورہ قدیم نسخے اس لئے بھی مفید نہیں کہ موجودہ اور متداول بائبل (عہد عتیق) کا متن چھٹی سے دسویں صدی کے زمانہ کا ہے۔ یہ مسوراتی متن (Masoretic Text) کہلاتا ہے۔ مسوراتی[۱۶۹] (Masoretic) علماء اس زمانہ کے وہ یہودی علماء تھے جو پرانے عہد نامہ کے متن کی خدمت اور حفاظت میں بڑے سرگرم تھے۔[۱۷۰] یہ متن اور اس کا رسم الخط وہ نہیں ہے جس میں عہد عتیق کی کتابیں لکھی گئیں' اور جسے (مختلف ادوار کے اختلافات کے باوجود) مجالس علمائے یہود و مسیحیت نے مستند متن قرار دیا۔ پرانے اور اصلی عبرانی متن میں حروف علت (vowels) نہیں تھے (عبرانی زبان حروف علت سے خالی ہے)۔ اسی طرح اس میں اعراب استعمال نہ ہوتے تھے۔ نیز عبرانی زبان کی ایک اور خصوصیت کے مطابق اس متن کے الفاظ (حروف نہیں الفاظ) الگ الگ نہیں' بلکہ ایک طویل سلسلہ میں آپس میں جڑے ہوئے ہوتے تھے۔

مسوراتی علماء (جن کے ناموں اور حالات سے دنیا اسی طرح ناآشنا ہے جس طرح بائبل کے پرانے متن کے مؤلفین اور اسے درجہ استناد دینے والوں سے) نے حروف علت بڑھائے' اعراب لگائے اور الفاظ کو الگ الگ کیا۔ اس طرح بہت سے مقامات پر پرانے عبرانی متن سے یہ متن معنوں کے لحاظ سے مختلف ہو تا گیا' اور بعض تبدیلیاں عمداً بھی کی گئیں:

It is obovious that the text has been tampered with in some places.

"یہ بات ظاہر و بین ہے کہ کئی جگہ متن میں تصرف کیا گیا ہے۔"[۱۷۱]

۱۶۹۔ عبرانی میں 'مسورہ' کے معنی روایت ہیں۔ اور 'مسوراتی' راوی کو کہتے ہیں۔ دیکھئے:
قاموس الکتاب' ص - ۹۱۱

۱۷۰۔ قاموس الکتاب' حوالۂ مذکور۔

Encyclo. Brit. (1973), vol.3, p.577,

Concise Oxford Dictionary of the Church, p.326,

171. Encyclo. Brit. (1973), 3: 577;

قاموس الکتاب' ص - ۶۵' ۹۹۱

دوسرا اہم متن جس پر موجودہ نسخوں کا انحصار ہے 'ہفتادی ترجمہ (Septuagint) کا متن ہے۔ [۱۷۲] اس کے مترجمین نے بھی عبرانی سے ترجمہ کرتے ہوئے الفاظ کو اپنے طور پر الگ الگ کیا اور اعراب واو قاف لگائے' اور

In other passages, they simply had another text before them.

"بعض پیروں (کتاب کے حصوں) میں ان کے سامنے (مسوراتی متن سے) بالکل مختلف متن تھا۔" [۱۷۳]

مسوراتی اور ہفتادی متون کے آپس میں یہ واضح فرق اور اختلافات دور کرنے میں بھی بحیرہ مردار کے مذکورہ طومار ناکام ثابت ہوئے ہیں' کیونکہ وہ بعض مقامات پر اول الذکر اور بعض پر ثانی الذکر کی تائید و توثیق کرتے ہیں۔ [۱۷۴]

مسوراتی و ہفتادی متن سے پیدا ہونے والے اختلافات کے علاوہ بھی مذکورہ بالا قدیم نسخوں کے آپس میں' اور پھر ان کے بائبل کے مروج و متداول نسخوں سے' بے شمار مقامات پر اختلافات ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا امریکانا کے الفاظ میں:

(There are) abundant variations and disagreements between manuscripts.

"(قدیم) نسخوں کے مسودات میں کثرت سے فرق اور اختلافات پائے جاتے ہیں۔" [۱۷۵]

چنانچہ صرف عہد جدید کے اختلافات کا اندازہ ۱۷۰۷ء میں ایک عالم جان مل نے تیس ہزار لگایا تھا۔ [۱۷۶] مگر بعد کی تحقیقات کے مطابق یہ دو لاکھ پچاس ہزار (۲,۵۰,۰۰۰) کے

۱۷۲۔ 'ہفتادی ترجمہ' کی وضاحت کیلئے اس باب کے شروع میں 'عہد نامہ قدیم' کی فصل ملاحظہ فرمائیں۔

173,174. Encyclo. Brit. (1973), 3:577.

175,176. Encyclo. Americana, vol.3, p. 656;

George Milligan : The New Testament and its Transmission, London and Glasgow, 1932, pp.3, 108,

قریب ہیں۔ (۱۷۷)

اختلافات کی اتنی بڑی تعداد کو ہضم کرنے کے لئے مسیحیت کے بعض وکلاء بڑی ڈھٹائی سے کہتے ہیں:

They do not amount to an eightieth part of the total, and the substantial variants are barely a thousandth part.

"یہ (اختلافات) سارے متن کے ۱/۸۰ حصہ جتنے بھی نہیں ہیں' اور اہم اختلافات تو بمشکل ۱/۱۰۰۰ ہیں۔" (۱۷۸)

سبحان اللہ! جس کتاب کے بنیادی مسودوں (جو بجائے خود اصل مسودوں کے سینکڑوں برس بعد لکھے گئے اور ان سے مختلف ہیں) کے آپس میں اور موجودہ نسخوں سے اتنے اختلافات اور فرق ہوں کہ ان کے تقریباً ہر اسی (۸۰) لفظوں میں سے ایک مختلف اور ہزار میں سے ایک بالکل ہی مختلف ہو' اور جن کی مجموعی تعداد ہزاروں اور لاکھوں تک ہو' اسے محفوظ' الہامی و خدائی کلام کہنا اور اس بڑی تعداد کو ۱/۸۰ اور ۱/۱۰۰۰ کے حساب میں الجھانے کی کوشش کرنا' مسیحی علماء کی سینہ زوری اور دیدہ دلیری کے سوا اور کیا کہلا سکتا ہے؟

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا نے بھی

thousands of variations in the existing manuscripts and versions

"موجودہ مسودوں اور نسخوں میں ہزاروں اختلافات" (۱۷۹)

کا اعتراف کیا ہے' نیز "اہم اور غیر اہم" اختلافات کی تقسیم کرتے ہوئے لکھا ہے:

Some of these variations, to be sure, are inconsequential.... other variations, however, affect the

177-178. Daniel-Rops: op. cit., p. 32.

179. Encyclo. Brit. (1973), vol.3, p. 578.

meaning of the entire passage or verse.

"ان میں سے بعض اختلافات یقیناً غیر مؤثر ہیں۔ مگر بعض دوسرے اختلافات پورے پیرے یا پوری آیت کے مفہوم پر اثر انداز ہوتے ہیں۔" (۱۸۰)

لہٰذا مسیحی فاضلین ان اختلافات کی پریشان کن کثرت (bewildering variety) کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔ (۱۸۱)

یہاں ان اختلافات کے زیادہ نمونے پیش کرنا ممکن نہیں۔ قارئین مروج بائبل کا کوئی بھی نسخہ جو پرانے یونانی و عبرانی مسودوں اور نسخوں سے مقابلہ کر کے تیار کیا گیا ہو، اٹھا کر اس کے حواشی میں اختلافی قراءتوں (variant readings) کی ذیل میں ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ اکثر صفحات پر متعدد اختلافات مذکور ہیں اور جا بجا لکھا ہے: other ancient authorities read (دوسرے قدیم مستند نسخوں میں ہے --- (other ancient authorities omit) (دوسرے قدیم نسخوں میں یہ الفاظ حذف کئے گئے ہیں)، (other ancient authorities add) دوسرے قدیم و مستند نسخوں میں یہ الفاظ زیادہ ہیں)۔

مثلاً انجیل متی کے بقول، جب رومی حاکم پیلاطس نے یہودیوں کے مطالبہ پر مجبوراً مسیح کو ہلاک کرنے کا حکم دیا، تو کہا: "میں اس راست باز آدمی کے خون سے بری ہوں۔" مگر حاشیہ میں لکھا ہے کہ بعض نسخوں میں "راست باز" اور بعض میں "راست باز آدمی" کے الفاظ حذف کر دیئے گئے ہیں۔ (۱۸۲) اسی لئے پروٹسٹنٹ بائبل میں اس آیت کا ترجمہ یوں ہے: "میں اس راست باز کے خون سے بری ہوں۔" (۱۸۳) اسی طرح مزعومہ طور پر صلیب

180. Encyclo. Brit. (1973), vol.3, p. 578.

181. G.A. Buttrick, etc. (editors): The Interpreter's Bible, New York, 1952, vol. 1, p.78.

182. Catholic Bible (RSV) New Testament, p. 30 (Matth. 27: 24).

۱۸۳۔ متی، حوالہ مذکور (کتاب مقدس، مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور، ۱۹۸۵، نیا عہد نامہ، ص ۳۲) آدمی، کا لفظ حذف کر کے تحریف کا ارتکاب کیا گیا ہے، اور اس طرح عیسیٰ علیہ السلام کی آدمیت، بشریت و عبدیت کی بجائے ان کے "خدا" ہونے کا راستہ صاف کیا گیا ہے۔

دیئے جانے کے بعد ایک قراءت کے مطابق "تمام ملک میں" اور دوسری کے مطابق "تمام روئے زمین پر" "اندھیرا پھیل جاتا ہے۔[۱۸۴] متی کے اس باب کی آیت ۴۹ پر نوٹ میں پندرہ الفاظ پر مشتمل ایک پورے جملہ کے متعلق لکھا ہے کہ بعض قدیم نسخوں میں یہ الفاظ موجود ہیں، مگر موجودہ عام نسخوں سے حذف کر دیے گئے ہیں۔ آیت ۵۴ میں مذکور ہے کہ مسیح کی مزعومہ موت کے بعد بھونچال اور دوسری عجیب و غریب نشانیاں دیکھنے کے بعد بعض لوگوں نے کہا "بے شک یہ خدا کا بیٹا تھا" مگر حاشیہ میں اختلاف نسخ و قرأت کے ضمن میں (خدا کا بیٹا) (The Son of God) کی بجائے ایک بیٹا (a son) کے الفاظ ہیں۔[۱۸۵] اور ممکن ہے یہ مؤخر الذکر الفاظ اصل میں 'خادم' اور 'خدا کا بندہ' ہوں جو ترجمہ در ترجمہ سے 'ایک بیٹا' اور پھر 'خدا کا بیٹا بن گئے۔ دیکھئے: باب پنجم' حوالہ نمبر ۱۵۱ تا ۱۵۳

قدیم نسخوں اور مسودات کے آپس میں اور پھر ان کے موجودہ نسخوں سے اختلافات کی یہ مثالیں ایک انجیل کے ایک باب کے صرف ایک حصے سے اور بائبل کے صرف ایک صفحہ سے لی گئی ہیں، جو اس موضوع پر لکھتے ہوئے اتفاقاً سامنے آ گیا۔ ورنہ اس موضوع پر پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

اس طرح بائبل کے قدیم نسخے اور بحیرہ مردار کے طومار، موجودہ نسخوں کے اختلافات مٹانے کی بجائے الٹا انہیں بڑھاتے ہیں۔ نیز ان کی بنا پر بائبل کے موجودہ اور ماضی قریب کے نسخوں میں اختلافات بھی سامنے آتے ہیں۔ اوپر کے بیان کے مطابق، جس طرح بائبل کے بعض نسخے حواشی میں اختلافات نسخ و قرأت (variant readings) بیان کرتے ہیں، اسی طرح اس کے بعض حالیہ ایڈیشنوں میں کچھ آیات و الفاظ خطوط وحدانی میں دیئے ہوتے ہیں، جن میں سے بعض اگلے ایڈیشن میں غائب ہو جاتے ہیں۔ دراصل خطوط وحدانی میں دی ہوئی عبارتیں قدیم نسخوں کی روشنی میں "زیر غور" ہوتی ہیں، اور پھر کسی آئندہ ایڈیشن کے

۱۸۴۔ متی ۲۷ : ۴۵، ۲۷ : ۵۴ کو محولہ بالا کیتھولک بائبل میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۸۵۔ کیتھولک بائبل محولہ بالا، ص۔ ۳۰

مدیران کرام انہیں ان نسخوں سے مطابقت نہ رکھنے کی بنا پر بائبل سے خارج کر دیتے ہیں۔
انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں اس بات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

When almost any reader examines a new translation of the Bible, he discovers that some well-known passages are missing from it.

"جب کوئی بھی قاری بائبل کے کسی نئے ترجمہ کا معائنہ کرتا ہے' تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کئی معروف حصے موجود نہیں ہیں۔" [۱۸۶]

قدیم نسخوں میں ان اختلافات کی وجہ سے جدید نسخوں کے نئے ایڈیشنوں میں بعض آیات کے ٹکڑے تو بالکل غائب ہو جاتے ہیں' اور بعض میں معنی و مفہوم کی واضح تبدیلی ہوتی ہے۔ مثلاً انجیل لوقا کے دوسرے باب کی ایک آیت ماضی قریب کے نسخوں میں اس طرح دی گئی تھی:

Glory to God in the highest, and on earth peace, good will toward men.

ماضی قریب ہی کے اردو نسخوں میں اس کا ترجمہ یوں ہے:

"خدا کو آسمان پر تعریف' اور زمین پر سلامتی اور آدمیوں سے رضا مندی ہووے۔"

مگر موجودہ ترجموں میں انگریزی اور اردو کی عبارتیں اس طرح ہیں:

Glory be to God in the highest, and on earth peace among men with whom He is pleased.

"عالم بالا پر خدا کی تمجید ہو اور زمین پر ان آدمیوں میں جن سے وہ راضی ہے' صلح"۔ [۱۸۷] ان الفاظ کا فرق واضح ہے۔ خدا کو "آدمیوں سے رضا مندی"

---

186. Encyclo. Brit. (1973), vol. 3, p. 575.

۱۸۷۔ لوقا ۲: ۱۴۔ بائبل کے درج ذیل انگریزی و اردو نسخے ملاحظہ فرمائیے:

King James' Version, Gideons International, 1961, p.906;
Catholic Bible (RSV), 1996, (N.T.), p.54.

اردو ریفرنس بائبل (نیا عہد نامہ)' بنارس ٹرانسلیشن سوسائٹی' ۱۸۷۷' ص۔ ۷۵'
اردو بائبل' بائبل سوسائٹی لاہور' ۱۹۸۵' (نیا عہد نامہ)' ص۔ ۵۴

اور ”ان آدمیوں میں جن سے وہ راضی ہے صلح“ ہونا بالکل مختلف ہیں۔

مگر مزے کی بات یہ ہے کہ ایک بالآخر بدل جانے والا ترجمہ یا خطوط وحدانی میں (اگلے ایڈیشن سے حذف ہو جانے والی) عبارت جب تک بائبل کا حصہ رہتی ہے ”روح القدس کی طرف سے“ اور ”خدائی والہامی کلام“ ہوتی ہے، مگر جب وہ تبدیل یا حذف کی جاتی ہے تو پھر نئی عبارت کو بالکل یہی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مختلف قراء توں میں موجود اہم اور غیر اہم فرق بھی سارے کے سارے ”الہامی“ ہیں، خواہ وہ آپس میں کتنے ہی متبائن و متغایر کیوں نہ ہوں، اور ان سے مفہوم میں کتنا ہی زیادہ فرق کیوں نہ پڑے! بالکل اسی طرح جس طرح اپوکریفہ کو تسلیم کرنے والے اسے خدا اور روح القدس کا ”الہام“ قرار دیتے ہیں، اور اسے تسلیم نہ کرنے والے اس لیے اسے نہیں مانتے کہ خدا ہی نے انہیں اسے ایسا کرنے کا ”الہام“ کیا ہے!! اسی طرح اگر سریانی نسخہ پشیتا (Peshitta) کو الہامی مان لیا جائے تو موجودہ بائبل کے کئی حصوں سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں، اور اگر اس بائبل کو الہامی مانا جائے تو مذکورہ نسخہ غیر مستند ہو جاتا ہے (دیکھئے: حوالہ نمبر ۳۸، باب ھذا۔)

بوالعجبی کی انتہا ہے کہ گمنام انسانوں کی خالص تصنیف، یا گمنام لوگوں کی طرف سے وحی الٰہی میں آمیزش کو ان ہی کی طرح کے گمنام انسانوں نے خالص وحی الٰہی ہونے کی سند جاری کر دی، اور لوگوں نے اس کے رطب ویابس اور مختلف اقسام کے بے شمار اختلافات کو نظر انداز کر کے اس سند کو تسلیم کر لیا۔ کیا یہ انسانی عقل ودانش کا ایک عظیم ترین المیہ نہیں؟ ستم بالائے ستم یہ کہ بائبل میں انسانی روایت وتحریر کا عظیم دخل، اس کی سخیف باتیں، اس کے متن اور ترجمہ کے اختلافات، اور اسی طرح اس کے تضادات وتناقضات اور غیر ثقہ وغیر اخلاقی مشمولات (جن کا بیان آئندہ ابواب میں آرہا ہے) روز روشن کی طرح واضح ہو جانے کے بعد بھی، لکیر کے فقیر یا غرض مند پادری اور ان کے متبعین اس کے کلام الٰہی ہونے پر اصرار کرتے چلے جارہے ہیں، اور اب بھی یہی کہتے ہیں کہ بائبل کے نوشتے ”خدا کے الہام سے لکھے گئے، ان کی خدا نے خود حفاظت کی اور تمام زمانوں میں تخریب سے پاک رکھا۔“(۱۸۸)

(۱۸۸) دیکھئے: اس باب کا حوالہ نمبر ۴۳ وما بعد۔

انہی بے جواز سینہ زوریوں نے مسیحی دنیا کے پڑھے لکھے افراد کی اکثریت کو بائبل اور مسیحیت کے ساتھ ساتھ ہر مذہب سے برگشتہ کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔اب یا تو وہ برائے نام عیسائی ہیں اور بائبل کو مانتے ہی نہیں' اور اگر آباؤ و اجداد کے عقائد کا کچھ لحاظ کرتے ہوئے اس کے بارے میں بات کریں تو کچھ یوں کہتے ہیں:

When we say that the Bible is the word of God, we do not refer to every constituent verse or passage. It is, rather, that we find God in it and behind it.... We cannot say that the Bible is literally inspired.... The Bible is not far from contradictions and errors, and is by no means of equal religious value throughout.

"جب ہم کہتے ہیں کہ بائبل کلام خداوندی ہے' تو اس سے ہماری مراد اس کی ہر ہر آیت اور ہر حصہ (کا کلام خداوندی ہونا) نہیں ہوتی۔بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ ہم خدا کو اس (کتاب) میں اور اس کی پشت پر پاتے ہیں--- ہم یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ بائبل لفظ بلفظ الہام کی گئی---(حقیقت یہ ہے کہ) بائبل تضادات اور غلطیوں سے پاک نہیں' اور نہ ہی کسی لحاظ سے اس کی مذہبی قدر و قیمت شروع سے آخر تک ایک جیسی ہے۔" (۱۸۹)

کسی کتاب کی ہر آیت کے الہام شدہ نہ ہونے' اس کے تضادات اور غلطیوں سے پاک نہ ہونے اور یکساں مذہبی معیار اور قدر و قیمت کا حامل نہ ہونے کے باوجود اس "میں اور اس کی پشت پر" خدا کو پالینا بھی بڑے کمال کی بات ہے!!

کیتھولک انسائیکلوپیڈیا میں بھی یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ:

Many Bible statements are simply not true.

---

189. Stanley Cook: Introduction to the Bible, pp.192-193.

"سیدھی بات یہ ہے کہ بائبل کے بہت سے بیانات درست نہیں ہیں۔" اصرار کیا گیا ہے کہ وہ "بنیادی طور پر الہام شدہ" (essentially inspired) ہے۔"(۱۹۰)

اور کچھ اسی قسم کی متضاد و مضحکہ خیز بات ڈملو کی تفسیر کے دیباچہ میں کہی گئی ہے:

The text of the Bible was preserved by human hands, under human limitation, but the hand of God was is in it, too.

"بائبل کا متن انسانی ہاتھوں میں اور بشری کمزوریوں کے دائرہ میں محفوظ رکھا گیا۔ مگر اس (کی جمع و حفاظت میں) خدا کا ہاتھ بھی تھا۔"(۱۹۱)

یعنی بے شمار غلطیاں اور تضادات ان محققین کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ بائبل میں انسانی ہاتھ کے دخل کو تسلیم کریں۔ مگر ان کا عقیدہ اور عوامی دباؤ ان سے یہ کہلوا لیتا ہے کہ ان ساری باتوں کے باوجود اس میں "خدا کا ہاتھ" بھی ہے۔

تاہم "راسخ العقیدہ" عیسائیوں کو اپنے پڑھے لکھے، روشن خیال اور نسبتاً انصاف پسند بھائیوں کا بائبل کے استناد سے یہ "صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں" کی قسم کا اور "نیمے دروں نیمے بروں" انکار بھی گوارا نہیں۔ وہ ایسی باتیں کہنے والوں پر آزاد خیال (liberal) بلکہ ملحد (heretic) کا لیبل لگا کر جی خوش کر لیتے ہیں۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ ان کے پاس ان ٹھوس دلائل و شواہد کا کوئی معقول جواب نہیں جنہوں نے ایسے لوگوں کو "آزاد خیال اور ملحد" بنا دیا ہے۔ نہ ہی ان کے پاس قرآن جیسی کوئی کتاب ہے، جس کی شان یہ

---

190. New Catholic Encyclopaedia, vol. 2,p. 384.

191. Dummelow's Commentary, p.xiv.

اس طرح کا ایک اور عجیب و غریب بیان یہ ہے کہ بائبل درست تاریخ (accurate history) تو بیان نہیں کرتی، مگر ہے الہامی!! دیکھیے:

The Making And Meaning of the Bible, by George Barclay, p.29.

ہو کہ:

﴿لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ﴾

"باطل نہ اس میں سامنے سے داخل ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے۔ وہ حکمت اور خوبیوں والے (اللہ) کی طرف سے اتاری گئی ہے۔" (۱۹۲)

لیکن جہاں تک بائبل کا تعلق ہے' اب کوئی باشعور و باضمیر شخص اس کے بارے میں مذکورہ بالا (اس باب کا حوالہ نمبر ۴۳ ومابعد) دعووں کو ماننے کے لئے تیار نہیں کہ اس کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف الہامی اور روح القدس کا لکھوایا ہوا ہے۔ اب تو خود پادریوں کا حال یہ ہے کہ کچھ عرصہ قبل دس ہزار پادریوں کو ایک سوالنامہ بھیجا گیا' جس میں ایک سوال یہ تھا: "کیا آپ بائبل کو خدا کا الہامی کلام مانتے ہیں؟ "۸۲ فیصد میتھوڈسٹ' ۸۱ فیصد پریسبیٹرین اور ۷۵ فیصد بپٹسٹ پادریوں نے نفی میں جواب دیا۔ (۱۹۳)

۱۹۲۔ القرآن' 42:41

193. The 'Awake' Magazine (Watch Tower Society), August 2, 1979.

بائبل کے تناقضات و تحریفات

قرآن نے اہل کتاب — یہودیوں اور عیسائیوں — پر الزام لگایا ہے کہ انہوں نے وحی الٰہی کو بدلا' اسے چھپایا' اس میں آمیزش کی' اور اپنی گھڑی اور لکھی ہوئی باتوں کو کلام خداوندی کے طور پر پیش کیا۔(۱) اس کے ساتھ ہی اس نے خود اپنے لئے اور کسی بھی اور کتاب کے لئے' من جانب اللہ ہونے کا ایک معیار یہ پیش کیا ہے کہ کلام خداوندی میں تضاد اور تناقض نہیں ہوتا۔(۲) ہم قرآن کے ان بیانات کی روشنی میں بائبل کا جائزہ لیں گے۔ مگر اس سے پہلے تحریف کتب یہود و مسیحین کے بارے میں قرآن اور مسلمانوں کے اصلی موقف کی وضاحت ضروری ہے۔

قرآن کن معنوں میں "مصدق تورات وانجیل" ہے؟

جب مسلمانوں کی طرف سے موجودہ بائبل کی گزشتہ باب میں مذکور اور بعض دیگر قسم کی کمزوریوں کی نشاندہی کر کے اس کے کلام الٰہی اور وحی ہونے کے دعوے کے تار و پود بکھیرے جاتے ہیں' تو عیسائی انہیں "یاد دلاتے" ہیں کہ قرآن نے تو خود کو تورات وانجیل کا مصدق کہا ہے اور ان کے الہام و تنزیل ہونے کی گواہی دی ہے---(۳) اس میں شک نہیں کہ قرآن کے بیان کے مطابق موسیٰؑ اور بعض دیگر انبیائے بنی اسرائیل کو کتابیں اور صحیفے ملے۔ مگر اب وہ ہیں کہاں؟ گزشتہ باب میں پیش کردہ دلائل اس امر پر شاہد ہیں کہ یا تو وہ

۱۔ القرآن' ۵:۱۳ ' ۲:۱۵۹ ' ۳:۷۸ ' ۳:۱۸۷ ' ۲:۷۵۔۷۹

۲۔ ایضاً ' ۴:۸۲

۳۔ ایضاً ' ۳:۳ ' ۵:۴۴' ۴۶ ' ۱۱:۱۱۰ ' ۱۹:۳۰۔

کتابیں دنیا سے ناپید ہو گئیں' اور یا ان میں بکثرت آمیزش ہوئی- قرآن کی تصدیق صرف اتنی ہے کہ یہ کتابیں آئیں اور جب آئیں تو ان میں (تحریف و تبدیل سے پہلے)[۴] ہدایت تھی اور نور تھا- بعد میں ان کے اندر آمیزش' تبدیلیاں اور تحریفات ہوئیں اور ان کی اصلیت بگڑ گئی- قرآن ان کتابوں کی اس صورت کی تصدیق نہیں کرتا جو نزول قرآن کے وقت یا اس کے بعد اب تک ہے- وہ صرف اس لئے ان کی تائید و توثیق نہیں کر سکتا کہ ان محرف (يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهِ "کلمات کو ان کی جگہ سے بدل دیتے ہیں")[۵] متناقض[۶] اور خانہ ساز (يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ "کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ کر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے")[۷] کتابوں کا وہی نام (تورات' انجیل وغیرہ) رکھا گیا ہے جو منزل من اللہ کتب کا تھا- اس لئے قرآن نے جب نازل ہو کر ان کتابوں کی تصدیق کی' تو عربی قواعد بلاغت کی رو سے یہ تصدیق "ماکان" (کسی چیز کی ماضی میں موجود صورت' جو حال میں بدل چکی ہے) کے اعتبار سے تھی' نزول قرآن کے زمانہ یا زمانہ مابعد کے اعتبار سے نہیں-

اس لحاظ سے قرآن کی طرف سے تورات' انجیل وغیرہ کی تصدیق ان انبیاء کی تصدیق کے مماثل ہے جن پر یہ کتابیں نازل ہوئیں- یعنی جس طرح قرآن یہ بتاتا ہے کہ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اپنے وقت میں پیغمبر تھے' اور اب اس اعتبار سے پیغمبر نہیں ہیں کہ ان کی رسالت جاری و ساری نہیں' اس طرح یہ بھی بتلاتا ہے کہ ان پر نازل ہونے والی کتابیں اپنے وقت کی الہامی و مقدس کتابیں تھیں' مگر اب نہیں ہیں-

دوسرے لفظوں میں جس تورات و انجیل کی قرآن نے تصدیق کی' وہ تھیں جو موسیٰؑ و عیسیٰؑ پر نازل ہوئیں- مگر نزول قرآن تک ان کتابوں کے کچھ حصے آمیزش اور تحریف و تناقض کا شکار ہو چکے تھے' جبکہ بعض حصے بالکل ناپید ہو گئے تھے- لہٰذا قرآن نے جہاں ان

۴- ابن حزم (الفصل' ۱:۲۱۴) کے الفاظ میں "قبل حدوث التبدیل" (تبدیلی واقع ہونے سے پہلے)-

۵'۶'۷- القرآن ۵:۱۳' ۴:۸۲' ۲:۷۹-

کتابوں کی مجمل تصدیق کی' وہاں یہ بھی بتایا کہ وہ تحریف و تبدل کا شکار ہو چکی ہیں- گویا قرآن کے اپنے الفاظ میں اگر وہ ان کتابوں کا "مصدق" ہے تو وہ ان کا "مھیمن" بھی ہے' یعنی ان کی اصلی تعلیم کا محافظ و نگران' اور اسے درست طور پر پیش کرنے والا (وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَ مُهَيْمِناً عَلَيْهِ)[۸] قرآن کی عظمت یہ ہے کہ اس نے ان حقائق کا اعلان س وقت کیا جب یہودی اور عیسائی انہیں کسی قیمت پر ماننے کے لئے تیار نہ تھے- مگر اب ان ے حق میں اتنے دلائل و شواہد اکٹھے ہو چکے ہیں کہ "راسخ العقیدہ" عیسائیوں کی رٹ سے قطع نظر' علمی دنیا ان کے اعتراف پر مجبور ہو چکی ہے-

فی الحقیقت موجودہ بائبل کے عہد قدیم و جدید دونوں میں اتنی کثرت سے غلطیاں' تضادات' تبدیلیاں اور تناقضات پائے جاتے ہیں کہ انہیں ایک باب میں منحصر کرنا ممکن نہیں- یہ غلطیاں اور تناقضات بائبل میں تبدیلی اور تحریف کی کھلی شہادت دیتے ہیں- ذیل میں ہم ان میں سے بعض اقسام کی غلطیوں اور تضادات کا جائزہ پیش کریں گے (کچھ تضادات' تحریفات اور تبدیلیوں کا ذکر گزشتہ دو ابواب میں بھی آ چکا ہے)-

ا۔ متضاد قصے اور واقعات (Discrepant Narratives)

(1) **ابتدائے آفرینش:** بائبل کی پہلی کتاب "پیدائش" کے پہلے ہی دو ابواب میں تخلیق اور ابتدائے آفرینش کے بارے میں دو مختلف بیانات ہیں' جن میں باہم مطابقت نہیں دی جا سکتی (two irreconcilable accounts of creation)- دونوں بیانات میں مواد اور طرز تحریر (style and matter) کے واضح اختلافات ہیں-[۹] پہلے بیان کے مطابق جانوروں کی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: "پھر خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت پر اپنی شبیہ کی مانند بنائیں —"[۱۰] مگر دوسرے قصہ میں مذکور ہے کہ خدا نے

۸۔ القرآن ۵:۴۸

9. H.H Rowley (editor): A Companion to the Bible, Edinburgh, 1963, p.28;
R.E.Brown, etc. (editors) : The Jerome Biblical Commentary, New York, 1968, vol.1, p.12.

۱۰۔ پیدائش ۱:۲۴-۲۶

زمین و آسمان کی پیدائش کے بعد آدم کو بنایا: "اور خداوند خدا نے کہا کہ آدم کا اکیلا رہنا اچھا نہیں ـــــ اور خداوند خدا نے کل دشتی جانور اور ہوا کے کل پرندے مٹی سے بنائے اور ان کو آدم کے پاس لایا ـــــ"

دونوں ابواب کے مطالعہ سے ہر کھلے ذہن کا قاری اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ:

One story tells that man was created before the animals, while another tells us that the animals were created before man.

"ایک کہانی یہ بیان کرتی ہے کہ انسان جانوروں سے پہلے پیدا کیا گیا' جبکہ دوسری ہمیں یہ بتاتی ہے کہ جانور انسانوں سے پہلے بنائے گئے۔" (۱۲)

کتاب پیدائش کے دوسرے باب کے پہلے باب سے اس فرق کے بارے میں کیتھولک بائبل میں نوٹ لکھا ہے:

This account ..... comes from a different source and is composed in a very diffenrt style.

"یہ بیان کسی دوسرے ذریعے سے آیا ہے اور (پہلے باب سے) بالکل مختلف طرز تحریر میں لکھا ہوا ہے۔" (۱۳) دیگر محققین نے اس سے بھی واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ یہ

different stories from different writers.

"مختلف مصنفین کی مختلف کہانیاں ہیں۔" (۱۴) اور:

The two stories cannot come from the same hand.

۱۱۔ پیدائش ۲: ۱۸۔۱۹

12. George Barclay: The Making And Meaning of the Bible, p.48.

13. Catholic Bible (RSV), p.995.

14. George Barclay: op.cit., p.31.

"دونوں مختلف کہانیاں ایک ہی مصنف کی لکھی ہوئی نہیں ہو سکتیں۔"(۱۵)

(۲) طوفان نوحؑ : کتاب پیدائش میں طوفان نوحؑ کے بیان میں بھی اسی طرح کے تضادات ہیں۔ ایک جگہ نوحؑ کو حکم ہے کہ "جانوروں کی ہر قسم میں سے دو دو اپنے ساتھ کشتی میں لے لینا کہ وہ تیرے ساتھ جیتے بچیں۔" اس سے تھوڑا ہی آگے "کل پاک جانوروں میں سے سات سات نر اور ان کی مادہ اور ان میں سے جو پاک نہیں ہے دو دو نر اور ان کی مادہ" لینے کا حکم ہے۔ اور پھر یہ بتایا گیا ہے کہ نوح نے پاک اور ناپاک دونوں کے جانوروں میں سے "دو دو نر اور مادہ" ساتھ لئے۔(۱۶)

یہاں بھی یہی ہوا کہ مختلف ذرائع سے ملنے والی متضاد روایات کو اکٹھا کر دیا گیا ہے۔(۱۷)

(۳) کنعان کی جاسوسی: گنتی کی کتاب میں جہاں یہ مذکور ہے کہ موسیٰؑ نے کچھ جاسوس کنعانیوں کا حال معلوم کرنے کے لئے بھیجے، ایک جگہ جاسوسوں کی کنعان کے بارے میں یہ رپورٹ موجود ہے کہ وہاں "دودھ اور شہد بہتا ہے۔" اور اسی باب میں ان کا یہ بیان بھی ہے کہ وہ ایسا ملک ہے جو "اپنے باشندوں کو کھا جاتا ہے۔" اس باب اور اس سے اگلے باب کے دیگر تضادات پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک محقق نے لکھا ہے:

We have two acconts of spying of Cannan combined.

"یہ کنعان کی جاسوسی کے دو (الگ الگ) بیانات ہیں جنہیں اکٹھا کر دیا گیا ہے۔"(۱۹)

(۴) بے اولاد کی اولاد: ایک ہی کتاب (۲۔ سموئیل) کے ایک باب میں لکھا ہے: "سو

---

15. G.A. Buttrick, etc. (editors): The Interpreter's Bible, vol.1, p.465.

۱۶۔ پیدائش ۶:۱۹، ۷:۲، ۷:۹

17. Dr. E. Sellin: Introduction to the Old Testament (English Translation), 1932, p.28.

۱۸۔ گنتی ۱۳:۲۷، ۱۳:۳۲

19. A Companion to the Bible, p.29.

ساؤل کی بیٹی میکل مرتے دم تک بے اولاد رہی-" اور دوسرے باب میں "ساؤل کی بیٹی میکل کے پانچ بیٹوں" کا ذکر ہے-[20]

سموئیل کی کتاب میں مختلف ابواب کے باہم اور بھی اختلافات ہیں-ان پر تبصرہ کرتے ہوئے پیک کی تفسیر بائبل میں لکھا ہے:

One of the editors .... sems to have met difficulties in an attempted rearrangement of some of the material; finding no other convenient place for 21:7– 14, 24, he added them at the end as a kind of appendix.

"معلوم ہوتا ہے کہ (کتاب کا) کوئی مدیر (جامع) جب مواد کو ترتیب دینے لگا تو اسے مشکلات پیش آئیں- جب اسے باب ۲۱ آیات ۷ تا ۱۴ اور باب ۲۴ کے لئے کوئی اور جگہ نہ ملی، تو اس نے انہیں آخر میں ایک طرح کے ضمیمہ کی شکل میں شامل کر لیا-" [21]

۲- دہرے واقعات (Doublets)

"دہرے واقعات" سے مراد وہ واقعات ہیں جن میں ایک ہی واقعہ یا قصہ مختلف جگہوں پر مختلف افراد پر چسپاں کیا گیا ہے-

(۱) کس کی بیوی کس کی بہن؟ گزشتہ باب میں ہم نے ذکر کیا ہے (باب ہفتم کا حوالہ نمبر ۷۵ اور متعلقہ بحث دیکھئے) کہ بائبل میں بادشاہ کے سامنے اپنی بیوی کو بہن ظاہر کرنے کا واقعہ ابراہیمؑ پر بھی چسپاں کیا گیا ہے اور اسحاقؑ پر بھی- بلکہ فی الاصل ابراہیمؑ پر دو دفعہ اور اسحاقؑ پر ایک دفعہ یہ واقعہ چسپاں کیا گیا ہے- ابراہیمؑ ایک بیان کے مطابق مصر میں

۲۰- ۲- سموئیل ۶: ۲۳، ۲۱: ۸

21. Peak's Commentrary , p.292.

اور دوسرے کے مطابق جرار میں بیوی کو بہن ظاہر کرتے ہیں' اور اسحاق بھی جرار ہی میں ایسا کرتے ہیں۔[۲۲]

(۲) ہاجرہ کی گھر بدری: ابراہیمؑ کی بیوی (بائبل کے مطابق لونڈی) ہاجرہ کا دوسری بیوی سارہ کے مطالبہ پر گھر سے نکالا جانا بھی دو دفعہ مذکور ہے۔ ایک دفعہ حاملہ ہونے کے بعد اور اسماعیلؑ کی پیدائش سے پہلے' اور دوسری مرتبہ اسماعیلؑ و اسحاقؑ دونوں کی پیدائش کے بعد۔ دونوں دفعہ کی باقی تفصیلات مماثل ہیں' مثلاً ہاجرہ کو ایک فرشتہ کا پانی کے کنویں کے پاس ملنا اور تسلی دینا اور اسماعیلؑ کی عظمت کی بشارت دینا۔[۲۳]

(۳) بئر سبع کا نام کس نے رکھا؟ ایک بیان کے مطابق بئر سبع نامی جگہ کا نام ایک کنویں کے معاملہ میں ابراہیمؑ اور بادشاہ ابی ملک کے سمجھوتہ کے بعد ابراہیمؑ نے رکھا' اور دوسرے بیان کے مطابق اسحاقؑ اور ابی ملک کے درمیان سمجھوتہ کے بعد اسحاقؑ نے رکھا۔[۲۴]

(۴'۵) یعقوبؑ اور ایک بستی کا نام: اللہ نے یعقوبؑ کا نام دو مختلف موقعوں پر اسرائیل رکھا اور یعقوب نے دو موقعوں پر لوز نامی بستی کو بیت ایل سے موسوم کیا۔[۲۵]

ایسے دہرے واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک مسیحی فاضل لکھتے ہیں:

> It is more probable that these are variant traditions of single incidents than that the incidents were duplicated.
>
> "زیادہ امکان یہ ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ کی مختلف روایات کا معاملہ ہے' نہ کہ واقعہ

۲۲۔ پیدائش ۱۲:۱۱ ومابعد' ۲۰:۱ ومابعد' ۲۶:۶ ومابعد۔

۲۳۔ پیدائش ۱۶:۴ ومابعد' ۲۱:۸ ومابعد۔

۲۴۔ ایضاً ۲۱:۲۵-۳۱' ۲۶:۲۵-۳۳

۲۵۔ ایضاً ۳۲:۲۸' ۳۵:۱۰' ۲۸:۱۹' ۳۵:۱۵

کے دوبارہ رونما ہونے کا۔" (۲۶)

(٦) یوشع کا خطاب: یوشع کی کتاب کے آخر میں موسیٰ کے جانشین یوشع (یشوع) کا آخری خطاب (Farewell Address) دو متصل ابواب میں دو دفعہ اور دو مختلف طرح مذکور ہے۔(۲۷)

اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ:

The book is a compilation from different sources.

"یہ کتاب (بھی) مختلف ذرائع (سے حاصل کردہ روایات) کا مجموعہ ہے۔"(۲۸)

(۳) وقت کے غلط حوالوں پر مبنی تضادات اور غلطیاں (Anachronisms)

اس عنوان کے تحت وہ تضادات آتے ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ بائبل کا کوئی حصہ فی الحقیقت اس وقت کے بہت بعد میں جا کر لکھا گیا جس وقت لکھے جانے کا اس کے بارے میں تأثر دیا گیا ہے۔

(۱ تا ۴) کتب خمسہ کے تضادات: قبل ازیں' بائبل کے دعویٰ الہام کے سلسلے میں ہم ایسے تضادات کی کچھ مثالیں گزشتہ باب میں دے چکے ہیں۔ کتاب استثناء(۱:۱'۲:۱ وغیرہ) میں یہ تأثر دینے کے بعد کہ اسے موسیٰ کے زمانہ میں لکھا گیا' ان کی وفات کا بیان (۳۴:۵ ومابعد)' اسرائیل میں بادشاہت کے وجود سے پہلے ادوم کے بادشاہوں کا تذکرہ (پیدائش ۳۶:۳۱ ومابعد)' لیس نامی شہر کو دان سے موسوم کرنا جبکہ اس شہر کا یہ نام بہت بعد میں رکھا گیا (پیدائش ۱۴: ۱۴' قضاۃ ۱۸: ۲۹)' اور قریت اربع کو بعد کے نام جردن سے موسوم کرنا (پیدائش ۳۵:۲۷' قضاۃ ۱:۱۰) اسی نوعیت کی مثالیں ہیں۔(۲۹)

---

26. A Companion to the Bible, p.28

۲۷۔ یشوع باب ۲۳' ۲۴۔

28. A Companion to the Bible, p.38

۲۹۔ تفصیل کے لئے حوالہ: ۵۸ تا ۶۴ ملاحظہ فرمائیں۔

(۵، ٦) آج کے دن تک: کتاب یشوع میں جبعون کے باشندوں پر یشوع اور بنی اسرائیل کے غلبہ اور ان سے معاہدہ کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ یشوع نے انہیں "مذبح کے لئے لکڑہارے اور پانی بھرنے والے مقرر کیا' جیسا آج تک ہے۔" جملہ کا آخری حصہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ اس جملہ یا پورے بیان کو اصل واقعہ سے خاصے بعد کے زمانہ میں لکھا گیا۔[۳۰]

اسی طرح آیت ذیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ متعلقہ بیان یشوع کے زمانہ کا لکھا ہوا نہیں' بلکہ بعد کا ہے: "اور یبوسیوں کو جو یروشلم کے باشندے تھے بنی یہوداہ نکال نہ سکے۔ سو یبوسی بنی یہوداہ کے ساتھ آج کے دن تک یروشلم میں بسے ہوئے ہیں۔"[۳۱]

اس قسم کی مثالوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک مسیحی محقق لکھتا ہے:

All of these passages could be regarded as later glosses and additions.

"یہ سب پیرے' بعد کے حاشیے اور اضافے سمجھنے چاہئیں۔" [۳۲]

۴۔ متضاد قوانین

(۱) کاہن کون؟ کتاب استثناء کے مطابق عبادت کے سلسلہ میں بنی لاوی میں سے کوئی بھی "خداوند کے نام سے خدمت"۔ کہانت اور قربانی انجام دے سکتا ہے۔ مگر کتاب خروج مذہبی خدمت و کہانت کو اولاد ہارون تک محدود رکھتی ہے۔ [۳۳]

(۲) عید کے دن: کتاب استثنا میں عید خیام (Feast of Tabernacles) سات دن تک منانے کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر کتاب احبار کے حکم کے مطابق یہ تیوہار آٹھ دن تک منایا جانا

۳۰۔ یشوع ۹: ۲۷

۳۱۔ ایضاً ۱۵: ۶۳

32. A Companion to the Bible, p.27.

۳۳۔ استثناء ۱۸: ۱ وما بعد' خروج ۲۸: ۱ وما بعد۔

چاہئے۔[۳۴]

(۳) عبرانی لونڈی: کتاب خروج میں عبرانی غلام کے بارے میں حکم ہے کہ چھ برس تک خدمت لینے کے بعد اسے آزاد کر دیا جائے، مگر اس کی اولاد والی بیوی کو نہ چھوڑا جائے۔ لیکن کتاب استثنا میں کسی بھی عبرانی مرد یا عورت کو ساتویں برس آزاد کر دینے کا حکم ہے۔[۳۵]

(۴) کتنی قربانیاں؟: گنتی کی کتاب میں بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا ہے کہ "دو بے عیب یک سالہ نر برے ہر روز دائمی سوختنی قربانی کے لئے چڑھایا کرو۔ ایک برہ صبح اور دوسرا برہ شام کو۔" لیکن کتاب حزقی ایل میں "ہر روز خداوند کے حضور پہلے سال کا ایک بے عیب برہ" چڑھانے کا حکم ہے اور شام کی قربانی کا کوئی ذکر نہیں۔ اس کے علاوہ بھی ان دونوں کتابوں کے متعلقہ ابواب میں قربانی کے احکام کی تفصیلات میں فرق موجود ہے۔[۳۶]

(۵) صورت گری: کتاب خروج میں ایک جگہ ہر قسم کی صورتیں اور بت بنانے سے منع کیا گیا ہے: "تو اپنے لئے کوئی تراشی ہوئی صورت نہ بنانا نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے۔" مگر اسی کتاب میں دوسری جگہ مقدس صندوق شہادت بنانے کا (حسب معمول غیر ضروری تفصیل و تطویل کے ساتھ) طریقہ بتاتے ہوئے کہا گیا ہے: "اور سونے کے دو کروبی (فرشتے) سرپوش کے دونوں سروں پر گھڑ کر بنانا اور وہ کروبی اس طرح اوپر کو اپنے پر پھیلائے ہوئے ہوں کہ سرپوش کو اپنے پروں سے ڈھانک لیں۔ اور ان کے منہ آمنے سامنے سرپوش کی طرف ہوں۔[۳۷]

(۶) رویت خداوندی: کتاب خروج ہی میں ایک شرعی اصول کے طور پر نہیں، مگر فطری قانون کے طور پر خدا کی زبانی یہ بیان کیا گیا ہے کہ "انسان مجھے دیکھ کر زندہ نہیں رہے گا۔"

۳۴۔ استثنا ۱۶:۱۵، احبار ۲۳:۳۶

۳۵۔ خروج ۲۱:۲-۴، استثنا ۱۵:۱۲

۳۶۔ گنتی ۲۸:۳-۴، حزقی ایل ۴۶:۱۳

۳۷۔ خروج ۲۰:۴، ۲۵:۱۸-۲۰

تاہم اسی کتاب میں لکھا ہے کہ : "تب موسیٰ اور ہارون --- اور بنی اسرائیل کے ستر بزرگ اوپر گئے اور انہوں نے اسرائیل کے خدا کو دیکھا۔ اور اس کے پاؤں کے نیچے نیلم کے پتھر کا چبوترہ سا تھا جو آسمان کی مانند شفاف تھا۔ سو انہوں نے خدا کو دیکھا اور کھایا اور پیا۔"(۳۸)

گویا موسیٰ اور ان کے ساتھی خدا کو دیکھ کر نہ صرف زندہ سلامت رہے' بلکہ مزے سے کھاتے پیتے بھی رہے اور انہیں کچھ نہیں ہوا۔

۵۔ ناموں اور اعداد کے اختلافات

مذکورہ بالا مختلف قسموں کے اختلافات و تضادات میں سے ہر ایک کی کئی اور مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں' مگر ہم نے اختصار سے کام لیا ہے۔ تاہم ناموں اور اعداد کی ذیل میں اس قدر کثرت سے اختلافات موجود ہیں کہ انہیں اختصار سے بیان کرنا بذات خود ایک مسئلہ ہے۔ ہم صرف نمونہ کے طور پر اس قسم کے چند تضادات کی نشان دہی کریں گے۔ ان تضادات و اختلافات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عہد عتیق کی مختلف کتابوں کے مصنفین ذہانت' یادداشت اور حساب کتاب کے معاملہ میں خاصے کمزور واقع ہوئے تھے۔ نیز باقی اختلافات کی طرح اس قسم کے تضادات بھی واضح طور پر یہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ کتاب اپنی موجودہ شکل میں خدائے علیم و خبیر کی طرف سے نہیں ہو سکتی۔

(ا) ابراہیمؑ کی عمر بڑھنے کی بجائے گھٹ گئی: کتاب پیدائش کی تین آیات کا تقابل' بائبل کی مصنفین کی حساب دانی کا ایک عجیب نقشہ پیش کرتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

"اور تارح ستر برس کا تھا جب اس سے ابرام اور نحور اور حاران پیدا ہوئے۔"

"اور تارح کی عمر دو سو پانچ برس کی ہوئی ---" (۳۹)

۳۸۔ خروج ۲۴:۹-۱۱

۳۹۔ پیدائش ۱۱:۲۶'۱۱:۳۲

ان دو آیات سے معلوم ہوا کہ اپنے باپ "تارح" کی وفات کے موقع پر ابراہیمؑ کی عمر (۲۰۵۔۷۰) ۱۳۵ برس تھی۔ اب آگے چلیں۔ اگلے باب میں باپ کی وفات کے بعد ابراہیمؑ کے حالات کا تذکرہ ہے' اور بتایا گیا ہے کہ انہیں خدا نے باپ کے گھر اور اس کے شہر حاران سے کنعان جانے کا حکم دیا۔

"اور ابرام پچھتر برس کا تھا جب وہ حاران سے روانہ ہوا۔"(۴۰)

جب باپ کی وفات کے وقت ابراہیمؑ ۱۳۵ سال کے تھے' تو حاران سے کنعان جاتے وقت ان کی عمر بڑھنے یا اتنی ہی رہنے کی بجائے یکایک ساٹھ برس کم کیسے ہو گئی؟ یاد رہے اس بات کی تصدیق عہد جدید سے بھی ہوتی ہے کہ ابراہیم کا حاران سے کنعان جانا' ان کے باپ کے مرنے کے بعد تھا' پہلے نہیں تھا۔(۴۱)

(۲) "خدا کی مقررہ" عمر سے لمبی زندگی پانے والے: کتاب پیدائش کے ایک بیان کے مطابق خدا نے انسان کی عمر ایک سو بیس برس مقرر کی۔(۴۲) مگر آدمؑ اور ان کے بیٹوں کی عمر کئی سو برس ہوئی۔ (پیدائش باب ۵) تاہم اگر یہ مان لیا جائے کہ ۱۲۰ برس عمر کا تقرر نوحؑ کے زمانہ میں ہوا (کیونکہ اس کا ذکر آدم اور ان کے بیٹوں کی عمروں کے تذکرہ کے بعد کیا گیا ہے)' تو بھی یہ درست نہیں۔ نوحؑ کی عمر ۹۵۰' ان کے بیٹے سیم کی ۶۰۰ اور آگے ان کے بیٹوں پوتوں وغیرہ سب کی عمریں ۱۲۰ برس سے زیادہ تھیں۔(۴۳) جبکہ آج کل اوسط عمر اس سے کہیں کم ہے۔

(۳) بیٹا باپ سے بھی بڑا: کتاب تواریخ ثانی کے ایک باب میں یہوداہ کے ایک بادشاہ یہورام کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ "یہورام جب سلطنت کرنے لگا تو بتیس برس کا تھا

۴۰۔ پیدائش ۱۲:۴

۴۱۔ اعمال ۷:۴

۴۲۔ پیدائش ۶:۳

۴۳۔ ایضاً ۹:۲۹' ۱۱:۱۰-۱۱' ۱۱:۱۳

اور اس نے آٹھ برس یروشلم میں سلطنت کی (اس بات کو متعلقہ باب کی آخری آیت میں پھر دہرایا گیا ہے)۔ مگر اگلے ہی باب میں لکھا ہے: "یروشلم کے باشندوں نے اس کے سب سے چھوٹے بیٹے اخزیاہ کو اس کی جگہ بادشاہ بنایا --- اور اخزیاہ بیالیس برس کا تھا' جب وہ سلطنت کرنے لگا۔" [۴۴] یعنی باپ (۳۲+۸) ۴۰ برس کی عمر میں فوت ہوا' اور اس کے فوراً بعد جب اس کا سب سے چھوٹا بیٹا حکومت کرنے لگا تو وہ ۴۲ برس کا تھا۔ گویا اس کی پیدائش اپنے باپ کی پیدائش سے دو برس پہلے ہوئی!

(۴) آٹھ یا اٹھارہ؟ کتاب سلاطین کے مطابق "یہویاکین جب سلطنت کرنے لگا تو اٹھارہ برس کا تھا" مگر کتاب تواریخ کے مطابق "یہویاکین آٹھ برس کا تھا جب وہ سلطنت کرنے لگا۔"

آٹھ برس کے بارے میں پیک کی تفسیر میں لکھا ہے: an obvious error یعنی یہ "واضح طور پر غلط ہے۔" [۴۶]

(۵) بھائی یا چچا؟: کتاب تواریخ کے مطابق یہویاکین کو بابل کے بادشاہ نبوکدنضر نے معزول کر کے اس کی جگہ "اس کے بھائی" صدقیاہ کو بادشاہ بنا دیا۔ مگر کتاب سلاطین کے مطابق یہویاکین کی جگہ اس کے "باپ کے بھائی" کو اس کا جانشین بنایا گیا۔ [۴۷]

(۶) شاہ یہوداہ یا اسرائیل؟ باب ہفتم (حوالہ نمبر ۱۴) میں بتایا جا چکا ہے کہ سلیمانؑ کے بعد یہودیوں میں نفاق پیدا ہوا اور ان کی دو سلطنتیں یہوداہ اور اسرائیل قائم ہو گئیں۔ عہد عتیق کی مختلف کتابوں' خصوصاً سلاطین اور تواریخ میں ان سلطنتوں کے مختلف حکمرانوں کے ضروری اور غیر ضروری حالات (یہودیوں کی قومی تاریخ) بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں سے

۴۴۔ ۲۔تواریخ ۲۱:۵' ۲۱:۲۰' ۲۲:۱-۲

۴۵۔ ۲۔سلاطین ۲۴:۸' ۲۔تواریخ ۳۶:۹

46. Peake's Commentary, p.313.

۴۷۔ ۲۔تواریخ ۳۶:۱۰' ۲۔سلاطین ۲۴:۱۷

ایک آخز تھا' جو کتاب سلاطین کے مطابق یہوداہ کا بادشاہ تھا-اس لئے کتاب تواریخ کے ایک باب میں کہا گیا ہے کہ وہ (شکست کے بعد) "شاہ اسرائیل کے ہاتھ کر دیا گیا جس نے اسے مارا" لیکن اسی باب میں آگے چل کر خود اسے "شاہ اسرائیل آخز" قرار دیا گیا ہے-[۴۸] پیک کی تفسیر کے مطابق اس بوالعجبی کے علاوہ بھی اس بادشاہ کے حالات کے بیان میں کئی غلطیاں اور تضادات ہیں-[۴۹]

(۷) کتنے تھان؟: کتاب سلاطین میں بتایا گیا ہے کہ "سلیمانؑ کے ہاں اس کی رتھوں کے لئے چالیس ہزار تھان اور بارہ ہنزار سوار تھے"- مگر کتاب تواریخ کے مطابق سلیمانؑ کے پاس گھوڑوں اور رتھوں کے لئے چار ہزار تھان اور بارہ ہزار سوار تھے-[۵۰]

(۸) مردم شماری: عہد عتیق میں دو جگہ مذکور ہے کہ داؤد نے بنی اسرائیل کی مردم شماری کرائی اور خدا اس پر سخت ناراض ہوا-

یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ مردم شماری پر اتنی سخت ناراضی کی کیا وجہ تھی:

It is useless to ask why a census was sinful.

"یہ پوچھنا بے کار ہے کہ مردم شماری میں کیا گناہ تھا-"[۵۱]

ناراضی کی اس حیرت انگیز وجہ کو چھوڑ کر ہم اس واقعہ کے دو بیانات کے باہم تضاد ہی پر غور کریں گے-

دیگر امور سے قطع نظر' ایک جگہ مردم شماری کے نتیجہ میں اسرائیل کی تعداد آٹھ لاکھ بہادر شمشیر زن' اور یہوداہ کے پانچ لاکھ مرد مذکور ہے- مگر دوسرے بیان کے مطابق اسرائیل کے گیارہ لاکھ اور یہوداہ کے چار لاکھ ستر ہزار شمشیر زن مذکور ہیں-[۵۲] یہوداہ

۴۸- ۲-سلاطین ۱:۱۷'۲-تواریخ ۵:۲۸'۱۹:۲۸

49. Peake's Commentary, p.321

۵۰- ۱-سلاطین ۲۶:۴'۲-تواریخ ۲۵:۹

51. Peake's Commentary, p. 293

۵۲- ۲-سموئیل ۹:۲۴'۱-تواریخ ۵:۲۱

کے چار لاکھ ستر ہزار کو (تخمیناً) پانچ لاکھ کہنے کا تو کچھ جواز بن جاتا ہے' مگر اسرائیل کی تعداد میں آٹھ اور گیارہ لاکھ کے فرق کی توجیہ کیا ہو سکتی ہے؟

(۹) قحط کے سال: پھر یہ کہا گیا ہے کہ مردم شماری کے "جرم عظیم" پر خدا نے داؤد کو سزا دینے کا فیصلہ کیا' تو انہیں کہا کہ تین بلاؤں میں سے ایک چن لیں۔ ان میں سے پہلی بلا قحط تھی۔ مگر ایک جگہ قحط کی مدت سات برس اور دوسری جگہ تین برس مذکور ہے۔[۵۳]

یہ سارے تضادات صاف ظاہر کرتے ہیں کہ مختلف انسانی روایات بیان کی جا رہی ہیں۔ ورنہ ان بوالعجبیوں اور تناقضات کو وحی الہٰی سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟

مذکورہ بالا تضادات کس طرح پیدا ہوئے؟

عیسائی (اور یہودی) علماء پہلے تو صدیوں تک بائبل کو لفظ بلفظ وحی الہٰی قرار دیتے رہے اور عوام نے آنکھیں بند کر کے بلاچوں وچرا اس نظریہ کو تسلیم کیا۔ لیکن تحریک احیائے علوم (Renaissance) اور تحریک اصلاح مذہب (Reformation) کے بعد جب ان کی آنکھیں کھلیں' تو انہوں نے اس کا تحقیقی مطالعہ شروع کیا۔[۵۴] تحقیقی مطالعہ کے بعد یہ بات کھل گئی (جیسا کہ موجودہ ابواب میں ہم نے پہلے بھی متعدد مواقع پر دیکھا ہے) کہ عہد قدیم کے بیانات اور قصے' دراصل پرانی روایتی کہانیوں اور فرضی قصوں (Myths and legends)' جن میں بعض اوقات مشرکانہ توہم پرستی (heathen ideas) کی آمیزش بھی ہوتی تھی' اور آباؤ اجداد کے متعلق ان عوامی کہانیوں اور روایات پر مبنی تھے جنہیں یہودی رات کے وقت کھلے میدان میں آگ کے الاؤ کے گرد (campfire stories) سنتے اور بیان کرتے تھے۔[۵۵] عہد عتیق میں مختلف اقسام کے تضادات اور بوالعجبیوں (جن کی کچھ مثالیں اوپر بیان ہوئی ہیں) کے جمع ہو جانے کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ ان بیانات اور قصوں

۵۳۔ ۲-سموئیل ۲۴: ۱۳' ۱-تواریخ ۲۱: ۱۲۔

54. Maurice Bucaille:op. cit., 32-33.

55. R.H. Horton: An Introduction to the Bible (London,1974), BK.V.pp.17-18.

کو مختلف اوقات میں مختلف جامعین (collectors/editors) نے اکٹھا کیا' اور:

The men who collected and copied the early stories did not always bother too mach about the truth of history. At times they altered and exaggerated.

"وہ لوگ جنہوں نے قدیم کہانیوں کو اکٹھا کیا اور لکھا' واقعات کی تاریخی صحت کی زیادہ فکر نہیں کرتے تھے۔ بعض اوقات وہ انہیں بدل ڈالتے اور مبالغہ سے بھی کام لیتے"۔ [۵۶] نیز:

Sometimes the editors simply copied the stories as they were. Sometimes there were two stories and they were able to weave them into one. At other times they told the same story twice, with certain differences, as they were not sure which one to choose.

"بعض اوقات جامعین کہانیوں کو اسی طرح نقل کر لیتے جس طرح وہ ہوتیں۔ بعض اوقات (ایک ہی واقعہ کے متعلق) دو کہانیاں ہوتیں اور وہ انہیں جوڑ کر ایک بنا لیتے۔ بعض دوسرے موقعوں پر وہ ایک ہی کہانی دو مرتبہ بیان کرتے۔ اس صورت میں تضادات بھی ہوتے۔ مگر جامعین کو جب پتہ نہ چلتا کہ کونسی (روایت) اختیار کریں (تو وہ انہیں اسی طرح بیان کر دیتے)۔" [۵۷]

۶۔ طرز بیان کے اختلافات (Stylistic Differences)

تحقیقی مطالعہ کے ضمن میں جب عہد قدیم کے پرانے مسودات اہل کلیسیا کے محدود اور متعصب دائرہ سے نکل کر محققین کے ہاتھ لگے' تو انہیں ان میں دیگر تضادات کے ساتھ طرز تحریر اور طرز بیان کے واضح فرق کے اور ناقابل تردید شواہد بھی نظر آئے۔

56 , 57. Ibid.

سترھویں صدی کے نصف آخر سے لے کر اب تک ہونے والی اعلیٰ پایہ کی تحقیق و تدقیق کے بعد اب ماہرین و محققین کا اس بات پر عملاً اجماع اور تقریباً اتفاق ہو چکا ہے کہ عہد قدیم کی کتابیں دراصل مختلف قدیم تر تحریروں اور زبانی روایات کا ملغوبہ ہیں۔ "عہد قدیم" کی یہ قدیم تر بنیادیں، یعنی وہ ذرائع جن سے جامعین کو واقعات، قصے اور کہانیاں ملیں، نہ صرف بائبل کی مذکورہ بالا اقسام کے تضادات و اختلافات کی توجیہ پیش کرتی ہیں، بلکہ مختلف جامعین کے اختیار کردہ طرز بیان میں اختلاف کا سبب بھی بنتی ہیں۔ اور اگر پرانے مسودات کے طرز بیان کا دقت نظر سے جائزہ لیا جائے، تو عہد عتیق کے اہم ابتدائی ذرائع (sources) کو چند واضح اقسام کی ذیل میں بیان کیا جا سکتا ہے۔(۵۸)

طرز بیان، مستعمل الفاظ کی نوعیت اور جملوں اور پیروں کی بناوٹ پر غور و خوض کے بعد ماہرین جس پہلے اہم نتیجہ پر پہنچے، وہ یہ تھا کہ بائبل کی کچھ کہانیاں یہودیوں کی جنوبی سلطنت یہوداہ (Judah) کی نویں صدی قبل مسیح میں مروج کہانیوں سے لی گئی ہیں، اور کچھ شمالی سلطنت اسرائیل کی آٹھویں صدی قبل مسیح میں رائج کہانیوں سے۔ نیز اول الذکر میں خدا کا تذکرہ یہوہ یا یہوواہ (Yahweh or Jehovah) کے نام سے کیا گیا ہے، اور مؤخر الذکر میں الوہیم (Elohim) کے نام سے۔ چنانچہ محققین نے خدا کے ان دو مختلف ناموں کا پہلا حرف لے کر پہلی قسم کے بیانات کو پہچان کے لئے "ج" (J)، یا کبھی 'Y'='ی' اور دوسری کو 'الف' یا 'ای' (E) کا نام دیا۔(۵۹)

کچھ عرصہ بعد ان دو ابتدائی ذرائع پر ایک تیسری چیز کا اضافہ ہوا۔ یعنی ہیکل کی مرمت

58. A Companion to the Bible, pp.32-33;
Maurice Bucaille : op.cit.,pp.33-35;
R.H.Horton: op.cit., P.17;
E.Sellin: op.cit., pp.23ff.

59. Jean Astruc's Conjectures on the Original Writings, 1753.
Also see : M.Bucaille:op.cit., p.32.

کے دوران شرعی و سماجی قوانین کی ایک کتاب ملی ' جسے تثنیہ شرع یا استثنا (Deuteronomy) کے نام سے عہد عتیق کا حصہ بنالیا گیا۔(۶۰) محققین پہچان کی خاطر اسے 'د'('D') کہتے ہیں۔ نیز یہودیوں کی فلسطین سے جلاوطنی اور بابل کی اسیری (گزشتہ باب کی ابتدا ملاحظہ فرمائیں) کے بعد کے زمانہ کی ایک اور ذریعہ سے آنے والی روایات اور تحریروں کو بھی عہد قدیم میں جمع کر لیا گیا۔ یہ یہودی ربیوں اور مذہبی رہنماؤں (Priests) کی مذہبی تشریح و تعبیر کی کتابیں (Sacredotal Writings) تھیں جنہیں ماہرین عموماً 'پ' ('P') اور کبھی 'س' ('S') بھی کہہ دیتے ہیں(۶۱) عہد قدیم کے بیانات میں بالکل قریب کی آیات اور اسی یا ملحقہ ابواب میں جو تضادات پائے جاتے ہیں (مثلاً ابتدائے آفرینش اور طوفان نوح کے بیانات اور نسب ناموں وغیرہ میں اختلافات) وہ اسی وجہ سے ہیں کہ ان میں 'ج' ('J') اور 'ای' ('E') یا 'ج' ('J') اور 'پ' ('P') وغیرہ ذرائع سے ملنے والی تحریروں اور روایات کو اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ (۶۲)

جس کتاب کے بارے میں اتنا واضح طور پر یہ ثابت ہو چکا ہو کہ وہ مختلف عوامی روایات کا ایک انسانی مجموعہ ہے' اور اس بنا پر اس میں بیسیوں تضادات و اختلافات پائے جاتے ہوں' اسے "کتاب الٰہی" قرار دینا محض سینہ زوری اور حقائق کا منہ چڑانا نہیں تو اور کیا ہے؟

۷۔ عہد جدید کے تضادات واختلافات

تضادات' تناقضات اور غلطیوں کی کثرت کے معاملہ میں بائبل کا عہد جدید بھی اس کے عہد قدیم سے کچھ زیادہ پیچھے نہیں' بلکہ "ایں ہمہ خانہ آفتاب است"۔ لیکن مسئلہ یہاں

---

(۶۰) گزشتہ باب کے حوالے نمبر ۹۸ تا ۱۰۲ ملاحظہ فرمایئے۔

(61) A Companion to the Bible, p.31;
M.Bucaille: op.cit., p.33.

(62) M.Bucaille: op.cit., pp.34-35;
R.H.Horton:op.cit., pp.12-20;

بھی انتخاب کا ہے' کیونکہ یہ کتاب ان تضادات کے مکمل احاطہ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ بہرحال' چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے۔

(ا) مسیح کا نسب نامہ: مسیح کی بن باپ معجزانہ پیدائش کا عقیدہ رکھنے کے باوجود متی اور لوقا کی انجیلوں میں ان کا نسب نامہ بھی دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ان کی والدہ مریم کی منگنی ایک شخص یوسف سے ہو چکی تھی۔ مگر "ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے" مریم "روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔" اس لئے "جیسا کہ سمجھا جاتا تھا" مسیح "یوسف کا بیٹا تھا۔"[۶۳] لیکن ان دونوں انجیلوں میں یوسف کو مسیح کا "باپ" فرض کر کے جو نسب نامے دیئے گئے ہیں[۶۴]' ان میں اتنے زیادہ اور اتنے شدید اختلافات اور غلطیاں ہیں کہ مسیحی علماء ان کے حل میں آج تک سرگرداں ہیں۔ مثلاً:

(ا) بقول متی' یوسف کے باپ کا نام یعقوب تھا' مگر لوقا کے بیان کے مطابق عیلی تھا۔[۶۵]

(۲) دونوں نسب ناموں میں مسیح ؑ کو داؤد کی نسل سے شمار کیا گیا ہے۔ مگر متی کے مطابق وہ سلیمان بن داؤد کی نسل سے ہیں' اور لوقا کے مطابق ناتن بن داؤد کی نسل سے۔[۶۶]

(۳) ابراہیمؑ سے مسیح ؑ تک متی نے ۴۱' اور لوقا نے ۷۷ پشتیں بیان کی ہیں۔[۶۷]

(۴) متی نے دعویٰ تو ۴۲ پشتیں بیان کرنے کا کیا ہے (ابرہام سے داؤد تک ۱۴' داؤد سے اسیریٔ بابل تک ۱۴' اور اسیریٔ بابل کے بعد مسیح تک ۱۴)۔ مگر شمار کیا جائے تو ۴۱ پشتیں بیان کی گئی ہیں (آخری گروپ میں ایک نام کم ہے)۔[۶۸]

۶۳۔ متی ۱:۱۸' لوقا ۳:۲۳

۶۴۔ متی ۱:۱ - ۱۶' لوقا ۳:۲۳-۳۸

۶۵۔ متی ۱ : ۱۶ ' لوقا ۳ : ۲۳

۶۶۔ متی ۱:۶' لوقا ۳:۳۱

۶۷۔ دیکھئے: انجیل متی و لوقا مطابق حوالہ ۶۴۔ نیز:

M. Bucaille : op. cit., pp. 98-99.

۶۸۔ حوالۂ بالا۔ نسب نامے میں مذکور پشتوں میں کمی بیشی کی مزید بحث و تحقیق کے لئے دیکھئے:
الفصل لابن حزم' ج ۲' ص ۔ ۱۳

(۵) دونوں نسب ناموں کا اگر عہد قدیم میں مذکور آبائے یہود کے نسب ناموں سے مقابلہ کیا جائے تو بھی کئی اختلافات ملیں گے۔[۶۹] مثلاً متی نے دوسرے گروپ میں تین نام چھوڑ دیئے ہیں۔ انجیل متی کے بعض مسیحی مفسرین نے اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی توجیہ اس طرح بیان کی ہے: "تاکہ چودہ چودہ پشتیں قائم رہیں۔"[۷۰] توجیہ کمزور اور بے معنی ہے، اور چودہ چودہ پشتیں پھر بھی قائم نہیں رہیں۔ بعض دوسرے مفسرین نے تسلیم کیا ہے کہ یہ غلطی نہ چودہ کا عدد قائم رکھنے کی وجہ سے ہے[۷۱] اور نہ کاتب کی غلطی سے۔ بلکہ انجیل نویس کو اخزیاہ (Ahazia)، عزیاہ (Uzziah/Ozias) اور عزریاہ (Azariah) کے ناموں میں عبرانی و یونانی تلفظ کے فرق کی وجہ سے مغالطہ ہوا۔ دراصل اسے "یورام سے عزیاہ (Uzziah) پیدا ہوا" کی بجائے "یورام سے اخزیاہ (Ahazia) پیدا ہوا، اس سے یوآس (Joash) اور اس سے امصیاہ (Amazia) اور اس سے عزریاہ (Azariah) پیدا ہوا" لکھنا چاہئے تھا۔[۷۲]

مذکورہ بالا اور ان جیسے دوسرے اختلافات سے تنگ کر بائبل کے مفسر پیک (Peake) نے لکھا ہے:

> The geneologies warn us not to worship the letter of the scripture.
>
> "یہ نسب نامے ہمیں متنبہ کرتے ہیں کہ ہم مقدس صحیفوں کے الفاظ کے غلام نہ بنیں۔"[۷۳] یعنی ان کی لفظی صحت پر زیادہ زور نہ دیں۔ گویا دبے لفظوں میں

۶۹۔ دیکھئے پیدائش ۳۸:۶ او مابعد، ۱۔ تواریخ باب ۱، ۳؛ روت ۴:۱۸-۲۰۔

۷۰۔ خزانۃ الاسرار (تفسیر انجیل متی) از آر کلارک / عماد الدین، مطبوعہ لدھیانہ (ہند)، ۱۸۷۵، ص۔۷

۷۱۔ متی نے ۱۴-۱۴-۱۴ کے تین گروپ شاید اس لئے بنائے ہیں کہ اس طرح نسب نامہ یاد رکھنے میں آسانی رہے۔ نیز داؤد کے اصل عبرانی نام کے اعداد ۱۴ بنتے ہیں۔ دیکھئے پیک کی تفسیر، ص۔۷۰۱

۷۲۔ متی ۱:۸، ۱۔ تواریخ ۳:۱۰-۱۱۔ نیز:
پیک (Peake) حوالۂ بالا۔

۷۳۔ پیک، حوالۂ بالا۔

ان "مقدس صحیفوں" کی غلطیوں اور تضادات سے بھرے ہونے کا اقرار کیا جا رہا ہے۔

(۲) مصر کا سفر اور بچوں کا قتل: انجیل متی میں لکھا ہے کہ مسیح کی پیدائش کے بعد بادشاہ ہیرودیس نے ان کی جنم بھومی بیت لحم کے علاقہ کے دو سال کی عمر تک کے بچے مروا دیئے' تاکہ ان میں سے کوئی بڑا ہو کر "یہودیوں کا بادشاہ" نہ بن سکے۔ مگر اس سے پہلے ہی یوسف' خواب میں اشارہ پا کر' نومولود مسیح اور ان کی والدہ کو لے کر مصر بھاگ گیا تھا اور یہ خاندان' ہیرودیس کے مرنے کے بعد واپس آیا۔[۷۴] لیکن دوسری اناجیل اور پرانی تاریخ کتب مثلاً یوسیفس (Josephus) کی تاریخ اس کی تصدیق نہیں کرتیں'[۷۵] بلکہ لوقا کے بیان سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ لوقا نے صاف لکھا ہے کہ مسیح کو ان کی پیدائش کے آٹھ دن بعد یروشلم لایا گیا۔ وہاں ایک "روحانی" مرد اور عورت نے انہیں بحیثیت مسیح موعود پہچان کر ان کا خیر مقدم کیا۔ مسیح اور ان کے "والدین" خیریت سے واپس آئے اور پھر وہ ہر سال عید فسح کے موقع پر یروشلم جایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ مسیح بارہ برس کے ہو گئے۔[۷۶]

انجیل متی کے مصنف نے مصر کے سفر اور بچوں کے قتل سے متعلق عہد عتیق کی دو پیش گوئیاں بھی نقل کی ہیں (ان میں تحریف کا پہلو نمایاں ہے' جس کا ذکر انشاء اللہ آئندہ آئے گا)۔ اس ضمن میں پیک کی تفسیر میں لکھا ہے:

It looks as though St. Matthew made the incident fit the quotation.

"معلوم ہوتا ہے کہ متی نے (مصر جانے کا) یہ واقعہ (بنا کر) اسے (عہد قدیم کے)

۷۴۔ متی ۲:۱۳—۲۱

۷۵۔ خزانۃ الاسرار (تفسیر انجیل متی)' ص۔۲۶

۷۶۔ لوقا ۲:۲۱—۴۳

اقتباس پر چسپاں کر دیا۔" (۷۷)

(۳) ایلیا اور اس کی خوراک: یہودی' مسیح موعود کے علاوہ ایلیا(الیاس) کی دوبارہ آمد کے بھی منتظر رہتے تھے۔(۷۸) انجیل یوحنا میں یوحنا بپتسمہ والے سے سوال کیا جاتا ہے: "کیا تو ایلیاہ ہے؟" وہ انکار کرتے ہیں۔ مگر انجیل متی میں یوحنا بپتسمہ والے ہی کو ایلیاہ قرار دیا گیا ہے۔(۷۹)

انجیل متی ہی کے مطابق یوحنا کھاتے پیتے نہیں تھے۔ مگر اسی انجیل کے ایک دوسرے مقام اور مرقس کے مطابق وہ ٹڈیاں اور جنگلی شہد کھاتے تھے۔ (۸۰)

(۴) مسیحؑ کا وطن اور تبلیغی میدان: انجیل لوقا کے مطابق "شیطان سے آزمائے جانے کے بعد" مسیح نے گلیل کے علاقہ میں تبلیغ شروع کی جو اس انجیل کے مطابق ان کا وطن تھا' اور انہوں نے ابنائے وطن (گلیلیوں) سے ان الفاظ میں اپنے نامقبول ہونے کا گلہ کیا: "کوئی نبی اپنے وطن میں مقبول نہیں ہوتا۔"(۸۱) مگر یوحنا نے یہودیہ کو مسیح کا وطن قرار دیتے ہوئے(۸۲) اس کے متعلق مسیح کے الفاظ دہرائے ہیں کہ "نبی اپنے وطن میں عزت نہیں پاتا۔" اور لکھا ہے کہ جب وہ وہاں سے روانہ ہو کر گلیل کو گئے تو وہاں انہوں نے عزت پائی' اور "گلیلیوں نے اسے قبول کیا۔"(۸۳)

۷۷۔ پیک کی تفسیر بائبل' ص-۷۰۲

۷۸۔ ملاکی ۴:۵

۷۹۔ یوحنا۱:۱۹-۲۱' متی ۱۱:۱۴' ۱۷:۱۲-۱۳

۸۰۔ متی ۱۱:۱۸' ۳:۴' مرقس ۱:۶

۸۱۔ لوقا ۴:۱۴-۲۴

۸۲۔ مسیحؑ کے زمانہ میں رومیوں نے فلسطین کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔ گلیل اور یہودیہ الگ الگ صوبے تھے۔ دیکھئے: قاموس الکتاب' ص-۸۳۶

۸۳۔ یوحنا ۴:۳' ۴۳-۴۵

(۵) گواہی.... سچی یا جھوٹی؟ انجیل یوحنا کے ایک مقام پر مسیح کا یہ قول نقل کیا گیا ہے: "اگر میں خود اپنی گواہی دوں تو میری گواہی سچی نہیں۔" لیکن دوسری جگہ ان کا یہ قول موجود ہے: "اگرچہ میں اپنی گواہی آپ دیتا ہوں' تو بھی میری گواہی سچی ہے۔"(۸۴)

(۶) حواریوں کے نام: عیسیٰؑ کے مشہور بارہ حواریوں کے ناموں پر بھی اناجیل کا اتفاق نہیں ہے۔ لوقا نے ایک نام اس طرح دیا ہے: "یعقوب کا بیٹا یہوداہ (Judas, the son of James)۔ مگر انجیل متی اور انجیل مرقس میں یہ نام نہیں' بلکہ اس کی جگہ تداوس (Thaddaeus) کا نام مذکور ہے۔(۸۵)

(۷) حواریوں کو ہدایات اور پیش گوئیاں: (الف) انجیل متی کے مطابق مسیح نے بارہ حواریوں کو شاگرد بنانے کے بعد انہیں تبلیغ واشاعت کے لئے بھیجا تو کہا: "غیر قوموں کی طرف نہ جانا۔ بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔" انہوں نے اپنے بارے میں بھی فرمایا: "میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔" لیکن متی ہی کے مطابق انہوں نے "مر کر جی اٹھنے کے بعد" ان سے کہا: "تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ۔" اور مرقس کے مطابق کہا: "تم جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو۔"(۸۶) (مؤخرالذکر دونوں حوالوں کے بارے میں تحریف کی بحث ان شاءاللہ آگے آئے گی)۔

(ب) انجیل متی کے مطابق حواریوں کو بھیجتے وقت مسیح نے یہ بھی فرمایا: "راستہ کے لئے نہ جھولی لینا نہ دو دو کرتے نہ جوتیاں نہ لاٹھی۔" مگر مرقس کے مطابق انہوں نے کہا: "راستہ کے لئے لاٹھی کے سوا کچھ نہ لو ــــ مگر جوتیاں پہنو اور دو کرتے نہ پہنو۔"(۸۷) پہلی

۸۴۔ یوحنا ۵:۳۱' ۸:۱۴

۸۵۔ لوقا ۶:۱۴-۱۶' متی ۱۰:۲-۴' مرقس ۳:۱۴-۱۹

۸۶۔ متی ۱۰:۵-۶' ۱۵:۲۴' ۲۸:۱۹' مرقس ۱۶:۱۵

۸۷۔ متی ۱۰:۱۰' نیز لوقا ۹:۳' مرقس ۶:۸

آیت میں جوتیاں پہننے اور لاٹھی لینے کی ممانعت ہے، مگر دوسری میں اجازت ہے۔ مسیحی مفسرین نے اس تضاد کا حل یہ پیش کیا ہے کہ ایک خاص قسم کی نسبتاً قیمتی جوتی پہننے کی ممانعت تھی۔(۸۸) مگر یہ قطعاً ایک مفروضہ ہے، کیونکہ لاٹھی کے بارے میں تضاد کا انہوں نے اس سے مختلف و متضاد حل پیش کیا ہے کہ عام لاٹھی نہ لی جائے مگر پادریوں کے عہدہ کی علامت قیمتی ڈنڈا (wand of office) لے لیا جائے۔(۸۹)

(ج) اناجیل کے مطابق، حواریوں کے سامنے مسیح نے قیام قیامت سے پہلے اپنی آمد ثانی (Parousia) کی جو پیش گوئیاں کیں، وہ بھی بالکل غلط ثابت ہوئی ہیں۔ انجیل متی کے مطابق انہوں نے کہا: "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم اسرائیل کے سب شہروں میں نہ پھر چکو گے کہ ابن آدم آجائے گا۔" پھر فرمایا: "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک یہ سب باتیں (قیامت کی نشانیاں) نہ ہو لیں یہ نسل ہرگز تمام نہ ہو گی۔ آسمان اور زمین ٹل جائیں گے لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی۔" پھر اس سے بھی زیادہ تحکم سے کہا: "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اس کی بادشاہی میں آتے ہوئے نہ دیکھ لیں گے موت کا مزہ ہرگز نہ چکھیں گے۔"(۹۰)

انہی پیش گوئیوں کی وجہ سے ابتدائی زمانہ کے عیسائیوں کو مسیح کی آمد ثانی کا شدت سے انتظار تھا، جیسا کہ انجیل یوحنا کے آخر میں اشارہ ملتا ہے۔(۹۱) لیکن اب بیس صدیاں گزر جانے کے باوجود مسیح نہیں آئے، چہ جائیکہ اسی نسل میں اور حواریوں کی زندگی میں آتے۔ بائبل کے مفسرین نے یہاں بھی مضحکہ خیز تاویلات کا سہارا لینے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً انہوں نے ۷۰ء کے قریب یروشلم کی تباہی اور یہود کی بربادی کو "مسیح کا جلال" قرار دیا ہے۔(۹۲)

۸۸۔ خزانۃ الاسرار (تفسیر انجیل متی)، ص۔ ۱۶۳

۸۹۔ تفسیر پیک، ص۔ ۷۰۹

۹۰۔ متی ۱۰: ۲۳، ۲۴۔ ۳۴۔ ۳۵، ۲۸:۱۶

۹۱۔ یوحنا ۲۱: ۲۱۔ ۲۳۔ نیز: گزشتہ باب کا حوالہ: ۱۰۶ دیکھئے۔

۹۲۔ خزانۃ الاسرار، ص۔ ۲۹۵

مگر "ابن آدم کو اپنی بادشاہت میں آتے ہوئے دیکھ لیں گے" کے الفاظ ان سے کسی طرح ہضم نہیں ہو سکے' کیونکہ یہ الفاظ کسی شہر کی بربادی نہیں بلکہ مسیح کی بادشاہت کے ظاہری قیام اور حواریوں کے اس وقت موجود ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ نیز متی میں مندرج ایک اور پیشگوئی کہ آمد ثانی کے موقع پر بارہ حواری "بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف" کریں گے [۹۳] مذکورہ بالا پیش گوئیوں کے یروشلم کی بربادی پر انطباق یا "بادشاہت" سے روحانی بادشاہت اور "جلال" سے روحانی جلال مراد لینے کا دروازہ بند کر دیتی ہے۔

(۸) غدار کی نشان دہی اور اس کی موت: انجیل متی کے مطابق مسیح نے حواریوں کے سامنے پیش گوئی کی: "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک مجھے پکڑوائے گا۔" یہوداہ اسکریوتی نے پوچھا: "اے ربی کیا میں ہوں؟" اس پر انہوں نے کہا: "تو نے خود کہہ دیا۔"

مگر انجیل یوحنا کے مطابق مسیح نے اس غدار کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا: "جسے میں نوالہ ڈبو کر دوں گا وہی ہے۔" پھر انہوں نے "نوالہ ڈبویا اور لے کر شمعون اسکریوتی کے بیٹے یہوداہ کو دے دیا۔" [۹۴]

غدار یہوداہ کی موت کے بارے میں بھی عہد جدید کے بیانات مختلف و متضاد ہیں۔ انجیل متی کے مطابق وہ مسیح کو پکڑوانے کے بعد پچھتایا' اور رشوت کے تیس روپے جو وہ وصول کر چکا تھا' یہودی کاہنوں اور بزرگوں کے پاس "پھینک کر چلا گیا اور جا کر اپنے آپ کو پھانسی دی۔" کاہنوں نے اس رقم کو واپس خزانہ میں داخل کرنے کی بجائے اس سے "پردیسیوں کے دفن کے لئے" ایک کھیت خریدا جو "خون کے کھیت" کے نام سے موسوم ہوا۔ لیکن کتاب اعمال میں پطرس کی زبانی یہوداہ کی موت اور مذکورہ کھیت کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہوداہ نے رشوت کی یہ رقم واپس لوٹانے کی بجائے اس سے (خود) ایک کھیت حاصل کیا اور (پھانسی سے مرنے کی بجائے) اس کھیت میں "سر کے بل گرا اور اس کا پیٹ

۹۳۔ متی ۱۹:۲۸

۹۴۔ متی ۲۶:۲۱۔۔۔۲۵' یوحنا ۱۳:۲۱۔ ۲۶

پھٹ گیا اور اس کی انتڑیاں نکل پڑیں۔" اس لئے اس کھیت کا نام "خون کا کھیت" پڑ گیا۔[۹۵]

اس واضح تضاد پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک مسیحی فاضل نے لکھا ہے:

It is clear that (the different) acconts stem from different traditions.

"یہ بات واضح ہے کہ یہ مختلف بیانات انجیل نگاروں نے مختلف روایات (ذرائع) سے حاصل کئے ہیں۔"[۹۶]

دراصل یہ روایات یہوداہ کے بارے میں عوامی ذہن (popular mind) کے تصورات پر مبنی ہیں، نہ کہ حقیقت پر۔[۹۷]

(۹) مسیحؑ کی گرفتاری کے لئے نشاندہی: انجیل متی کے مطابق غدار حواری یہوداہ اسکریوتی نے مسیح کی گرفتاری کے لئے ان کی نشاندہی کے طور پر معاندین سے یہ طے کیا تھا کہ "جس کا بوسہ لوں وہی ہے۔اسے پکڑ لینا۔" چنانچہ اس نے اسی طرح انہیں پکڑوایا۔ مگر انجیل یوحنا کے مطابق مسیح نے پکڑنے والوں کے آتے ہی یہوداہ کو اپنی نشان دہی کا موقع دیئے بغیر کہا: "کسے ڈھونڈتے ہو؟" اور انہیں خود ہی بتایا کہ یسوع ناصری وہی ہیں۔[۹۸]

(۱۰) پطرس کا انکار: حواری پطرس نے مسیح کی گرفتاری کے بعد معاندین کے سامنے ان کا ساتھی ہونے سے انکار کیا، اور بقول اناجیل مسیح نے اس کی پیشگوئی بھی کی تھی۔ مگر متی کے مطابق مسیح نے کہا تھا: "میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ اس رات مرغ کی بانگ دینے سے پہلے تو تین بار میرا انکار کرے گا۔" اس واقعہ کی تفصیلات میں بھی انجیل نگاروں کے کئی

۹۵۔ متی ۲۷: ۳۔۸، اعمال ۱: ۱۵۔۲۰

96. The "Anglican Theological Review", Illinois, March, 1974, p.45.

97. R.E.Brown, etc (editors): The Jerome Bibllcal Commentrary, New Jersey, 1968, vol.1,p.12.

۹۸۔ متی ۲۶: ۴۷۔۴۹، یوحنا ۱۸: ۳۔۸

اختلافات ہیں- مثلاً متی اور لوقا کے مطابق پطرس کے تین مرتبہ انکار کے بعد مرغ بولا -مگر مرقس کے بیان کے مطابق ایک دفعہ پہلے انکار کے بعد اور دوسری دفعہ دوسرے اور تیسرے انکار کے بعد مرغ نے بانگ دی-(۹۹)

(۱۱) معجزات کے بیان میں تضادات: (الف) مرقس نے ذکر کیا ہے کہ "ایک بہرے کو جو ہکلا بھی تھا" مسیح کے معجزہ سے سننے اور صاف بولنے کی طاقت ملی۔ مگر متی نے مبالغہ کر کے ایک آدمی سے بے شمار بنا دیئے ہیں: "اور ایک بڑی بھیڑ لنگڑوں' اندھوں' گونگوں' ٹنڈوں اور بہت سے اور بیماروں کو اپنے آدمی کے ساتھ لے کر اس کے پاس آئی اور ان کو اس کے پاؤں میں ڈال دیا اور اس نے انہیں اچھا کر دیا-"(۱۰۰)

سیاق و سباق سے واضح ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ کے دو متضاد بیانات ہیں- کیونکہ دونوں انجیلوں میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت ہوا جب مسیح صور (Tyre) اور صیدا (Sidon) سے نکل کر گلیل کی جھیل (Sea of Galilee) پر آئے اور اس کے بعد دونوں انجیلوں نے تکثیر طعام کا ایک معجزہ نقل کیا ہے -لہٰذا یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ دو مختلف واقعات ہیں-

(ب) جھیل کے اس پار بقول مرقس و لوقا ایک دیوانے (جس میں بدروحیں رہتی تھیں) کو معجزانہ شفا ملی' اور بقول متی دو دیوانوں کو -اسی طرح متی نے مرقس کے ایک شفایاب اندھے کو دو اندھے بنا دیا ہے-(۱۰۱)

(ج) ایک سردار کی بیٹی کو زندہ کرنے کے معجزہ کے ضمن میں مرقس کا بیان ہے کہ سردار نے کہا: "میری چھوٹی بیٹی مرنے کو ہے-" مگر متی کے مطابق اس نے کہا: "میری بیٹی ابھی مری ہے-" (۱۰۲)

۹۹۔ متی ۲۶: ۳۴ و مابعد' لوقا ۲۲: ۵۴ ــ ۶۲' مرقس ۱۴: ۶۶- ۷۲

۱۰۰۔ متی ۱۵: ۲۱ ــ ۳۹' مرقس ۷: ۳۱ ــ ۳۷' ۸: ۱ ــ ۸

۱۰۱۔ مرقس ۵: ۲' لوقا ۸: ۲۷' متی ۸: ۲۸' متی ۲۰: ۲۹ ــ ۳۴' مرقس ۱۰: ۴۶ ــ ۵۲

۱۰۲۔ مرقس ۵: ۲۳' متی ۹: ۱۸

(۴) متی اور مرقس نے ذکر کیا ہے کہ جب مسیحؑ کو ایک انجیر کے درخت سے پھل نہ ملا تو انہوں نے ناراض ہو کر اسے بددعا دی۔ مرقس کے مطابق درخت اگلی صبح سوکھا ہوا پایا گیا' جبکہ متی کے مطابق "درخت اسی دم سوکھ گیا۔" [۱۰۳]

(۱۲) مسیحؑ کو خوشبو لگانے کا واقعہ: چاروں اناجیل نے مسیح کی گرفتاری سے کچھ پہلے کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک عورت نے ازراہ عقیدت انہیں خوشبو لگائی۔ مگر اس کی تفصیلات میں اناجیل کا بڑا اختلاف ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھی سنی سنائی روایات سے لیا گیا ہے' اور الہامی نہیں ہے۔

(الف) واقعہ کس جگہ پیش آیا؟ متی و مرقس کے مطابق شمعون کوڑھی کے گھر میں' لوقا کے مطابق ایک فریسی یہودی کے گھر میں' اور یوحنا کے مطابق لعزر (جسے مسیح نے معجزانہ طور پر زندہ کیا تھا) کے مسکن میں۔

(ب) عورت کون تھی؟ بقول متی و مرقس "ایک عورت" یعنی نامعلوم شخصیت' بقول لوقا "ایک بدچلن عورت" اور بقول یوحنا' لعزر کی بہن اور مسیح کی مخلص مریدہ مریم۔

(ج) اس عورت نے کیا کیا؟ بقول متی و مرقس' مسیح کے سر پر عطر ڈالا' اور بقول لوقا و یوحنا' ان کے پاؤں پر ڈالا' پاؤں چومے اور بالوں سے ان کے پاؤں پونچھے۔

(د) حاضرین کا ردعمل: بقول متی' شاگرد یہ دیکھ کر خفا ہوئے' بقول مرقس' بعض لوگ (شاگرد و غیر شاگرد کی تصریح نہیں) خفا ہوئے۔ بقول لوقا' دعوت کرنے والے فریسی نے عورت کی بدچلنی کی وجہ سے اس واقعہ کو مسیح کی شان نبوت سے فروتر جانا' اور بقول یوحنا' صرف غدار یہوداہ اسکریوتی نے اس پر اعتراض کیا۔ [۱۰۴]

(۱۳) مسیحؑ کی گرفتاری سے لیکر مزعومہ تصلیب تک کے واقعات: مسیح کی گرفتاری کے بعد ان پر مبینہ طور پر جو گزری' اس پر عیسائی عقائد کی عمارت کا بڑا انحصار

۱۰۳۔ مرقس ۱۱:۱۲ــــ۲۱' متی ۲۱:۱۸ــــ۲۰

۱۰۴۔ متی ۲۶:۶ــــ۱۰' مرقس ۱۴:۳ــــ۶' لوقا ۷:۳۶ــــ۵۰' یوحنا ۱۲:۱ــــ۶

ہے- لیکن ان واقعات میں بھی اناجیل کے بیانات متضاد و مخالف ہیں -ان میں سے بعض اختلافات کا ذکر ہم نے باب ششم میں کیا ہے' مثلاً:

(الف) مسیح کی صلیب کس نے اٹھائی؟ خود مسیح نے یا شمعون کرینی نے؟

(ب) مزعومہ تصلیب کے وقت مسیح پر طعنہ زنی کرنے والا مجرم ایک تھا یا دو؟

(ج) کیا تصلیب کے بعد زبردست نشانات ظاہر ہوئے' اور اس کے باوجود رومی حاکم سے مسیح کی ٹانگیں توڑنے کی اجازت طلب کی گئی اور مسیح کو "دھوکے باز" کہا گیا؟

(د) کیا یہود کو مسیح کے 'مر کر جی اٹھنے' کی پیشگوئی کا علم تھا' یا ان کے شاگرد بھی اس پیشگوئی کا علم نہیں رکھتے تھے؟

ان تضادات کو وہیں ملاحظہ فرما لیا جائے-[۱۰۵]

(ہ) اسی طرح مسیح کا آخری کھانا (Last Supper) اناجیل متوافقہ کے مطابق گرفتاری سے پہلے' اور یوحنا کے مطابق گرفتاری کے بعد کھایا گیا-[۱۰۶] اور

(و) یہودی مجلس اعلیٰ Sanhedrin کے سامنے مسیحؑ کے مزعومہ مقدمہ کے بیان کے سلسلہ میں اناجیل میں اتنے تضادات اور جھولیں (inconsistencies and lapses) ہیں کہ اس مقدمہ کا ایک تاریخی واقعہ ہونا کئی مسیحی فاضلین کے نزدیک انتہائی مشکوک ہے-[۱۰۷]

(۱۴) مسیحؑ کا مبینہ طور پر مر کر جی اٹھنا: ہم نے چھٹے باب میں ان معاملات پر بھی روشنی ڈالی تھی کہ:

۱۰۵- باب ۶' حوالہ: ۱۴۲ تا ۱۴۹' اور متعلقہ بحث-

106. Peake's Commentary, p.762.

107. Journal of Ecumenical Studies, Philadalphia, vol.10, no.1 (1973), pp.78-79.

Edward Loshe: History of the Sufferings and Death of Jesus Christ, Philadalphia, 1967, pp.79-80.

(ا) اناجیل کے مطابق مسیح قبر میں تین رات دن رہے یا دو رات اور ایک دن؟

(ب) جی کر اٹھے ہوئے مسیح کو صرف مریم مگدلینی نے دیکھا یا بعض دیگر عورتوں نے بھی؟

(ج) قبر کے پاس فرشتہ ایک تھا یا دو؟

(د) عورتوں نے فرشتہ یا فرشتوں سے کیا سنا اور پھر کیا کیا؟

(ہ) بعد ازاں "زندہ مسیح" کو کس نے اور کہاں دیکھا؟

ہم نے اس سلسلہ میں بھی اناجیل کے تضادات کو واضح کیا تھا' اس لئے اس بیان کو یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔[۱۰۸]

(۱۵) پولس کا مکاشفہ: پولس کے جس 'مکاشفہ' کا ذکر ہم نے تیسرے باب میں کیا تھا (حوالہ نمبر ۱۵-۱۶ باب سوم) اور جس پر پولس نے اپنی 'رسالت' اور نئی مسیحیت کی بنیاد رکھی ہے' اس کے بارے میں بھی پولس نے متضاد باتیں کی ہیں۔ ایک جگہ تو وہ کہتا ہے: "میرے ساتھیوں نے خود تو دیکھا۔ لیکن جو مجھ سے بولتا تھا اس کی آواز نہ سنی۔" لیکن دوسری جگہ اس کا بیان ہے کہ اس کے ساتھی آواز تو سنتے تھے مگر کسی کو دیکھتے نہ تھے۔"[۱۰۹]

مسیحی فاضلین کی عام عادت کے مطابق بائبل کے ایک مفسر نے اس تضاد کی ایک مضحکہ خیز توجیہ پیش کی ہے۔ وہ کہتا ہے:

It was Paul's voice that his companions heard.

"پولس کے ساتھیوں نے جو آواز سنی وہ پولس کی تھی۔" [۱۱۰]

پولس تو کہتا ہے کہ اس کے ساتھی "آواز تو سنتے تھے مگر کسی کو دیکھتے نہ تھے" یعنی جس ہستی کی آواز ساتھیوں نے سنی اسے دیکھا نہیں۔ پھر اس کے باوجود یہ کہنا کہ آواز پولس کی تھی جو ساتھیوں کے ہمراہ اور ان کے سامنے موجود تھا' مفسرانہ بددیانتی نہیں تو اور کیا ہے؟

۱۰۸۔ باب ششم میں حوالہ نمبر ۱۵۹ تا ۱۸۰ سے متعلقہ بحث ملاحظہ فرمائیے۔

۱۰۹۔ اعمال ۲۲:۹' ۹:۷

110. F.F.Bruce: New International Commentary on the New Testament, The Book of Acts, London. 1965,p.197.

۸۔ عہد جدید کے عہد قدیم سے بنیادی تضادات

عہد قدیم و جدید کے اپنے اپنے اندرونی تضادات و تناقضات کے علاوہ ان کے آپس میں بھی بہت سے تضادات ہیں' حالانکہ دونوں کے وحیٔ الٰہی پر مبنی ہونے اور ایک ہی تصویر کے دو رخ ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے- ہم ان تضادات میں سے بھی صرف چند بنیادی اہمیت کے حامل نکات کا ذکر کریں گے-

(۱) قدیم تعلیمات کی منسوخی و معطّلی: انجیل متی میں مذکور مسیح کے اس اعلان کے باوجود کہ وہ "توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے[۱۱۱] نہیں آئے' انجیل نگاروں اور پولس کی تعلیم نے یہودی کتب مقدسہ کی بہت سی تعلیمات کو عملاً منسوخ و معطل کر دیا- مثلاً باب ھذا کی فصل "متضاد قوانین" کے تحت عہد قدیم کے جو احکام کہانت' عید' غلامی اور قربانی کے بارے میں پیش کئے گئے ہیں (حوالہ نمبر ۳۳ تا ۳۶) ان پر ابتدائی زمانہ ہی سے عیسائیوں کا عمل نہیں ہے-

(۲) توحید کی بجائے تثلیث: عہد قدیم سے عہد جدید کا اس سے بڑا اور بنیادی فرق یہ ہے کہ جہاں عہد قدیم میں توحید کی تعلیم دی گئی ہے' عہد جدید خصوصاً پولس کے خطوط میں اور اناجیل کے بعض محرف مقامات سے (جن کا بیان ان شاءاللہ عنقریب آ گے گا) وہ بنیادیں رکھی گئیں جن پر اگلی صدیوں میں تثلیث کا عقیدہ قائم ہوا- اس طرح ایک تو عہد قدیم و جدید کی تعلیم میں بہت بڑا تضاد پیدا ہوا' اور دوسرے خود عہد جدید میں یہ تضاد ابھرا کہ ایک طرف تو بعض جگہ عہد قدیم کی تعلیم توحید ہی کو دہرایا گیا ہے' اور دوسری طرف تثلیث کی مذکورہ بنیادیں بھی ہیں- تعلیم توحید اور عقیدۂ تثلیث کے بارے میں عہد جدید کے اس دہرے تضاد کو تفصیل سے سمجھنے کے لئے پانچویں باب کی چند فصلیں مثلاً 'کتاب مقدس اور توحید'، 'تعلیم توحید کی تبدیلی'، 'عیسیٰؑ کی بشریت و رسالت' اور 'معجزات و عبدیت' ملاحظہ فرمالیجیے-

---

۱۱۱۔ متی ۵ : ۱۷

(۳) راہ نجات کا تصور: عہد قدیم و جدید کی تعلیمات میں اسی طرح کا بنیادی فرق راہ نجات کے تصور سے متعلق ہے۔ جس طرح عہد قدیم میں تثلیث کا تصور مفقود ہے' اسی طرح کفارہ کا تصور بھی معدوم ہے۔ مگر عہد جدید میں ''مسیح کے کفارہ'' کو انسان کی نجات کی بنیاد بنالیا گیا ہے۔ اس طرح اس ضمن میں بھی عہد جدید میں دہرا تضاد پیدا ہوا۔ ایک طرف اس نے عہد قدیم سے اپنے تعلق اور اس کی عدم منسوخی کے دعووں کے باوجود نجات کا ایک ایسا تصور پیش کیا جو اس میں قطعاً موجود نہ تھا۔ اور دوسری طرف اس نے نجات کے اس نئے تصور کے ساتھ ساتھ پرانے اور اصلی تصور (کہ نجات' کفارہ نہیں بلکہ توبہ اور عمل پر منحصر ہے) کو بھی دہرایا۔ ان دونوں امور کی وضاحت باب ششم کی فصلوں 'عہد عتیق میں نجات کا تصور' اور 'نجات اور عہد جدید' میں کی جاچکی ہے۔[۱۱۲] مگر عقیدۂ کفارہ کے ضمن میں عہد جدید کے اس دہرے بنیادی تضاد سے آگے چل کر کئی ذیلی تضاد ابھرتے ہیں۔ یعنی خدا کے رحم' عدل اور اس کی قدرت کے متعلق تصور' گناہ کی سزا صرف گناہ گار کو ملنی چاہئے یا اس کی آئندہ نسلوں کو بھی' اس کے بارے میں متضاد تصورات' اور مسیح کی قربانی اختیاری تھی یا غیر اختیاری' اس امر کے بارے میں متضاد باتیں۔ ان پر بھی ہم چھٹے باب کی فصل 'عقیدہ کفارہ کا تجزیہ' میں روشنی ڈال چکے ہیں۔[۱۱۳]

(۴) شریعت کی بے وقعتی: راہ نجات ہی سے متعلق ایک اور اہم تضاد یہ ہے کہ عہد قدیم میں تو احکام و آئین شریعت کو انتہائی اہمیت دی گئی ہے اور ان پر عمل نہ کرنے والوں کو لعنتی قرار دیا گیا ہے'[۱۱۴] مگر عہد جدید میں بالخصوص پولس نے شریعت کی اہمیت کو تقریباً ختم کر کے رکھ دیا ہے۔ تضادات کے اس پہلو پر بحث بھی باب ششم کی فصل عقیدۂ کفارہ اور عیسائیت میں اس کی اہمیت' میں موجود ہے۔[۱۱۵]

۱۱۲۔ باب ٦' حوالہ ۳ وما بعد' اور متعلقہ بحث۔

۱۱۳۔ باب ٦' حوالہ ۸۱ وما بعد سے متعلقہ بحث۔

۱۱۴۔ استثنا ۲۸:۱۵ وما بعد۔

۱۱۵۔ باب ٦' حوالہ ۳۳ وما بعد۔

(۵) رحم و محبت یا تشدد و انتقام: عیسائی اپنے مذہب کو امت و محبت کا دین کہتے نہیں تھکتے- لیکن اس سلسلہ میں بھی عہد جدید تضاد کا شکار ہے- پہلا تضاد تو اس نے عہد قدیم ہی سے اس طرح پیدا کیا: "تم سن چکے ہو کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت[۱۱۶] لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا- بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے-"[۱۱۷] دوسرا تضاد عہد جدید کے اس حوالہ کا اس کے اپنے ہی ایک دوسرے مقام سے ہے' جہاں مسیح سے یہ قول منسوب کیا گیا ہے:

"یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں- صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں-" اور تیسری طرف اسی انجیل میں ان کا یہ قول بھی ہے:

"مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے-"[۱۱۸]

۹- عہد جدید میں عہد قدیم کے غلط حوالے

اس ضمن میں ہم عہد قدیم کی ان پیش گوئیوں اور بشارتوں کا یہاں ذکر نہیں کریں گے جنہیں عہد جدید کے مصنفین نے توڑ مروڑ کر اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے (ان کا تذکرہ عنقریب انشاءاللہ تحریفات کے ضمن میں آئے گا)- بلکہ اس جگہ ہم صرف عہد قدیم و جدید میں واقعاتی اختلافات کا تذکرہ کریں گے- دوسرے لفظوں میں یہ ان غلط حوالوں کی مثالیں ہیں جو عہد جدید کے مصنفین نے عہد قدیم سے دیئے ہیں-

(الف) انجیل متی میں زکریاہ کو برکیاہ کا بیٹا کہا گیا ہے' حالانکہ عہد قدیم کے مطابق وہ یہویدع کاہن کے بیٹے تھے-[۱۱۹] یاد رہے بعض مسیحی فاضلین کے اس قول کا کوئی ثبوت نہیں کہ برکیاہ اور یہویدع ایک ہی شخص کے دو نام تھے-[۱۲۰]

۱۱۶- یہ عہد قدیم کا حکم ہے- دیکھئے: خروج ۲۱: ۲۴' احبار ۲۴: ۲۰' استثنا ۱۹: ۲۱-

۱۱۷- حوالۂ بالا کے برعکس و متضاد یہ حکم عہد جدید کا ہے- دیکھئے: متی ۵: ۳۸-۳۹

۱۱۸- متی ۱۰: ۳۴' ۵: ۹

۱۱۹- متی ۲۳: ۳۵' ۲- تواریخ ۲۴: ۲۰

۱۲۰- خزانۃ الاسرار' ص- ۴۰۷

(ب) عہد جدید کا بیان ہے کہ جب مسیح کے ساتھیوں نے سبت کے دن کھیت سے بالیں توڑ کر کھائیں تو معاندین نے ان پر سبت کا احترام نہ کرنے کا الزام لگایا-اس کے جواب میں مسیح نے یہ دلیل دی کہ بھوک لگنے پر داؤد نے بھی "ابیاتر سردار کاہن کے دنوں میں" خدا کے گھر سے "نذر کی روٹیاں کھائی تھیں' جن کا کھانا کاہنوں کے سوا کسی کو روا نہیں-" حالانکہ عہد قدیم کے مطابق یہ واقعہ اخیملک کاہن کے زمانہ میں پیش آیا۔ اور یہاں تو یہ بہانہ بالکل ہی نہیں چل سکتا کہ ابیاتر اور اخیملک ایک ہی آدمی کے دو نام ہو سکتے ہیں کیونکہ ابی یاتر' اخیملک کا بیٹا تھا-(۱۲۱)

(ج) کتاب اعمال میں پہلے (مسیحی شہید' ستفنس (Stephens) کی یہودی کاہنوں اور سرداروں کے روبرو تقریر میں مذکور ہے کہ جب "یعقوب اور ہمارے باپ دادے" مصر میں فوت ہوئے تو وہ شہر سکم میں پہنچائے گئے اور اس مقبرہ میں دفن کئے گئے جس کو ابرہام نے سکم میں روپیہ دے کر بنی ہمور سے مول لیا تھا"-(۱۲۲) "فضل اور قوت سے بھرے" اور "فرشتہ کا سا چہرہ" رکھنے والے ستفنس کے اس "الہامی بیان" میں جسے اعمال کے "ملہم" مولف نے لکھا' کئی واقعاتی غلطیاں ہیں-یعقوب سکم میں نہیں' مکفیلہ کے کھیت میں لے جا کر دفن کئے گئے-(۱۲۴) ابراہیم نے سکم میں بنی ہمور سے مقبرہ کے لئے کوئی زمین نہیں خریدی' بلکہ بنی حت سے یہی مکفیلہ کا کھیت اور ملحقہ غار' قبرستان بنانے کے لئے خریدا تھا-(۱۲۵) نیز سکم میں بنی حمور سے زمین کا قطعہ ابراہیمؑ نے نہیں خود یعقوبؑ نے خریدا تھا' اور قبرستان کے لئے نہیں بلکہ مذبح بنانے کے لئے حاصل کیا تھا- (۱۲۶)

۱۲۱۔ مرقس ۲: ۲۳-۲۶' ۱۔ سموئیل ۲۱: ۱۔ ۶' ۲۲: ۲۰

۱۲۲۔ اعمال ۷: ۱۵ - ۱۶

۱۲۳۔ ایضاً ۶ : ۸' ۶: ۱۵

۱۲۴۔ پیدائش ۵۰ : ۱۳

۱۲۵۔ ایضاً ۲۳: ۱۳ - ۱۸

۱۲۶۔ ایضاً ۳۳: ۱۸ - ۲۰

۱۰- انجیل یوحنا کے باقی اناجیل سے اختلافات

انیسویں صدی کے ایک جرمن مسیحی محقق ڈیوڈ سٹراس (David Strauss) نے اپنی کتاب "حیات مسیح" (Life of Jesus) میں بڑی وضاحت سے ثابت کیا کہ عہد جدید کے موجودہ مجموعوں میں شامل چوتھی انجیل دیگر اناجیل سے یکسر مختلف ہے- اس کے بعد دیگر محققین نے اس کی مزید توضیح و تائید کی- چنانچہ اب دور حاضر کے تقریباً سب فاضلین اناجیل اربعہ کو دو گروپوں میں تقسیم کرتے ہیں- پہلے گروپ میں تین انجیلیں (متی' مرقس اور لوقا) ہیں جنہیں اناجیل متوافقہ یا اناجیل متشابہہ (Synoptic Gospels) کہا جاتا ہے' اور دوسرے میں چوتھی انجیل (یوحنا) ہے- اگرچہ (جیسا کہ مذکورہ بالا صراحتوں سے ظاہر ہے) "اناجیل متوافقہ" کا بھی آپس میں اہم جزئیات و تفصیلات میں شدید اختلاف ہے- مگر مؤخرالذکر انجیل پہلی تین انجیلوں سے اندازِ بیان' نسق واقعات اور بعض مخصوص عقائد و نظریات پر جا بے جا زور دینے کے لحاظ سے اتنی مختلف ہے کہ کئی مسیحی تحقیق نگاروں کو کہنا پڑا کہ اگر پہلی تین اناجیل درست ہیں تو چوتھی درست نہیں' اور اگر چوتھی صحیح ہے تو پہلی تین مشکوک ہیں- چنانچہ کولیئرز انسائیکلوپیڈیا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

> The first three Gospels resemble one another in both language and content. The Gospel of John is diffrent, in many respects, from the first three Gospels.
>
> "پہلی تین اناجیل زبان (طرز بیان) اور مشمولات' دونوں کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مشابہ ہیں--- (مگر) یوحنا کی انجیل بہت اعتبار سے تینوں اناجیل سے مختلف ہے-"[127]

---

127. Collier's Encyclopaedia, vol.9, p. 200.

انجیل یوحنا میں دیگر اناجیل کے اندر مذکور بعض واقعات حذف کیے گئے ہیں' اور بعض نئی چیزیں بڑھائی گئی ہیں- اس میں مسیح کی باتیں مختلف بھی ہیں اور مختلف انداز میں بھی۔ یعنی دیگر اناجیل کی طرح مختصر و مؤثر فقروں میں اخلاقی تعلیم ' اور آخرت ("آسمان کی بادشاہی") پر زور دینے کی بجائے مسیح کی زبان سے یا خود انجیل نگار کی طرف سے لمبے لمبے مناظرانہ و مجادلانہ بیانات ہیں' جن میں یونانی وغناسطی فلسفہ کی واضح جھلک ملتی ہے-(۱۲۸)

چنانچہ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں لکھا ہے:

The Gospel of John has very little in common with any of the other Gospels.

"یوحنا کی انجیل میں بہت کم چیزیں دیگر اناجیل کے ساتھ مشترک ہیں-"(۱۲۹)

نیز:

The Gospel according to St. John stands apart.

"انجیل یوحنا سب سے الگ ہے-"

اس نے واقعات کی اپنی ہی مخصوص توجیہات "own peculiar interpretations" کی ہیں اور

(Its) discourses have no parallels in the Synoptic Gospels.

"اس کے مکالمات اور بحثوں کی اناجیل متوافقہ میں کوئی نظیر نہیں ملتی-"(۱۳۰)

ایک مسیحی فاضل لکھتا ہے:

---

128. Funk's Encyclopeadia, vol.16, p.5908;
Renan's Life of Jesus, p.17;
Herbert Muller: Uses of the Past, p.89;
C.F.Potter: The Lost Years of Jesus Revealed, p.24.

129. Encyclo. Brit., (1973), vol.3, p.574.

130. Ibid., vol.10, pp.594-95;
A.M.Hunter: Introducing the New Testament, p.61.

The fourth Gospel is so different from the Synoptics in structure, contents and theological outlook, it cannot be treated with them.

"چوتھی انجیل' بناوٹ' مشمولات اور کلامی و الٰہیاتی نظریات میں اناجیل متوافقہ سے اتنی مختلف ہے' کہ اس پر ان کے ساتھ اکٹھی گفتگو نہیں کی جا سکتی۔"(۱۳۱)

انجیل یوحنا میں بعض واقعات کی وقوعی ترتیب (chronological order) بھی دیگر اناجیل سے مختلف و متضاد ہے۔ مثلاً اناجیل متوافقہ نے مسیح کی زمینی زندگی کے آخری ہفتہ کے واقعات میں بیان کیا ہے کہ انہوں نے بڑے زور اور اختیار (authority) کا مظاہرہ کرتے ہوئے' ہیکل کے اندر خرید و فروخت کرنے والوں کو ڈانٹا اور ان کی چوکیاں اور تختے الٹ دیئے۔ مگر یوحنا نے یا تو غلطی سے یا پھر یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ شروع سے با اختیار تھے' اس واقعہ کو ان کی تبلیغی مساعی کی ابتداء میں بیان کیا ہے۔(۱۳۲) اسی طرح اس نے ظاہر کیا ہے کہ ان کی مساعی کا مرکز یروشلم تھا' جبکہ دیگر اناجیل کے مطابق وہ زیادہ تر گلیل کے علاقہ میں گھوم پھر کر تبلیغ کرتے رہے اور اس سلسلہ میں ان کا یروشلم جانا کبھی کبھار ہی ہوا۔(۱۳۳)

انجیل یوحنا کی مذکورہ بالا طول کلامی' مناظرانہ و مجادلانہ مکالمات اور بحثوں کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک مسیحی مصنفہ نے لکھا ہے:

The breach between the Jews and the Christians was, by the time that this Gospel was written, complete and believed to be irreprable.

"جب یہ انجیل لکھی گئی تو یہودیوں اور عیسائیوں میں تفریق مکمل ہو چکی تھی' اور

---

131. R.H.Fuller; A Critical Introduction to the New Testament, p.168.

132. Encyclo. Brit. (1962), vol.13, p.14.

133. F.G.Bratton: A History of the Bible, p.140.

سمجھا جاتا تھا کہ اب یہ (تفریق) ناقابل تنسیخ ہے۔ (۱۳۴)

اسی لئے انجیل یوحنا کا مصنف مسیح کو یہودیوں سے لمبی لمبی مذہبی بحثیں کرتے اور سب یہودیوں کے بارے میں سخت زبان استعمال کرتے دکھاتا ہے' جبکہ دیگر اناجیل میں سخت زبان اگر ہے بھی تو عام یہودیوں کے بارے میں نہیں بلکہ ان کے بعض مخصوص طبقات (فریسی و صدوقی) کے متعلق ہے۔

معروف فاضل ہارنیک نے بھی لکھا ہے:

> The author of the fourth Gospel acted with sovereign freedom, transposed events and put them in a strange light. He drew up the discussions himself, and illustrated great thoughts with imaginary situations.

> "چوتھی انجیل کے مصنف نے مکمل آزادی اور بغیر کسی پابندی کے' واقعات کی ترتیب کو بدلا ہے اور ان پر عجیب انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ وہ (مسیح سے منسوب) بحثوں کو خود ہی بناتا اور (اپنے) 'عظیم' خیالات کی وضاحت کے لئے فرضی واقعات کا سہارا لیتا ہے۔" (۱۳۵)

کیتھولک انسائیکلوپیڈیا نے بھی اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ:

> .... Jesus speaks so differently in John from the way he speaks in the Synoptics.

> "انجیل یوحنا میں مسیح کی گفتگو کا انداز' اناجیل متوافقہ میں ان کے انداز گفتگو سے بالکل مختلف ہے۔" (۱۳۶)

134. Irene Allen: The Early Church And The New Testament, p.192; New Catholic Encyclopaedia, vol.7, pp.1083-84.

135. Adolf Harnack: What is Christianity, p.20.

136. New Catholic Encyclopaedia, vol.7, p.1082.

اور مسیح کا مشہور سوانح نگار رینان لکھتا ہے:

It puts into the mouth of Jesus dicussions of which the tone, the style, the treatment and the doctrines, have nothing in common with the logia given us by the Synoptics.

"یہ (انجیل یوحنا) مسیح کے منہ میں ایسے بیانات ڈالتی ہے جن کا لہجہ' طرز' طریق بحث اور نظریات' مسیح کے اس کلام سے یکسر مختلف ہیں جو ہمیں اناجیل متوافقہ میں ملتے ہیں۔" (۱۳۷)

ایک اور معروف سوانح نگار نے لکھا ہے:

The speeches in the Fourth Gospel ... are so different from those in the Synoptics, and so like the comments of the Fourth Evangelist himself, that both cannot be equally reliable as record of what Jesus said.

"چوتھی انجیل میں (مسیح کی) تقریریں' اناجیل متوافقہ میں درج تقریروں سے اتنی مختلف اور چوتھے انجیل نگار کے اپنے تبصروں سے اتنی مشابہ ہیں' کہ ان (یعنی ایک طرف اناجیل متوافقہ اور دوسری طرف انجیل یوحنا) کو مسیح کے فرمودات کا یکساں طور پر قابل اعتماد ریکارڈ قرار نہیں دیا جا سکتا۔" (۱۳۸)

انجیل یوحنا کے باقی اناجیل سے تضاد کی ایک اہم مثال دیتے ہوئے تاریخ کلیسیا کا فاضل مصنف سمرویل لکھتا ہے:

In the Synopties, our Lord hardly alludes at all to his own claims, and does not admit his Messiahship till

137. Ernest Renan : Life of Jesus, p. 16.

138. C.J.Cadoux: Life of Jesus, p.16.

close on the end of the Ministry. In the Fourth Gospel, he claims from the first the titles of Son of God and Son of Man, and bases his whole teaching on these claims.

"اناجیل متوافقہ میں ہمارے آقا (مسیح) کے اپنے بارے میں دعاوی نہ ہونے کے برابر ہیں' اور انہوں نے اپنے مسیح (موعود) ہونے کا اقرار بھی اپنی تبلیغی زندگی کے آخر میں کیا ہے۔ مگر چوتھی انجیل کے شروع ہی میں وہ "خدا کا بیٹا" اور "ابن آدم" ہونے کا دعویٰ کرتے' اور اپنی ساری تعلیم کی بنیاد انہی دعووں پر رکھتے ہیں۔" (۱۳۹)

یوحنا کے دیگر اناجیل سے اختلافات و تضادات کا کچھ مزید تذکرہ عنقریب انشاء اللہ تحریفات کی بحث میں بھی آئے گا۔ بہرحال یوحنا اور دوسری انجیلوں کے باہمی فرق سے انسائیکلو پیڈیا امریکانا کے الفاظ میں' یہ قدرتی نتیجہ نکلتا ہے:

If the Synoptics are accepted as authentic, the unauthenticity of John must follow.

"اگر اناجیل متوافقہ کو مستند تسلیم کر لیا جائے' تو اس کا لازمی نتیجہ انجیل یوحنا کا غیر مستند ثابت ہونا ہو گا۔" (۱۴۰)

بائبل کے کثیر تضادات ...... نتیجہ بحث

بائبل کے بے شمار تضادات کا صرف ایک حصہ ہی ہم نے اوپر پیش کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تضادات کی اس کثرت نے مسیحی علماء اور مفکرین کو بہت پریشان کیا ہے۔ وہ ان میں سے صرف چند ایک تضادات کا تھوڑا بہت حل پیش کر سکے ہیں۔ زیادہ تر تضادات سے یا تو وہ

139. D.C.Somervell : A Short History of our Religion, p.108.

140. Encyclopaedia Americana (1959), vol. 13, p.73.

آنکھیں بند کر کے گزر جاتے ہیں' اور یا ان کا وجود تسلیم کر کے خاموش ہو جاتے ہیں- البتہ ایمانی و اعتقادی معاملات میں انسان کی حیرت انگیز کورانہ و تقلیدی روش کی بناء پر ان میں سے جو لوگ بدستور بائبل اور عہد جدید سے چمٹے رہنا چاہتے ہیں' انہیں ان تضادات کی عجیب و غریب توجیہات و تاویلات کرنا پڑی ہیں- مثلاً ایک کتاب میں جو بائبل کو کلام خداوندی اور وحی والہام ثابت کرنے کے لئے تالیف کی گئی ہے' لکھا ہے:

Such variations are evidence that there was no collusion among the Bible writers.

"(بائبل کے بیانات میں) یہ فرق اور اختلافات اس بات کا ثبوت ہیں کہ بائبل لکھنے والوں کے درمیان کوئی ساز باز نہیں ہوئی-" (۱۴۱)

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جس واقعہ کے بیان کرنے والوں اور جس مقدمہ کے گواہوں میں بہت زیادہ اختلاف و تضاد ہو' وہ اس بنیاد پر سننے والوں اور عدالت کے نزدیک زیادہ قابل قبول اور سچا قرار دیا جانا چاہیئے کہ گواہوں نے آپس میں ساز باز اور ملی بھگت کر کے بیانات نہیں دیئے- حالانکہ یہ دنیا اور اس کی عدالتوں کے دستور سے نرالی بات ہے کہ متضاد و متخالف بیانات کو سچی شہادت کے طور پر قبول کیا جائے- عقلی' منطقی' قابل فہم اور درست بات وہی ہے جسے اسی کتاب کے مصنف کو دوسری جگہ مجبوراً تسلیم کرنا پڑا ہے کہ:

For any book to win one's confidence, it must be consistent within itself. Particularly must this be true of the Bible, if it is to measure up to the claim that it is the word of God.

"کوئی کتاب اسی وقت اعتماد کا درجہ حاصل کر سکتی ہے جب اس کے مشمولات باہم مطابقت و یکسانیت رکھتے ہوں- اس (اصول) کا خصوصی اطلاق بائبل پر ہونا

141. Is the Bible Really the Word of God? (Watchtower Bible And Tract Society), New York, 1969, p.89.

چاہیے' اگر اسے اس دعویٰ پر پورا اترنا ہے کہ وہ کلام خداوندی ہے۔"(۱۴۲)

بہرحال اس مصنف کے اول الذکر حوالہ سے بھی جو اس نے اپنے زعم میں بائبل کے تضادات کی توجیہ اور 'حکمت' کے طور پر پیش کیا ہے' کم از کم یہ تو معلوم ہوا کہ اس کا مصنف ایک عالم کل خدا نہیں ہے' بلکہ مختلف لکھنے والے (Bible writers) ہیں۔ اور فی الحقیقت یہ ایسی بات ہے جسے چار و ناچار اکثر مسیحی علماء آہستہ آہستہ ماننے پر مجبور ہوتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ ایک اور مسیحی مصنف لکھتا ہے:

> So many different minds are represented in the pages of the New Testament, so many writers with differing personalities and points of view.

> "عہد جدید [اور بائبل کے دوسرے حصوں] کے صفحات بہت سے مختلف دماغوں اور بہت سے لکھنے والوں (کی کاوش) کا نتیجہ ہیں' جن کی شخصیات اور نقطہ ہائے نظر آپس میں مختلف تھے۔" (۱۴۳)

معروف مصنف ول ڈیورنٹ نے بھی لکھا ہے:

> It is clear that there are many contradictions between one Gospel and another, many dubious statements of history.....

> "یہ بات واضح ہے کہ ایک انجیل کے دوسری انجیل سے بہت تضادات ہیں' اور ان کے بہت سے بیانات تاریخی طور پر مشکوک ہیں---" (۱۴۴)

142. Ibid., p.82.

143. William Neil: The Bible Story, London, 1975, p.215.
Also see "Interprentation"--- A Journal of Bible Theology, Virginia, vol.37 (July 1983), p.20.

144. Will Dusrant : The Story of Cisvilisation, New York, 1957, vol.3, p. 557.

اسی طرح ایک اور فاضل محقق لکھتا ہے:

There are no grounds whatever for saying that the Bible is free from historical and literal errors. Errors and inconsistencies there are.....

"یہ کہنے کی قطعاً کوئی بنیاد موجود نہیں کہ بائبل تاریخی و لفظی غلطیوں سے پاک ہے--- اس میں یقیناً غلطیاں اور تضادات موجود ہیں۔" (۱۴۵)

بائبل کی غلطیوں' تضادات اور تناقضات نے صرف دور جدید کے مسیحی مفکرین ہی کو پریشان نہیں کیا' بلکہ وہ ہر زمانہ میں سوچنے سمجھنے والے عیسائیوں کے لئے مسئلہ بنے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ انہی تضادات کے پیش نظر مسیحیت اور اس کے علمی و کلامی دفاع کے علمبردار آگسٹائن کو کہنا پڑا:

I should not believe in the Gospel if I had not the authority of the Church for so doing.

"اگر کلیسیا کی سند مجھے انجیل پر اعتماد رکھنے کے لئے نہ کہتی' تو میں اس پر کبھی ایمان نہ رکھتا۔" (۱۴۶)

بات دراصل یہی ہے کہ جس دین اور جس دینی کتاب سے کسی شخص اور اس کے آباء و اجداد کی عرصہ دراز سے کورانہ تقلید کی بنیاد پر جذباتی وابستگی رہی ہو اسے چھوڑنا بے پناہ ہمت و جرأت اور دیانت و امانت کا متقاضی ہے۔ وگرنہ آگسٹائن کی فکری پرواز اس سے چند قدم آگے پہنچتی' تو وہ ضرور کہتا کہ کلیسیا کا تو اپنا سند و اختیار (authority) بائبل اور اناجیل پر قائم اور مبنی ہے۔ پھر وہ الٹا بائبل کو سند کیونکر بخش سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جذباتیت' تقلید اور تعصبات سے بلند ہو کر اگر ان تضادات و تناقضات کو دیکھا جائے تو طامس پین (Thomas Paine) کے الفاظ میں ایک ہی نتیجہ نکلے گا:

---

145. A Companion to the Bible, pp.5–7.

146. Herbert Muller: Uses of the Past, p.89.

Revelation is necessarily out of the question with respect to these books . . . because of the disagreement of the writers.

"اپنے مصنفین کے اختلافات کی وجہ سے (بائبل کی) ان کتابوں کا وحی و الہام (پر مبنی) ہونا بالکل خارج از بحث ہو کر رہ گیا ہے۔" (۱۴۷)

بائبل کی تحریفات اور تبدیلیاں

مذکورہ بالا تضادات اور ان کی کثرت' بذات خود اس بات کا ثبوت ہے کہ بائبل کی مختلف کتابیں الہام ربانی تھیں بھی' تو ان میں جابجا انسانی کلام کی آمیزش ہو چکی ہے۔ بلکہ ان کے بے شمار تناقضات اور تالیفی و تصنیفی پس منظر (جو گزشتہ باب میں بیان ہوا) کے پیش نظر' یوں کہنا چاہیئے کہ وہ انسانی تحریریں ہیں' جن میں الہام شدہ کلام ربانی کی سینہ بسینہ روایات کی بھی آمیزش ہو سکتی ہے۔ اور یہی تحریف ہے کہ کلام ربانی کو بدل دیا جائے' اس میں آمیزش کی جائے' یا انسانی کلام کو کلام خداوندی کے طور پر پیش کیا جائے۔ مگر ہمارے پاس صرف تناقضات کی صورت میں بائبل میں تحریفات کا بالواسطہ ثبوت ہی نہیں' بلکہ اس کے بلاواسطہ اور براہ راست ثبوت اور مثالیں بھی موجود ہیں' جن کا تذکرہ ذیل میں پیش کیا گیا ہے۔

راسخ العقیدہ عیسائی علماء جس طرح بائبل میں تناقضات کے وجود کو کھل کر تسلیم کرنے سے گریزاں رہے ہیں' اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ' وہ اس کی کھلم کھلا تحریفات کے منکر ہیں۔ لیکن اس سلسلہ میں حقائق اتنے واضح ہیں کہ انہوں نے کئی عیسائی فاضلین سے خود کو منوالیا ہے۔

تحریف کی حقیقت کے بارے میں قرآنی و اسلامی نقطۂ نظر اور اس کے متعلق بعض عیسائی علماء کی تلبیس پر تبصرہ اس باب کے شروع میں گزر چکا ہے۔ یہاں بھی آگے بڑھنے

147. Thomas Paine: The Age of Reason, p.19.

سے پہلے ہم ان کی ایک اور تلبیس کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں- بعض عیسائی علماء نے بائبل میں تحریف کے متعلق قرآن کے موقف کی یہ تعبیر پیش کی ہے کہ قرآن اور نبی کریم ﷺ کا اہل کتاب کے صحیفوں پر اعتراض یہ نہ تھا کہ ان کے پاس الہامی صحائف موجود نہیں یا انہوں نے الہامی صحائف میں لفظی تبدیلیاں کی ہیں-"بلکہ اعتراض یہ تھا کہ وہ تحریف معنوی اور تاویل فاسد کے مرتکب ہیں-" یعنی الزام یہ تھا کہ اہل کتاب اور ان کے علماء کے پاس علم حق تو موجود ہے' مگر وہ کتمان حق کرتے اور " ثمن قلیل کے لالچ میں آیات الٰہی کی غلط تفہیم و ترجمانی کرتے ہیں-"(۱۴۸)

کتب سابقہ کے بارے میں قرآن کے موقف کی یہ تاویل قرآن کی " تحریف معنوی " کی ناکام کوشش تو شمار کی جا سکتی ہے' مگر یہ اس ضمن میں قرآن کے اصل موقف پر پردہ نہیں ڈال سکتی- قرآن نے کتاب پر کتمان حق کا الزام بھی لگایا ہے: ﴿ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اور یہ بھی کہا ہے کہ وہ کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ کر ﴿يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ﴾ یعنی خود بنا کر اسے خدا کی طرف منسوب کر دیتے ہیں ﴿ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِاللّٰهِ﴾(۱۴۹) بلکہ پہلی آیت میں بھی کتمان حق کے ساتھ جس دوسری چیز سے منع کیا گیا ہے وہ حق و باطل کی آمیزش ہے-- جس سے واضح مراد ربانی و انسانی کلام کی آمیزش ہی ہے- اور حقیقت یہی ہے کہ اہل کتاب کتمان حق' تاویل فاسد اور تحریف معنوی کے بھی مرتکب ہوئے ہیں اور تحریف لفظی اور کلام ربانی میں حذف' اضافہ اور تبدیلی کے بھی' جیسا کہ ذیل کے بیان سے واضح ہوگا-

---

148. John Wijngaards: Are the Gospels Reliable? (Urdu Translation), Delhi, p.11.

(۱۴۹) القرآن' ۲:۴۲'۷۹

۱- عہد عتیق میں تبدیلیاں اور تحریفات

حذف آیات و کتب: مروجہ بائبل کی متعدد داخلی شہادتیں ظاہر کرتی ہیں کہ کتاب مقدس کے بہت سے حصے ضائع ہو چکے ہیں- یہاں ہم مختلف عیسائی فرقوں میں بائبل کے بعض حصوں کے استناد پر اختلاف کا ذکر نہیں کریں گے' جس کی نشاندہی ہم گزشتہ باب میں 'اپوکریفہ' پر بحث کے دوران کر چکے ہیں- بلکہ خود بائبل کے وہ حوالے پیش کریں گے جن میں اس کی حذف شدہ یا گمشدہ کتابوں کا ذکر ہے-

بائبل کی کتاب 'گنتی' میں ایک مقدس صحیفہ "خداوند کے جنگ نامہ" کا ذکر اور حوالہ موجود ہے' جو اب بائبل میں موجود نہیں- 'سموئیل' میں "یاشر کی کتاب" اور 'یشوع' میں "آشر کی کتاب" کا حوالہ ہے' مگر خود یہ کتاب یا کتابیں ناپید ہیں- "کتاب سلاطین" میں سلیمان کی "تین ہزار مثلوں" اور "ایک ہزار پانچ گیتوں" کا ذکر ہے' مگر موجودہ بائبل میں اتنی تعداد میں سلیمان کی امثال اور گیت موجود نہیں-(۱۵۰) اسی طرح اور بھی کئی صحیفوں کے حوالے بائبل میں موجود ہیں' مگر وہ صحیفے ناپید ہو چکے ہیں-

کتاب 'تواریخ' میں مرقوم ہے کہ "داؤد بادشاہ کے کام شروع سے آخر تک سب کے سب سموایل غیب بین کی تواریخ میں اور ناتن نبی کی تواریخ میں اور جاد غیب بین کی تواریخ میں --- لکھے ہیں-" مگر مؤخر الذکر دونوں کتابیں اب موجود نہیں' اور اول الذکر میں داؤد کے "شروع سے آخر تک" سارے کام مندرج نہیں- اسی طرح اس کتاب میں سمعیاہ نبی اور عیدو غیب بین کی کتابوں کا حوالہ ہے' مگر اب وہ بائبل میں موجود نہیں- اور "سلیمان کے باقی کام" جن کتابوں میں مندرج ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے' وہ بھی غائب ہیں- "حزقیاہ اور یوسیاہ کے باقی کاموں" پر مشتمل کتابیں بھی موجود نہیں-(۱۵۱) اسی

۱۵۰۔ گنتی ۲۱: ۱۴' ۲۔ سموئیل ۱: ۱۸' یشوع ۱۰: ۱۳' ۱۔ سلاطین ۴: ۳۲-

۱۵۱۔ ۱- تواریخ ۲۹: ۲۹' ۲۔ تواریخ ۱۲: ۱۵' ۱۳: ۲۲' ۹: ۲۹' ۳۲: ۳۲' ۳۵: ۲۶-۲۷

طرح اور بھی کئی صحیفوں کے حوالے بائبل میں موجود ہیں، مگر وہ صحیفے ناپید ہو چکے ہیں۔[۱۵۲]
گویا بائبل سے بہت سی چیزیں بلکہ "کتابوں کی کتابیں" حذف ہو گئی ہیں۔ یہ عمداً کی گئیں یا مرور زمانہ سے ہوئیں، بہر حال بائبل کی کتابیں اگر وحی پر مبنی تھیں تو وہ اب اتنی اور اس طرح موجود نہیں جس طرح وہ وحی کی گئی تھیں --- وہ تبدیل ہو چکی ہیں۔

۲۔ مختلف متون و تراجم پر مبنی تحریفات

باب ہفتم میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ چھٹی سے دسویں عیسوی صدی تک یہود کے "مسوراتی علماء" نے عہد عتیق کے پرانے عبرانی متن کے جڑے ہوئے الفاظ کو الگ الگ کیا، ان میں حروف علت بڑھائے اور اعراب لگائے۔ اس طرح بہت سے مقامات پر یہ متن (جواب مروج ہے) پرانے اور بنیادی متن سے مختلف ہو گیا۔ بعض مقامات پر عمداً تبدیلیاں بھی کی گئیں۔ اس سلسلہ میں انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے فاضل مقالہ نگار کی شہادت گزر چکی ہے کہ:

It is obvious that the text has been tampered with in some places.

"یہ بات ظاہر ہے کہ متن میں کئی جگہ تبدیلی کی گئی ہے۔"[۱۵۳]

اسی طرح بائبل کے موجودہ نسخوں کی بنیاد "ہفتادی ترجمہ" (Septuagint) کے مصنفین بھی قدیم عبرانی متن سے ترجمہ کرتے ہوئے کئی ارادی تبدیلیاں اور تحریفات کے مرتکب ہوئے:

A study of the Septugint also reveals many passages in which the translators purposely paraphrased the text or changed its meaning when the original was either

152. Encyclo. Americana, vol.3, p.614;
Bratton's History of the Bible, p.85.

۱۵۳۔ باب ہفتم، حوالہ ۱۷۱ تا ۱۷۳ سے متعلقہ بحث۔

embarassing to them or unclear.

"ہفتادی ترجمہ کا مطالعہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ بہت سے پیروں میں مترجمین نے جان بوجھ کر اصل متن کی تشریح شامل کر دی ہے' اور اس کے معنی تبدیل کر دیئے ہیں۔ یہ اس صورت میں کیا گیا جب متن یا تو ان کے لئے پریشان کن تھا اور یا مبہم۔" (۱۵۴)

مثلاً بائبل کے ان مقامات پر جہاں پرانے متن میں خدا کو ایک انسان کی طرح تصور کیا گیا تھا (anthropomorfic passages) وہاں ہفتادی ترجمہ (نسخہ سبعینہ) کے مصنفین نے ارادی تبدیلیاں کیں۔" (۱۵۵)

بائبل کے لاطینی ترجمہ 'ولگیٹ' نے بھی کئی تحریفات کو جنم دیا۔ چنانچہ قرون وسطی میں ایک 'تصحیح نامہ' (Correctory) جاری کرنا پڑا' مگر ولگیٹ کی پیدا کردہ بہت سی تحریفات شائع و مروج ہو گئیں' اور اب تک ہیں۔ اسی لئے محققین کو کہنا پڑا:

We cannot always regard the Vulgate as sound evidence for Hebrew readings at that time.

"ہم ولگیٹ کو اسی وقت کی عبرانی عبارات کو (درست) ثابت کرنے والا نسخہ قرار نہیں دے سکتے۔" (۱۵۶)

قدیم تراجم کی طرح جدید تراجم بھی بدستور تحریفات کو جنم دے رہے ہیں۔ ان تحریفات کی بھی بہت سی مثالیں ہیں' مگر ہم یہاں صرف تین مثالیں درج کریں گے۔

بائبل کی کتاب ' زبور' کے زیادہ تر نغمے اور مزامیر داؤدؑ سے منسوب ہیں۔ ان میں سے ایک مزمور میں لکھا ہے:

"کاش کہ اسرائیل کی نجات صیون میں سے ہوتی۔ جب خداوند اپنے لوگوں کو

154-155. Encyclo. Brit. (1973), vol.3 , p.577.

1156. Concise Oxford Dictionary of the Church, p. 132.

1157. A Companion to the Bible, p. 158.

اسیری میں سے لوٹا لائے گا تو یعقوب خوش اور اسرائیل شادمان ہو گا۔"(۱۵۸)

یہ آیت وقت کے غلط حوالہ (anachronism) کی مثال ہے (اس نوع کی کچھ مثالیں ہم اوپر اسی باب میں بائبل کے تضادات اور غلطیوں کی بحث میں دے چکے ہیں)۔ یعنی یہود کی اسیری کا زمانہ تو داؤدؑ کے بہت بعد کا ہے۔ اگر یہ مزمور داؤدؑ کا لکھا ہوا ہے تو اس میں یہ ذکر کہاں سے آ گیا؟ لیکن یہاں ہم اس آیت کو وقت کے غلط حوالہ پر مبنی غلطی کے طور پر پیش نہیں کر رہے۔ یہاں گفتگو تحریف پر ہو رہی ہے اور خصوصاً وہ تحریف جسے مختلف تراجم نے جنم دیا ہے۔

پروٹسٹنٹ بائبل میں یہ آیت اب بھی اسی طرح ہے۔ مگر جدید کیتھولک ترجمہ (انگریزی و اردو) میں وقت کے غلط حوالہ کے اعتراض سے بچنے کے لئے اسے اس طرح تبدیل کر دیا گیا ہے:

O that deliverance for Israel would come out of Zion!
When the Lord restores the fortunes of his people,
Jacob shall rejoice, Israel shall be glad.

"کاش کہ اسرائیل کی نجات صیہون میں سے آئے۔ جب خداوند اپنی قوم کی حالت تبدیل کرے گا' تب یعقوب خوش اور اسرائیل شادمان ہو گا۔"(۱۵۹)

پروٹسٹنٹ اور کیتھولک ترجموں میں "اسیری میں سے لوٹائے گا" اور "اپنی قوم کی حالت تبدیل کرے گا" کا فرق صاف طور پر واضح کرتا ہے کہ کیتھولک ترجمہ میں تحریف کی گئی ہے۔

اس نوع کی تحریف کی دوسری مثال میں جدید پروٹسٹنٹ اور کیتھولک دونوں تراجم

۱۵۸۔ زبور ۱۴: ۷/ پروٹسٹنٹ بائبل (اردو)' لاہور' ۱۹۸۵ء' ص۔ ۵۳۴

Authorised Version (Gideons), 1961, p.526.

۱۵۹۔ کیتھولک بائبل (R.S.V.) انگریزی' ص۔ ۴۹۶؛ کیتھولک اردو بائبل' روما' ۱۹۵۸' ص۔ ۶۷۸

شریک ہو گئے ہیں- اس لئے کہ جس آیت کی تحریف مقصود تھی اسے مسلمان علماء نبی کریم ﷺ کی آمد اور صداقت کی خوشخبری اور پیش گوئی کے طور پر پیش کرتے تھے- لہٰذا جدید تراجم کے اندر اس میں بنیادی تبدیلیاں کر دی گئی ہیں- آیت یہ ہے: "خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا- فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا- دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے دہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لئے تھی-"(۱۶۰)

مسلمان علماء نے جس صفائی اور وضاحت سے اس پیش گوئی کا مصداق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ثابت کیا ہے' اس کی ایک خوبصورت مثال فاضل شہیر حضرت علامہ محمد ابراہیم میرؒ سیالکوٹی کی تصنیف لطیف "وہ نبی اور عہد کا رسول" ہے- حضرت موصوف نے سیرت و تاریخ کی مستند کتابوں کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے ساتھ دس ہزار پاکباز صحابہؓ کی جماعت تھی- اور ایسی شریعت جس میں اخلاقی احکام کے علاوہ سیاسی رہنمائی' انسداد جرائم کے قوانین اور جہاد و افواج کے احکام بھی ہوں' شریعت مصطفوی ﷺ ہے نہ کہ شریعت عیسوی- اس طرح مذکورہ پیش گوئی کے الفاظ صرف اور صرف محمد رسول اللہ ﷺ پر چسپاں ہوتے ہیں-(۱۶۱)

مگر اب اس صورتحال سے بچنے کے لئے جدید پروٹسٹنٹ بائبل میں "دس ہزار قدسیوں" کے الفاظ کو "لاکھوں قدسیوں" سے بدل دیا گیا ہے- اور کیتھولک بائبل میں قدسیوں کی تعداد اور شریعت دونوں کو بالکل ختم کر کے لکھا ہے: "وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور مریبہ قادلیش میں آیا- اور اس کے دہنے ہاتھ سے شعلہ زن آتش پھوٹ نکلی-"(۱۶۲)

جدید تراجم میں تحریف کی تیسری مثال زبور نمبر ۸۴ میں موجود ہے- اس میں وادی بکہ

۱۶۰- استثناء ۳۳:۲- بائبل مطبوعہ لدھیانہ' ۱۹۰۸' ص-۲۲۰

۱۶۱- مولانا محمد ابراہیم میر: وہ نبی اور عہد کا رسول' سیالکوٹ' ۱۹۴۴' ص ۱۴۱-۱۴۲

۱۶۲- پروٹسٹنٹ بائبل (اردو)' ص-۲۰۱/؛ کیتھولک بائبل (اردو)' ص-۲۵۱

کا واضح ذکر تھا' جو مکہ کا دوسرا نام ہے۔[۱۶۳] مگر اب اسے "وادی بکا" (آنسوؤں کی وادی) اور "خشک وادی" میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔[۱۶۴]

۳- تحریف کی متفرق مثالیں

(۱) موسیٰ کا پوتا: بائبل کی کتاب 'قضاۃ' کے پرانے نسخوں میں موسیٰ کے پوتے سے بت پرستی اور ارتداد منسوب کیا گیا تھا۔ بعد میں اسے موسیٰؑ اور ان کے خاندان کی توہین سمجھا گیا۔ اس لئے ایک عرصۂ دراز تک چھپنے والے بائبل کے نسخوں میں تحریف کر کے اسے "موسیٰ" کی بجائے "منسی" نامی نسبتاً غیر معروف شخص کا پوتا بنا لیا گیا۔ تاہم مسلمان علماء اور خود عیسائی محققین کی گرفت کے نتیجہ میں اب پھر منسی کی جگہ موسیٰ کے نام کو بحال کر دیا گیا ہے۔[۱۶۵]

(۲) سلیمان پر افتراء: کتاب 'سلاطین' میں سلیمانؑ پر الزام لگایا گیا ہے کہ وہ بڑھاپے میں اپنی مشرک بیویوں کی وجہ سے بتوں اور غیر معبودوں کی طرف مائل ہو گئے۔[۱۶۶] مگر کتاب 'تواریخ' جس میں سلیمانؑ کے مفصل حالات دیئے گئے ہیں' اس الزام سے یکسر خالی ہے۔[۱۶۷] اس کی وجہ یہ ہے کہ کتاب سلاطین سلطنت اسرائیل (جو سلطنت یہودیہ کے مقابلہ میں قائم ہوئی) کی روایات کے زیر اثر لکھی گئی' جس کا بانی سلیمانؑ کا باغی یربعام (Jeroboam) تھا' جو خود بت پرست تھا۔ اس کے حامیوں اور پیروکاروں نے سلیمانؑ کی

۱۶۳۔ القرآن ۳:۹۶

۱۶۴۔ پروٹسٹنٹ بائبل (اردو)' ص-۵۷۷ ؛ کیتھولک بائبل (اردو)' ص-۷۳۹' زبور ۸۴:۶-۷

۱۶۵۔ قضاۃ ۱۸:۳۰-منسی اور موسیٰ کے فرق کے لئے ملاحظہ فرمایئے: کتاب مقدس' مطبوعہ لدھیانہ' ۱۹۰۸' ص۔ ۲۸۲' اور کتاب مقدس' لاہور' ۱۹۸۵' ص-۲۵۰

۱۶۶۔ ۱-سلاطین ۱۱:۴-۸

167. Robert Lee : The Outlined Bible, Glasgow, 1962, p.18.

عداوت و مخالفت میں ان پر بت پرستی کا الزام لگا دیا۔[۱۶۸] کتاب تواریخ اور کتاب سلاطین میں یہ فرق، مذموم مقاصد کے لئے دانستہ تحریف کی واضح مثال ہے۔ اور اگر 'سلاطین' میں لگائے گئے سلیمان پر الزام کی (نعوذ باللہ) صحت پر اصرار کیا جائے تو پھر 'تواریخ' میں موسیٰ کو منسی بنانے کی تحریف ثابت ہوتی ہے۔ یعنی الزام کی صحت سے قطع نظر، بائبل کی ان دونوں کتابوں میں سے کسی ایک میں تحریف ضرور ہوئی ہے۔

(۳) داؤد پر افتراء: اسی طرح سموئیل کی کتاب میں داؤدؑ پر بدکاری اور دھوکے سے قتل کا الزام لگایا گیا ہے،[۱۶۹] جبکہ کتاب تواریخ اس الزام سے خالی ہے۔[۱۷۰] وجہ وہی ہے کہ داؤد اور آلِ داؤد کے بارے میں یہ شرمناک کہانیاں ان کے مخالفین نے وضع کر کے شائع کیں، اور جب اور جہاں ممکن ہو سکا انہیں بائبل کا حصہ بنا دیا۔ محققین کے نزدیک یہ بات طے ہے کہ کتاب 'سموئیل'، جس میں یہ افترا شامل ہے 'مختلف رطب و یابس روایات اور ایسی کتابوں پر مبنی ہے جن کی نشاندہی ممکن نہیں'، اور اس میں کئی چیزیں الحاقی ہیں۔[۱۷۱]

(۴) قوانین میں تحریف: بنی اسرائیل کے قوانین ازدواج میں غیر قوموں کی عورتوں سے شادی ممنوع نہ تھی۔ اسی لئے موسیٰؑ، داؤد اور سلیمان وغیرہ نے غیر قوموں میں شادیاں کیں، [۱۷۲] اور یہ سارے واقعات دسویں صدی قبل مسیح سے پہلے پہلے ہوئے۔[۱۷۳] مگر بعد میں (نویں سے ساتویں صدی ق۔م) یہودی قانون سازوں نے اس رواج کے حقیقی و مزعومہ مفاسد کے پیش نظر اسے بند کرنا چاہا۔ چنانچہ نویں سے ساتویں اور پانچویں صدی

---

168. John Davis: Dictionary of the Bible, London, 1972, pp.359,384.

۱۶۹۔ ۲۔ سموئیل ۱۱: ۲ و مابعد۔

170. The Outlined Bible, p.17.

171. Davis' Dictionary of the Bible, pp.716,719,720.

۱۷۲۔ گنتی ۱۲: ۱، ۱۔ تواریخ ۳: ۱ و مابعد، ۱۔ سلاطین ۱۱: ۱ و مابعد، روت ۱: ۴۔

173. Davis' Dictionary, pp.139-140.

ق۔م میں لکھی جانے (۱۷۴) والی کتاب استثنا اور کتاب خروج میں غیر قوموں میں شادی منع کی گئی' اور پھر کتاب سلاطین میں سلیمانؑ کی شادیوں کے ضمن میں بھی قانون میں اس تبدیلی کا ذکر شامل کر لیا گیا۔ (۱۷۵) یہ تبدیلی ربی عزرا اور اس کے ہمنواؤں کی کوشش کا نتیجہ تھی' جو غیر قوموں میں شادی کا سخت مخالف تھا' اور کتاب استثناء وغیرہ کی قانون سازی میں اس کا بڑا ہاتھ تھا۔ (۱۷۶)

عہد جدید کی تحریفات

عہد عتیق کی طرح عہد جدید میں بھی بہت سی تحریفات اور تبدیلیاں ہوئی ہیں' اور ان کی کثرت کی بناء پر ان کا احاطہ بھی مشکل ہے۔ تاہم تحریفات کی کچھ مثالیں ہم ذیل میں پیش کریں گے۔

۱۔ بائبل کے "عہد جدید" میں "عہد قدیم" کے محرف حوالے

اگرچہ اناجیل اربعہ اور عہد جدید کے دوسرے حصوں میں تبدیلیاں اور تحریفات بعد میں بھی ہوتی رہیں (اور ان کا ذکر عنقریب انشاء اللہ کیا جائے گا)' مگر تحریف کی خشتِ اول خود انجیل نگاروں نے اس طرح رکھی کہ انہوں نے عیسیٰؑ کے بارے میں عوامی عقائد اور کہانیوں کو سہارا دینے کے لئے کئی جگہ عہد عتیق کی عبارتوں کو حسب دلخواہ تبدیل کر کے پیش کیا۔ اس زمانہ میں انجیل نگاروں کے وضع کردہ حوالوں کا اصل عبارتوں سے موازنہ آسان نہ تھا۔ کیونکہ جس طرح اب عہد قدیم و جدید ایک ہی جلد میں آسانی سے دستیاب ہیں' پہلے یہ صورت نہ تھی۔ نیز عہد جدید کی محرف عبارتیں پڑھنے اور سننے والے' عقیدت کی بنا پر ان تحریفات کا عہد عتیق کی عبارتوں سے مقابلہ ضروری نہ سمجھتے تھے۔ لیکن اب

174. Concise Oxford Dictionary of the Church, pp.150,186.

۱۷۵۔ خروج ۳۴:۱۶' استثناء ۷:۱-۳ سلاطین ۱۱:۲

۱۷۶۔ عزرا ۱۰:۱۱ اور مابعد' ۷:۱۴۔ نیز:

Davis' Dictionary, p.238.

محققین نے بہت سے ایسے مقامات کی نشاندہی کی ہے جہاں انجیل نگاروں نے عمداً تحریف سے کام لیا ہے۔ مثلاً:

(۱) مسیح کی جائے پیدائش: انجیل متی میں مسیح کی جائے پیدائش بیت لحم کو قرار دینے کے لئے بعد مرقوم ہے: "کیونکہ نبی کی معرفت یوں لکھا گیا ہے کہ اے بیت لحم یہوداہ کے علاقے تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں۔ کیونکہ تجھ میں سے ایک سردار نکلے گا جو میری امت اسرائیل کی گلہ بانی کرے گا۔" (۱۷۷)

یہ عبارت اس طور پر نہ عہد عتیق کے قدیم عبرانی نسخوں میں ہے اور نہ نسخہ سبعینہ میں۔(۱۷۸) بلکہ انجیل متی کے مصنف نے عہد قدیم کی ایک عبارت میں حسب منشا تبدیلی کر کے مسیح کی جائے پیدائش کی فضیلت بزور تحریف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اصل عبارت یوں ہے: "اے بیت لحم افراتاہ' اگرچہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں شامل ہونے کے لئے چھوٹا ہے' تو بھی تجھ میں سے ایک شخص نکلے گا اور میرے حضور اسرائیل کا حاکم ہو گا۔"(۱۷۹)

(۲) ہجرت مصر: آگے چل کر اس انجیل میں بیان کیا گیا ہے کہ ہیرودیس بادشاہ نے ننھے مسیح کو مروانا چاہا' تو اس کی والدہ مریم اور مریم کا شوہر یوسف اسے لے کر مصر روانہ ہو گئے اور ہیرودیس کی وفات تک وہیں رہے۔ "تاکہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ مصر میں سے میں نے اپنے بیٹے کو بلایا۔" (۱۸۰)

عہد عتیق کی جس عبارت میں یہاں تحریف کی گئی ہے وہ یہ ہے: "جب اسرائیل ابھی بچہ ہی تھا میں نے اس سے محبت رکھی اور اپنے بیٹے کو مصر سے بلایا۔" (۱۸۱) یہ عبارت اول تو

۱۷۷۔ متی ۲:۶

178. Peake's Commentary, pp.702,1184.

۱۷۹۔ میکاہ ۵:۲

۱۸۰۔ متی ۲:۱۵

۱۸۱۔ ہوسیع ۱۱:۱

ماضی کا ایک واقعہ (موسیٰ ؑ کے زمانہ میں بنی اسرائیل کا مصر سے نکلنا) بیان کرتی ہے نہ کہ مستقبل کی پیش گوئی' اور دوم "اپنے بیٹے" سے مراد واضح طور پر اپنی محبوب امت اسرائیل ہے نہ کہ آنے والا مسیح۔[۱۸۲]

مسیحی فضلاء کو اعتراف کرنا پڑا ہے کہ یہاں نہ صرف عہد قدیم کو لفظاً توڑا مروڑا (twist) گیا ہے[۱۸۳] اور معناً بھی اس میں تحریف کی گئی ہے' بلکہ اس کے پس منظر میں ہیرو دیس کا آمادۂ قتل ہونا' ننھے مسیح کی ہجرت' اور ان کے خاتمہ کی کوشش میں بہت سے لڑکوں کا قتل کیا جانا' یہ سارے واقعات نہ تو کسی اور انجیل نگار نے بیان کئے اور نہ کسی قدیم مؤرخ (مثلاً جوزیفس)[۱۸۴] نے۔ اسی لئے انجیل کے بعض محقق شارحین کو اعتراف کرنا پڑا کہ:

It looks as though Matthew made the incident fit the quotation.

"یوں لگتا ہے کہ متی نے اس واقعہ کو (عہد قدیم کے) مذکورہ اقتباس پر (زبردستی) چسپاں کیا ہے۔"[۱۸۵]

گویا عہد قدیم کی ایک عبارت ہی میں تحریف نہیں کی گئی' بلکہ سارا واقعہ ہی خود ساختہ اور من گھڑت ہے' جو عیسیٰؑ کے بچپن کے واقعات کو موسیٰ ؑ کے ابتدائی حالات کے مماثل بنانے کی کوشش میں گھڑا گیا ہے۔

(۳) نسب نامہ میں تحریف: دراصل انجیل متی کا مصنف تحریف کا بادشاہ ہے۔ اس نے مسیح کا جو نسب نامہ لکھا ہے اس میں دیگر کمزوریوں کے علاوہ ایک دیدہ دلیرانہ تحریف بھی موجود ہے۔ مسیح کے اجداد کا ذکر کرتے ہوئے اس نے یوسیاہ (Josiah) اور یکونیاہ

۱۸۲۔ خروج ۴: ۲۲ میں بھی اسرائیل (یعنی امت اسرائیل) کو خدا کا بیٹا بلکہ پہلوٹھا کہا گیا ہے۔

183. Bratton: History of the Bible, p.135

184. See: Flavius Josephus: Antiquities, p.609.

185. Peake's Commentary, p.702.

(Joconiah) کا درمیانی واسطہ یہویقیم (Johoiakim) حذف کر دیا ہے۔[۱۸۶] اس کی وجہ یہ ہے کہ یہویقیم کو خداوند کے کلام کا طومار جلانے کی پاداش میں یہ سزا ملی تھی کہ "اس کی نسل میں سے کوئی نہ رہے گا جو داؤد کے تخت پر بیٹھے۔"[۱۸۷] لہٰذا مسیح کو وارث داؤد ثابت کرنے کے لئے اس انجیل کے مصنف نے یہویقیم کا نام ہی ان کے نسب نامہ سے حذف کر دیا۔

(۴) **مسیح ناصری:** انجیل متی کے مصنف نے مسیح کی مبینہ جائے پیدائش' ان کے نسب' اور ان کی مزعومہ ہجرت مصر کے علاوہ ان کے ایک معروف مسکن ناصرہ نامی بستی سے ان کی نسبت کے بارے میں بھی عہد عتیق کا ایک محرف حوالہ دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے: "اور ناصرہ نام ایک شہر میں جا بسا تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا۔"[۱۸۸]

مفسرین بائبل نے لکھا ہے کہ مسیح موعود کے "ناصری کہلانے" یا ناصرہ کو ان کی جائے سکونت قرار دینے والی کوئی آیت عہد قدیم میں موجود نہیں۔ اصل بات صرف اتنی ہے کہ عہد قدیم کی بعض کتابوں (مثلاً یسعیاہ و یرمیاہ) میں آنے والے مسیح کو آل داؤد کی ایک شاخ (the branch of the House of David) میں سے کہا گیا ہے۔ اور شاخ کے لئے قدیم عہد نامہ میں لفظ نصر (Nezer) استعمال ہوا ہے۔[۱۸۹] اس میں ناصرہ نامی بستی کا ذکر ہے اور نہ مسیح کے ناصری کہلانے کا۔ مگر مصنف انجیل متی نے چونکہ اس لفظ 'نصر' کو ناصرہ نامی بستی پر محمول کیا تھا اس لئے اس نے تحریف کرتے ہوئے مسیح کے 'ناصری' ہونے کی پیش گوئی گزشتہ انبیاء سے منسوب کر دی۔

۱۸۶۔ متی ۱:۱۱۔ حذف کے ثبوت کے لئے دیکھئے: ۲۔ سلاطین ۲۳:۳۴۔

186. Davis' Dictionary, pp.374, 376,439.

۱۸۷۔ یرمیاہ ۳۶:۳۰

۱۸۸۔ متی ۲:۲۳

189. Peake's Commentary, p.702.

(۵) ہڈی نہ ٹوٹنے کا نوشتہ: انجیل متی کے مصنف کی طرف انجیل یوحنا کا مصنف بھی عہد عتیق کے غلط اور محرف حوالے دینے میں ید طولیٰ رکھتا ہے- تاہم متعدد مثالوں میں سے ہم یہاں اس کی تحریف کے ایک ہی نمونہ پر اکتفا کریں گے-

مسیح کی مزعومہ تصلیب کے ضمن میں اس انجیل کے مصنف نے لکھا ہے کہ سپاہیوں نے (جان کنی کو قریب لانے اور یقینی بنانے کے لئے) مسیح کے ساتھ صلیب پانے والے دونوں افراد کی ٹانگیں توڑ دیں- لیکن جب وہ مسیح کی ٹانگیں توڑنے ان کے قریب آئے تو "دیکھا کہ وہ مر چکا ہے تو اس کی ٹانگیں نہ توڑیں-" آگے وہ لکھتا ہے: "یہ باتیں اس لئے ہوئیں کہ یہ نوشتہ پورا ہو کہ اس کی کوئی ہڈی نہ توڑی جائے گی-"(۱۹۰)

اس حوالہ سے قاری کو یہ تاثر ملتا ہے کہ "یہ نوشتہ" مسیح ہی کے بارے میں ہے' اور یہ پیش گوئی پہلے ہی عہد قدیم میں موجود تھی کہ وہ صلیب تو پائیں گے 'مگر ان کی ہڈیاں سلامت رہیں گی- حالانکہ عہد قدیم کے جس مقام سے یہ حوالہ دیا گیا ہے وہ اگر مسیح کے بارے میں کوئی پیش گوئی کرتا ہے تو ان کے صلیب اور مصائب سے مکمل طور پر بچنے کی کرتا ہے- ملاحظہ فرمایئے:

"خداوند کی نگاہ صادقوں پر ہے اور اس کے کان ان کی فریاد پر لگے رہتے ہیں—— صادق چلائے اور خداوند نے سنا اور ان کو ان کے سب دکھوں سے چھڑایا- صادق کی مصیبتیں بہت ہیں لیکن خداوند اس کو ان سب سے رہائی بخشتا ہے- وہ اس کی سب ہڈیوں کو محفوظ رکھتا ہے- ان میں سے ایک بھی توڑی نہیں جاتی-"(۱۹۱)

عہد عتیق کا یہ بیان اگر مسیح کے بارے میں ہوتا تو وہ نہ صرف ہڈی ٹوٹنے سے محفوظ رہتے بلکہ صلیب پانے سے بھی بچے رہتے- اس لئے کہ یہ تو "صادقوں" کی کلی نجات و حفاظت کے بارے میں ہے- اس کے باقی سارے اجزا کو نظر انداز کر کے صرف آخری جملہ کو مسیحؑ پر

۱۹۰۔ یوحنا ۱۹ : ۳۱ - ۳۶

۱۹۱۔ زبور ۳۴ : ۱۵ - ۲۰

منطبق کرنے کی کوشش تحریف اور بددیانتی ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ سیاق و سباق سے کاٹ کر صرف آخری جملہ ہی لیا جائے تو وہ بھی مسیح پر منطبق نہیں ہوتا، کیونکہ انجیل کے مذکورہ محرف مقام ہی میں یہ بھی مذکور ہے کہ گو مسیح کی ٹانگیں نہیں توڑی گئیں مگر "ایک سپاہی نے بھالے سے اس کی پسلی چھیدی اور فی الفور اس سے خون اور پانی بہ نکلا۔"(۱۹۲) اب یا تو یہ کہا جائے کہ پسلی ہڈی نہیں ہوتی اور انجیل یوحنا (اردو) میں ذکر تو پسلی کا ہے، مگر بھالے نے صرف پہلو (side) کو چھیدا تھا، اور پسلی کی ہڈی پھر بھی سلامت رہی تھی (بہرحال، نعوذ باللہ "ذلت والی موت" کے بعد پہلو یا پسلی چھیدے جانے کے بعد صرف ٹانگوں کی ہڈیاں بچ جانے میں مسیح کی کون سی کرامت ہے؟) اور یا یہ تسلیم کیا جائے کہ انجیل یوحنا کے مصنف نے عہد عتیق کا ایک جملہ سیاق کلام کے منشا اور حقائق دونوں کو نظر انداز کر کے مسیح پر زبردستی چسپاں کرنے کی جسارت کی ہے۔

۲۔ اناجیل کی باہمی تحریفات

انجیل نگاروں نے جس طرح عہد قدیم کے حوالے دیتے ہوئے تحریف و تبدل سے کام لیا ہے، اسی طرح انہوں نے ایک دوسرے سے مواد اخذ کرتے ہوئے بھی تحریف کی ہے۔

محققین اور نقاد اس بات پر تقریباً متفق ہو چکے ہیں کہ اناجیل میں سب سے پہلے مرقس کی انجیل لکھی گئی، اور متی و لوقا کا کثیر مواد اس سے ماخوذ ہے۔(۱۹۳) مگر مؤخر الذکر انجیل نگاروں نے مرقس کے بیانات کو (جن میں پہلے ہی بہت سی اختراعی اور سنی سنائی باتیں موجود تھیں) کئی جگہ جان بوجھ کر بدل دیا ہے۔ ہم ایسی تبدیلیوں کی چند مثالیں بھی ذیل میں پیش کریں گے۔

۱۹۲۔ یوحنا ۱۹ : ۳۴

193. B.M. Allen: The Story Behind the Gospels, p.4;

Concise Oxford Dictionary of the Church, p.322.

(ا) آسمانی نشان: انجیل مرقس کے مطابق جب فریسی یہودیوں نے مسیح سے "کوئی آسمانی نشان طلب کیا" تو اس نے "آہ کھینچ کر کہا اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان دیا نہ جائے گا"۔(۱۹۴)

لوقا کے ہاتھ میں آ کر اس مقام میں یہ تبدیلی ہوئی: وہ کہنے لگا کہ "اس زمانہ کے لوگ برے ہیں' وہ نشان طلب کرتے ہیں۔ مگر یوناہ کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا۔ کیونکہ جس طرح یوناہ نینوہ کے لوگوں کے لئے نشان ٹھہرا اسی طرح ابن آدم بھی اس زمانہ کے لوگوں کے لئے ٹھہرے گا..... نینوہ کے لوگ اس زمانہ کے لوگوں کے ساتھ عدالت کے دن کھڑے ہو کر ان کو مجرم ٹھہرائیں گے کیونکہ انہوں نے یوناہ کی منادی پر توبہ کر لی اور دیکھو یہاں وہ ہے جو یوناہ سے بھی بڑا ہے۔"(۱۹۵) مطلب یہ کہ جس طرح یوناہ (یونسؑ) نبی اپنے زمانہ کے لوگوں کے لئے نشان تھے اور لوگوں نے ان کی منادی پر بالآخر توبہ کر لی تھی' اسی طرح مسیح اپنے زمانہ کے لوگوں کے لئے نشان ہیں' مگر وہ اس نشان کو نظر انداز کر کے توبہ سے گریز کر رہے ہیں۔

لیکن انجیل متی کے مصنف نے یوناہ کے نشان سے صرف ان کی نبوت اور منادی لینے کی بجائے اس میں اضافہ کرتے ہوئے لکھا: "اس زمانہ کے برے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں' مگر یوناہ نبی نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا۔ کیونکہ جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا..."(۱۹۶)

گویا انجیل متی کے مصنف نے ایک طرف 'نشان' اور 'یوناہ' نبی اور دوسری طرف مسیح کی مزعومہ موت اور "جی اٹھنے" کی رعایت سے یونس (یوناہ) کے "تین رات دن" مچھلی کے

۱۹۴۔ مرقس ۸ : ۱۲

۱۹۵۔ لوقا ۱۱ : ۲۹ - ۳۲

۱۹۶۔ متی ۱۲:۳۹۔۴۰

پیٹ کے اندھیروں میں رہنے والے واقعہ کو مرقس اور لوقا کے مہیا کردہ بنیادی مواد میں از خود بڑھا دیا ہے۔ اور اس اضافہ کے محرف ہونے کی مذکورہ بالا اندرونی (internal) شہادت (اناجیل کا باہمی تقابل) کے علاوہ بیرونی (external) شہادت یہ ہے کہ اگر یہ تحریف کی بجائے واقعی مسیح کا اپنا کلام ہوتا تو وہ واقعی 'تین دن رات زمین کے اندر' رہتے۔ مگر جیسا کہ ہم باب ششم میں واضح کر چکے ہیں' بائبل کے اپنے بیان کے مطابق ان کے مبینہ طور پر 'زمین کے اندر' رہنے کی مدت ایک دن اور دو رات سے زیادہ نہیں بنتی۔ (ملاحظہ فرمائیے: باب ششم' حوالہ ۱۶۲-۱۶۳' اور متعلقہ بحث)۔

(۲) غریب' یا دل کے غریب؟ لوقا نے مسیح کے مشہور "پہاڑی کے وعظ" میں مذکور "برکتوں" (Beatitudes) کو اس طرح ضبط کیا ہے: "پھر اس نے اپنے شاگردوں کی طرف نظر کر کے کہا مبارک ہو تم جو غریب ہو کیونکہ خدا کی بادشاہی تمہاری ہے۔ مبارک ہو تم جو اب بھوکے ہو۔ کیونکہ آسودہ ہو گے۔"[۱۹۷] مگر متی کی انجیل لوقا کے بعد لکھی گئی اور اس کے لکھے جانے کے زمانہ (۸۰ تا ۱۰۰ م)[۱۹۸] میں مالدار یہودی بھی مسیحیت کی طرف مائل ہو رہے تھے۔ اس لئے اس انجیل کے مصنف نے "غریب" کو "دل کے غریب" اور "بھوکے" کو "راستبازی کے بھوکے اور پیاسے"[۱۹۹] بنا دیا' تا کہ مسیحیت کو صرف غریبوں اور بھوکوں ہی کا دین نہ سمجھا جائے۔

(۳) کمزوری کا حذف: بنیادی انجیل مرقس کے بعض مقامات جو مسیح کی کسی بشری کمزوری پر دلالت کرنے کی بنا پر یا کسی اور وجہ سے دوسرے انجیل نگاروں کو پسند نہیں آئے' وہ انہوں نے بلا تکلف اپنی انجیلوں سے حذف کر دیئے۔ مثلاً مرقس کے بیان کے مطابق مسیح اپنے عزیزوں کے خیال میں "بے خود" (beside himself) ہو چکے تھے'[۲۰۰] یعنی

۱۹۷۔ لوقا ۶:۲۰-۲۱

198. Concise Oxford Dictionary of the Church, pp.311,328.

۱۹۹۔ متی ۵ : ۳ – ۶

۲۰۰۔ مرقس ۳ : ۲۱

ان کی دماغی و روحانی کیفیت غیر متوازن (unbalanced)[201] تھی- باقی اناجیل متوافقہ میں وہ حالات تو بیان کئے گئے ہیں جن کے پس منظر میں مسیح کے عزیزوں نے انہیں "بے خود" جانا (مثلاً دیکھئے متی باب ۱۴ کا آخر 'لوقا آخر باب ۴) مگر انہوں نے اس کا ذکر حذف کر دیا کہ مسیح کے عزیز انہیں دیوانہ یا 'بے خود' جانتے تھے- [202]

(۴) ایک معجزہ کا حذف: اسی طرح مرقس نے بیان کیا ہے کہ مسیح نے ایک بہرے اور ہکلے شخص کے کانوں میں اپنی انگلیاں ڈالیں اور "تھوک کر اس کی زبان چھوئی" اور ایک اندھے کی "آنکھوں میں تھوک کر اپنے ہاتھ اس پر رکھے" تو وہ شفایاب ہو گئے- [203]

اس آیت کی ذیل میں پیک کی تفسیر بائبل میں لکھا ہے:

> Mt. omits this story, perhaps because the methods employed ... savour of magic.
>
> "متی نے اس قصہ کو حذف کر دیا ہے' شاید اس لئے کہ اس میں (مسیح نے شفا کے لئے جو) طریقے اختیار کئے ان سے جادوگری کی بو آتی تھی-"

بعض دیگر عیسائی محققین نے بھی یہاں انجیل متی میں تحریف کا اعتراف کیا ہے- [204]

(۵) اظہار عبدیت کا کتمان: اسی طرح کئی مقامات پر جہاں انجیل مرقس میں مسیح کی ذات سے متعلق ایسے الفاظ ہیں جو ان کے خدا ہونے کی بجائے ان کی بشریت پر دلالت کرتے ہیں' دوسری اناجیل' خصوصاً انجیل متی میں بدل دیئے گئے ہیں- مثلاً مرقس کے مطابق جب مسیح نے اپنے شاگردوں سے پوچھا: "تم مجھے کیا کہتے ہو؟" تو پطرس نے جواب دیا "تو مسیح

---

201. Peake' s Commentary, p.685.

202. B.M. Allen: The Story Behind the Gospels, p.7

۲۰۳- مرقس ۷ : ۳۲ – ۳۵ ' ۸ : ۲۳ – ۲۵

204. Peake's Commentary, p.690 ,

The Story Behind the Gospels, p.6.

ہے" مگر متی نے اس جواب میں اضافہ کرتے ہوئے لکھا ہے: "تو زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے۔"(۲۰۵)

(۶) جس کی قیمت ٹھہرائی گئی: انجیل متی عام طور پر گرجوں وغیرہ میں وعظ و تبلیغ کے لئے سب اناجیل سے زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہے۔(۲۰۶) اور یہی انجیل' عہدِ قدیم کے محرف حوالے دینے اور دوسری اناجیل کے مواد کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے میں سب سے آگے ہے (گو مسیح کے پیغام اور مرتبہ کو کلی طور پر تبدیل کرنے کی کوشش کے لحاظ سے انجیل یوحنا سب سے پیش پیش ہے' جیسا کہ قبل ازیں اناجیل متوافقہ اور انجیل یوحنا کے تقابلی بیان میں واضح کیا گیا ہے)۔ ذیل میں ہم انجیل متی کے مصنف کے ایک اور تحریفی "کارنامہ" کا ذکر کرتے ہیں جس میں عہد قدیم اور دیگر اناجیل دونوں کے مواد کی بیک وقت تحریف کی گئی ہے۔

غدار حواری یہوداہ اسکریوتی کے بارے میں انجیل متی میں لکھا ہے کہ اس نے مسیح کے مخالف یہودی سرداروں سے تیس روپے رشوت لے کر انہیں پکڑوایا' مگر بعد میں پچھتایا اور روپے مقدس میں پھینک کر چلا گیا۔ اس رقم سے "پردیسیوں کے دفن کرنے کے لئے" ایک کمہار کا کھیت خریدا گیا (اس واقعہ کو ہم عہد جدید کے تناقضات کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں)۔ آگے لکھا ہے: "اس وقت وہ پورا ہوا جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا کہ جس کی قیمت ٹھہرائی گئی تھی انہوں نے اس کی قیمت کے وہ تیس روپے لئے .... اور ان کو کمہار کے کھیت کے لئے دیا جیسا خداوند نے مجھے حکم دیا تھا۔" (۲۰۷)

اس بیان میں سب سے پہلے تو یرمیاہ کا حوالہ غلط ہے۔ یرمیاہ کی کتاب میں ایک جگہ اسرائیل کے گھرانوں کی آبادی و بربادی کے خدا کے ہاتھ میں ہونے کو کمہار کے ہاتھ میں مٹی کے برتن سے تشبیہہ دی گئی ہے' کہ وہ جس طرح مناسب سمجھتا ہے اسے بناتا بگاڑتا

۲۰۵۔ مرقس ۸ : ۲۹' متی ۱۶ : ۱۶

206. Concise Oxford Dictionary of the Church, p.328.

۲۰۷۔ متی ۲۶:۱۴-۱۶' ۲۷:۳-۱۰

ہے۔ اور دوسری جگہ ایک کھیت (کمہار کا کھیت نہیں) کی خرید و فروخت کا ذکر ہے۔(۲۰۸) انجیل متی کے مصنف کے ذہن میں یرمیاہ کے ان دو مختلف مقامات کا ہیولیٰ موجود تھا۔ اس لئے اس نے اس بیان کے آخری حصہ کو یرمیاہ نبی سے منسوب کر دیا' حالانکہ اسے زکریاہ کی درج ذیل عبارت سے منسوب کیا جانا چاہئے تھا: (۲۰۹)

"انہوں نے میری مزدوری کے لئے تیس روپے تول کر دیئے اور خداوند نے مجھے حکم دیا کہ اسے کمہار کے سامنے پھینک دے۔ اور میں نے یہ تیس روپے لے کر خداوند کے گھر میں کمہار کے سامنے پھینک دیئے۔"(۲۱۰)

زکریاہ کی بجائے یرمیاہ کا غلط حوالہ بذات خود اس بات کی ایک اور دلیل ہے کہ یہ انجیل خدائی کلام نہیں انسانی تصنیف ہے۔ مگر یہاں ہم تحریفات کی بحث کر رہے ہیں' اس لئے ہمارے لئے یہ بات یہاں صرف ضمنی حیثیت رکھتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ حوالہ یہوداہ حواری کے حالات پر کسی طرح منطبق نہیں ہوتا۔ انجیل متی میں لکھا ہے: "جس کی قیمت ٹھہرائی گئی تھی اس کی قیمت کے وہ تیس روپے لئے" مگر 'زکریاہ' میں کسی شخص کی قیمت نہیں ٹھہرائی گئی۔ انجیل متی کے مصنف نے دونوں واقعات کی انتہائی جزوی مماثلات (روپے یا چاندی' کمہار کا ذکر' اور مقدس و ہیکل یا خدا کے گھر کا ذکر) کو لیا ہے' اور اس بات پر غور نہیں کیا کہ کتاب زکریاہ میں رشوت یا خون کی قیمت کا ذکر نہیں بلکہ جائز و مبارک گلہ بانی کی کمائی کا ذکر ہے' روپوں کا پھینکنا کسی پچھتاوے کی وجہ سے نہیں بلکہ رب کے حکم سے ہے' اور کمہار کے سامنے پھینکنے کا ذکر ہے نہ کہ پردیسیوں کے دفن کے لئے کمہار کا کھیت خریدنے کا۔ اس طرح بالکل مختلف سیاق و سباق اور مختلف معنی و مفہوم کی حامل عبارت کو ایک

۲۰۸۔ یرمیاہ ۱۸ : ۱ - ۸' ۳۲ : ۶ - ۱۴

209. Peake's Commentary, p.722;

J.C. Fenton: St. Matthew (Penguin Books), 1963, p.432.

۲۱۰۔ زکریاہ ۱۱ : ۱۲ - ۱۳

انتہائی مختلف چیز پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہنا کہ "اس وقت وہ پورا ہوا....." تحریف و بددیانتی کی بھیانک مثال ہے۔[۲۱۱]

دوسری بات یہ ہے کہ انجیل مرقس (بلکہ انجیل لوقا میں بھی) جہاں یہوداہ کی غداری کا واقعہ بیان کیا گیا ہے' وہاں صرف یہ لکھا ہے کہ یہودی سرداروں نے "اس کو روپے دینے کا اقرار کیا۔"[۲۱۲] وہاں نہ تو یرمیاہ یا زکریاہ کا حوالہ ہے اور نہ تمیں کے عدد کا ذکر۔ انجیل متی کے مصنف نے تمیں کا ذکر صرف کتاب زکریاہ کے مذکورہ حوالہ سے یہوداہ کے واقعات کی ایک اور مشابہت بڑھانے کے لئے ازراہ تحریف کیا ہے۔ ہمارا یہ دعویٰ اگرچہ مذکورہ بالا حقائق اور عقل عام کی روشنی میں ہے' تاہم اس کی تائید و تصویب اور اعتراف عیسائی محققین و مفسرین نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ پیک کی تفسیر میں لکھا ہے:

Mt ... alone tells us that Judas received thirty pieces of silver. This is due to Zech. 11:12f.

"صرف متی (کی انجیل) ہمیں بتاتی ہے کہ یہوداہ نے چاندی کے تمیں سکے وصول کئے۔ یہ (عدد کا ذکر) زکریاہ ۱۱: ۱۲ و مابعد کی وجہ سے ہے۔"[۲۱۳]

(۷) یوحنا کی محرف انجیل: انجیل یوحنا کے باقی اناجیل سے فرق کا ذکر اسی باب میں بائبل کے تضادات کے ضمن میں ہو چکا ہے۔ یہ فرق اتنا نمایاں ہے کہ متعدد مسیحی محققین نے اس انجیل کے مصنف پر مسیح کی تعلیم' مرتبہ اور حالات زندگی میں تحریف کرنے کے

۲۱۱۔ زکریاہ کا یہ حوالہ دراصل تمثیل ہے ایک مذہبی رہنما (مفسرین نے ایک سردار کاہن اونیاس Onias کا نام بھی لیا ہے) کی جو قوم کی بے راہ روی اور عدم اتحاد سے مایوس ہو کر پہلے تو ان سے رخصت مانگتا ہے' اور اپنی سابقہ محنت کی مزدوری طلب کرتا ہے۔ اور پھر ان سے اپنی مایوسی اور رب کی ناراضی ظاہر کرنے کے لئے اس اجرت کو خدا کے گھر میں کام کرنے والے کمہار کے سامنے پھینک کر "فضل" اور "اتحاد" نامی اپنی گلہ بانی کی لاٹھیوں کو توڑ کر چل دیتا ہے۔ دیکھئے: زکریاہ ۱۱ : ۴۔ ۱۴ اور پیک کی تفسیر ص ۔۵۸۱

۲۱۲۔ مرقس ۱۴ : ۱۱' لوقا ۲۲ : ۵

الزام کو درست تسلیم کیا ہے۔ جرمن فاضل ہارنیک کے حوالہ سے یہ بات بیان ہو چکی ہے (حوالہ نمبر ۱۳۵' باب ھذا) کہ یہ انجیل مسیح کے منہ میں خود ساختہ بیانات ڈالتی ہے ۔کیتھولک انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ انجیل نگار نے کسی 'بیرونی اثر' (extraneous influence) کے تحت مسیح کے ایسے مکالمات لکھے ہیں جو باقی اناجیل سے بالکل مختلف ہیں۔ بلکہ حوالہ کی اس مستند کتاب میں یہ نظریہ بھی پیش کیا گیا ہے کہ:

> There are indications of more than one hand in the Gospel.
>
> "اس انجیل میں اس کے ایک سے زیادہ افراد کی تصنیف ہونے کی علامات پائی جاتی ہیں۔"(۲۱۴)

ایک اور معروف محقق برکٹ نے لکھا ہے:

> It is quite incoceivable that the historienl Jesus of the Synoptic Gospels could have argued and quibbled with opponents, as He is represented to have done in the Fourth Gospel.
>
> "یہ بات بالکل ناقابل تصور ہے کہ اناجیل متوافقہ والا تاریخی مسیح اس طرح اپنے مخالفین سے جدل و مناظرہ کرے جس طرح اسے چوتھی انجیل میں کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔" (۲۱۵)

اناجیل متوافقہ میں زیادہ تر دل کی صفائی 'نرمی' خدا پر توکل و اعتماد اور دنیا سے بے رغبتی پر زور دیا گیا ہے۔ مگر انجیل یوحنا میں ان امور کو نظر انداز کر کے سارا زور خدا اور مسیح کے "خصوصی تعلق" اور مسیح کے خصوصی مرتبہ کو منوانے پر ہے۔اسی لئے مسیحی فاضلین

---

214. New Catholic Encyclopaedia, pp.1081, 1082.

215. F.C. Burkitt: The Gospel History And Its Transmission, London; 1911, p.228.

کہتے ہیں:

Clearly, the Fourth Gospel gives us a different idea of the teaching of Jesus from what we get in the Synoptic Gospels.

"یہ بات واضح ہے کہ چوتھی انجیل مسیح کی تعلیم کا جو تصور دیتی ہے وہ اناجیل متوافقہ سے مختلف ہے۔" (۲۱۶)

گویا اس انجیل میں مسیح کی تعلیم بھی مختلف ہے اور ان کا اسے پیش کرنے کا انداز بھی۔ لہٰذا انسائیکلو پیڈیا امریکانا (حوالہ نمبر ۱۴۰ ' باب ھذا) کے مطابق اناجیل متوافقہ اور انجیل یوحنا میں سے کسی ایک ہی کو درست مانا جا سکتا ہے۔ جزوی تحریفات سے قطع نظر ' یا تو ثانی الذکر انجیل کلی طور پر تحریف کا شکار ہے اور یا اول الذکر اناجیل محرف ہیں۔

۳۔ مختلف مسودات و تراجم سے پیدا شدہ تحریفات

عہدِ عتیق کی طرح عہدِ جدید کے پرانے مسودات اور قدیم و جدید تراجم نے بھی تحریفات کو کثرت سے جنم دیا ہے۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ مختلف اناجیل و تبلیغی خطوط (مختلف لوگوں کے اور مختلف زبانوں میں لکھے ہوئے) ایک عرصہ تک رائج رہے ' اور بعد میں ان میں سے بعض کو کلیسیا نے درجہ استناد دے دیا (تفصیل گزشتہ باب میں پیش کی جا چکی ہے)۔ پھر درجہ استناد ملنے کے بعد بھی ان کے متون کی حفاظت کا خاطر خواہ بندوبست ایک عرصہ تک نہ ہو سکا۔(۲۱۷) بائبل اور اس کے عہد جدید کے مسودات و تراجم کی یہ کیفیت قرآن سے یکسر مختلف رہی ہے۔ قرآن کا مستند متن شروع سے ایک رہا۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عثمانؓ نے اس میں مختلف عرب قبائل میں مستعمل الفاظ کے شامل ہونے کا

216. George Barclay: The Making And Meaning of the Bible (London, 1937), p.141.

217. G.B. Caird: Saint Luke (Penguin Books), 1963,p.32.

سد باب کرتے ہوئے اسے قبیلہ قریش کی لغت پر جمع کیا۔ تراجم کے ساتھ اصل عربی متن کی اشاعت پر شروع سے زور دیا جاتا رہا۔ اور ہر زمانہ میں قرآن کے لاکھوں حفاظِ اس کی کتابت شدہ کاپیوں اور مسودات کی تصحیح کے لئے موجود رہے۔ قرآن تو قرآن، مسلمانوں نے حدیث رسول ﷺ کی حفاظت بھی اپنی جان سے زیادہ کی۔ ماہرین و حفاظ حدیث نے رواۃ و رجال اور متون و اسانید کی چھان پھٹک کی مضبوط بنیادیں فراہم کیں، یہاں تک کہ کسی کے لئے متن حدیث میں عمداً یا سہواً کمی بیشی کر کے اسے چھپانا عملاً ممکن نہ رہا۔

قرآن و حدیث کے برعکس عہد جدید کی موجودہ کتابوں کو عرصۂ دراز تک نہ سرکاری و مذہبی تحفظ حاصل تھا، نہ مرکزی اختیارات کی حامل کوئی اتھارٹی اس کی بنیادی نقول بنانے کی ذمہ دار تھی، اور نہ اسے سینوں میں محفوظ کرنے والے حفاظ میسر تھے۔ وہ سراسر نقل نویسوں کے رحم و کرم پر تھیں، اور وہ نادانستہ غلطیوں کے علاوہ عمداً بھی ان میں تحریف و تبدیلی کرتے رہتے تھے۔ انہی امور کے نتیجہ میں کلیسیا کے ابتدائی دور ہی میں عہدِ عتیق کے ساتھ ساتھ عہدِ جدید کی اختلافی قراٰتوں کی تعداد ہزاروں بلکہ لاکھوں تک پہنچ گئی (گزشتہ باب کی فصل "قدیم نسخے اور موجودہ بائبل" ملاحظہ فرمائیے، خصوصاً اسی باب کے حوالہ ۱۷۵ تا ۱۸۱ پر مشتمل بحث)۔ قرین قیاس یہی ہے کہ ان ہزاروں لاکھوں اختلافات میں سے اکثر و بیشتر نقل نویسوں کی نادانستہ غلطیوں کا نتیجہ ہیں۔ لیکن ایک معتدبہ تعداد ارادی تبدیلی اور عمداً تحریف کی ذیل میں آتی ہے، اور عیسائی فاضلین اس امر کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔ مثلاً بائبل کی معروف تفسیر مرتبہ ڈملو میں لکھا ہے:

> A copyist would sometimes put in not what was in the text, but what he thought ought to be in it. He would trust a fickle memory, or he would make the text accord with the views of the School to which he belonged.

"ایک نقل نویس متن میں وہ کچھ لکھنے کی جائے جو واقعی اس میں ہوتا، وہ لکھتا جو اس

کے اپنے خیال میں اس میں ہونا چاہئے تھا- وہ یا تو اپنی کمزور یادداشت پر اعتماد کرتا اور یا متن کو اپنے مخصوص طبقۂ فکر (فرقہ) کے خیالات کے مطابق بنا دیتا-"(۲۱۸)

ایک اور مسیحی فاضل اعتراف کرتا ہے:

Copying in the first days was not accurate. We know that marginal notes and words between the lines were incorporated in the text.

"ابتدائی دور میں نقل نویسی درست نہ ہوتی تھی- ہمیں معلوم ہے کہ حواشی اور بین السطور الفاظ (نقل کے دوران) متن میں شامل کر لئے جاتے تھے-"(۲۱۹)

ایک اور فاضل کا قول ہے:

There was no hesitation in altering it, or making additions to it, or in leaving out what did not suit the writer's purpose.

"(نقل نویس کو) اسے (یعنی کسی انجیل کے مواد اور مسودہ کو) تبدیل کرنے' اس میں اضافے کرنے یا ایسی چیز کو جو اس کے مقصد کے منافی ہوتی' چھوڑ دینے میں کوئی ہچکچاہٹ نہ ہوتی تھی-" (۲۲۰)

مسودات میں نادانستہ غلطیوں پر بحث کرنے کے بعد ان میں دانستہ تحریفات کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے انسائیکلوپیڈیا امریکانا میں بھی لکھا ہے:

---

218. J.R.Dummelow: A Commentary on the Holy Bible, p.xvl.

219. A Companion to the Bible, p.163.

Also see : Collier's Encyclopaedia, vol.4, p.120.

220. T.G. Tucker: A History of the Christians in the Light of Modern Knowledge, London, p.320.

More serious are the intentional changes introduced by scribes, and before them by owners of manuscripts.

"زیادہ خطرناک وہ ارادی تبدیلیاں ہیں جو لکھنے والوں اور ان سے پہلے مسودات کے مالکوں نے کیں۔" (۲۲۱)

ایک اور فاضل 'مسودات و تراجم میں ارادی تحریفات تسلیم کرنے کے بعد لکھتا ہے:

We cannot always be sure that our versions are accurate translations of the original manuscripts. Not only have the originals been lost, but some of the copies may contain errors.

"ہم ہر حال میں اس بات پر یقین نہیں کر سکتے کہ ہمارے نسخے اصل مسودات کا صحیح ترجمہ ہیں۔ نہ صرف اصل مسودات کھوئے گئے ہیں بلکہ کچھ نقول میں غلطیاں بھی موجود ہیں۔" (۲۲۲)

اس سلسلہ میں انجیل مرقس کی مثال دیتے ہوئے ایک اور مسیحی فاضل نے لکھا ہے کہ اس کے سینکڑوں مسودات میں سے no two agree exactly "کوئی دو بھی ایسے نہیں جو ایک دوسرے کے بالکل مطابق ہوں۔" (۲۲۳)

عہد جدید کے مسودات و تراجم میں ارادی تحریف کے بارے میں مسیحی فاضلین کے ان اعترافات کے ذکر کے بعد اب ہم ان تحریفات کی کچھ مثالیں پیش کریں گے۔

(۱) ابن خدا: مرقس کی انجیل حالیہ نسخوں کے مطابق اس طرح شروع ہوتی ہے: "یسوع مسیح ابن خدا کی خوشخبری کا شروع" (۲۲۴) لیکن بعض قدیم اور قابل اعتماد سمجھے جانے

221. Encyclo. Americana, vol.3 , p.565.

222. R.H. Horton: What The Bible is, And How It Was Written, p.61.

223. F.C Grant: The Gospels, Their Origin And Their Growth, London, 1957,

۲۲۴۔ مرقس ۱ : ۱

والے نسخوں میں الفاظ صرف اتنے ہیں: "یسوع مسیح کی انجیل کا شروع۔"[۲۲۵] ظاہر ہے: "ابن خدا" کے الفاظ محرف اور بعد کا اضافہ ہیں۔

(۲'۳) حوض اور دعا پر حاشیہ: بعض دفعہ کوئی نقل نویس متن کی عبارت لکھتے ہوئے اس کے حاشیہ پر کوئی تشریحی لفظ' جملہ یا مثال بڑھا دیتا' اور آئندہ نقول میں اسے حاشیہ (margin or gloss) کی بجائے متن میں شامل کر لیا جاتا۔ مثلاً انجیل یوحنا میں ایک حوض کا ذکر ہے جس کے پانی کے متعلق لوگ شفایابی کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اس ضمن میں لکھا ہے:

"وقت پر خداوند کا فرشتہ حوض پر اتر کر پانی ہلایا کرتا تھا۔ پانی ہلتے ہی جو کوئی پہلے اترتا سو شفا پاتا اس کی جو کچھ بیماری کیوں نہ ہو۔"[۲۲۶] ان الفاظ کے بارے میں مسیحی فاضلین نے لکھا ہے:

(they) are omitted by many ancient authorities.

"بہت سے قدیم مستند مسودات میں یہ حذف کئے گئے ہیں۔"[۲۲۷]

اسی طرح مسیحیوں کی مشہور و مقبول دعا میں یہ الفاظ "کیونکہ بادشاہی اور قدرت اور جلال ہمیشہ تیرے ہی ہیں' آمین" معتمد ترین یونانی مسودات میں موجود نہیں۔[۲۲۸] لہٰذا اغلب یہی ہے کہ ابتداء میں کسی نے حوض اور دعا کے متن پر حاشیہ میں زائد الفاظ لکھنے اور بعد کی نقول میں یہ متن کا حصہ بن گئے۔

یاد رہے ان دونوں مثالوں میں مذکور آیات کو بائبل کے موجودہ نسخوں میں خطوط

---

225. D.E. Nineham: Saint Mark (Penguin Books), 1963, p.56.
Catholic Bible, p.32, footnote 'a' ;
R.A. Cole: Tyndale Commentary on St. Mark, London, 1963, p.56.

۲۲۶۔ یوحنا ۵ : ۴

227. George Milligan: The New Testament And Its Transmission (London / Glasgow, 1932), p.21.

228. Ibid., p.22.

وحدانی میں لکھا گیا ہے' یعنی یہ مشکوک ہیں- اور عین ممکن ہے کسی دن "روح القدس کی رہنمائی کے تحت" بائبل سے حذف کر دی جائیں' جیسا کہ مؤخرالذکر آیت کو کیتھولک بائبل سے حذف کر بھی دیا گیا ہے! (۲۲۹)

۴- قدیم نسخوں میں تبدیلیاں

مختلف عام مسودات کے آپس میں اختلافات و تحریفات تو در کنار' ایسی بھی مثالیں ہیں کہ ایک انتہائی قابل اعتماد اور قابل احترام سمجھے جانے والے مسودے میں دلیرانہ تبدیلیاں کی گئیں- مثلاً گزشتہ باب میں مذکور وطیقانی نسخہ (Codex Vaticanus) کی ۱۹۶۵ء میں جب ہو بہو نقل (facsimile reproduction) چھاپی گئی تو اس کے فاضل مدیروں نے ایک نوٹ میں اعتراف کیا:

> The different hands that corrected and annotated the manuscripts over the centuries have not yet been definitely discerned.
>
> "جن مختلف کاتبوں نے کئی صدیوں کے عرصہ میں (اس مسودہ میں) تصحیحات کی ہیں اور نوٹ بڑھائے ہیں' ان کا یقینی طور پر پتہ نہیں سکا-" (۲۳۰)

اسی طرح ایک دوسرے معروف نسخہ بیزائی میں متی کا بیان کردہ مسیح کا نسب نامہ انجیل متی کی بجائے انجیل لوقا کا حصہ بنا کر پیش کیا گیا ہے' اور اس میں کئی تبدیلیاں ہیں- نیز وطیقانی نسخہ میں "ملحد" و یہود دشمن مرقیون (Marcion) کے زیر اثر بھی بعض تحریفات موجود ہیں- مثلاً رومیوں کے نام پولس کے خط (۱۶:۱) کی عبارت "وہ ہر ایک ایمان لانے والے کے واسطے پہلے یہودی پھر یونانی کے واسطے نجات کے لئے خدا کی قدرت ہے-" سے لفظ 'پہلے' حذف کر دیا گیا ہے' تاکہ یہودیوں کی یونانیوں پر اولیت و تقدم کا تاثر کم ہو سکے۔ (۲۳۱)

۲۲۹۔ پروٹسٹنٹ اردو بائبل' ص-۹' ۸۶؛ کیتھولک اردو بائبل' ص-۱۰

230,231. M.Bucaille: op.cit., pp.92,93;

A Companion to the Bible, p.153.

۵- دانستہ معنوی تبدیلیاں

بائبل کے عہد جدید کے موجودہ نسخوں میں قدیم نسخوں کے بعض الفاظ دانستہ اور عمداً تبدیل کر کے مروجہ عقائد و نظریات کو تقویت دینے کی کوشش کی گئی ہے- اس کی چند مثالیں یہ ہیں:

(۱) اچھا یا نیک: انجیل متی کے مطابق ایک شخص نے مسیح سے پوچھا: "میں کونسی نیکی کروں تاکہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں" مسیح کا جواب 'عہد جدید کے پرانے تراجم کی رو سے' یہ تھا: "تو کیوں مجھے اچھا کہتا ہے---" (پوچھنے والے نے "اے اچھے استاد" یا "اے نیک استاد" کہہ کر مسیح کو مخاطب کیا تھا)-[۲۳۲] مگر جدید تراجم میں اس آیت کو مسیح کی انکساری پر محمول کرتے ہوئے (جو ان کے شایان شان نہیں سمجھی گئی) اس طرح بدل دیا گیا ہے: "تو مجھ سے نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے؟"[۲۳۳]

(۲) قیامت کا علم: انجیل متی و مرقس کے مطابق قیامت کے بارے میں مسیح نے کہا: "لیکن اس دن یا اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا- نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا 'مگر باپ"[۲۳۴] مسیح کے علم کی یہ تحدید بھی بعض مسودہ نویسوں اور ترجمہ نگاروں کو پسند نہیں آئی- چنانچہ انجیل متی کے بعض قدیم مسودوں میں "نہ بیٹا" کے الفاظ حذف کر دئیے گئے ہیں-[۲۳۵] اور جدید کیتھولک ترجمہ میں انہی مسودوں کے پیش نظر متی کی عبارت یوں ہے: "لیکن اس دن اور اس گھڑی کو کوئی نہیں جانتا آسمان کے فرشتے بھی نہیں 'مگر فقط باپ"

۲۳۲- خزانۃ الاسرار (تفسیر متی مع متن)' ص ۳۳۵-۳۳۶ (متی ۱۹:۱۷)-

233. George D' oyly: New Testament with Explanatory Notes, London, 1838, (Mt. 19:17)

۲۳۴- کیتھولک انگریزی بائبل' ص-۱۹؛ پروٹسٹنٹ اردو بائبل' ص-۲۳؛ کیتھولک بائبل' ص-۲۹

۲۳۵- مرقس ۱۳:۳۲' متی ۲۴:۳۶

جبکہ مرقس کی عبارت کی اس ترجمہ میں ایک نوٹ لکھ کر اس طرح معنوی تحریف کی گئی ہے کہ مسیح بحیثیت خدا تو ہر بات جانتے ہیں مگر "ہمارے استاد کی حیثیت میں وہ دن نہیں جانتا کیونکہ اس وقت ہم پر ظاہر کرنا موزوں نہیں۔" (۲۳۶)

(۳) احکام یا روایت؟ پولس اپنے ایک خط میں لکھتا ہے: "پس اے بھائیو ثابت قدم رہو اور جن روایتوں کی تم نے ہماری زبانی یا خط کے ذریعہ سے تعلیم پائی ہے ان پر قائم رہو۔" (۲۳۷)

قدیم تراجم میں روایتوں (traditions) کی جگہ احکام (ordinances) کا لفظ تھا۔ مگر احکام شریعت کی اہمیت گھٹانے کی مہم کے سلسلہ میں اس لفظ کو اب بدل دیا گیا ہے۔ (۲۳۸)

(۴) آدمی اور خدا کا بیٹا: بائبل کے مختلف نسخوں کے باہمی اختلافات کی جو مثالیں ہم نے گزشتہ باب میں دی تھیں، ان میں سے بعض بھی ارادی تحریفات کے ضمن میں آتی ہیں۔ مثلاً رومی حاکم پیلاطس نے مسیح کے بارے میں کہا: "میں اس راست باز آدمی کے خون سے بری ہوں۔" مگر بعض نسخوں میں "راست باز آدمی" کے الفاظ حذف کر کے مسیح کی بشریت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی طرح ان کے مبینہ طور پر صلیب پا جانے کے بعد بعض "ہیبت ناک" نشانیاں دیکھ کر صوبہ دار وغیرہ بعض لوگوں کا مبینہ قول "بے شک یہ خدا کا بیٹا تھا" محرف ہے۔ (۲۳۹)

(۵) محرف سجدہ: انجیل لوقا کا یہ بیان کہ مسیح کے "جی اٹھنے" کے بعد اور آسمان پر

۲۳۶۔ تفسیر پیک، ص۔ ۷۰۲۔ تفسیر ڈملو، ص۔ ۷۳۷ میں حذف کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ یہ الفاظ "ایمانی مشکل" (difficulty to faith) پیدا کرتے ہیں، اس لئے یہ قابل حذف ہیں!

۲۳۷۔ ۲۔ تھسلنیکیوں ۲:۱۵

238. J.R. Dore: Old Bibles, London, 1876, p.96.

239. Encyclopaedia Biblica, c.4701.

اٹھائے جانے سے پہلے ان کے شاگردوں نے انہیں سجدہ کیا' اس امر کے ثبوت میں پیش کیا جاتا رہا کہ شاگرد مسیح کو الوہیت کا مقام دیتے تھے- مگر جدید تحقیق کے مطابق "اور وہ اس کو سجدہ کر کے بڑی خوشی سے یروشلم کو لوٹ گئے" بائبل کے کئی قدیم اور مستند نسخوں میں موجود نہیں- چنانچہ ان الفاظ کے متعلق بائبل کی ایک جدید اور ضخیم تفسیر میں لکھا ہے:

Omitted by Codex Bezae and its allies, and probably an interpolation.

(یہ الفاظ) نسخہ بیزائی اور اس کے متعلقہ نسخوں میں موجود نہیں' اور غالباً الحاقی ہیں-" (۲۴۰)

۶- 'عہد جدید' کی بعض اہم اور مسلمہ تحریفات

بائبل کے عہد جدید کی جن تحریفات کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے' ان میں سے متعدد تحریفات کے وجود کو بعض مسیحی فاضلین نے تسلیم کیا ہے' اور اس سلسلہ میں ہم نے ان کے کچھ اعترافات بھی نقل کئے ہیں- لیکن اب ہم ایسے مقامات کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں جو بائبل کے اکثر جدید نقادوں اور منصف محققین کے نزدیک تقریباً متفقہ طور پر محرف ہیں یا محرف رہے ہیں۔ یعنی وہ صدیوں تک عہد جدید کا حصہ سمجھے جاتے رہے' مگر اب انہیں الحاقی اور محرف قرار دے کر بائبل سے نکالا جا رہا ہے- ان میں بائبل کی وہ اہم عبارتیں بھی شامل ہیں جن پر مروجہ عیسائیت کے بنیادی عقائد و رسوم کا دارومدار ہے-

شاہ جیمز کا نسخہ اور نظر ثانی شدہ نسخہ

'عہد جدید' کے شاہ جیمز والے اور اس سے پرانے نسخوں میں موجود بہت سے (پچاس سے زائد) مقامات کے بارے میں بائبل کے "نظر ثانی شدہ مستند نسخہ" (Revised Standard Version) نے تصریح کی ہے کہ وہ الحاقی اور تبدیل شدہ تھے- ان مقامات میں سے بعض کی مثالیں دینے سے پہلے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ مذکورہ نسخوں کا تعارف کرا دیں-

240. The Interpreter's Bible (New York, 1952), vol.8, p.434.

انگلستان میں ۱۶۱۱ء میں شائع ہونے والے مستند نسخہ (Authorised Version) جسے شاہ جیمز کا نسخہ (King James' Version) بھی کہا جاتا ہے' کو تدوین و تصحیح بائبل کی تاریخ میں اہم مقام حاصل ہے۔ مگر انیسویں صدی کے آخر میں منعقد ہونے والی ایک مسیحی کانفرنس نے محسوس کیا کہ جدید تحقیقات کی روشنی میں اس نسخہ پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ ادھر امریکہ میں بھی اس ضرورت کو محسوس کیا گیا' اور ۱۹۰۱ء میں امریکی مستند نسخہ (American Standard Version) شائع ہوا۔ تاہم مزید تحقیقات اور آثار قدیمہ کی کھدائیوں سے سامنے آنے والے حقائق کی وجہ سے ۱۹۳۷ میں اس مستند نسخہ میں مزید تحقیق اور ترمیم کی ضرورت سامنے آئی۔ چنانچہ ۱۹۴۶ میں عہد جدید اور ۱۹۵۲ء میں پوری بائبل کا نظر ثانی شدہ مستند نسخہ "آر-ایس-وی" (Revised Standard Version) شائع ہوا' جس کو مزید نظر ثانی اور کچھ تبدیلی کے بعد ۱۹۶۶ء میں کیتھولک عیسائیوں نے بھی قبول کر لیا۔(۲۴۱)

اس نسخہ میں مذکورہ پچاس سے زائد الحاقی و محرف مقامات کی فہرست دی گئی ہے۔ تاہم ان میں سے بعض کیتھولک ایڈیشن میں (اختلافی نوٹ لکھ کر) بحال کر دیئے گئے ہیں۔(۲۴۲) گویا مذکورہ نسخہ کے پروٹسٹنٹ ایڈیشن سے نکالی جانے والی آیات کی تعداد کیتھولک ایڈیشن کی نسبت زیادہ ہے' اور بعض آیات کے محرف اور نکالے جانے کے قابل ہونے کے متعلق ان دونوں ایڈیشنوں میں اختلاف ہے۔ اب یہ پتہ نہیں کہ 'روح القدس' اور 'الہام ربانی' کی تائید سابقہ نسخوں کو حاصل تھی یا موجودہ نظر ثانی نسخہ کو' یا اس کے کیتھولک ایڈیشن کو! بہرحال ہم ذیل میں ان مقامات کی کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں جو نظر ثانی شدہ نسخہ کے مطابق (یا بعض دیگر محققین کی صراحت کے مطابق) محرف اور الحاقی ہیں۔

(۱) زناکار یا نیک؟ "میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی

---

241. The Catholic Bible (R.S.V.) p.v.

242. Ibid., p.254-259.

اور سبب سے چھوڑ بیٹھے اور دوسری سے بیاہ کرے' وہ زنا کرتا ہے اور وہ جو کوئی چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ بھی زنا کرتا ہے۔"[۲۴۳] خط کشیدہ الفاظ نظر ثانی شدہ نسخہ (آر-ایس-وی) سے الحاقی قرار دے کر حذف کر دیئے گئے ہیں (تاہم کیتھولک ایڈیشن میں پھر بحال کر دیئے گئے ہیں)۔ گویا مطلقہ عورت (جسے حرام کاری کے علاوہ کسی اور وجہ سے طلاق ملی ہو) سے شادی کرنے والا پرانے نسخوں کے مطابق زناکار ہے' مگر نظر ثانی نسخہ کے مطابق ایسا نہیں!

(۲) پتھر: "اور جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا لیکن جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا۔"[۲۴۴] مسیح کے بارے میں یہ تمثیل بھی نظر ثانی شدہ نسخہ میں الحاقی قرار دی گئی ہے۔

(۳) دولت پر بھروسہ: "جو لوگ دولت پر بھروسہ کرتے ہیں' ان کے لئے خدا کی بادشاہت میں داخل ہونا کیا ہی مشکل ہے!"[۲۴۵] خط کشیدہ الفاظ آر-ایس-وی کے مطابق الحاقی ہیں۔

(۴) معافی: "اور اگر تم معاف نہ کرو گے تو تمہارا باپ جو آسمان پر ہے تمہارے گناہ بھی معاف نہ کرے گا۔"[۲۴۶] آر-ایس-وی سے پوری آیت حذف کر دی گئی ہے۔ باقی جدید نسخوں میں اس کے گرد خطوط وحدانی ڈال کر اسے "زیر غور" رکھا گیا ہے۔

(۵) مرغ کی بانگ: "اس (پطرس) نے مسیح کو پہچاننے سے انکار کیا--- پھر وہ باہر ڈیوڑھی میں گیا اور مرغ نے بانگ دی۔" آخری الفاظ حذف کر دیئے گئے ہیں' کیونکہ پطرس کے انکار اور مرغ کی بانگ کی تعداد میں اختلاف و تضاد تھا' جیسا کہ ہم اسی باب کے حوالہ نمبر ۹۹ میں واضح کر چکے ہیں۔

۲۴۳۔ متی ۱۹ : ۹

۲۴۴۔ متی ۲۱ : ۴۴

۲۴۵۔ مرقس ۱۰: ۲۴

۲۴۶۔ ایضاً ۱۱ : ۲۶- پروٹسٹنٹ اردو بائبل' ص-۴۶

(۶) بدکاروں میں گنتی: "تب اس مضمون کا وہ نوشتہ کہ وہ بدکاروں میں گنا گیا' پورا ہوا-" یہ آیت بھی آر۔ ایس۔ وی میں محذوف اور دیگر جدید نسخوں میں "زیر غور ہے-"[۲۴۷]

(۷) پوری بائیس آیات: مرقس کی انجیل کا آخری حصہ[۲۴۸] جو بائیس آیات پر مشتمل ہے' آر۔ ایس۔ وی کے مؤلفین اور بہت سے دوسرے محققین کے نزدیک محرف اور الحاقی ہے- یاد رہے مسیحی عقائد کے لحاظ سے یہ حصہ بڑا اہم ہے' کیونکہ اس میں مسیح کے "مرنے کے بعد جی اٹھنے" اور شاگردوں وغیرہ کو نظر آنے کے واقعات مذکور ہیں- اگر اسے الحاقی تسلیم کر لیا جائے تو مسیحیت کی بنیادیں گر جاتی ہیں- مگر مسیحی فاضلین کی اپنی تحقیق یہی کہتی ہے کہ یہ محرف اور الحاقی ہے-[۲۴۹] قدیم نسخوں میں جو آبائے کلیسیا جیروم (Jerome) یوسیبیس (Eusebins) وغیرہ کے زیر استعمال تھے' یہ آیات موجود نہ تھیں بلکہ بعد میں بڑھائی گئیں-[۲۵۰]

(۸) بدن اور خون: پھر اس نے روٹی لی اور شکر کر کے توڑی اور یہ کہہ کر ان کو دی کہ یہ میرا بدن ہے جو تمہارے واسطے دیا جاتا ہے- میری یادگاری کے لئے یہی کیا کرو- اور اسی طرح کھانے کے بعد پیالہ یہ کہہ کر دیا کہ یہ پیالہ میرے اس خون میں نیا عہد ہے جو تمہارے واسطے بہایا جاتا ہے-"[۲۵۱] یہ آیت اور خصوصاً اس کے خط کشیدہ الفاظ مرقس کی انجیل کے مذکورہ بالا آخری حصہ سے بھی بڑھ کر مروجہ مسیحی عقائد اور ایک بنیادی مسیحی رسم اور

۲۴۷۔ مرقس ۱۵ : ۲۸- پروٹسٹنٹ بائبل' ص-۵۰

۲۴۸۔ مرقس ۱۶: ۹-۲۰

249. R.A. Cole: Tyndale's Commentary on Mark, p.257;
Hastings' Dictinoary of the Bible, p.142.
Dummelow's Commentary, p.723-33.

250 Bratton's History of the Bible, p.134.

۲۵۱۔ لوقا ۲۲: ۱۹-۲۰

عبادت "عشائے ربانی" (Lord's Supper) جسے شکرانہ (Eucharist) اور پاک اتحاد (Holy Communion) بھی کہا جاتا ہے' کی اصل اور بنیاد ہیں۔ لیکن آر۔ایس۔وی کے محققین کے مطابق یہ آیت بھی محرف اور الحاقی ہے' لہٰذا انہوں نے اسے اپنے نسخہ سے حذف کر دیا ہے۔ لیکن چونکہ اس حذف سے مروجہ عیسائیت اور اس کی رسوم و عبادات پر کاری ضرب لگتی ہے' اس لئے کیتھولک آر۔ایس۔وی میں اسے بحال کر دیا گیا ہے۔ تاہم اس کے مدیروں نے بھی تسلیم کیا ہے کہ بعض مستند قدیم مسودوں میں یہ آیات موجود نہیں ہیں۔ (۲۵۲)

(۹) وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا! انجیل لوقا کے باب ۲۴ کی درج ذیل آیات' جو مسیحیت کے بنیادی عقائد (مسیح کے مر کر جی اٹھنے' شاگردوں کو نظر آنے اور آسمان پر اٹھائے جانے' اور ان کی الوہیت سے متعلق ہیں) بھی آر۔ایس۔وی کی تحقیق کے مطابق الحاقی ہیں۔

"مگر.... یسوع کی لاش نہ پائی۔" "وہ یہاں نہیں ہے بلکہ جی اٹھا ہے۔" "اس پر پطرس اٹھ کر قبر تک دوڑا گیا اور جھک کر نظر کی اور دیکھا کہ کفن ہی کفن ہے...." "...اور آسمان پر اٹھایا گیا۔" "اور وہ اس کو سجدہ کر کے بڑی خوشی سے یروشلم کو لوٹ گئے۔" (۲۵۳)

کیتھولک آر۔ایس۔وی والوں نے ان آیات سے بھی مذکورہ بالا آیات جیسا سلوک کیا ہے۔ یعنی یہ مان کر کہ کئی قابل اعتماد قدیم نسخوں میں یہ آیات موجود نہیں ہیں' انہیں بحال کر دیا ہے۔ (۲۵۴) حالانکہ بالخصوص آخری دو آیات کے متعلق محققین کہتے ہیں کہ وہ مستند مسودوں میں نہیں ہیں۔ (۲۵۵)

---

252. The Catholic Bible (R.S.V.), p.80, 256.

۲۵۳۔ لوقا ۲۴: ۳' ۶' ۱۲' ۴۰' ۵۱' ۵۲۔

۲۵۴۔ کیتھولک آر۔ایس۔وی' ص۔ ۸۴' ۸۵' ۲۵۶' ۲۵۷۔

255. Dummelow's Commentary, p.769.

(۱۰) مر کر جی اٹھنے والے مسیح ؑ کو دیکھنے والی عورتیں: مسیحؑ کے مبینہ طور پر جی اٹھنے اور اپنی مرید عورتوں اور مردوں کو نظر آنے کے جو واقعات اناجیل میں بیان کئے گئے ہیں' ان میں مبالغہ' کذب بیانی اور تحریف کا اقرار آر۔ایس۔وی کے مرتب فاضلین کے علاوہ کئی دیگر محققین نے بھی کیا ہے۔ مثلاً یروشلم میں مریم نامی دو عورتوں کو مسیح کے ملنے کے واقعہ کے متعلق ایک مستند انسائیکلوپیڈیا کے الفاظ ہیں:

The appearance in Jerusalem to the two women is almost universally given up.

"یروشلم میں (مسیح کے) دو عورتوں پر ظاہر ہونے کا واقعہ اب تقریباً متفقہ طور پر ترک کرنے کے قابل سمجھا جاتا ہے۔" (۲۵۶)

(۱۱) ابن آدم یا خدا کا بیٹا؟ انجیل یوحنا کی بعض آیات میں مسیح کے بارے میں مذکور الفاظ "اکلوتا بیٹا" سے لفظ 'اکلوتا' اور بعض سے "جو آسمان میں ہیں" حذف کر دیئے گئے ہیں۔ اور بعض میں 'خدا کے بیٹے' کی بجائے 'ابن آدم' کے الفاظ لکھ کر تسلیم کیا گیا ہے کہ اول الذکر تحریف پر مبنی تھے۔ (۲۵۷)

(۱۲) زانیہ کا واقعہ: انجیل یوحنا میں مذکور زانیہ عورت کا پورا واقعہ الحاقی قرار دے کر آر۔ایس۔وی سے حذف کر دیا گیا ہے' جبکہ بعض باقی جدید ایڈیشنوں میں "اسے زیر غور" رکھا گیا ہے۔ (۲۵۸)

اس کے بارے میں کئی دوسرے مفسرین و محققین نے بھی لکھا ہے کہ یہ الحاقی ہے۔ مثلاً پیک کی تفسیر میں ہے:

The well-known story of the woman taken in adultery

256. Encyclopaedia Biblica, c.1878.

۲۵۷۔ یوحنا: ۱:۱۴' ۳:۱۳' ۳:۱۶' ۹:۳۵۔

۲۵۸۔ یوحنا ۔ ۸:۱-۱۱' کیتھولک آر۔ایس۔وی' ص-۲۵۷؛ پروٹسٹنٹ اردو بائبل' ص-۹۰'۹۱

has no claim to be regarded as part of the original text of this Gospel.

"زنا میں پکڑی جانے والی عورت کی مشہور کہانی کسی طرح بھی اس انجیل کے اصل مسودہ کا حصہ قرار نہیں دی جاسکتی۔" (۲۵۹)

(۱۳) آخری آیات: اسی طرح اس انجیل کی آخری دو آیات "یہ وہی شاگرد ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے---" بہت سے محققین کی رائے میں الحاقی ہیں۔(۲۶۰) بلکہ بعض فاضلین تو کہتے ہیں کہ انجیل یوحنا کا آخری پورا باب ہی الحاقی ہے اور اصل مسودہ باب ۲۰ پر ختم ہو جاتا تھا۔(۲۶۱)

(۱۴) تثلیث بھی گئی! یوحنا سے منسوب خط کی ایک مشہور عبارت ماضی قریب تک تثلیث کے ایک "عظیم ثبوت" کے طور پر پیش کی جاتی رہی ہے۔ کنگ جیمز بائبل اور اس کے پرانے اردو تراجم میں یہ عبارت اس طرح دی گئی ہے: "تین ہیں جو آسمان پر گواہی دیتے ہیں، باپ اور کلام اور روح القدس۔ اور یہ تینوں ایک ہیں۔ اور تین ہیں جو زمین پر گواہی دیتے ہیں۔ روح اور پانی اور لہو۔ اور یہ تینوں ایک پر متفق ہیں۔" (۲۶۲) لیکن اب محققین کو ماننا پڑا ہے کہ خط کشیدہ الفاظ، جو اس عبارت اور مروجہ مسیحی عقائد کی جان ہیں، قطعی طور پر الحاقی اور محرف ہیں۔ پیک کی تفسیر میں ہے:

---

259. Peake's Commentary, p.765;
R.V.G Tasker: Tyndale Commentary on St. John, London, 1964, p.110.

260. Tasker: op. cit.,pp. 256-257;
B.H. Streeter : The Four Gospels, p. 430.

261. George Barclay: op.cit., p.146.

262. Authorised Version (Gideons), p.1089;
نیا عہد نامہ (بنارس ٹرانسلیشن کمیٹی)، ۱۸۷۸ء، ص ۳۲۸-
(۱- یوحنا ۵:۷-۸)

The words .... are not part of the original text, but are an unauthorised though early interpolation.

"یہ الفاظ..... اصل متن کا حصہ نہیں' بلکہ ایک غیر مستند اضافہ ہیں جو ابتدائی دور ہی میں کیا گیا-"(۲۶۳) تاہم ایک دوسرا مفسر جے۔ آر۔ سکاٹ کہتا ہے کہ یہ اضافہ بہت بعد میں ہوا:

The words .... do not occur in any Gkeek MS, version or quotation, before the Fifteenth century.

"یہ الفاظ پندرھویں صدی سے پہلے کسی یونانی مسودہ' نسخہ یا اقتباس میں نظر نہیں آتے-"

بائبل کے اس مفسر کی تحقیق کے مطابق اس عبارت کو سب سے پہلے' تحریک احیائے علوم کے ایک عالم ایراسمس (Erasmus) نے ایک غیر معروف (obscure) لاطینی مسودہ سے جھجکتے جھجکتے (reluctantly) نقل کیا' اور پھر اسے قبولیت عامہ حاصل ہو گئی-(۲۶۴) تاہم اب اس کا الحاقی ہونا مسلم ہو تا جا رہا ہے' اور بعض جدید نسخوں سے اسے حذف کیا جا چکا ہے-(۲۶۵) البتہ کیتھولک بائبل میں انہیں بحال مگر "زیر غور" رکھا گیا ہے' کہ محرف ہونے کے باوجود ان کے نکالنے سے تثلیث کی رہی سہی عمارت گر جانے کا خطرہ ہے!

(۱۵) تثلیث کے نام پر بپتسمہ بھی جعلی: انجیل متی کی "باپ بیٹے اور روح القدس کے نام سے بپتسمہ" دینے والی آیت (۱۹:۲۸) کے محرف اور جعلی ہونے کے بارے میں وضاحت پہلے ہو چکی ہے- اس ضمن میں باب پنجم میں حاشیہ نمبر ۱۸۲ ملاحظہ فرمائیں-

263. Peake's Commentary, p.920.

264. J.R.W.Scott: The Epistles of John, 1964, p.180.

۲۶۵۔ پروٹسٹنٹ اردو بائبل' ص-۲۳۸؛ کیتھولک اردو بائبل' ص-۳۲۳

بائبل کی کثیر تحریفات ...... نتیجۂ بحث

بائبل میں تحریفات کی اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں،(۲۶۶) مگر ہم انہی پر اکتفا کرتے ہیں- اوپر کی بحث سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ بائبل کے دونوں حصے 'عہد عتیق اور عہد جدید' شروع سے اب تک تحریف 'الحاق' حذف اور اضافہ کے شکار رہے ہیں- نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بعض اہم ترین اور انتہائی بنیادی مسیحی تصورات و عقائد کا جن عبارتوں اور آیات پر دارومدار ہے' ان میں سے بہت سی عبارتیں بھی محرف اور الحاقی ہیں- اور مختلف قدیم و جدید مسودات اور نسخوں میں تقابل 'ان تحریفات کو ختم یا کم کرنے کی بجائے اور گھمبیر بناتا ہے- چنانچہ ایک مسیحی فاضل لکھتا ہے:

Careful comparison of the Bibles published recently with the first and other early versions will show great differences; but by whose authority these changes have been made, no one seems to know.

"حال میں (یہ بات ۱۸۷۶ میں کہی گئی تھی) شائع ہونے والے بائبل کے نسخوں کا اگر پہلے اور ابتدائی نسخوں سے مقابلہ کیا جائے' تو ان میں بہت زیادہ اختلافات ظاہر ہوں گے- لیکن یہ بات کوئی نہیں جانتا کہ یہ تبدیلیاں کس سند اور اختیار کی رو سے کی گئی ہیں-"(۲۶۷)

ان کثیر تبدیلیوں' الحاقات اور تحریفات کا نتیجہ یہ ہے کہ آج بائبل کے کسی حصہ کے

---

(۲۶۶) متقدمین میں سے حافظ ابن حزم نے اس موضوع پر خوبصورت گفتگو فرمائی ہے' جبکہ متاخرین میں سے علامہ رحمت اللہ کیرانوی ("اظہار الحق") نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے-

267. J.R. Dore: op.cit., p.98.

بارے میں پورے وثوق سے کہنا کہ یہ تحریف سے بچا ہوا ہے' بہت مشکل ہو چکا ہے۔ اور یہ رائے بھی ہماری نہیں بلکہ مسیحی فاضلین ہی کی ہے۔ برنارڈ ایلن (Bernard M.Allen) نے درج ذیل تبصرہ اناجیل اربعہ پر کیا تھا' مگر یہی بات عہد عتیق اور بائبل کے دوسرے حصوں پر بھی صادق آتی ہے:

We have, therefore, no security that the narratives and sayings as given in the Gospels necessarily represent what actually happened or what was actually said.

"ہمارے پاس اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ اناجیل میں دیئے ہوئے واقعات و اقوال لازماً وہی کچھ پیش کرتے ہیں جو حقیقت میں واقع ہوا اور جو کہا گیا تھا۔" (۲۶۸)

268. B.M. Allen: op.cit., p.9.

باب نہم

"کتاب مقدس" کی تعلیمات

اس کتاب کے دوسرے باب میں ہم نے بائبل کے حوالے سے مسیحؑ کی وہ تعلیم پیش کی تھی جو دوسرے جلیل القدر انبیاء کی تعلیمات کے عین مطابق ہے- اور اس لحاظ سے اس کے بارے میں گمان کیا جا سکتا ہے کہ شاید وہ بائبل کے ان حصوں میں شامل ہے جو تحریف سے محفوظ رہے ہیں- لیکن انسانی کلام کی بکثرت آمیزش والی تناقضات و تحریفات کی اس پوٹ میں جسے "بائبل" اور "کتاب مقدس" کہا جاتا ہے' ان تحریفات اور انسانی کلام کی آمیزش کے نتیجہ میں بہت سی ایسی باتیں موجود ہیں جو ایک اعلیٰ وارفع مذہب اور اخلاقی نظام کے معیار پر پوری نہیں اترتیں- موجودہ باب میں ہم بائبل کی انہی تعلیمات کے کچھ پہلو پیش کریں گے-

۱- تصور الٰہ

انسان کسی بھی مذہب کا پیروکار ہو' وہ جب خدائے اعلیٰ کے سامنے جھکتا ہے تو اس کا تصور یہ ہوتا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر بشری کمزوریوں سے پاک اور تمام قوتوں کا مالک ہے- تاہم بعض قدیم (primitive) اور مشرکانہ مذاہب میں ایک تو خدائے اعلیٰ کے ساتھ دوسرے چھوٹے معبود تصور کئے جاتے ہیں' اور دوسرے اسے انسان کے مشابہ و مماثل (anthropomorphic) خیال کیا جاتا ہے-[1] تصور الٰہ کے لحاظ سے دنیا کے عظیم مذاہب وہ ہیں جو خدا کی عظمت و تنزیہ کے قائل ہیں اور اسے ایک طرف تمام انسانی

---

1. E.E: Idowu: op.cit. (African Traditional Religion), Introduction.

عوارض سے' اور دوسری طرف جھوٹے معبودوں کی شرکت سے' پاک اور بلند جانتے ہیں- دعویٰ تو عیسائیت کا بھی یہی ہے کہ خدا واحد اور عظیم و برتر ہے- مگر مروجہ عیسائیت کے عقائد اس دعویٰ کی تصدیق نہیں کرتے- عیسائیت نے وحدانیت کے تصور کو تو عقیدہ تثلیث سے ختم کیا' اور جہاں تک خدا کی تنزیہ کا تعلق ہے' بائبل کا تصور الٰہ' عظیم مذاہب سے لگا کھانے کی بجائے کئی لحاظ سے قدیم غیر ترقی یافتہ مذاہب سے قریب تر ہے- اور اس کے تصور الٰہ میں توحید و تنزیہ کا معیار قدیم یونانی بت پرستوں (pagans) کے معیار سے کچھ بہت زیادہ بلند نہیں-[۲] مثالیں ذیل میں ملاحظہ فرمائیں-

(۱) خدا کو آرام کی ضرورت: کتاب پیدائش کے مطابق خدا نے زمین آسمان وغیرہ کی پیدائش کے کام کو ساتویں دن ختم کیا اور پھر "ساتویں دن آرام کیا-"[۳] موجودہ تراجم میں تحریف کر کے ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے:

"اور خدا نے اپنے کام کو جسے وہ کرتا تھا ساتویں دن ختم کیا اور اپنے سارے کام سے جسے وہ کر رہا تھا ساتویں دن فارغ ہوا-" حالانکہ پہلے "ساتویں دن ختم کیا" کہہ کر اسی جملہ میں "ساتویں دن فارغ ہوا" کہنا بے معنی و بے مقصد ہے- درست ترجمہ وہی ہے جو بائبل کے قدیم نسخوں میں کیا گیا ہے اور جو کیتھولک بائبل (انگریزی و اردو) میں اب بھی بحال رکھا گیا ہے'[۴] اور یہ ترجمہ خدا کے بارے میں تھک جانے اور آرام کی ضرورت کا محتاج ہونے کا تصور پیش کرتا ہے-

(۲) ٹھنڈے وقت باغ کی سیر: بائبل کے دیئے ہوئے تصور کے مطابق' خدا آرام کرنے کے علاوہ باغ کی سیر کا بھی عادی ہے: "اور انہوں (آدم و حوا) نے خداوند خدا کی آواز جو ٹھنڈے وقت باغ میں پھرتا تھا' سنی-" نیز وہ قربانیوں کی "راحت انگیز خوشبو" سے بھی

---

2. J.A. Farrar: Paganism And Christianity, Edinborough, 1891, pp 2,3,5.

۳- پیدائش ۲:۲

۴- کیتھولک اردو بائبل' ص-۲؛ انگریزی بائبل (آر-ایس-وی)' ص-۲

لذت اندوز ہوتا ہے۔[5]

(۳) خدا کا پشیمان و ملول ہونا: انسان کی بدی کو دیکھ کر "خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے ملول ہوا اور دل میں غم کیا۔" اسی طرح "خداوند ساؤل کو بنی اسرائیل کا بادشاہ کر کے ملول ہوا"۔ کیونکہ وہ اس کی "پیروی سے پھر گیا تھا۔"[6] یہ نام نہاد آیات' خدا کی طرف غم اور پشیمانی کو منسوب کرنے کے علاوہ بالواسطہ طور پر اس کے علم اور پیش بینی کی نفی کرتی ہیں' اور ظاہر کرتی ہیں کہ اسے آنے والے حالات کا علم نہیں ہوتا۔

(۴) خدا کا 'عروج آدم خاکی' سے سہمنا اور اس کی بے علمی و بے بصری: بائبل کے مطابق' آدم کے ممنوعہ پھل کھانے پر خدا کا ردعمل اور تبصرہ یہ تھا: "اور خداوند خدا نے کہا دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک (یہ بہت سے خداؤں کی طرف اشارہ ہے یا فرشتوں کی طرف' کچھ پتہ نہیں چلتا) کی مانند ہو گیا ہے۔ اب کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنا ہاتھ بڑھائے اور حیات کے درخت سے بھی کچھ لے کر کھائے اور ہمیشہ جیتا رہے۔"[7] گویا خدا نہیں چاہتا کہ انسان نیک و بد کی پہچان کر سکے۔ نیز وہ انسان کی اس صلاحیت اور حیات ابدی کے حصول کی خواہش سے خائف ہے۔

اسی طرح جب بنی آدم (بابل میں) ایک برج بنانے لگے "جس کی چوٹی آسمان تک پہنچے" تو خداوند اسے "دیکھنے کو اترا"[8] اور اس نے کہا: "دیکھو یہ لوگ سب ایک ہیں' اور

۵۔ پیدائش ۳:۸' ۸:۲۱

۶۔ ایضاً ۶:۶؛ ا۔سموئیل ۱۵:۱۱' ۳۵

۷۔ پیدائش ۳ : ۲۲

۸۔ گویا خدا کو کوئی بات معلوم کرنے کے لئے نیچے زمین پر آنا پڑتا ہے۔ سدوم و عمورہ کی بستیوں کے بارے میں بھی لکھا ہے کہ جب ان کا "شور بڑھ گیا تو خداوند نے کہا میں اب جا کر دیکھوں گا کہ کیا انہوں نے سراسر ویسا ہی کیا ہے جیسا شور میرے کان تک پہنچا ہے' اور اگر نہیں کیا تو میں معلوم کر لوں گا۔" دیکھئے: پیدائش ۱۸:۲۰۔۲۱

ان سبھوں کی ایک ہی زبان ہے- وہ جو یہ کرنے لگے ہیں تو اب کچھ بھی جس کا وہ ارادہ کریں' ان سے باقی نہ چھوٹے گا- سو آؤ ہم وہاں جا کر ان کی زبان میں اختلاف ڈالیں تاکہ وہ ایک دوسرے کی بات نہ سمجھ سکیں-"(۹) گویا خدا انسانوں کے اتحاد سے خائف تھا!

(۵) خدا کی انسان سے کشتی: بائبل کے ایک اور بیان کے مطابق' خدا نے ایک رات انسانی روپ میں یعقوب سے کشتی لڑی اور ان پر غالب آنے سے عاجز ہوا- حتیٰ کہ اسے اقرار کرنا پڑا کہ "تو نے خدا اور آدمیوں کے ساتھ زور آزمائی کی اور غالب ہوا-" وہ یعقوب کی خوشامد کرتا رہا کہ "مجھے جانے دے کیونکہ پو پھٹ چلی-" مگر یعقوب نے کہا: "جب تک تو مجھے برکت نہ دے' میں تجھے جانے نہیں دوں گا"- اور اس طرح اس نے زبردستی خدا سے برکت حاصل کی-(۱۰)

(۶) خدا کی عاجزی و ناطاقتی: بائبل کا خدا کمزوروں پر تو غالب آ سکتا ہے' لیکن طاقتوروں پر نہیں- ملاحظہ فرمائیے: "خداوند یہوداہ کے ساتھ تھا- سو اس نے کوہستانیوں کو نکال دیا' پر وادی کے باشندوں کو نہ نکال سکا' کیونکہ ان کے پاس لوہے کے رتھ تھے-"(۱۱) ایسا خدا جو لوہے کے رتھوں والوں پر غالب نہیں آ سکتا' یا اپنے چہیتوں کو ان پر غالب نہیں کر سکتا' اگر کہیں اس کا مقابلہ ٹینکوں اور جہازوں والوں سے ہو جائے' تو نجانے اس کا کیا حشر ہو!

(۷) خدا کی دغابازی: بائبل خدا کی طرف (نعوذ باللہ) دغابازی کی نسبت بھی کرتی ہے- ملاحظہ کیجئے: "تب میں نے کہا افسوس اے خداوند خدا' تو نے ان لوگوں اور یروشلم کو یہ کہہ کر دغا دی کہ تم سلامت رہو گے' حالانکہ تلوار جان تک پہنچ گئی-"(۱۲) اور یہ عجیب

۹- پیدائش ۱۱ : ۱ — ۹

۱۰- ایضاً ۳۲ : ۲۴ — ۳۰

۱۱- قضاۃ ۱ : ۱۹

۱۲- یرمیاہ ۴ : ۱۰

دغا بازی اور سنگین مذاق بھی خدا سے منسوب کیا گیا ہے کہ اس نے خود ہی داؤدؑ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کی گنتی کرے اور خود ہی ان (داؤدؑ) سے ناراض ہو کر انہیں سخت سزا دی- اور سزا بھی وہ جو داؤدؑ تک محدود نہ تھی' بلکہ ایک عام وبا کی شکل میں تھی-(۱۳)

اسی طرح کا سنگین مذاق (بقول بائبل) خدا نے اپنے ایک اور ملہم بلعام بن باعور سے بھی کیا- جب موآبیوں کے بادشاہ نے اسے بنی اسرائیل پر لعنت کرنے کے لئے بلایا اور اس نے خدا سے مشورت کی' تو "خدا نے رات کو بلعام کے پاس آکر اس سے کہا اگر بادشاہ کے آدمی تجھے بلانے کو آئے ہوئے ہیں تو تو اٹھ کر ان کے پاس جا-" مگر جب وہ اس کے حکم کے مطابق چلا "تو اس کے جانے سبب خدا کا غضب بھڑکا-" (۱۴)

(۸) خدا کا نبیوں کے ذریعے دھوکا دینا: بائبل کا ایک بیان یہ بھی ہے کہ خدا نے شاہ اسرائیل اخی اب کو دشمنوں کے ہاتھوں مروانے کی غرض سے' وقت کے "سب نبیوں کے منہ میں جھوٹ بولنے والی روح ڈالی" اور ان میں سے ایک کے سوا سب نے اس کی کامیابی کی جھوٹی پیش گوئی کی' تاکہ وہ فتح کی امید پر میدان جنگ میں جائے اور مارا جائے-(۱۵)

(۹) خدا کی بے وقوفی اور کمزوری: درج ذیل آیت میں بظاہر خدا کی تعریف کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن یہ ایک ایسی تعریف ہے جس میں مذمت کا پہلو زیادہ نمایاں ہے' کیونکہ اس میں خدا سے بے وقوفی اور کمزوری کو منسوب کیا گیا ہے:

"کیونکہ خدا کی بے وقوفی آدمیوں کی حکمت سے زیادہ حکمت والی ہے اور خدا کی کمزوری آدمیوں کے زور سے زیادہ زور آور ہے-" (۱۶)

(۱۰) خدا کی بے جا سختی و بے انصافی: عیسائی اس بات کا فخریہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان

۱۳۔ ۲- سموئیل ۲۴: ۱- ۱۰ (گزشتہ باب میں بھی اس مردم شماری کا ذکر آیا تھا)۔ دیکھئے: حوالہ ۵۱: باب ہشتم-

۱۴۔ گنتی ۲۲: ۲۰- ۲۲

۱۵۔ ا۔ سلاطین ۲۲: ۲۰- ۲۳' ۲' تواریخ ۱۸: ۱۹- ۲۲

۱۶۔ ا- کرنتھیوں ۱: ۲۵

کا خدا محبت اور رحم والا ہے' اور اسی لئے اس نے اپنے "اکلوتے بیٹے" کو قربانی کے لئے پیش کر دیا۔ اس دعویٰ میں مضمر تضاد کو ہم کفارہ کی بحث میں واضح کر چکے ہیں۔ یہاں ہم یہ اضافہ کرنا چاہتے کہ اس دعویٰ کا پہلا حصہ (خدا کا رحیم و کریم ہونا) بھی بائبل سے پورے طور پر ثابت نہیں ہوتا۔ بائبل تو یہ بتاتی ہے کہ خدا نے "پچاس ہزار اور ستر آدمی" صرف اس لئے مار ڈالے کہ انہوں نے "خداوند کے صندوق کے اندر جھانکا تھا۔"[۱۷] ایک اور مقام پر خدا کو "فضل کرنے والا" اور "خدائے رحیم" کہہ کر ساتھ ہی کہا گیا ہے کہ وہ باپ دادا کے گناہ کی سزا ان کے بیٹوں اور پوتوں کو تیسری اور چوتھی پشت تک دیتا ہے۔[۱۸] اور عہد جدید کے بقول مسیح نے بھی ہابیل سے زکریا تک "سب راست بازوں کا خون" اپنے زمانہ کے "ریا کار فقیہوں اور فریسیوں" پر ڈالا۔[۱۹]

(ان بیانات سے بالکل متضاد' بائبل کا ایک اور بیان "جو جان گناہ کرتی ہے وہ ہی مرے گی۔ بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔"[۲۰] کفارہ کی بحث میں مذکور ہو چکا ہے)۔

بائبل کے تصور کے مطابق' خدا کی بے انصافی کی ایک اور مثال یعقوب کے بھائی عیسو سے اس (خدا) کا سلوک ہے۔ بائبل عیسو کے قصور کی نشاندہی کئے بغیر بتاتی ہے کہ خدا نے صرف یعقوب کی محبت میں "عیسو سے عداوت رکھی' اور اس کے پہاڑوں کو ویران کیا اور اس کی میراث بیابان کے گیدڑوں کو دی۔"[۲۱]

خدا کے بارے میں بائبل کے ان گھٹیا اور جاہلانہ تصورات کی جگہ قرآن نے خدا کا اعلیٰ و ارفع تصور پیش کیا ہے۔ جس کے مطابق وہ اکیلا اور واحد ہے' ہر عیب' کمزوری اور احتیاج سے

۱۷۔ ۱۔سموئیل ۶:۱۹

۱۸۔ خروج ۳۴:۶۔۷

۱۹۔ متی ۲۳: ۲۹۔۳۶ ۔'فریسی' کی تشریح کے لئے دیکھئے: حاشیہ نمبر ۵۷' باب ھذا۔

۲۰۔ حزقی ایل ۱۸:۲۰

۲۱۔ ملاکی ۱:۲۔۳

پاک ہے' تمام قوتوں کا مالک ہے' سب پر غالب ہے' رحیم و کریم ہے' اور اس کے کام حکمت و دانائی اور انصاف و راستی پر مبنی ہوتے ہیں۔[۲۲]

۲۔ تصور انبیاء و اکابر

خدا کے تصور کے علاوہ بائبل نے انبیاء اور دینی و قومی بزرگوں (Patriarchs) کا جو تصور پیش کیا ہے' وہ بھی ناقص اور گھٹیا ہے۔ یاد رہے کہ یہودی اور عیسائی ابراہیمؑ' یعقوبؑ' داؤدؑ' اور سلیمانؑ جیسے انبیاء کو انبیا کی بجائے قومی و دینی آباء اور بزرگوں کی حیثیت سے پہچانتے ہیں۔[۲۳] ان بزرگوں اور انبیاء کے بارے میں بائبل' خصوصاً اس کے عہد نامہ قدیم' میں گھناؤنے اور شرمناک واقعات مندرج ہیں اور ان سے انتہائی غیر اخلاقی حرکات منسوب کی گئی ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک ان اکابر کا جو مقام ہے' اس کے پیش نظر ہم ان باتوں کو نقل کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ لیکن احقاق حق کے لئے ضروری ہے کہ عیسائیت اور بائبل کا یہ پہلو بھی قارئین کے سامنے آئے' اور انہیں معلوم ہو کہ تحریف شدہ بائبل کا تصور اکابر اور مروجہ مسیحیت کا معیار اخلاق کیا ہے۔

(ا) انبیاء کے متعلق بنیادی تصور: انبیاء و رسل اور مقدسین کے بارے میں توہین آمیز واقعات کے بیان سے قطع نظر' بائبل کا تصور نبوت ہی بنیادی طور پر ناقص ہے۔ قرآن کے دیئے ہوئے تصور کے مطابق' انبیاء خدا کے خاص طور پر چنے ہوئے' برگزیدہ و قابل عزت' صالح اور انعام یافتہ بندے ہوتے ہیں' جنہیں اللہ انسانوں کی ہدایت کے لئے مقرر

۲۲۔ قرآن ان مضامین سے بھرا پڑا ہے۔ نمونہ کے لئے ملاحظہ فرمائیں: ۲:۱۶۳' ۲:۱۵۵' ۶:۱۲' ۶::۱۷' ۷:۱۷-۱۸' ۱۰:۳۱' ۵۹:۲۲-۲۴' ۱:۶۲' ۱:۶۴' ۱۱۲:۱-۴

23. Davis' Dictionary of the Bible, p. 599.

فرماتا ہے۔[۲۴] مگر بائبل کے عہد جدید میں جا بجا مسیح کے حواریوں اور اولین آبائے کلیسیا ہی کو "رسول" کہا گیا ہے۔ اور یہوداہ اسکریوتی کی جگہ بارہواں "رسول" چننے کے لئے قرعہ اندازی ہوتی ہے۔ عہد قدیم میں تو نبی کا تصور اس سے بھی عجیب تر ہے۔ اس میں عملاً ہر غیب بین اور پیش گوئی کرنے والے کو نبی کہا گیا ہے (حوالہ نمبر ۱۵' مذکورہ بالا)۔ خدا "بری روح" ساؤل پر "زور سے" نازل کرتا ہے اور وہ گھر کے اندر "نبوت کرنے" لگتا ہے۔ پھر ایک اور موقع پر یہی ساؤل ننگا ہو کر 'نبوت' کرنے لگتا ہے۔ ایک اور نبی دوسرے نبی سے یہ کہہ کر کہ "میں بھی تیری طرح نبی ہوں" اسے خداوند کا جھوٹا کلام سناتا ہے' اور دھوکا دے کر مبتلائے معصیت و عذاب کر دیتا ہے۔[۲۶]

(۲) نوح ؑ اور شراب: نوح کو "مرد راست باز" اور اپنے زمانہ کے لوگوں میں "بے عیب" ماننے کے بعد بائبل میں لکھا ہے کہ "اس نے.... مے پی اور اسے نشہ آیا' اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہو گیا۔" حتیٰ کہ ان کے بیٹے حام نے انہیں اس حالت میں دیکھا۔[۲۷]

(۳) لوطؑ اور ان کی بیٹیاں: بائبل کے بیان کے مطابق' لوط کی دو سگی بیٹیوں نے انہیں شراب پلائی' اور پھر باری باری ان سے ہم آغوش ہوئیں (نعوذ باللہ)۔ حتیٰ کہ لوطؑ کی یہ دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں اور ان سے ایک ایک بیٹا پیدا ہوا' جن میں سے ایک "موآبیوں کا باپ" اور دوسرا "بنی عمون کا باپ" تھا۔[۲۸]

اس شرمناک الزام کی حقیقت کی کلید یہ آخری جملہ ہے۔ دراصل موآبیوں اور بنی عمون

۲۴۔ القرآن ۲۲:۷۵ (اللہ یصطفی....)' ۲۱:۲۶ (عباد مکرمون) ۶:۸۵ (کل من الصالحین) ۱۹:۵۸ (انعم اللہ علیھم)۔

۲۵۔ اعمال ۱:۲۱۔۲۶' نیز دیکھئے: متی ۱۰:۲' لوقا ۹۔

۲۶۔ ا۔ سموئیل ۱۸:۱۰' ۱۹:۲۴' ا۔ سلاطین ۱۳:۱۱۔ ۲۶۔

۲۷۔ پیدائش ۶:۹' ۹:۲۰۔ ۲۲

۲۸۔ پیدائش ۱۹:۳۰۔ ۳۸

سے بنی اسرائیل کی عداوت تھی اور ان کی باہم بہت جنگیں ہوتی رہیں۔[۲۹] اس عداوت کے نتیجہ ہی میں انہوں نے ان کے نسب کو بگاڑا اور اس مقصد کے لئے لوطؑ جیسی مقدس ہستی کو بھی معاف نہیں کیا۔

بنات لوطؑ کی مبینہ اخلاق باختگی کی بنیاد ان کے اس مفروضہ پر رکھی گئی ہے کہ سدوم و عمورہ کی بدکار بستیوں کی تباہی کے بعد "زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے۔" حالانکہ جیسے حافظ ابن حزمؒ نے لکھا ہے' بائبل کے اپنے بیان کے مطابق' ابراہیم اپنی اولاد سمیت ان بستیوں کے بالکل قریب رہتے تھے (اور بائبل ہی کے مطابق) انہوں نے ان کی تباہی کا نقشہ ملاحظہ کیا تھا۔[۳۰]

(۴) داؤدؑ پر حیا سوز افترا: گزشتہ باب میں تحریفات کے ضمن میں ہم نے داؤدؑ پر ایک شرمناک افترا کا مختصراً ذکر کیا تھا۔ پورا واقعہ انتہائی گھناؤنا ہے۔ اور کسی دینی و قومی رہنما تو درکنار' ایک عام مذہبی انسان کی شان کے بھی لائق نہیں' چہ جائیکہ اسے داؤدؑ سے منسوب کیا جائے' جو بقول بائبل "خداوند کے دل کے مطابق "یعنی اس کے پسندیدہ بندے (the man after God's own heart) تھے۔[۳۱]

یہ حیا سوز قصہ ایک پورے باب (۳۲) میں بیان کیا گیا ہے۔ یہاں ہم (بادل نخواستہ) اس کا خلاصہ ہی بیان کریں گے۔ بائبل کے بیان کے مطابق' داؤدؑ نے اپنے محل کی چھت سے ایک عورت بت سبع کو نہاتے دیکھا' جو نہایت خوبصورت تھی۔ انہوں نے اسے بلا کر اس

۲۹۔ دیکھئے: استثناء ۲۳: ۳ ـ ۶' نحمیاہ ۱۳: ۱' قضاۃ ۳: ۱۲ ـ ۳۰' ۱۰: ۶' ۹' ۱۸؛
۱۔ سموئیل ۱۱: ۱ ـ ۱۱' ۱۴: ۷ ۴' ۲۔ سموئیل ۸: ۲' ۱۲' ۱۰: ۱ ـ ۱۹' ۱۔ تواریخ ۱۸: ۲' ۱۱؛
۲۔ تواریخ ۲۰: ۱ ـ ۳۰' وغیرہ۔

۳۰۔ ابن حزم' الفصل' ۱: ۴ ۱۳؛ پیدائش ۱۹: ۲۷ ـ ۲۸

۳۱۔ ۱۔ سموئیل ۱۳: ۱۴

۳۲۔ ۲۔ سموئیل' باب۔ ۱۱

سے صحبت کی اور وہ حاملہ ہو گئی- اس کا شوہر اوریاہ محاذ جنگ پر تھا- داؤد نے حمل پر پردہ ڈالنے کے لئے اسے بلا بھیجا- مگر اوریاہ جذبہ جہاد سے اتنا سرشار تھا' کہ اس نے جنگ کے دنوں میں' جبکہ اس کے ساتھی کھلے میدان میں "ڈیرے ڈالے" تھے' گھر جا کر سونا پسند نہ کیا' بلکہ داؤدؑ کے "گھر کے آستانہ" پر رات بسر کی- دوسرے دن داؤدؑ نے پھر کوشش کی کہ وہ گھر جائے- حتیٰ کہ اسے کھلا پلا کر "متوالا" بھی کیا- مگر وہ اپنے گھر نہ گیا- بالآخر داؤدؑ نے اس کے سالار کے نام اسی کے ہاتھ خط بھیجا کہ "اوریاہ کو گھمسان میں سب سے آگے رکھنا' اور تم اس کے پاس سے ہٹ جانا' تاکہ وہ مارا جائے۔" اس طرح دھوکہ سے اوریاہ کو مروا کر داؤد نے نہ صرف ناجائز حمل پر پردہ ڈال دیا' بلکہ اس کی بیوی کو اپنی بیوی بنالیا-

گویا بڑی ڈھٹائی اور بے شرمی سے داؤدؑ پر زنا' دھوکہ اور قتل کے الزمات عائد کئے گئے ہیں- دراصل یہ سب بائبل میں تحریف اور انسانی کلام کی آمیزش کا نتیجہ ہے اور آل داؤدؑ کے مخالفین کی افترا پردازی ہے' جس کی حقیقت ہم پہلے بیان کر چکے ہیں (حوالہ ۱۶۹ تا ۱۷۱' باب ہشتم)-

یاد رہے بائبل اسی بت سبع کو سلیمانؑ کی ماں بھی قرار دیتی ہے-[۴۳]

(۵) آل داؤدؑ کی مبینہ بدکاریاں: بائبل کے بیان کے مطابق' داؤد کا بیٹا امنون بھی عشق اور زناکاری کے مرحلہ سے گزرا' اور اس نے یہ کام اپنی سوتیلی بہن[۴۴] تمر سے کیا- اس نے مقصد بر آری کے لئے فریب اور جھوٹ سے کام لیا' اور دھوکہ سے بہن کو الگ کمرہ میں بلا کر اس سے زبردستی کی- داؤد نے یہ سب سنا' تو "نہایت غصہ ہوا" مگر امنون کو پورے دو سال تک کوئی سزا نہ ملی' یہاں تک کہ داؤد کے ایک دوسرے بیٹے اور تمر کے سگے بھائی ابی سلوم نے دھوکہ سے امنون کو مروا کر اپنی بہن کا بدلہ لے لیا-[۴۵]

۴۳۔ ا۔ سلاطین ۱:۱۱

۴۴۔ - امنون' داؤد کا بیٹا اور تمر ان کی بیٹی تھی' مگر ان کی مائیں مختلف تھیں- دیکھئے: ۲- سموئیل ۳:۲-۳

۴۵۔ ۲۔ سموئیل' باب ۱۳-

(٦) داؤدؑ کا پہلو گرم کرنے کا سامان: داؤدؑ کے بارے میں بائبل کا ایک اور شرمناک بیان ملاحظہ ہو: ''اور داؤد بادشاہ بڈھا اور کہن سال ہوا' اور وہ اسے کپڑے اوڑھاتے پر وہ گرم نہ ہوتا تھا- سو اس کے خادموں نے اس سے کہا ہمارے مالک بادشاہ کے لئے ایک جوان کنواری ڈھونڈی جائے' جو بادشاہ کے حضور کھڑی رہے اور اس کی خبر گیری رکھا کرے اور تیرے پہلو میں لیٹ رہا کرے' تاکہ ہمارے مالک بادشاہ کو گرمی پہنچے-'' چنانچہ اس تجویز پر عمل ہوا اور ''ساری مملکت'' میں سے تلاش کر کے ایک خوبصورت اور شکیل لڑکی بادشاہ کی خدمت اور خبر گیری کے لئے لائی گئی-[٣٦]

(٧) سلیمانؑ پر شرک کا الزام: اس الزام و افترا کا ذکر بھی ہم نے گزشتہ باب میں اختصار کے ساتھ کیا تھا- بائبل کے مطابق اس کی تفصیل یہ ہے: ''اور سلیمان بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی (دوسری قوموں کی) عورتوں سے.... محبت کرنے لگا.... اور اس کے پاس سات سو شہزادیاں' اس کی بیویاں اور تین سو حرمیں تھیں- اور اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر لیا' اور اس کا دل خداوند خدا کے ساتھ کامل نہ رہا' جیسا کہ اس کے باپ داؤد کا دل تھا.... اور سلیمان نے خداوند کے آگے بدی کی' اور اس نے خداوند کی پوری پیروی نہ کی' جیسی اس کے باپ داؤد نے کی تھی-''[٣٧]

بائبل کے اس حصہ کے مصنف نے داؤد پر 'مہربانی' کرتے ہوئے انہیں خداوند کی پوری پیروی کرنے والا اور ان کے دل کو 'خداوند اپنے خدا سے کامل' قرار دیا ہے' لیکن سلیمان پر بت پرستی یا کم از کم بت پرستی کی سرپرستی کا الزام لگایا ہے-[٣٨] اور یہ الزام اس

٣٦- ا- سلاطین ١:١-٤

٣٧- ایضاً ١١:١-٦

٣٨- ایضاً ١١:٧-٨

ہارونؑ پر بھی بچھڑے کی شکل میں جھوٹا معبود بنا کر دینے کا الزام لگایا گیا ہے- دیکھئے: خروج ٣٢:١-٦

ہستی پر لگایا ہے، جس کے بارے میں بائبل کے اپنے بیان کے مطابق، خداوند نے کہا تھا: "میں اس کا باپ ہوں گا اور وہ میرا بیٹا ہو گا۔" (۳۹)

(۸) مقدس رشتوں کی توہین: جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، بائبل کے بیان کے مطابق، امنون بن داؤد نے اپنی سوتیلی بہن تمر سے زبردستی کی۔ مگر بائبل نے سوتیلی بہن کے رشتہ کو نکاح کے لحاظ سے بھی محترم و مقدس نہیں رہنے دیا۔ چنانچہ ابراہیمؑ جیسے دینی و قومی رہنما کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی بیوی سارہ ان کی بہن یعنی ان کے باپ کی بیٹی تھی۔ اسی طرح پھوپھی کے رشتہ کی حرمت توڑتے ہوئے لکھا ہے:

> "اور عمرام نے اپنے باپ کی بہن یوکبد سے بیاہ کیا۔ اس عورت کے اس سے ہارون اور موسیٰ پیدا ہوئے۔" (۴۰)

پھر خسر اور بہو کے رشتہ کے تقدس کو توڑتے ہوئے ایک طویل قصہ میں بتایا گیا ہے کہ یعقوبؑ کے بیٹے یہوداہ کی بہو (اس کا نام بھی تمر تھا) نے ایک کسبی کے بھیس میں اپنے خسر یہوداہ سے مباشرت کرائی، حاملہ ہوئی اور توام بچوں کو جنم دیا۔ اسے غصہ اس بات کا تھا کہ اس کے خاوند کی وفات کے بعد اس کے بھائی نے اسے بیوی بنایا، مگر اولاد نہ ہونے دی۔ اس دوسرے بھائی کے مرنے کے بعد خسر نے اپنے تیسرے بیٹے کے بالغ ہونے پر اس کے ساتھ اس عورت کی شادی کرنے کا وعدہ کیا، مگر اسے پورا نہ کیا۔ چنانچہ اس نے خسر سے زنا کا طے شدہ معاوضہ (بکری کا بچہ) ملنے تک، اس کی مہر اور بازو بند وغیرہ رہن رکھ کر اسے اپنے ساتھ مباشرت کرنے دی۔ پھر جب یہوداہ کو معلوم ہوا کہ اس کی بہو کو 'چھنالے کا حمل' ہے تو اس نے بطور سزا اسے جلانا چاہا۔ مگر تمر نے بازو بند وغیرہ بھیج کر کہا کہ مجھے جس آدمی کا حمل ہے، اس کی نشانیاں یہ ہیں۔ اس پر جناب یہوداہ اسے جلانے سے باز آ گئے! (۴۱)

۳۹۔ ۱۔ تواریخ ۱۷:۱۳

۴۰۔ پیدائش ۲۰:۱۲، خروج ۶:۲۰

۴۱۔ پیدائش ۳۸:۶ - ۳۰

علاوہ بریں بائبل کے بیان کے مطابق 'یعقوب کے بیٹے روبن نے "اپنے باپ کی حرم بلہاہ سے مباشرت کی" اور داؤد کا بیٹا ابی سلوم ایک تنبو کھڑا کر کے "سب بنی اسرائیل کے سامنے اپنے باپ کی حرموں کے پاس گیا۔" (۴۲)

(۹) سمسون اور یعقوبؑ کے معاشقے: بائبل کے ایک اور ہیرو سمسون کے معاشقوں اور شب بسریوں کی کیفیات بھی تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔ (۴۳) اور یعقوبؑ کو اپنی ماموں زاد راخل پر فریفتہ اور اس سے شادی کے لئے پاپڑ بیلتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ (۴۴)

(۱۰) استحصال اور دغا بازی: بائبل اپنے اکابر اور انبیاء کو نہ صرف بدکار' مشرک اور نافرمان ظاہر کرتی ہے' بلکہ انہیں استحصال پسند اور دغاباز بھی بتلاتی ہے۔ ایک طویل قصہ میں بتایا گیا ہے کہ اسحاق کے پہلوٹھے بیٹے ہونے کے لحاظ سے خصوصی حقوق عیسو کو حاصل تھے۔ مگر ان کے چھوٹے توام بھائی یعقوب نے ایک موقع پر جبکہ عیسو بھوکے تھے' انہیں دال کھلانے کی یہ شرط عائد کی کہ وہ پہلے اپنا پہلوٹھے کا حق انہیں (یعقوب کو) دے دیں۔ اس طرح معمولی دال کے بدلہ ایک بھوکے بھائی کا استحصال کیا۔ اور پھر جب ان کے باپ اسحاق نابینا ہو گئے' تو اپنی ماں کے ساتھ مل کر دھوکے سے خود کو عیسو ظاہر کیا' تاکہ ان سے برکت حاصل کر سکیں۔ اور یوں دھوکہ پر مبنی 'برکت' انہیں مل گئی۔ (۴۵)

۳۔ بائبل کی فحش نگاری

اکابر اور انبیاء کے متعلق مندرجہ بالا مزعومہ واقعات خوب نمک مرچ لگا کر اور غیر ضروری تفصیلات سمیت لکھے گئے ہیں۔ اور یہ مثالیں بائبل کو کسی طرح بھی ایک اعلیٰ مذہبی و

۴۲۔ پیدائش ۳۵:۲۲' ۲۔ سموئیل ۱۶: ۲۲

۴۳۔ قضاۃ' باب ۱۶۔

۴۴۔ پیدائش ۲۹: ۱۰۔۳۰

۴۵۔ پیدائش ۲۵:۲۹۔۳۴' ۲۷: ۶ اومابعد۔

اخلاقی کتاب ثابت نہیں کرتیں' بلکہ صاف طور پر فحش نگاری کی ذیل میں آتی ہیں- مگر بائبل کی فحش نگاری ان مثالوں تک ہی محدود نہیں- اس کے کئی دیگر واقعات' تمثیلیں اور مذہبی گیت انتہائی فحش ہیں- اس سلسلہ میں کچھ اور مثالیں ذیل میں پیش کی گئی ہیں۔

ا:- ایک جگہ اسرائیل پر خدا کی مہربانی اور اس کے مقابلہ میں اسرائیل کی بے وفائی کو ایک بے وفا عورت کی تمثیل کی صورت میں بیان کیا گیا ہے- تمثیل بذات خود بری اور قابل اعتراض نہیں- لیکن اس کے اظہار کے لئے طرز بیان اور الفاظ کا چناؤ ایسا ہے جو ایک مذہبی کتاب کے شایان شان نہیں' اور واضح طور پر فحش نگاری کی حدود کو چھوتا ہے- مثلاً:

"سو تو بڑھی اور بالغ ہوئی' اور کمال و جمال تک پہنچی- تیری چھاتیاں اٹھیں اور تیری زلفیں بڑھیں--- کیا دیکھتا ہوں کہ تو عشق انگیز عمر کو پہنچ گئی ہے-"(۴۶)

ان جملوں میں ان الفاظ کی ضرورت نہ تھی- وہ تمثیل و بیان میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے' بلکہ صرف لذت انگیزی کے لئے زیادہ کئے گئے ہیں-

۲:- اسی طرح یہود کی دو سلطنتوں اسرائیل اور یہوداہ کی خدا سے بغاوت اور مشرک قوموں اور شرک کی طرف ان کی رغبت کے بیان کے لئے' دو بدکار بہنوں کی تمثیل لکھی گئی ہے- یہاں بھی بنیادی طور پر ایسی تمثیل اتنی قابل اعتراض نہیں- لیکن اس کے لئے جو زبان اور الفاظ منتخب کئے گئے ہیں' یقیناً ان سے احتراز کرتے ہوئے بھی بات کہی جا سکتی تھی:

"دو عورتیں ایک ہی ماں کی بیٹیاں تھیں- انہوں نے مصر میں بدکاری کی- وہ اپنی جوانی میں بدکار بنیں- وہاں ان کی چھاتیاں ملی گئیں اور وہیں ان کی دوشیزگی کے پستان مسلے گئے-"

یہاں بھی پہلے دو تین جملے کافی تھے- آخری جملہ بے مقصد فحش نگاری کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتا- مگر.... آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا:

۴۶- حزقی ایل ۱۶: ۷-۸

" ان میں بڑی..... اپنے یاروں پر یعنی اسوریوں پر جو ہمسائے تھے' عاشق ہوئی..... اس کی جوانی میں وہ اس سے ہم آغوش ہوئے' اور انہوں نے اس کی دوشیزگی کے پستانوں کو مسلا اور اپنی بدکاری اس پر انڈیل دی.... اور اس کی بہن شہوت پرستی میں اس سے بدتر ہوئی اور اس نے اپنی بہن سے بڑھ کر بدکاری کی.... اہل بابل اس کے پاس آکر عشق کے بستر پر چڑھے' اور انہوں نے اس سے بدکاری کر کے اسے آلودہ کیا اور وہ ان سے ناپاک ہوئی..... وہ..... اپنے یاروں پر مرنے لگی جن کا بدن گدھوں کا سا بدن اور جن کا انزال گھوڑوں کا سا انزال تھا- اس طرح تو نے اپنی جوانی کی شہوت پرستی کو جبکہ مصری تیری جوانی کے سبب سے تیرے پستان ملتے تھے' پھر یاد کیا-"[۴۷]

۳:- بائبل کی کتاب 'غزل الغزلات' کی نظمیں اور گیت سلیمانؑ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں- اور عیسائیوں کے بقول' خدا اور اسرائیل' یا مسیح اور کلیسیا' یا کنواری مریم اور خدا کے "ناقابل بیان وصال" کو ظاہر کرتے ہیں-[۴۸] اس "عقد روحانی" کے لئے جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ان کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

"وہ اپنے منہ کے چوموں سے مجھے چومے' کیونکہ تیرا عشق مے سے بہتر ہے-"

"تیرے گال مسلسل زلفوں میں خوشنما ہیں......"

"میرا محبوب میرے لئے دستہ مر ہے' جو رات میری چھاتیوں کے درمیان پڑا رہتا ہے-"

"اس کا بایاں ہاتھ میرے سر کے نیچے ہے اور اس کا داہنا ہاتھ مجھے گلے لگاتا ہے....."

"میں نے رات کو اپنے پلنگ پر اسے ڈھونڈا جو میری جان کا پیارا ہے- میں نے اسے ڈھونڈا پر نہ پایا.... میری جان کا پیارا مجھے مل گیا- میں نے اسے پکڑ رکھا اور اسے نہ چھوڑا- جب تک کہ میں اسے اپنی ماں کے گھر میں اور اپنی والدہ کے خلوت خانہ میں نہ لے گئی-"

۴۷۔ ایضاً ۲۳: ۲ — ۲۱

یہ زبان واقعی اس خدا کے "شایان شان" ہے جو خود بھی "صیون کی بیٹیوں کے بدن" اور پرانے تراجم کے مطابق "پوشیدہ حصے" (secret parts) بے پردہ کرتا ہے- دیکھئے: یسعیاہ ۳ : ۱۷۔

۴۸۔ کیتھولک اردو بائبل' ص- ۸۳۸

”دیکھ تو خوبرو ہے اے میری پیاری! دیکھ تو خوب صورت ہے۔ تیری آنکھیں تیرے نقاب کے نیچے دو کبوتر ہیں۔ تیرے ہونٹ قرمزی ڈورے ہیں۔ تیرا منہ دلفریب ہے۔ تیری دونوں چھاتیاں دو توام آہو بچے ہیں جو سوسنوں میں چرتے ہیں.... اے میری پیاری' میری زوجہ! تو نے میرا دل لوٹ لیا.... اے میری زوجہ! تیرے ہونٹوں سے شہد ٹپکتا ہے۔ شہد و شیر تیری زبان تلے ہیں۔“

”تیری رانوں کی گولائی' ان زیوروں کی مانند ہے جن کو کسی استاد کاریگر نے بنایا ہو۔ تیری ناف گول پیالہ ہے جس میں ملائی ہوئی مے کی کمی نہیں۔ تیرا پیٹ گیہوں کا انبار ہے جس کے گرداگرد سوسن ہوں۔ تیری دونوں چھاتیاں دو آہو بچے ہیں جو توام پیدا ہوئے ہوں۔ تیری گردن ہاتھی دانت کا برج ہے...... اے محبوبہ! عیش و عشرت کے لئے تو کتنی جمیلہ و جاں فزا ہے۔ یہ تیری قامت کھجور کی مانند ہے اور تیری چھاتیاں انگور کے گچھے ہیں...... میں نے کہا میں اس کی کھجور پر چڑھوں گا اور اس کی شاخوں کو پکڑوں گا۔“

”ہماری ایک چھوٹی بہن ہے۔ ابھی اس کی چھاتیاں نہیں اٹھیں...... میں دیوار ہوں اور میری چھاتیاں برج ہیں۔“ (۴۹)

بہت سے عیسائی فاضلین اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ ان آیات میں نہ کوئی سبق ہے نہ تمثیل۔ ایک فاضل کے بقول:

We cannot imgagine a prophet or religious poet using this sensuous imagery in detail to express such relation.

”ہم کسی نبی یا مذہبی شاعر کے بارے میں تصور بھی نہیں کر سکتے کہ (وہ خدا اور مریم' یا مسیح اور کلیسیا' یا خدا اور اسرائیل کا پاکیزہ) تعلق ظاہر کرنے کے لئے اس تفصیل کے ساتھ پر شہوت تشبیہات استعمال کرے۔“ (۵۰)

۴۹۔ غزل الغزلات (نشید الاناشید)' ۱:۱' ۱۰' ۱' ۱۳ ۲:۲' ۶' ۳ ۔ ۴' ۴:۱ ۔ ۱۱' ۷ ۱ ۔ ۸' ۸:۸ ۔ ۱۰

50. Peake's Commentary, p.418.

حقیقت میں یہ عام عشق و محبت کے نغمے (love lyrics) ہیں' جو عبرانی یہودیوں کے ایک طبقہ میں گائے جاتے تھے۔[۵۱] اگر بائبل کے مؤلفین نے ان سے واقعی کوئی مذہبی تمثیل مراد لی ہے' تو ماننا پڑے گا کہ ان کا جسمانی لطف اندوزی کا ذوق (sensuality) ان کے مذہبی واخلاقی ذوق پر غالب تھا۔

۴۔ بائبل کے بیان کے مطابق' جب داؤدؑ "خداوند کے (عہد کے) صندوق" کو اپنے نام سے منسوب شہر (یروشلم) میں لے کر آئے' تو خوشی سے خوب ناچے' حتیٰ کہ جو لباس (افود) وہ اس وقت پہنے تھے' اس کی وجہ سے عریاں ہو گئے۔ اس مزعومہ واقعہ پر اسرائیل کے پہلے بادشاہ ساؤل کی بیٹی میکل کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

"ساؤل کی بیٹی میکل داؤد کے استقبال کو نکلی اور کہنے لگی کہ اسرائیل کا بادشاہ (داؤد) آج شاندار معلوم ہوتا تھا' جس نے آج کے دن اپنے ملازموں کی لونڈیوں کے سامنے اپنے آپ کو برہنہ کیا' جیسے کوئی بانکا بے حیائی سے برہنہ ہو جاتا ہے۔"

یاد رہے یہ وہی میکل ہے کہ وہ جب داؤد کی بیوی بنی' تو اس کے باپ نے (جو دراصل داؤدؑ کو مروانا چاہتا تھا) ان سے بیٹی کا مہر یہ طلب کیا تھا کہ وہ بادشاہ کے دشمن فلستیون کے (اعضائے تناسل کی) "سو کھلڑیاں" (foreskins) بطور مہر پیش کریں۔ اور داؤد نے سو کی بجائے دو سو کھلڑیاں پیش کر دی تھیں![۵۲]

۴۔ بائبل کا معیار اخلاق

بائبل کی اخلاقی تعلیم کے معیار کا ان فحش نگاریوں اور گل افشانیوں سے کافی اندازہ ہو سکتا ہے جو اس نے اپنے انبیاء و اکابر کے متعلق کی ہیں۔ اتنے بڑے لوگوں کے بارے میں بدکاری' زنا بالجبر' بہو' بیٹی اور پھوپھی جیسے مقدس رشتوں کی توہین' دھوکہ' قتل' شرک اور بت پرستی کے قصے' غیر ضروری اور گھناؤنی تفصیل کے ساتھ بیان کرنے اور حسن و عشق کے نغمات کو مذہبی گیتوں کا درجہ دینے سے پڑھنے سننے والوں پر کیا اثر پڑتا ہے اور ان کی اخلاقی و عملی اصلاح کہاں تک ہوتی ہے' اس کا اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ

51. Ibid., pp. 418-419.
Bratton's History of the Bible, p.96.

۵۲۔ ۲سموئیل ۶:۱۲۔ ۲۰' ۱۔ سموئیل ۱۸:۲۵۔ ۲۷

بائبل کے عہد جدید میں عیسیٰؑ یا کسی اور شخصیت کی زبانی ان الزامات اور مزعومہ واقعات کی شمہ برابر تردید بھی نہیں ہے۔ بلکہ خود عیسیٰؑ کی جو تصویر پیش کی گئی ہے اس میں اتنی گھناؤنی بداعمالیاں تو نہیں ہیں' تاہم اعلیٰ انسانی اخلاق اور مثالی شخصیت کی جھلک بھی نظر نہیں آتی۔ اس ضمن میں چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) عیسیٰؑ اور ماں کی عزت: عہد عتیق کا فرمان تھا: "تو اپنے باپ اور ماں کی عزت کرنا۔"(۵۳) لیکن بائبل کے بیان کے مطابق عیسیٰؑ ماں سے بے پروائی اور توہین آمیز رویہ اختیار کرتے اور اس طرح اس سے ہمکلام ہوتے ہیں: "اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام؟"(۵۴)

(۲) ساتھیوں اور عام لوگوں سے سخت کلامی: بائبل کے عہد جدید کے مطابق' مسیح علیہ السلام نے زبانی تو یہ تعلیم دی: "میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر غصے ہو گا' وہ عدالت کی سزا کے لائق ہو گا اور جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل کہے گا وہ صدر عدالت کی سزا کے لائق ہو گا۔ اور جو کوئی اسے احمق کہے گا وہ آتش جہنم کا سزاوار ہو گا۔(۵۵)

لیکن (بائبل ہی کے مطابق) جو عملی نمونہ خود انہوں نے پیش کیا' وہ یہ تھا کہ صرف یہ سن کر کہ ان کے شاگرد ایک مرگی زدہ مریض کو شفایاب نہیں کر سکے' ان سے کہا:

> "اے بے اعتقاد اور کجرو نسل' میں کب تک تمہارے ساتھ رہوں گا' کب تک تمہاری برداشت کروں گا۔" (۵۶)

انہوں نے ایک فریسی کے گھر میں بیٹھ کر جس نے مسیح کی دعوت کی تھی' فریسی یہودیوں کو "اے نادانو!" (اور دوسرے مقام پر "اے احمقو اور اندھو") کہہ کر مخاطب کیا۔

۵۳۔ خروج ۲۰:۱۲

۵۴۔ یوحنا ۲:۴

۵۵۔ متی ۵:۲۲

اور ایک موقع پر انہیں "اے سانپ کے بچو "اور" اے سانپو' اے افعی کے بچو" تک کہا۔[۵۷]

(۳) بے جا غصہ: انسان تو انسان' بائبل تو مسیح ؑ کو درخت جیسی بے جان و بے شعور چیز پر غصہ اتارتے اور اسے بد دعا دیتے ہوئے بھی پیش کرتی ہے۔ لکھا ہے کہ ایک دفعہ مسیح کو بھوک لگی۔ "اور وہ دور سے انجیر کا درخت جس میں پتے تھے دیکھ کر گیا کہ شاید اس میں کچھ پائے۔ مگر جب اس کے پاس پہنچا تو پتوں کے سوا کچھ نہ پایا' کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا۔ اس نے اس سے کہا آئندہ کوئی تجھ سے کبھی پھل نہ کھائے۔"[۵۸] درخت بے چارہ بے قصور تھا اور انجیر کا موسم بھی نہ تھا۔ پھر بھی (بقول بائبل) اگر مسیح کو درخت سے پھل نہ مل سکا' تو عام لوگوں کا اس میں قصور کیا تھا' جو اس درخت کے پھل سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیئے گئے؟

(۴) قومی تعصب: بائبل ایک طرف تو یہ بیان کرتی ہے کہ مسیح ؑ نے ایک بد چلن یہودی عورت کو اپنے پاؤں چومنے اور ان پر عطر ڈالنے کی اجازت دے دی' اور دوسری طرف یہ بتاتی ہے کہ جب ایک کنعانی[۵۹] (غیر اسرائیلی) عورت نے اپنی "بد روح" کی ستائی ہوئی بیٹی کے لئے شفا کی درخواست کی' تو انہوں نے کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ پھر اتنا کہنا بھی کافی نہ سمجھتے ہوئے انہوں نے (بقول بائبل) ایک دلخراش تمثیل دیتے ہوئے کہا:

۵۷۔ لوقا ۱۱:۷ ۳ ــ ۴۰' متی ۲۳:۷ا' ۱۲:۳۴' ۲۳:۳۳۔

'فریسی' (لفظی معنیٰ: علیحدہ کیا گیا) عام یہودیوں سے ممتاز ایک فرقہ تھا۔ یہ لوگ روایات اور ظاہر شریعت کی پابندی پر بڑا زور دیتے تھے۔ ان کے برعکس 'صدوقی' یہودی کاہنوں کا وہ فرقہ تھا جو (مسلمہ کتابوں سے باہر کی) روایات سے انکار کرتا تھا۔ دیکھئے: کلام مقدس (کیتھولک اردو بائبل)' صفحہ ص' ض۔

۵۸۔ مرقس ۱۱:۱۲ ــ ۱۴

۵۹۔ مرقس کے مطابق یہ عورت یونانی تھی (۷:۲۶) ایک اور تضاد!

"لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں۔"

یہ الگ بات ہے کہ عورت کی بہتر منطق ("کتے بھی ان ٹکڑوں میں سے کھاتے ہیں جو ان کے مالکوں کی میز پر سے گرتے ہیں۔") سے عاجز آ کر وہ اسے 'شفا دینے' کے لئے رضامند ہو گئے۔(٦٠)

۵- بائبل میں کمزور طبقات کی حیثیت

کسی مذہب کی تعلیم کے اعلیٰ اور مفید ہونے کا ایک معیار یہ بھی ہے کہ اس نے معاشرہ کے کمزور اور مظلوم طبقات کو کن حقوق سے بہرہ ور کیا ہے۔ مثلاً اس میں عورتوں' غلاموں اور غریبوں کے حقوق کیا ہیں۔ بائبل اور عیسائیت کی تعلیم اس اعتبار سے بھی اعلیٰ اور مثالی دکھائی نہیں دیتی۔

(ا) عورت کا مقام

پولس نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے: "مرد عورت کے لئے نہیں' بلکہ عورت مرد کے لئے پیدا ہوئی۔" ایک اور خط میں اس نے لکھا: "اور میں اجازت نہیں دیتا کہ عورت سکھائے یا مرد پر حکم چلائے' بلکہ چپ چاپ رہے۔ کیونکہ پہلے آدم بنایا گیا' اس کے بعد حوا' اور آدم نے فریب نہیں کھایا' بلکہ عورت فریب کھا کر گناہ میں پڑ گئی۔"(٦١) گویا عورت مرد سے چپ چاپ حکم چلوانے کے لئے پیدا ہوئی اور وہ اسے گناہ میں مبتلا کرنے کا ذریعہ ہے۔

عورت کی ناقدری اور اسے بنیادی طور پر ناپاک اور 'شیطان کا پھندہ' سمجھنے ہی کی وجہ سے مسیحیت میں شادی کو زیادہ اچھا نہیں سمجھا گیا' اور اس کی اجازت بس مجبوراً ہی دی گئی ہے۔ چنانچہ اناجیل میں مسیح کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے:

"بعض خوجے ایسے ہیں جو ماں کے پیٹ ہی سے ایسے پیدا ہوئے ہیں۔ اور بعض خوجے

٦٠۔ متی ۱۵: ۲۲ — ۲۸' مرقس ۷: ۲۵ — ۳۰

٦١۔ ا۔ کرنتھیوں ۱۱: ۹' ا۔ تیمتھیس ۲: ۱۲ — ۱۴

ایسے ہیں جن کو آدمیوں نے خوجہ بنایا- اور بعض خوجے ایسے ہیں جنہوں نے آسمان کی بادشاہی کے لیے اپنے آپ کو خوجہ بنایا- جو قبول کر سکتا ہے وہ قبول کرے-"[(۶۲)]

اور پولس نے حرام کاری کے اندیشہ سے شادی کی اجازت دینے کے باوجود کہا:

"مرد کے لئے اچھا ہے کہ عورت کو نہ چھوئے-"

نیز اس نے لکھا: "اگر تیرے پاس بیوی ہے' تو اس سے جدا ہونے کی کوشش نہ کر- اور اگر تیرے بیوی نہیں' تو بیوی تلاش نہ کر... بیاہا ہوا شخص دنیا کی فکر میں رہتا ہے کہ کس طرح اپنی بیوی کو راضی کرے... بیاہی ہوئی عورت دنیا کی فکر میں رہتی ہے کہ کس طرح اپنے شوہر کو راضی کرے... اور اگر کوئی یہ سمجھے کہ میں اپنی اس کنواری لڑکی کی حق تلفی کرتا ہوں جس کی جوانی ڈھل چکی ہے اور ضرورت بھی معلوم ہو' تو اختیار ہے' اس میں گناہ نہیں' وہ اس کا بیاہ ہونے دے- مگر جو اپنے دل میں پختہ ہو اور اس کی کچھ ضرورت نہ ہو' بلکہ اپنے ارادہ کے انجام پر قادر ہو اور دل میں قصد کر لیا ہو کہ میں اپنی لڑکی کو بے نکاح رکھوں گا' وہ اچھا کرتا ہے- پس جو اپنی کنواری لڑکی کو بیاہ دیتا ہے وہ اچھا کرتا ہے' اور جو نہیں بیاہتا وہ اور بھی اچھا کرتا ہے- جب تک کہ عورت کا شوہر جیتا ہے وہ اس کی پابند ہے- پر جب اس کا شوہر مر جائے' تو جس سے چاہے بیاہ کر سکتی ہے.... لیکن جیسی ہے اگر ویسی ہی رہے تو میری رائے میں زیادہ خوش نصیب ہے-"[(۶۳)]

مشہور عیسائی متکلم ایکویناس نے عورت کو غلام سے بدتر قرر دیا' کیونکہ اس کے بقول غلام کی محکومی قدرتی نہیں' جبکہ عورت فطری اور قدرتی طور پر باپ' بیٹے اور خاوند کی محکوم ہے-[(۶۴)] اور معروف مسیحی مفسر و خطیب یوحنا فم الذہب (John Chrysostom) نے عورت کو ایک "خانگی خطرہ" (domestic peril) اور "مصور برائی" (painted evil) سے تعبیر کیا ہے-[(۶۵)]

۶۲_ متی ۱۹:۱۲

۶۳_ ا_کرنتھیوں ۷:۱' ۲' ۳۳-۳۴' ۳۶-۴۰

64. Thomas Acquinas : "Summa Theologica", xxxix, 3.
65. Will Durant : The Story of Civilisation ... The Age of Faith (New York, 1950), p.325.

عورت اور شادی کے بارے میں ان نظریات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابتدائی زمانہ کے بہت سے عیسائی شادی کے باوجود بیویوں کے حقوق کی ادائیگی کو غیر ضروری بلکہ غیر مناسب جاننے گے۔[۶۶] اور بالخصوص ایک عیسائی کے پادری بننے کے بعد یہ بات پہلے پہل اس کی نیکی (act of virtue) اور پھر اس کا فریضہ (act of duty) شمار ہونے لگی کہ (پادری بننے سے پہلے) اگر اس نے شادی کی تھی تو اب اپنی بیوی کے پاس بھی نہ پھٹکے۔[۶۷] اس سلسلہ میں اس طرح کے مضحکہ خیز قوانین بھی بنائے گئے کہ پادری اگر کسی گھریلو مشورہ وغیرہ کے لئے بیوی سے ملنا چاہے 'تو کھلی جگہ اور کم از کم دو گواہوں کی موجودگی ہی میں ملے۔ اور ایک پوپ ہائیلڈ برینڈ (Hildebrand) نے عیسائیوں کو سختی سے حکم دیا کہ وہ شادی شدہ پادریوں کی سمع و طاعت سے دستبردار (withdraw their obedience) ہو جائیں۔[۶۸] ان احکام کے نتیجہ میں مردوں اور پادریوں پر جو زیادتی ہوئی' اس کی تلافی تو انہوں نے ناجائز ذرائع سے کر لی (اس کی تفصیل آئندہ باب میں ملے گی)' مگر عورتوں پر ناقابل تلافی ظلم ہوا:

> Their wives, in immense number, were driven forth with hatred and with scorn; and many crimes and much intolerable suffering followed the disruption.

"ان کی بیویاں بڑی تعداد میں' نفرت و حقارت کے ساتھ نکال دی گئیں' اور اس تفرقہ انگیزی سے بہت سے جرائم اور ناقابل برداشت مصائب پیدا ہوئے۔[۶۹]

ایک دوسرے پوپ اربن دوم (Urban II) نے تو پادریوں سے یہ غیر فطری احکام منوانے کی کوشش میں عورتوں پر ظلم و ستم اور زیادتی کی حد کر دی:

---

66. Hans Leitzmann : The Beginning of the Christian Church (London, 1955), p.135.

67. W.E.H.Lecky : A History of European Morals (London, 1911), vol.2, p.329.

68. Ibid., p.332.

69. H.C.Lea. An Historical Sketch of Sacredotal Celibacy, 1884, p.277.

Pope Urban II gave license to the nobles to reduce to slavery the wives whom priests had obstinately refused to abandon.

"پوپ اربن دوم نے امراء کو اجازت دے دی کہ وہ ان پادریوں کی بیویوں کو اپنا غلام بنا سکتے ہیں جنہیں ان کے خاوندوں نے ضد سے کام لیتے ہوئے چھوڑنے سے انکار کر دیا تھا۔" (۷۰)

عورت اور اس کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات سے نفرت کی اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف قرون وسطیٰ بلکہ ماضی قریب تک بھی عیسائی اقوام میں اس کی کوئی عزت اور سماجی مرتبہ نہ تھا۔ اور خاوند کو اس پر اتنے جابرانہ حقوق حاصل تھے کہ انیسویں صدی کے تقریباً نصف اول تک وہ قانونی طور پر اپنی بیوی ایک جانور کی طرح فروخت بھی کر سکتا تھا۔(۷۱)

بائبل اور مسیحیت کے تضادات میں سے یہ تضاد بھی بڑا عجیب ہے کہ ایک طرف تو تجرد کی تلقین کی گئی ہے' یہاں تک کہ شادی شدہ عیسائی عوام اور بالخصوص پادریوں کو عورت سے اجتناب کا سبق دیا گیا ہے' اور دوسری طرف حکم ہے: "میں تم سے کہتا ہوں کہ جو اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑے اور دوسری سے بیاہ کرے' وہ زنا کرتا ہے۔ اور جو کوئی چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ بھی زنا کرتا ہے۔"

"اور جسے خدا نے جوڑا ہے' اسے آدمی جدا نہ کرے۔"(۷۲) طلاق پر اس غیر ضروری و غیر فطری پابندی نے بھی عورتوں اور مردوں (بالخصوص عورتوں) کے لئے ظلم و زیادتی اور خرابی کی راہیں اسی طرح کھولیں جس طرح عورت اور شادی کے بارے میں بائبل کے رویہ نے کھولی تھیں۔ جب تک مذہب کا دور دورہ رہا (اور رومن کیتھولک عیسائیوں کے نزدیک اب بھی) خاوند ہمیشہ کا بیمار ہو' نکھٹو ہو' دائمی امراض کا شکار ہو' یا کوئی بھی وجہ ہو'

70. Ibid., p.333.

71. Cady Stanton : History of Women's Suffage, vol.3, p.290 (quoted in Rationalist Encyclopaedia by J. Mc Cabe, London, 1950, p. 625).

(۷۲) متی ۹:۱۹' ۶:۱۹

بیوی اس سے اور وہ بیوی سے بدکاری کا الزام دیئے بغیر جدا نہ ہو سکتا تھا- جدید دور کے عیسائیوں اور ملحدین نے جب اسے "شیطانی ظلم" (fiendish cruelty)[۷۳] قرار دیتے ہوئے اس حکم کے خلاف بغاوت کی' تو پھر وہ طلاق دینے اور لینے میں بھی ہر حد سے گزر گئے-

(۲) غلاموں اور غریب کارکنوں کی حیثیت

بائبل کے مطابق' نوحؑ نے اپنے اس بیٹے کی اولاد کو جس نے ان کی "برہنگی" دیکھی تھی' غلامی کی بددعا دی تھی-[۷۴] بائبل کے ماننے والوں نے اسے غلامی کا جواز اور اس کی سند قرار دیا- جہاں تک غلاموں سے سلوک کا تعلق ہے' بائبل کے متضاد احکام میں ایک واضح فرمان ہے: "اور اگر کوئی اپنے غلام یا لونڈی کو لاٹھی سے ایسا مارے کہ وہ اس کے ہاتھ سے مر جائے' تو اسے ضرور سزا دی جائے- لیکن اگر وہ ایک دو دن جیتا رہے تو آقا کو سزا نہ دی جائے- اس لئے کہ وہ غلام اس کا مال ہے"-[۷۵] گویا غلام مار کھاتے کھاتے فوراً مر جائے تو مالک کو معمولی سزا ملے گی- اور زخموں سے چور ہو کر خواہ وہ تھوڑا ہی عرصہ زندہ رہے اور پھر مر جائے' تو کوئی مؤاخذہ نہیں-

عہد جدید میں مسیح نے ان تعلیمات میں کوئی تبدیلی نہیں کی' اور:

There is no explicit condemnation of slavery in the teachings of our Lord.

"ہمارے آقا کی تعلیمات میں غلامی کی کوئی واضح مذمت موجود نہیں-" [۷۶]

73. Bertrend Russel: Why I Am Not A Christian, London, 1976, p.28.

۷۴۔ پیدائش ۹: ۲۴-۲۵

۷۵۔ خروج ۲۱: ۲۰-۲۱

76. Encyclopaedia of Religion And Ethics (1920), vol.11, p.602.

ظہور مسیحیت کے وقت سلطنت رومہ میں غلامی مروج تھی' اور غلاموں سے عموماً ظلم و زیادتی کا برتاؤ کیا جاتا تھا- ان سے اچھا سلوک کرنے والے بھی تھے' مگر اصولاً چونکہ مالکوں کو ان پر کلی اختیارات حاصل تھے' اس لئے عام زیادتیوں کے علاوہ ایسے واقعات شاذ نہیں تھے کہ غلام کو محض مہمانوں کی تفریح کے لئے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے' یا تو مچھلیوں کو ان کا گوشت کھلا دیا جائے' یا کھیت وغیرہ میں ان سے اس حال میں کام لیا جائے کہ وہ زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہوں-(۷۷) ان حالات میں بہتری کے آثار اگر پیدا ہوئے' تو ان میں یونانی و رومی فلسفیوں کی کوشش اور نظریات کا دخل تھا' مسیحی علماء کا نہیں-(۷۸) جہاں تک مسیحی علماء کا تعلق ہے'

The early Church never called slavery in question.

"ابتدائی کلیسیا غلامی کے سوال کو کبھی زیر بحث ہی نہیں لائی-"(۷۹)

کیونکہ غلامی اس کے نزدیک ایک ناقابل توجہ امر (indiferent circumstance) تھا-(۸۰) بعد کی صدیوں میں جب یہ سوال زیر بحث آیا' تو مسیحی علماء نے غلامی کی شدومد سے حمایت کی- آگسٹائن (م ۴۳۰ء) نے قرار دیا کہ:

"(غلامی) خدا کے نزدیک کوئی جرم نہیں' بلکہ اس نے اسے گناہ کی ایک سزا کے طور پر مقرر کیا ہے-" (۸۱)

ایک دوسرے اہم متکلم ایکویناس (Thomas Aquinas) نے بھی غلامی کو آدمؑ کے

---

77. W.E.H Lecky: op.cit., vol.1, p.321.

78. Ibid., pp.324-25.

79. J.A. Farrar: Paganism And Christiainty, p.198.

Emil Reich: The History of Civilization, London, 1908, p.421.

80. Encyclopaedia Britannica (1962), vol. 20, p.778.

81. St. Augustine: The City of God, Bk. XIX, Chap. XV.

گناہ کا ایک پھل قرار دیا۔ (۸۲) جبکہ ایک اور عیسائی قدیس امبروز (St. Ambrose) (م-۳۹۷ء) نے بھی غلامی کی زبردست حمایت کی:

arguing that the slaves had an unusual adavantage for the exercise of the Christian values of humility, patience and forgiveness of enemies, and that men cursed with original sin were not fit to govern themselves anyway.

"اس کی دلیل یہ تھی کہ غلاموں کو حالت غلامی میں اپنے اندر عاجزی' صبر اور دشمنوں کو معاف کر دینے کے 'مسیحی' اوصاف پیدا کرنے کا بہتر موقع ملتا ہے۔ نیز ازلی گناہ کی لعنت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے انسان اس قابل ہی نہیں کہ وہ آزاد رہیں اور خود پر حکمرانی کریں۔" (۸۳)

یعنی اگر انسان مالک ہو تو خود پر بھی حکمرانی کرے اور اپنے غلاموں پر بھی۔ لیکن اگر غلام ہو تو اسے بتایا جائے کہ وہ ازلی گناہ کی وجہ سے حکمرانی کے قابل ہی نہیں۔ اور اسے کہا جائے کہ غلامی کا جُوا اتارنے کے متعلق سوچنے کی بجائے اسے عاجزی' صبر اور عفو کی مشق کرتے رہنا چاہئے!

شاید غلاموں کے مالکوں اور خود جناب امبروز کو ان اوصاف کی ضرورت نہ تھی' ورنہ وہ بھی بخوشی غلامی اختیار کر لیتے!!

محققین نے دعویٰ کیا ہے کہ ۱۰۰۰ء تک کسی پوپ' مسیحی کونسل یا قابل ذکر مسیحی عالم نے غلامی کی مذمت نہیں کی۔ بلکہ کلیسیا نے بالخصوص مسلمانوں اور غیر عیسائی یورپینوں کو زبردستی غلام بنانے کی اجازت و ترغیب دی۔ اور پوپ لیو اعظم نے قرار دیا کہ کوئی غلام' پادری یا کلیسیا کا کوئی عہدیدار نہیں بن سکتا:

82. Thomas Acquinas: "Summa Theologica", xciv, 5.

83. Herbert Muller: Uses of the Past, p.188.

lest his vileness should pollute the sacred order.

''مبادا اس کی 'بدذاتی' مقدس سلسلہ کو ناپاک کر دے۔''

گریگوری اول نے بھی غلاموں کو کلیسیائی عہدوں سے دور رکھنے اور انہیں آزاد عیسائیوں کے ساتھ بیاہ شادی سے روکنے کے لئے خصوصی قوانین بنائے۔[۸۴] حتیٰ کہ جب سلطنت رومہ اور اس کے امراء کے زوال کے بعد غلامی کا ادارہ بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا' تو عیسائیوں نے زمینی کمیروں (serfs) کی صورت میں غلام بنا لئے' جن کی قسمت کسی خاص قطعۂ زمین سے وابستہ ہوتی تھی' اور اس کے بکنے پر وہ بھی ساتھ بک جاتے تھے۔ زمین کے مالک ان سے دن رات کام لینے' انہیں غیر انسانی سزائیں دینے' ان کے اعضاء قطع کرنے اور انہیں مار ڈالنے کا اختیار رکھتے تھے۔ اور ان پر اتنے زیادہ اور مختلف قسم کے ٹیکس عائد کرتے تھے کہ ان کی اقسام و تعداد کو یاد رکھنا بھی مشکل تھا۔

صدیوں تک (یورپ کے بعض ملکوں میں اٹھارہویں صدی تک اور روس میں ۱۸۶۱ تک) جاری رہنے والے اس جابرانہ جاگیرداری نظام کو چلانے میں وقت کے کلیسیائی رہنما پیش پیش تھے' جو وسیع جاگیروں کے ساتھ ساتھ ان کمیروں کی اکثریت کے بھی مالک تھے۔ ان میں کیتھولک' پروٹسٹنٹ اور آرتھوڈاکس' سب کلیسیائیں شامل تھیں۔[۸۵]

مسیحی دنیا کے خمیر میں غلاموں پر انحصار اتنا رچ بس چکا تھا کہ جب معاشی تبدیلیوں بالخصوص صنعتی انقلاب کے بعد زمینی کمیروں کا نظام (serfdom) زوال کا شکار ہوا' تو عیسائیوں نے پھر غلامی کی پرانی قسم کی طرف رجوع کیا' اور افریقہ کی صورت میں غلاموں کی

---

84. Will Durant: The Story of Civilisation (1950), vol.4, p.554;
Joseph McCabe: The Social Record of Christianity, London, 1935,pp.23,27.

85 J. McCabe : A Rationalist Encyclopaedia (London, 1950), pp.513,536,537.
Will Durant : op.cit., vol.4, pp.555 , 564, 766, 786.

زرخیز زمین تلاش کرلی- غریب و مظلوم افریقیوں پر کھلے اور خفیہ حملے کر کے انہیں بلاوجہ اور زبردستی غلام بنایا' اور جہازوں میں بھر بھر کر انہیں اپنے گھروں' فیکٹریوں اور کھیتوں کے اندر بیگار میں جوت دیا-[۸۶] ۱۶۸۰ سے ۱۷۸۶ء تک صرف امریکہ اور جزائر غرب الہند (West Indies) میں جو غلام لائے گئے ان کی تعداد اکیس لاکھ سے زیادہ تھی-اور صرف ایک سال ۱۷۹۰ء میں برطانیہ' فرانس' ہالینڈ' پرتگال اور ڈنمارک کے ظالم لٹیرے چوہتر ہزار بے گناہ افریقیوں کو پکڑ کر لے گئے- انہیں جانوروں کی طرح جہازوں میں ٹھونسا جاتا- بہت سے راستہ میں مر جاتے' اور بہت سے ساحل سمندر پر پہنچتے ہی موت یا دائمی بیماریوں کا شکار ہو جاتے-[۸۷] زمینی کمیروں کی ملکیت کی طرح ان غلاموں کی ملکیت میں بھی کلیسا پیش پیش تھے- مثلاً اٹھارویں صدی کے امریکہ میں مختلف کلیسا چھ لاکھ غلاموں کے مالک تھے- اور انہوں نے سب سے آخر میں اور بڑی جنگ و جدل اور ہچکچاہٹ کے بعد انہیں آزاد کیا-[۸۸]

مسیح کے مبینہ اعلان "اے محنت اٹھانے والو' اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو! سب میرے پاس آؤ' میں تم کو آرام دوں گا-" (متی ۱۱:۲۸) کے باوجود غلاموں' غریبوں اور پسماندہ کارکنوں سے نام نہاد اصلاح شدہ (Reformed) اور پروٹسٹنٹ کلیسیا کا سلوک' رومن کیتھولک کلیسیا سے مختلف نہیں رہا' اور مذکورہ بالا غلامی کے جدید دور (تحریک احیائے علوم اور صنعتی انقلاب کے بعد) یہ کلیسا بھی وسیع پیمانہ پر غلاموں کے مالک بنے- بلکہ تحریک اصلاح کلیسیا (Reformation) کے بعد غریبوں اور کارکنوں سے بدسلوکی و بے انصافی زیادہ ہو گئی-[۸۹] خود تحریک اصلاح کے علمبردار لوتھر (م-۱۵۴۶ء) کے زمانہ

---

86. Encyclopaedia of Religion And Ethics, vol.11, pp.608-609.
87. Encyclopaedia Britannica (1962), vol, 20, p.780.
88. Rationalist Encyclopaedia, pp, 546-547.
89. Rationalist Encyclopaedia, p.628, with reference to:
T. Rogers : Six Centuries of Work And Wages (2 vols.), 1884.

میں جب جرمنی کے غریب کسانوں نے ظلم وستم سے تنگ آ کر علم بغاوت بلند کیا' تو اس نے ایک پمفلٹ "قاتل کسانوں کے خلاف" ("Against The Murderous Peasants") نامی لکھ کر وقت کے شہزادوں اور جاگیرداروں کو اکسایا کہ وہ "کسانوں کے قاتل اور چور گروہوں" (hordes) کو کچل کر فنا (knock down, strangle and stab) کر دیں۔(۹۰)

اسی طرح اٹھارویں وانیسویں صدی کے مسیحی مبلغ و مصلح ولیم ولبر فورس (جس کی "غلامی کے خلاف جدوجہد" مشہور ہے) نے اپنی تصنیف "نظام مسیحیت کا عملی جائزہ" (Practical View of the System of Christianity) میں غریبوں' مزدوروں اور کارکنوں کو "سمجھایا" کہ انہیں اپنی پسماندگی اور غربت کے خلاف ٹریڈ یونین وغیرہ کی شکل میں جدوجہد سے گریز کرنا چاہئے' کیونکہ دنیا کی زندگی مختصر ہے اور دنیا کی چیزیں اس قابل نہیں کہ ان کے لئے تصادم کی راہ اختیار کی جائے۔ اس نے کہا کہ جس سکون اور خوشی کو امیر لوگ مہنگے داموں خریدتے ہیں مذہب اسے غریبوں کو مفت مہیا کرتا ہے۔ نیز امیروں کے لئے شیطانی پھندے اور گمراہ کن چیزیں (temptations) غریبوں سے زیادہ ہیں۔ اس لئے غریب کا غریب رہنا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ ولبر فورس بحیثیت ممبر پارلیمنٹ ان لوگوں میں شامل تھا جن کی وجہ سے ربع صدی کی جدوجہد کے باوجود انگلستان کے مزدورں کو ٹریڈ یونین سرگرمیوں کا حق نہ مل سکا' اور وہ سرمایہ داروں کے استحصال کا شکار رہے۔(۹۱)

---

90. Robert Crossley: Luther And the Peasant's War, (New York, 1974), pp.56-57;
D.C Somervell : A Short History of our Religion, p.215;
Colin Wilson : A Criminal History of Mankind, (London, 1985), p.367.

91. D.C. Somervell : op.cit., p. 262.

٦۔ بائبل کی ناقابل عمل اور سماج دشمن تعلیم: رہبانیت اور ترک دنیا

بائبل کی بہت سی تعلیمات غیر فطری اور غیر سماجی (anti-social) ہیں- کئی باتیں عقل سلیم کے خلاف ہیں' اور ان پر بدویت و جہالت (prinidtiveness) کی واضح چھاپ موجود ہے- جدید معاشرہ تو درکنار' ان پر کسی معاشرہ میں بھی صحیح طور پر عمل نہیں ہو سکتا -شادی کے بارے میں بائبل کی غیر فطری اور ضرورت سے زیادہ مشکل تعلیم کا تذکرہ ہو چکا ہے- عورت اور شادی کی مذمت سے جو خرابیاں پیدا ہوئیں ان کا ذکر بھی ہو چکا ہے' اور اگلے باب میں ان شاءاللہ تفصیل سے ہو گا- حقیقت یہ ہے کہ بائبل میں عیسیٰؑ سے منسوب بعض دیگر اقوال نے بھی عیسائیوں کو نہ صرف شادی اور عورت بلکہ پورے خاندانی و سماجی نظام ہی سے برگشتہ کر دیا۔ مثلاً یہ کہا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ''اگر کوئی میرے پاس آئے اور اپنے باپ' اور ماں اور بیوی اور بچوں اور بھائیوں اور بہنوں بلکہ اپنی جان سے بھی دشمنی نہ کرے' تو وہ میرا شاگرد نہیں ہو سکتا-''(۹۲)

نیز لکھا ہے کہ جب ایک شاگرد نے مسیح سے کہا: ''خداوند مجھے اجازت دے کہ پہلے جا کر اپنے باپ کو دفن کروں-'' تو ''یسوع نے اس سے کہا تو میرے پیچھے چل' اور مردوں کو اپنے مردے دفن کرنے دے-'' (۹۳)

ان اقوال نے انسانی سماج کی بنیادی اکائی--- خاندان--- کے خلاف ایک جذباتی فضا پیدا کر کے اسے عدم استحکام کا شکار بنایا- انگریز فلسفی برٹرینڈ رسل نے انہی اقوال کو سامنے رکھ کر لکھا ہے:

> Family affection was decried by Christ himself and by the bulk of his followers.

۹۲۔ لوقا ۱۴ : ۲۶

۹۳۔ متی ۸ : ۲۱ - ۲۲

"خاندانی محبت کی خود مسیح اور ان کے پیرو کاروں کی اکثریت نے بھی مذمت کی۔"(۹۴)

سماجی زندگی کی بنیاد پر اس طرح کے کلہاڑے چلانے کے علاوہ بائبل میں ترک دنیا اور زہد پر بھی مبالغہ آمیز حد تک زور دیا گیا ہے۔ مثلاً: "اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے۔ اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے۔" اور "تم میں سے جو کوئی اپنا سب کچھ ترک نہ کرے، وہ میرا شاگرد نہیں ہو سکتا۔"(۹۵) ادھر پولس نے لکھا: "جو مسیح یسوع کے ہیں انہوں نے جسم کو اس کی رغبتوں اور خواہشوں سمیت صلیب پر کھینچ دیا ہے۔" (۹۶)

اسی طرح کا مبالغہ، اپنی ذات کے اندر اور باہر معاشرہ میں موجود شرارت اور برائی کا انفعالی (passive) مقابلہ کرنے کے ضمن میں کیا گیا: "شریر کا مقابلہ نہ کرنا۔ بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے، دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ اور اگر کوئی نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے، تو چوغہ بھی اسے لینے دے۔ اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے، تو اس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔" (۹۷)

اور "اگر تیری دہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے --- اور اگر تیرا دہنا ہاتھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے کاٹ کر اپنے پاس سے پھینک دے۔ کیونکہ تیرے لیے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضا میں سے ایک جاتا رہے، اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ ڈالا جائے۔"(۹۸)

یاد رہے کہ عہد عتیق کی تعلیم اس کے بالکل الٹ اور اپنی جگہ مبالغہ آمیز تھی۔ مثلاً عہد جدید کی مذکورہ تعلیم میں اگر خاندان اور سماج کی اہمیت کو یکسر نظر انداز کیا گیا ہے، تو عہد

94. Bertrend Russel :Why I Am Not A Christian, p. 26.

۹۵۔ متی ۶:۲۵، لوقا ۱۴:۳۳

۹۶۔ گلتیوں ۵:۲۴

۹۷۔ متی ۵: ۳۹ — ۴۱

۹۸۔ متی ۵:۲۹ - ۳۰

قدیم میں خاندانی نظام بنانے اور چلانے کے لئے اس طرح کے بدوی احکام دیئے گئے جو قطعاً ناقابل عمل ہیں۔ مثلاً:

"اگر کئی بھائی مل کر ساتھ رہتے ہوں اور ایک ان میں سے بے اولاد مر جائے تو اس مرحوم کی بیوی کسی اجنبی سے بیاہ نہ کرے' بلکہ اس کے شوہر کا بھائی اس کے پاس جا کر اسے اپنی بیوی بنالے---اور اس عورت کے جو پہلا بچہ ہو' وہ اس آدمی کے مرحوم بھائی کے نام کا کہلائے--- اور اگر وہ آدمی اپنی بھاوج سے بیاہ کرنا نہ چاہے تو---شہر کے بزرگ اس آدمی کو بلوا کر اسے سمجھائیں۔ اور اگر وہ اپنی بات پر قائم رہے--- تو اس کی بھاوج بزرگوں کے سامنے جا کر اس کے پاؤں سے جوتی اتارے' اور اس کے منہ پر تھوک دے۔ اور یہ کہے کہ جو آدمی اپنے بھائی کا گھر آباد نہ کرے' اس سے ایسا ہی کیا جائے گا۔"(۹۹)

ایک اور شرمناک' بدوی اور ناقابل عمل حکم یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی لڑکی سے شادی کرنے کے بعد اس پر کنوارا نہ ہونے کا جھوٹا الزام لگائے' تو "اس لڑکی کا باپ اور ماں اس لڑکی کے کنوارے پن کے نشانوں کو اس شہر کے پھاٹک پر بزرگوں کے پاس لے جائیں۔ اور اس لڑکی کا باپ بزرگوں سے کہے کہ---میری بیٹی کے کنوارے پن کے نشان یہ موجود ہیں۔ پھر وہ اس چادر کو شہر کے بزرگوں کے آگے پھیلا دیں۔" (۱۰۰)

"کنوارے پن کے نشانات" کی اس شرمناک تشہیر پر آج کون سا باپ آمادہ ہو سکتا ہے؟ اور یہ بات بھی ناقابل فہم ہے کہ جو شوہر لڑکی کو بدنام کرنے کے لئے اس پر غلط الزام لگا رہا ہے' وہ "ثبوت والی چادر" کیونکر لڑکی کے والدین کے ہاتھ لگنے دے گا؟

عہد عتیق اور عہد جدید دونوں کی ان افراط و تفریط پر مبنی' حد اعتدال سے گزری ہوئی' ازکار رفتہ' غیر فطری اور سماج دشمن تعلیمات کے نتیجہ میں ایک طرف تو ایسے لوگ کثرت سے پیدا ہوئے جو تمام فطری' سماجی اور اخلاقی حدود کو پھاند گئے۔ اور دوسری طرف کچھ لوگ

۹۹۔ استثنا ۲۵ : ۵۔۹

۱۰۰۔ استثنا ۲۲ : ۱۳۔۱۷

ایسے ہوئے جنہوں نے دنیاوی تعلقات اور ذمہ داریوں سے کنارہ کشی اختیار کر کے رہبانیت اختیار کرلی- مگر ان میں سے کم ہی ایسے تھے جو اس کے تقاضوں کو نبھا سکے-

مؤخر الذکر لوگوں میں سے بعض نے مسیح سے منسوب مذکورہ بالا اقوال کو ان کی حقیقت پر محمول کرتے ہوئے اپنے تئیں ان پر عمل کرنے کی کوشش کی- مثلاً مسیحی قدیس اور عالم اوریجن (Origen) (م-۲۵۴ء) نے "خود کو خوجہ بنانے" اور اپنے گناہ پر آمادہ کرنے والے اعضا کو کاٹ پھینکنے کے حکم (حوالہ ۶۲ و ۹۸ مذکورہ بالا) کو سامنے رکھتے ہوئے خود کو خصی کر لیا-(۱۰۱)

ایسی شاذ مگر انتہاپسندانہ مثالوں کے مقابلہ میں عام راہب خانے' چند مستثنیات کو چھوڑ کر' مختلف قسم کی برائیوں کی آماجگاہ تھے- تاہم یہ تذکرہ انشاء اللہ ہم اگلے باب میں کریں گے- فی الحال ہمیں یہ بتانا ہے کہ نظام رہبانیت ایک غیر سماجی (اور اس لحاظ سے غیر انسانی) نظام تھا' جس نے چند افراد کی کچھ روحانی اصلاح تو شاید کی ہو' مگر بحیثیت مجموعی وہ سماجی و اخلاقی زندگی کے لئے انتہائی نقصان دہ ثابت ہوا- اس کا دعویٰ تو انسان کو بہتر انسان (یا کم از کم بہتر مسیحی) بنانے کا تھا- مگر عملاً اس نے ایسے انسان پیدا کئے جو آدم بیزار اور دنیاوی ذمہ داریوں اور قریبی احباب و رشتہ داروں سے نفور تھے- ان میں سے بعض جانوروں کی طرح گلہ کی شکل میں چرتے' اور بعض وحشی جانوروں کو ان کی پناہ گاہوں اور کھوہوں سے نکال کر خود ان کی جگہ رہتے اور ان جانوروں کی عادتوں کی نقل کرتے تھے- بعض کئی کئی دن بغیر کھائے' کئی کئی راتیں بغیر سوئے اور کئی سال بغیر بولے گزار دینے ہی کو روحانیت کی معراج سمجھتے تھے- جبکہ بعض خود کو بے جا مشقت و اذیت دیتے' کئی سال کے لئے بھاری زنجیریں پہن لیتے اور بھاری بوجھ اٹھائے رکھتے' یا رسیوں سے خود کو بندھواتے اور بلند میناروں پر جہاں معمولی نقل و حرکت بھی مشکل تھی' زندگی کے تیس تیس سال گزار دیتے- یا سالوں تک (ایک ولی کے متعلق ۴۰ اور دوسرے کے متعلق ۵۰ برس کی روایت ہے) لیٹے بغیر' کھڑے

101. Oxford History of the Christian Church, p.992.

کھڑے یا کبھی بیٹھ کر سوتے۔(۱۰۲)

علم الانسان(Anthropology) کے مستند ماہر فریزر نے مسیحیت کے ان "مایۂ ناز" راہبوں کے متعلق بالکل درست لکھا ہے:

In their anxiety to save their own souls and souls of others, they were content to leave the material world, which they indentified with the principle of evil, to perish around them.

"اپنی اور دوسروں کی روحوں کو بچانے کی فکر میں وہ دنیا کی مادی زندگی کو جسے وہ برائی کی جڑ سمجھتے تھے' اپنے گرد فنا ہوتا ہوا دیکھ کر مطمئن رہتے۔" (۱۰۳)

اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ایک اور مصنف لکھتا ہے:

Those who fled to the cell or cloister contributed little to the spiritual elevation of the Church or the spiritual welfare of the masses.

"وہ لوگ جنہوں نے حجرہ یا خانقاہ کی طرف راہ فرار اختیار کی' انہوں نے کلیسا کی روحانی ترقی یا عوام کی روحانی بہتری میں کوئی کردار انجام نہیں دیا۔" (۱۰۴)

۷- بائبل اور شقاوت و سفاکی

مسیحی مبلغ عموماً مندرجہ بالا حقائق سے آنکھیں بند کر کے اور پوری ڈھٹائی کے ساتھ'

---

102. Edward Gibbon : Decline And Fall of the Roman Empire (London, 1854), vol.4, pp.319-320;
Will Durant : Story of Civilistion (The Age of Faith), p.59.
103. J.G.Frazer : The Golden Bough, pt. iv, vol.1 (London,1914), p.300.
104. H.Muller : Uses of the Past, p.189.

ناواقف لوگوں کے سامنے اپنی مقدس کتاب اور اپنے مذہب کو تہذیب و تمدن' سماجی بہتری' غریب پروری' انسان کی آزادی اور عورت کی عظمت کا علمبردار قرار دیتے ہیں- اسی طرح انہوں نے انجان لوگوں کو یہ تاثر دیا ہے کہ ان کا مذہب سراسر امن و سلامتی اور محبت و رأفت کا مذہب ہے- انہوں نے لوگوں کو بائبل کے حوالہ سے صرف یہ بتا رکھا ہے کہ "جو محبت نہیں رکھتا وہ خدا کو نہیں جانتا' کیونکہ خدا محبت ہے-"[۱۰۵] اور یہ کہ عیسائیت نے سفاک رومیوں کو امن پسند بنا کر تہذیب کی بنیاد رکھی تھی- حالانکہ رومیوں کا جنگ و جدل عیسائیت کے بعد بھی جاری رہا' اور ان کے ایمفی تھیٹروں میں سفاکانہ کھیل مسیحی کوشش سے نہیں' بلکہ ان کے زوال پذیر مادی و معاشی حالات کی وجہ سے بند ہوئے-[۱۰۶]

بہر حال بائبل کی کثیر آیات اور تاریخ کے حقائق عیسائیوں کے تمام مذکورہ بالا دعاوی کا منہ چڑاتے ہیں- کیونکہ بائبل کے مقدسین نہ صرف مذہبی و قومی وجوہ کی بنا پر جنگیں لڑتے رہے' بلکہ اپنے پرائے سے انتہائی تشدد اور سختی کا سلوک بھی کرتے رہے ہیں- اس لئے کہ انہیں ان کی بائبل کی ہدایت ہی یہ تھی کہ وہ ایسا کریں- چنانچہ عہد عتیق میں کہا گیا ہے: "جب خداوند تیرا خدا ان (تیرے دشمنوں کو) تیرے آگے شکست دلائے اور تو ان کو مارے' تو ان کو بالکل نابود کر ڈالنا- تو ان سے کوئی عہد نہ باندھنا اور نہ ان پر رحم کرنا--- اور تو ان سب قوموں کو جن کو خداوند تیرا خدا تیرے قابو میں کر دے گا نابود کر ڈالنا- تو ان پر ترس نہ کھانا-"[۱۰۷] نیز: "جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا--- اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے' تو جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا- لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لئے رکھ لینا--- ان قوموں کے شہروں میں جن کو خداوند

۱۰۵- یوحنا کا پہلا خط' ۴:۸- نیز: ۴:۱۶

106 J.A Farrar : Paganism And Christianity, p.205.

۱۰۷- استثناء ۷:۲' ۱۶

تیرا خدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے‘ کسی ذی نفس کو جیتا نہ بچا رکھنا- بلکہ تو ان کو... (یہاں بنی اسرائیل کی ہمسایہ چھ قدیم قوموں کے نام ہیں) بالکل نیست کر دینا-" (۱۰۸)

دشمن قوم کے مرد و عورت تو در کنار‘ بائبل کا بیان تو یہ ہے کہ خدا کے ایک نبی سموئیل نے وقت کے بادشاہ ساؤل کو خدا کی طرف سے یہاں تک ہدایت کی کہ دشمنوں کے شیر خوار بچے‘ حتیٰ کہ ان کے مویشی بھی‘ قتل کر ڈالے:

"رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ ---اب تو جا اور عمالیق کو مار‘ اور جو کچھ ان کا ہے سب کو بالکل نابود کر دے اور ان پر رحم مت کر- بلکہ مرد اور عورت‘ ننھے بچے اور شیر خوار‘ گائے بیل اور بھیڑ بکریاں‘ اونٹ اور گدھے سب کو قتل کر ڈال-" (۱۰۹)

یہ غالباً تاریخ مذاہب و ملل کا منفرد جنگی حکم ہے جو اب بھی بڑے سلیقہ سے عہد عتیق کے صفحات میں (کٹر عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق) "محبت و رحم کرنے والے خدا" کے الہام کے طور پر محفوظ ہے!

بائبل میں نہ صرف ایسے تشدد آمیز احکام دیئے گئے ہیں‘ بلکہ ان پر سختی سے عمل کا حال بھی بیان کیا گیا ہے- مثلاً موسیٰ ؑ نے اہل مدین کے خلاف جنگ کے لئے بارہ ہزار مسلح آدمی بھیجے تو "انہوں نے مدیانیوں سے جنگ کی اور سب مردوں کو قتل کیا---اور بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور ان کے بچوں کو اسیر کیا--- اور ان کی سکونت گاہوں کے سب شہروں--- کو آگ سے پھونک دیا-" مگر بائبل کے بقول موسیٰ پھر بھی اپنے جنگی سرداروں سے ناراض ہوئے کہ انہوں نے عورتوں اور بچوں کو کیوں چھوڑ دیا ہے- انہوں نے کہا: "ان بچوں میں جتنے لڑکے ہیں سب کو مار ڈالو‘ اور جتنی عورتیں مرد کا منہ دیکھ چکی ہیں ان کو قتل کر ڈالو- لیکن ان لڑکیوں کو جو مرد سے واقف نہیں اور اچھوتی ہیں‘ اپنے لئے زندہ رکھو-" (۱۱۰)

۱۰۸- استثنا ۲۰:۱۰- ۱۷

۱۰۹- ۱- سموئیل ۱۵:۲- ۳

۱۱۰- گنتی ۳۱:۷- ۱۷

اسی طرح داؤدؑ کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے دشمنوں کی "سرزمین کو تباہ کر ڈالا' اور عورت مرد کسی کو جیتا نہ چھوڑا۔" (۱۱۱)

یہ تو غیروں سے سلوک کے بارے میں ہدایات اور مثالیں تھیں۔ اپنوں میں سے جو لوگ گناہوں اور شرک و کفر کے مرتکب ہوئے' ان کے بارے میں لکھا ہے: "جو کوئی واحد خداوند کو چھوڑ کر کسی اور معبود کے آگے قربانی چڑھائے وہ بالکل نابود کر دیا جائے"۔ اور "اگر تیری بستیوں میں --- کہیں کوئی مرد یا عورت ملے جس نے --- اور معبودوں کی' یا سورج یا چاند یا اجرام فلکی میں سے کسی کی --- پوجا اور پرستش کی ہو --- تو تو جانفشانی سے تحقیقات کرنا' اور اگر یہ --- ثابت ہو جائے --- تو تو اس مرد یا عورت کو --- سنگسار کرنا کہ وہ مر جائیں۔" (۱۱۲)

جہاں تک عہد جدید کا تعلق ہے' مسیحی علماء اس سے امن و شانتی کے حوالے تلاش کرتے ہوئے ("تم اپنے دشمنوں سے محبت رکھو" لوقا ۶: ۳۵' وغیرہ) یہ بھول جاتے ہیں کہ اس نے عہد قدیم کی مذکورہ بالا تعلیم کی گویا تصدیق و تائید کر دی ہے: "یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں۔ صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں۔ کیونکہ میں اس لئے آیا ہوں کہ آدمی کو اس کے باپ سے' اور بیٹی کو اس کی ماں سے' اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کر دوں۔" (۱۱۳)

۸۔ شقاوت کی تعلیم کے اثرات: عدم رواداری' تشدد و احتساب (Intolerance, Persecution And Inquistion)

تشدد' سختی' شقاوت اور سفاکی کی اس تعلیم کے نتیجہ میں مسیحیت کی تاریخ دوسروں پر ظلم و ستم' خونریز جنگوں' عدم رواداری' باہمی (مختلف فرقوں اور گروہوں کی) ایذا رسانی

۱۱۱۔ ۱۔ سموئیل ۲۷: ۹

۱۱۲۔ خروج ۲۲: ۲۰' استثنا ۱۷: ۲۔۵

۱۱۳۔ متی ۱۰: ۳۴۔۳۵

(Persecution)' اور مذہبی احتساب (Inquisition) کے نام پر افراد اور جماعتوں کی عقوبت دہی سے بھری پڑی ہے- یہاں اس طویل اور سیاہ تاریخ کے ایک مختصر جائزہ کے طور پر' نمونہ کی چند مثالیں پیش کرنا ہی ممکن ہے-

باب چہارم میں ذکر ہو چکا ہے کہ ابتدائی دور میں عیسائی' رومی بادشاہوں کے تشدد اور ایذادہی کا شکار رہے- یہاں تک کہ شاہ قسطنطین نے ان سے رواداری برتنے کی پالیسی اختیار کی' اور بالاخر خود بھی عیسائیت قبول کرلی- مذہبی تشدد کا شکار رہنے کے بعد عیسائیوں سے یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ اب وہ دوسرے مذاہب سے رواداری کا سلوک کریں گے' اور اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے دلائل اور پرامن تبلیغ کا سہارا لیں گے- مگر دوسروں (خصوصاً مسلمانوں کو) "تلوار سے مذہب پھیلانے" کا طعنہ دینے والے عیسائیوں کی اپنی تاریخ یہ ہے کہ قسطنطین کے تھوڑی ہی دیر بعد انہوں نے اس کے نام سے مشرکوں اور بے مذہبوں (pagans) پر تشدد کی اجازت کی ایک جعلی دستاویز (forged Persecution Decree) تیار کی' اور آئندہ ایک صدی کے عرصہ میں سلطنت روما سے عملاً تمام دوسرے مذاہب اور مرکزی کلیسیا سے اختلاف رکھنے والوں کو ختم کردیا-[114] اس سلسلہ میں عیسائیت کے زیر اثر آنے والے رومی بادشاہوں نے جو اقدامات کئے' ان کا نمونہ پیش کرتے ہوئے ہربرٹ ملر نے لکھا ہے:

"رومی بادشاہ تھیوڈوسیس نے دوسرے مذاہب کی عبادت گاہیں حکماً بند کردیں' اور کیتھولک عیسائیت کو ملک کا واحد قانونی مذہب قرار دیتے ہوئے ان سب "دیوانوں" (madmen) سے ہر قسم کے شہری حقوق چھین لئے جو کیتھولک عیسائیت سے متفق نہ تھے- ملر آگے لکھتا ہے:

When Theodosius deprived heretics of civil rights, religious orthodoxy became the price of citizenship

---

114. Rationalist Encyclopaedia, p.442.

for the first time in history.

"جب تھیوڈوسیس نے ملحدین کو شہری حقوق سے محروم کیا' تو مذہبی عقیدہ کی درستی تاریخ میں پہلی بار شہریت کی قیمت قرار پائی۔" اور پوپ لیو دواز دہم نے تو رواداری (Toleration) کو صاف الفاظ میں سچے مذہب سے بے پروائی (Indifference) سے تعبیر کرتے ہوئے بتادیا کہ عیسائیت میں نقطہ نظر کے اختلاف کو برداشت کرنے کی قوت و صلاحیت کہاں تک ہے۔ عملاً بھی اس نے تنخواہ دار مخبرین(Informers) کی مدد سے مسلمہ عقائد سے ہٹے ہوئے افراد سے اپنی جیلیں بھر دیں۔ (۱۱۵)

"مشرکین" (pagans) اور "ملحدین" (heretics) کے بعد جو طبقہ مسیحی عدم رواداری اور تشدد کا پہلا نشانہ بنا' وہ یہودی تھے۔ یہودیوں سے مسیح کے "خون کا بدلہ" لینے کے لئے انجیل کی اس آیت کا حوالہ استعمال کیا گیا جس میں (مسیح کے وقت کے) یہودیوں نے رومی حاکم پیلاطس کی مسیح کو مصلوب کرنے پر ہچکچاہٹ دیکھتے ہوئے کہا تھا: "اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر!"(۱۱٦) اور:

With the triumph of Christianity, the children of Israel had to repay his suffering a millionfold.

"عیسائیت کے غلبہ کے بعد بنی اسرائیل کو مسیح کی تکالیف کا کئی لاکھ گنا بدلہ چکانا پڑا۔"(۱۱۷)

موجودہ دور میں مذہبی رواداری کے نام نہاد علمبرداروں اور مسلمانوں کو تعصب اور عدم رواداری کا طعنہ دینے والوں کی اپنی کیفیت صدیوں تک یہ رہی کہ:

---

115. Herbert Muller: op.cit., pp.86-87;
Cambridge Modern History (1907), vol.10, p.152.

۱۱٦۔ متی ۲۷:۲۵

117. Herbert Muller : op.cit., p.91.

The Church held the Jew to be a being deprived by the guilt of his ancestors of all the natural rights, save that of existence.

"کلیسا کے نزدیک ایک یہودی' اپنے آباؤ اجداد کے گناہ کی وجہ سے' مجرد زندہ رہنے کے حق کے علاوہ تمام دیگر قدرتی حقوق سے محروم تھا۔"

چنانچہ پوپ سٹیفن ششم نے ۸۹۰ کے قریب اس بات پر شدید تشویش اور ناراضگی کا اظہار کیا کہ عیسائی "خدا کے ان دشمنوں" کے ساتھ تعلقات رکھتے ہیں' اور انہیں اپنی زمینوں کا مالک بننے کی اجازت دیتے ہیں۔ کلیسا کی اس سوچ کے نتیجہ میں یہودیوں کو متعدد بار قتل عام اور ضبطیٔ جائیداد کا نشانہ بننا اور گھربار چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔[۱۱۸]

ملحدین' مشرکین اور یہود وغیرہ پر ظلم و تشدد اور ان کے قتل و غارت پر عیسائی حکمرانوں اور امراء کو اکساتے ہوئے ایک مشہور پوپ ہلڈر برینڈ (Hilderbrand) نے کہا تھا:

Cursed be he that refraineth his sword from blood.

"جو اپنی تلوار کو (ان لوگوں کا) خون کرنے سے روک رکھے' وہ لعنتی ہے۔"[۱۱۸]

یہود کے بعد مسلمانوں کی باری آئی۔ اگرچہ اسلام کے ابتدائی دور میں شام اور مصر میں مسلمانوں اور عیسائیوں کی لڑائیاں ہوئی تھیں' مگر اسلام اور مسیحیت کے پیروکاروں کا اصل مقابلہ صلیبی جنگوں (Crusades) کی صورت میں ہوا۔ تقریباً پوری بارہویں صدی عیسوی میں جاری رہنے والی ان جنگوں کے بارے میں غیر جانبدار اور خود عیسائی مؤرخین دو باتوں پر متفق ہیں۔ ایک تو یہ کہ صلیبی جنگیں عیسائیوں نے شروع کی تھیں۔[۱۱۹] اور دوسرے یہ کہ جب مسلمان غالب آئے تو انہوں نے مفتوح عیسائیوں سے انتہائی رحم اور مروت کا

118. H.C.Lea : A History of the Inquisition in Spain, (New York, 1906), vol.1 , pp.81, 115.

119. Rationalist Encyclopaedia, p.270.

120. Concise Oxford Dictionary of the Church, p.137.

سلوک کیا، مگر جب کبھی عیسائی غالب ہوئے تو انہوں نے مسلمانوں اور یہودیوں کو وحشت ناک ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔[۱۲۱] یروشلم پر قبضہ (۱۰۹۹ء) ہونے پر عیسائیوں نے دودھ پیتے بچوں اور کونے کھدروں میں چھپی ہوئی عورتوں تک کو قتل کر کے شہر میں اتنا خون بہایا کہ گلیوں میں چلنا مشکل ہو گیا۔[۱۲۲]

اس سلسلہ میں ایک اور مستند مسیحی مؤرخ لکھتا ہے:

The crusaders rushed through the streets and into the houses and mosques, killing all that they met, men, women and children alike.

"عیسائی مجاہد گلیوں، گھروں اور مساجد میں دوڑتے پھرتے تھے، اور مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے جو بھی انہیں ملتا اسے قتل کر دیتے تھے۔"

یہی مؤرخ آگے چل کر لکھتا ہے کہ یہودیوں نے اپنے بڑے ہیکل میں پناہ لی اور سمجھا کہ وہ اپنی عبادت گاہ میں محفوظ رہیں گے۔ مگر:

The building was set on fire and they were all burnt alive.

"اس عمارت کو آگ لگا دی گئی، اور وہ سب اس میں زندہ جل کر مر گئے۔"[۱۲۳]

اس کے مقابلے میں تقریباً نوے سال بعد جب مسلمانوں نے صلاح الدین ایوبی کی قیادت میں یروشلم پر دوبارہ قبضہ کیا، تو اسلامی تعلیمات کے مطابق مفتوحین سے بہترین سلوک کیا گیا۔ بیشتر لوگ تاوان و فدیہ کی معمولی رقم ادا کر کے ہر مؤاخذہ سے بچ گئے۔ غرباء کو تاوان کی ادائیگی کے لئے چالیس دن کی مہلت ملی۔ اور بہت سے افراد بغیر فدیہ لئے چھوڑ

121. A.S.Lane- Poole : Saladin (London, 1920), pp.205f.

122. H.C.Wickersham: A History of thė Church, p.172.

123. A. Steven Runciman: A History of the Crusades (Cambridge University Press), 1962, vol.1, pp.286-87.

دیئے گئے۔ (۱۲۴)

احتساب (Inquistition)

ایک اور ہتھیار جس سے عیسائیوں نے مسلمانوں' یہودیوں اور کلیسیا سے معمولی سا اختلاف رکھنے والے ملحدین کو غیر انسانی تشدد اور قتل و غارت کا نشانہ بنایا' مذہبی احتساب (Inquistition) تھا۔ اس ہتھیار کا استعمال تاریخ مسیحیت ہی نہیں' تاریخ انسانی کا ایک انتہائی تاریک باب ہے۔ ابتدا میں اس کا باقاعدہ استعمال بارہویں صدی اور اس کے بعد کے ان عیسائی مصلحین کے خلاف ہوا' جو بعض شہری و مذہبی آزادیوں کے خواہاں تھے' اور بالخصوص کلیسیائے روم کے ہمہ مقتدر سربراہوں کی آمریت کے خلاف تھے۔ تحریک اصلاح و آزادی کے ان اولین علمبرداروں کو دبانے کے لئے رومی کلیسیا نے بے پناہ تشدد کا سہارا لیا۔ مشہور مؤرخ گبن کی تاریخ میں مذکور ایک خوبصورت جملہ کے مطابق:

> The Church of Rome defended by voilence the empire which she had acquired by fraud.
>
> "رومی کلیسیا نے اپنی اس سلطنت کی حفاظت تشدد سے کی جسے اس نے دھوکہ سے حاصل کیا تھا۔" (۱۲۵)

پوپ لوسیس سوم (Lucius III) نے ۱۱۸۵ء میں حکم دیا کہ بشپ اور کلیسیائی حکام باقاعدہ دورے کر کے کلیسیا کے غیر وفادار اور عقیدہ کے مشکوک لوگوں کی پڑتال کرتے رہیں' اور انہیں گرفتار کر کے سزائیں دیں۔ (۱۲۶)

---

124. Philip K. Hitti : Syria ... A Short History, (New York,1961), p.173.

125. J.M. Robertson (editor): Gibbon on Christianity (chap. 15 and 16 of the Decline And Fall), Thinker's Library, (London, 1936), p.135.

"جسے اس نے دھوکہ سے حاصل کیا تھا۔" ان الفاظ کی وضاحت اگلے باب میں ملے گی (ملاحظہ ہوں آئندہ باب کی فصول "جعلی دستاویزیں" اور "ہوس جاہ' دھوکہ دہی اور رشوت ستانی")۔

126. Will Durant : op.cit. (The Age of Faith), p.779.

بعض پاپاؤں اور کلیسیائی حکام نے اس سلسلہ میں یہ لالچ بھی دیئے کہ عوام میں سے جو کوئی کسی ایسے شخص کی مخبری اور نشاندہی کرے گا جو عقیدہ کے لحاظ سے مشکوک ہو، اسے اس ملحد کی جائیداد کا ایک تہائی دیا جائے گا، جب کہ ایک تہائی کلیسیا کو اور ایک تہائی علاقائی حکمران کو ملے گا- نتیجہ یہ ہوا کہ جائیداد کے لالچ میں لوگوں کو بالکل غیر ضروری طور پر اور زبردستی، مشکوک و بدعقیدہ قرار دیا گیا- حتیٰ کہ مردہ افراد کی جائیداد ہتھیانے کے لئے ان کی موت کے بعد ان پر بدعقیدہ ہونے کے الزامات عائد کرنے کا رواج بھی چل نکلا-(۱۲۷)

مذہبی احتساب کا سلسلہ شروع ہونے پر ابتداء میں اعلیٰ کلیسیائی حکام نے کہا تھا کہ مشکوک افراد کا خون بہانے کے سوا انہیں دیگر سخت ترین سزائیں دی جائیں- مگر پوپ گریگوری نہم کے زمانہ میں اس حکم کی یہ تاویل کی گئی کہ آگ میں جلانے سے چونکہ خون نہیں بہتا، اس لئے عقیدہ کے مجرموں کو ٹکٹکی پر باندھ کر جلا دینا چاہئے-(۱۲۸) اس طرح ہزاروں افراد آگ میں جلائے گئے- ان کے علاوہ جو لوگ غلیظ، متعفن اور تنگ و تاریک تہ خانوں میں قید کئے گئے اور وہیں مر کھپ گئے، ان کا کوئی حساب ہی نہیں-(۱۲۹)

عیسائیوں پر تشدد کے زمانہ میں بے مذہب رومی بادشاہوں نے تین صدیوں میں جتنے عیسائی ہلاک کئے تھے، اس سے کہیں زیادہ تعداد میں لوگ چند سالوں کے اندر عیسائیوں کے اپنے احتساب کی نذر ہو گئے-(۱۲۹) صرف ایک ملک نیدرلینڈ میں مرنے والے ملحد (کلیسیائے روم کے مخالف) عیسائیوں کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز تھی-(۱۳۰) دوسرے کئی علاقوں میں ہونے والے نام نہاد احتساب کے مقتولین و متاثرین کی تعداد اور کیفیت کا

127. E.Vacandard: The Inquisition, (New York), 1908, p.203.

128. Ibid., p.178.

129. Will Durant : op. cit., p.783.

130,131 J.M.Robertson : op.cit., p. 135.

زیکارڈ کلیسائے روم کے خفیہ ریکارڈ (Secret Archives) سے غائب کر دیا گیا ہے۔[۱۳۲]

تاہم ہسپینی احتساب (Spanish Inquisition) کے اعداد و شمار موجود ہیں۔ یہ احتساب پوپ سکسٹس چہارم (Sixtus IV) کی اشیر باد سے سپین کے عیسائی حکمرانوں فرڈیننڈ اور ازابیلا نے ۱۴۷۴ء میں شروع کیا تھا' اور اس کا نشانہ مسلمان' یہودی اور "ملحد" عیسائی تھے۔[۱۳۳] احتساب کی اس مہم کے ایک معتمد اعلیٰ کے جمع کردہ اعداد و شمار کے مطابق' اس میں تین لاکھ اکتالیس ہزار سے زائد افراد مارے گئے' اور لاکھوں مسلمانوں اور یہودیوں کو عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔[۱۳۴] عیسائی مؤرخین کے اپنے اعتراف کے مطابق' مسلمانوں نے گزشتہ صدیوں میں عیسائیوں سے جتنی رواداری برتی تھی' اتنا ہی اس کا الٹ بدلا انہیں ملا۔ لوگ زندہ جلائے گئے' اجتماعی طور پر قتل کئے گئے اور ان کے بچے غلام بنائے گئے۔[۱۳۵]

احتسابی عدالتوں کی گرفت میں آ جانے والے مظلوم انسان سزا کے رسمی اعلان سے پہلے ہی تحقیق و تفتیش کے نام پر بدترین سزا اور اذیت کا شکار بن جاتے تھے۔ انہیں اکٹھے سینکڑوں کی تعداد میں تنگ و تاریک' بدبودار' غلاظت اور کیڑوں مکوڑوں سے بھرے ہوئے قید خانوں میں ڈالا جاتا' جہاں وہ اذیت اور فاقہ کشی کا شکار بنتے' جبکہ گرفتار ہوتے ہی مشکوک افراد کی جائیداد اور مملوکات محکمہ احتساب کے افسروں کی دستبرد کا شکار ہو جاتے۔[۱۳۶]

---

132. Rationalist Encyclopaedia, p.316, quoting Dr. Ludwig Pastor's History of the Popes.

133. Encyclopaedia of Religion And Ethics, vol.7, p.330.

134. Rationalist Encylopaedia, p.318;
Encylopaedia Britannica (1973), vol. 12,p.27.

135. H.C.Wickersham: op.cit., p.232.

136. H.C. Lea : History of the Inquisition in Spain, vol.1, p.211.

جیسا کہ پہلے مذکور ہوا، احتساب اور تشدد کی یہ تلوار صرف غیر مذاہب کے پیروکاروں ہی کے لئے مخصوص نہ تھی، بلکہ عیسائی بھی کثرت سے اس کا شکار ہوئے۔ بارہویں اور تیرہویں صدی میں جنوبی فرانس کے ایلبی جینز ی، فرقہ کے لوگ (Albigenses) مسیح کی تصلیب اور مر کر جی اٹھنے پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ پوپ انوسنٹ سوم نے ان کے خلاف 'جہاد' (Crusade) کا اعلان کیا، جس میں ایک لاکھ سے زائد افراد مارے گئے اور ان کی بستیوں کی بستیاں تباہ و برباد کر دی گئیں۔ بعض جگہ رومن کیتھولک عقیدہ کے عیسائیوں نے دوسرے فرقوں کو اپنا عقیدہ قبول کرنے پر مجبور کیا۔ اور بعض جگہ انہوں نے اپنے بھائی رومن کیتھولک عیسائیوں سمیت بستی کے سب باشندوں کو یہ کہہ کر بے دریغ تہ تیغ کیا کہ فی الحال سب کو قتل کر دو، ان میں سے جو خدا کو صحیح طور پر ماننے والے ہیں، انہیں وہ خود ہی پہچان لے گا!! (۱۳۷)

فرانس ہی میں جب ۱۵۷۲ء میں قدیس برتلمائی (St. Bartholomew) کا دن منایا جا رہا تھا، رات کی تاریکی میں شاہی فوجیں اور کیتھولک عوام، پروٹسٹنٹ شہریوں پر ٹوٹ پڑے، اور بے شمار افراد (countless thousands) ہلاک کر دیئے۔(۱۳۸) غیر انسانی ظلم و تشدد کی انتہا یہ تھی کہ:

Babies were thrown out of windows and tossed into the river.

"بچوں کو کھڑکیوں سے باہر اچھال کر دریا میں پھینک دیا گیا۔" (۱۳۹)

---

137. H.C.Lea : A History of Inqusition in the Middle Ages (New York 1888), chaps. III, IV;
Concise Oxford Dictionary of the Church, p.13;
Will Durant : op.cit., vol.4, pp.774-75.

138. W. Walker : History of the Church (1949), p.435.

139. Colin Wilson: A Criminal History of Mankind (London, 1985), p.337.

انگلستان میں عیسائی فرقوں کی بے شمار باہمی زیادتیوں میں ملکہ میری ٹیوڈر (م-۱۵۵۸ء) کے عہد میں اہم پروٹسٹنٹ شخصیتوں کو زندہ جلانے کے واقعات' اور ملکہ الزبتھ اول (م-۱۶۰۳ء) کے زمانہ میں کیتھولک عیسائیوں پر زیادتیاں نمایاں ہیں۔ (۱۴۰) اول الذکر ملکہ نے جسے تاریخ 'خونی میری' کے نام سے یاد کرتی ہے' کم از کم تین سو پروٹسٹنٹ عیسائیوں کو ٹکٹکیوں سے باندھ کر زندہ جلا دیا- اس کا خاوند فلپ شاہ سپین بھی پروٹسٹنٹ عیسائیوں پر بے پناہ مظالم ڈھانے میں بڑا 'اونچا' مقام رکھتا ہے۔ (۱۴۱)

ظلم و تشدد اور قتل و غارت کی ایسی یک طرفہ مہمات (جن میں ایک فرقہ دوسرے فرقہ پر زیادتی کرتا) کے علاوہ مختلف عیسائی فرقوں اور مذہبی گروہوں کی باقاعدہ جنگیں بھی ہوتی رہیں۔ ان میں سترہویں صدی میں پروٹسٹنٹ اور کیتھولک عیسائیوں کے درمیان وسطی یورپ میں ہونے والی تیس سالہ جنگ (۱۶۱۸ء تا ۱۶۴۸ء) نمایاں ہے' جس میں لاکھوں افراد مارے گئے' بے گھر ہوئے اور طرح طرح کے مصائب کا نشانہ بنے- اور یہ ساری زیادتیاں مذہب ہی کے نام پر ہوئیں۔ (۱۴۲)

تشدد اور احتساب کی مذکورہ بالا مہمات میں کلیسیا کے افسروں اور محتسبین کو بے پناہ اور وسیع اختیارات حاصل تھے:

The power of the Inquistitor was great.

"محتسب کی قوت و اختیار بہت زیادہ تھا-" (۱۴۳)

محتسب کسی کو بھی مشکوک قرار دے کر اس کے عقائد و احوال کی پڑتال کر سکتا تھا' اور اس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ مشکوک افراد ہر کردہ و ناکردہ گناہ کا اعتراف کر لیں- اس مقصد

---

140. Oxford Dictionary of the Church (1958), pp.446,447,870.

141. Colin Wilson : op.cit., pp.373-74.

142. The Cambridge Modern History (1934), vol.4, pp.417—423.

143. Encyclo. Brit. (1973), vol. 12, p.271.

کے لئے وہ انہیں بدترین ایذائیں دیتا تھا:

Torture was used to extort confessions.

"اعتراف کروانے کے لئے ایذا کا استعمال کیا جاتا تھا۔" (۱۴۴)

مظلوم افراد اپنی صفائی میں شاذ و نادر ہی کوئی گواہ پیش کر سکتے تھے۔ کیونکہ گواہوں کو خود مشکوک قرار دیئے جانے کا خطرہ لاحق ہوتا تھا۔(۱۴۵) حتیٰ کہ ملحد سے بات چیت کرنے والا بھی مشکوک اور قابل سزا سمجھا جاتا تھا۔(۱۴۶) حد یہ ہے کہ لوگوں کے مرنے کے بعد بھی ان کے عقائد کی پڑتال اور ان کا احتساب عمل میں لایا جاتا' اور مجرم ثابت ہونے کے بعد ان کی قبریں کھود کر لاشوں کو کوڑوں سے پٹوایا جاتا اور ہڈیاں جلائی جاتیں۔ نیز ان کی جائیدادیں ان کے ورثاء سے چھین کر محتسبین' گواہوں اور کلیسا میں بانٹ لی جاتیں!!(۱۴۷)

ظلم و تشدد کے اس دور میں شقاوت و سنگدلی کا مظاہرہ جن خوفناک طریقوں سے ہوتا تھا' ان کے ذکر ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ طریقے مسیحیت کے دامن پر انتہائی بدنما دھبوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مگر ڈھٹائی کی انتہاء یہ ہے کہ مسیحی مبلغ ان کا ذکر تک نہیں کرتے۔ بلکہ الٹا دوسروں' بالخصوص مسلمانوں' کی اس سے کہیں معمولی فروگزاشتوں کو کسی قیمت پر بخشنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ غیر انسانی تشدد کے ان مختلف طریقوں میں سے چند کا نمونہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

- زندہ انسانوں کے گوشت کو چمٹیوں سے نوچنا اور آگ میں تپائے ہوئے لوہے سے داغنا' یا لوہے کی تپائی ہوئی پلیٹ پر زبردستی بٹھانا۔

---

144. The Shorter Cambridge Medieval History (1952), vol.2, p.679.

145. Encyclopaedia of Religion And Ethics, vol.7, pp.330, 332.

146. Shorter Cambridge Medieval History, vol. 2, p.679.

147. Encyclopaedia of Religion And Ethics, vol.7, p. 334;
Rationalist Encyclopaedia, p.319.

- ادھ جلے (half-roasted) انسان کو آگ سے نکال کر سسک سسک کر مرنے کے لئے چھوڑ دینا۔
- عورتوں اور مردوں کو ان کے بالوں کے سہارے چمنی میں لٹکا دینا اور نیچے انگیٹھی میں آگ جلا دینا' تاکہ وہ دھوئیں سے دم گھٹ کر مر جائیں۔
- آہستہ اور نرم آگ (slow fire) میں زندہ جلانا' تاکہ اذیت میں اضافہ ہو۔
- عریاں کر کے سر سے پاؤں تک پورے جسم پر سوئیاں اور پن چبھونا۔
- لوگوں کو ننگا کر کے ان کے جسموں پر شہد مل کر انہیں باندھ دینا یا لٹکا دینا' تاکہ کیڑے مکوڑے ان کے سارے جسم سے چمٹ جائیں' اور انہیں کاٹ کاٹ کر موت سے ہمکنار کریں۔
- عورتوں اور مردوں کے پیٹوں میں دھونکنیوں (bellows) سے ہوا بھرنا' یہاں تک کہ ان کے پیٹ پھٹ جائیں۔
- دودھ پلانے والی ماؤں کو باندھ کر ان کے شیر خوار بچے ان کے سامنے پھینک دینا' یہاں تک کہ وہ سسک سسک کر مر جائیں۔
- عورتوں کو عریاں کر کے پاؤں یا بازوؤں کے سہارے سب کے سامنے لٹا دینا۔
- عورتوں' بالخصوص مقدس کنواریوں (sacred virgins) یعنی راہبات' کی چھاتیاں کاٹنا۔
- مردوں کے اعضائے تناسل کاٹ دینا' اور انہیں مجبور کرنا کہ وہ ان کٹے ہوئے اعضا کو ہاتھوں میں اٹھا کر گلیوں اور بازاروں میں گھومیں۔
- قید خانوں میں عورتوں اور مردوں کو اکٹھا قید کرنا' اور بعض قیدیوں کو ایسی بیڑیاں اور زنجیریں برسوں تک پہنا رکھنا جو کسی حالت میں اور کسی بھی ضرورت کے لئے کھولی نہ جاتی تھیں۔
- رسوں سے باندھ کر کنوؤں میں بار بار ڈبکیاں دینا۔
- ایسے ڈنڈوں سے مارنا جن میں لوہے کے کانٹے لگے ہوتے تھے۔

○ ناک' کان چہرہ اور جسم کے دوسرے اعضاء ایک ایک کر کے اور کئی دنوں کے وقفوں سے کاٹنا۔ (۱۴۸)

سفاکی' شقاوت اور ظلم و تشدد کی مذکورہ بالا مثالوں کے پیش نظر محققین یہ کہنے پر مجبور ہوئے ہیں:

Christianity has the distinction among the historic religions of having inflicted torture and death upon those who rejected it, in incomparably greater volume than any other.

"عیسائیت کو تاریخی مذاہب میں یہ "امتیاز" حاصل ہے کہ اس نے اپنے مسترد کرنے والوں کو اتنے زیادہ تشدد اور موت کا نشانہ بنایا ہے کہ کوئی اور (مذہب) اس کا کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتا۔" (۱۴۹)

عیسائیوں کی غیر مذاہب اور مخالف عیسائی فرقوں دونوں سے تشدد' زبردستی اور عدم رواداری برتنے کی تاریخ صدیوں پرانی ہے' اور اسے ماضی قریب تک دہرایا جاتا رہا ہے۔ اس تاریخ پر تبصرہ کرتے ہوئے سترھویں صدی کے مسیحی فلسفی جان لاک (John Locke) نے سولہویں صدی کی مسیحیت کے بارے میں لکھا تھا:

A sanguinary, murderous religion ... putting to the sword anything that offered resistance to it.

"یہ ایک خونخوار اور قاتل مذہب ہے' جو ہر اس چیز کو حوالہ سیف کرتا ہے جو

---

148. H.C.Wickersaham: op.cit., pp.224-225;

Rationalist Encyclopaedia, pp.587,588;

J.McCabe: Social Record of Christianity, pp.66,117;

Colin Wilson: op.cit., p.374.

149. Rationalist Encyclopaedia, p.411.

اس کے مقابلہ میں آتی ہے۔" (۱۵۰)

فاضل مؤرخ ٹائن بی نے مسیحیت کا حامی ہونے کے باوجود' لاک کی اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے' نہ صرف سولہویں صدی بلکہ دیگر زمانوں میں ہونے والے مسیحی ظلم و تشدد اور عدم رواداری کی مثالیں بھی دی ہیں۔ مثلاً اس نے لکھا ہے کہ میکسیکو کے قدیم باشندے

had been converted to Christianity by force, and had never been given freedom to reject it.

"زبردستی عیسائی بنائے گئے' اور انہیں اسے مسترد کرنے کی آزادی نہیں دی گئی۔" (۱۵۱)

اسی طرح امریکہ میں بالخصوص سپین کے مسیحی آبادکاروں نے مقامی باشندوں کو زبردستی عیسائی بنایا' اور انہیں مجبور کر کے ان سے کلیسا اور خانقاہیں بنوائیں۔(۱۵۲)

۹- بائبل اور علم و تہذیب

مسیحی علماء اور مبلغین کے تاریخی جھوٹوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بائبل اور مسیحیت نے دنیا کو علم و دانش اور تہذیب و تمدن سے روشناس کیا ہے۔ لیکن حقیقت کچھ اور ہی ہے۔ اس سلسلہ میں جہاں تک عہد عتیق کا تعلق ہے' اس کی تعلیم پر غیر ترقی یافتہ بدوی معاشرہ کی واضح چھاپ کا تذکرہ قبل ازیں اسی باب میں ہم کر چکے ہیں (حوالہ ۹۹' ۱۰۰)۔

۱۵۰- دیکھئے حوالہ ذیل۔ اس ضمن میں عیسائیوں کے لئے لاک کی بات کو یہ کہہ کر رد کرنا آسان نہیں کہ وہ ایک آزاد خیال اور ملحد فلسفی تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے مسیحیت کے دفاع میں کتابیں بھی لکھی ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

Concise Oxford Dictionary of the Church. pp.306-307.

151. Arnold Toynbee : An Historian's Approach to Religion, Oxford, 1957, pp.159,163.

151. J.L. Hurlburt : The Story of the Christian Church, p.194.

اور عہد جدید میں عام بیماریوں کی توجیہ کے طور پر "بدروحوں" کے مریض کے جسم پر قابض و مسلط ہونے کے جاہلانہ نظریہ کا ذکر بھی باب ہفتم میں ہو چکا ہے(حوالہ: ۸۲ تا ۸۶)-

اسی طرح کتاب احبار میں مذکور کوڑھ اور کوڑھی کے احکام بھی مضحکہ خیز حد تک توہم پرستانہ اور بدوی ہیں' مثلاً یہ کہ جو کوڑھی ہو "اس کے کپڑے پھٹے اور بال بکھرے رہیں' اور وہ اوپر کے ہونٹ کو ڈھانکے' اور چلا چلا کر کہے ناپاک ناپاک-" پھر اگر وہ شفایاب ہو تو اسے 'پاک' کرنے کے لئے ایک پرندہ "مٹی کے برتن میں بہتے ہوئے پانی کے اوپر ذبح کیا جائے"- اور ایک دوسرے زندہ پرندے کو اس کے خون میں غوطہ دے کر آزاد کیا جائے' اور پرندے کو غوطہ دیتے ہوئے "دیودار کی لکڑی اور سرخ کپڑے اور زوفا" کو بھی خون میں غوطہ دیا جائے- نیز "کوڑھ کی بلا کسی گھر میں سبزی یا سرخی مائل گہری لکیروں کی صورت" میں ہو اور "دیوار میں سطح کے اندر" نظر آتی ہو' تو اس کی مٹی وغیرہ کھرچی جائے- اور اگر وہ بلا پھر دیواروں میں آجائے "تو اس گھر میں کھا جانے والا کوڑھ ہے" لہٰذا اسے گرا دیا جائے- اور اگر دوبارہ نظر نہ آئے تو مذکورہ چیزوں (دو پرندے' دیودار کی لکڑی' سرخ کپڑا اور زوفا) کے نسخہ سے اسے پاک کیا جائے-

علیٰ ہٰذا القیاس حیض و استحاضہ میں مبتلا عورت کا اس حد تک ناپاک ہونا کہ جو اسے چھوئے وہ بھی' اور جو اس کا بستر چھوئے وہ بھی ناپاک ہو- اور پھر "ناپاک خون کے جریان کے لئے" قربانی کی صورت میں کفارہ دینا بھی بے علمی' وہم اور بدویت پر مبنی احکام ہیں-[۱۵۳]

دراصل اس سلسلہ میں بنیادی بات یہ ہے کہ علم و عرفان کو' جو تہذیب و تمدن کی خشت اول ہے' بائبل میں کوئی اہم مقام نہیں دیا گیا- بلکہ جہاں قرآن کے نزدیک علم و آگہی' آدمؑ کی عظمت کی بنیاد ہے اور خود خدا نے انسان کو علم کے راستہ پر گامزن کیا (عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا) اور جہاں قرآن نے اولین وحی ہی میں پڑھنے اور لکھنے پر زور

۱۵۳- احبار ۱۳: ۴۵' ۱۴: ۴- ۷' ۱۴: ۳۳- ۵۳' ۱۵: ۱۹- ۳۰-

دیا"(۱۵۴)، وہاں بائبل کے عہد عتیق کا بیان یہ ہے کہ خدا نے آدم کی آگہی کو شروع ہی سے پسند نہیں کیا۔ (۱۵۵) اور عہد جدید کے مطابق، مسیح لوگوں کا "بچوں کی مانند" بننا پسند کرتے تھے۔(۱۵۶) اور جیسا کہ برٹرینڈ رسل نے کہا ہے، چھوٹے بچے نہ اعلیٰ علوم سمجھ سکتے ہیں نہ انہیں ان کی ضرورت ہوتی ہے۔اس لئے کلیسیا کے نزدیک علم حاصل کرنا غیر ضروری بلکہ گناہ آمیز تھا، کیونکہ:

It may lead to pride of intellect, and hence to a questioning of the Christian dogma.

"یہ ذہنی غرور اور پھر مسیحی عقائد میں شک پر منتج ہو سکتا تھا۔"

چنانچہ پوپ گریگوری اعظم (م-۶۰۴ء) نے اپنے ایک ماتحت بشپ کو لکھا:

A report has reached us, which we cannot mention without a blush, that thou expoundest grammar to certain friends.

ہمیں اطلاع ہوئی ہے، اور ہم اس کا ذکر کرتے ہوئے شرمائے بغیر نہیں رہ سکتے، کہ تم اپنے بعض دوستوں کو گریمر (زباندانی کے قواعد) پڑھاتے ہو۔"

پوپ نے اس بشپ کو مجبور کیا کہ وہ اس "شیطانی کام" (wicked labour) اور "وحشت ناک" (horrible) اور "انتہائی گھٹیا" (execrable) فعل سے باز آجائے۔(۱۵۷)

۱۵۴۔ القرآن ۲:۳۱-۳۴، ۹۶:۱-۵

۱۵۵۔ پیدائش ۳:۲۲

۱۵۶۔ متی ۱۸:۳

157. Bertrend Russel : op.cit., pp.19,35;

W.Lecky: op. cit., vol.2 , p.115;

Pope Gregory's Letter (Migne Collection), XI, 54, quoted by:

J.McCabe: Social Record of Christianity, p.32.

مسیحیت کے ابتدائی ادوار میں عیسائیوں کی علم ودانش سے بے نیازی بلکہ نفرت کی ایک اور بنیادی وجہ' بائبل کے عہد جدید کی دنیا کا خاتمہ بالکل قریب ہونے کی (eschatological) تعلیم تھی- مثلاً بائبل کا بیان ہے کہ مسیح نے کہا:

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب تک خدا کی بادشاہی کو قدرت کے ساتھ آیا ہوا نہ دیکھ لیں' موت کا مزہ ہرگز نہ چکھیں گے-"(۱۵۸)

ظاہر ہے جب قیامت و آخرت کا وقوع اتنا قریب مان لیا جائے' تو علم و عرفان کے حصول اور تہذیب و ترقی کی تعمیر کا وقت کہاں رہ جاتا ہے؟ البتہ عیسائی پادریوں اور راہبوں نے اپنی "پاکیزہ مصروفیات" سے اتنا وقت ضرور نکال لیا کہ یونانی و رومی (Greco - Roman) ادوار کی لاکھوں کتابوں پر مشتمل لائبریریاں جلادیں- ان میں اسکندریہ کی عظیم لائبریری بھی شامل تھی' جس کے بارے میں بہت بعد میں یہ ناقابل یقین جھوٹ (discredited fiction) گھڑا گیا کہ اسے (تین صدیوں کے بعد آنے والے) مسلمان عربوں نے برباد کیا تھا--- فی الحقیقت مسیحیت کے عروج کے ہزار بہترین سالوں (چوتھی صدی کے آخر سے لے کر چودھویں مسیحی صدی تک) کے دوران پوری مسیحی دنیا میں ایک بھی ایسی لائبریری نہ تھی جس میں دس ہزار تک کتابیں موجود ہوں' اور تیرھویں صدی کے آخر تک فرانس کے سب سے بڑے راہب خانہ سینٹ گال (St.Gall) میں ایک بھی راہب ایسا نہ تھا جو لکھ پڑھ سکتا ہو- جب کہ اس دور کے عرب اور ہسپانی مسلمان کثرت سے لکھے پڑھے اور لاکھوں کتابوں پر مشتمل بے شمار لائبریریوں کے مالک تھے' (۱۵۹) اور ان کی سینکڑوں یونیورسٹیاں اور علمی ادارے تھے' جو یورپ کی علمی و تہذیبی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کی بنیاد بنے:

It was under the influence of the Arabian amd Moorish

۱۵۸- مرقس ۹:۱ - نیز دیکھئے: متی ۲۸:۱۶-

159. Social Record of Christianity, pp.32-33.

reival of culture, and not in the fifteenth century, that the real Renaissance took place. Spain, not Italy, was the cradle of the rebirth of Europe.

"تحریک احیائے علوم پندرھویں صدی میں نہیں' بلکہ (اس سے قبل) عرب اور سپین کے تہذیبی احیاء کے زیر اثر برپا ہوئی تھی- یورپ کی نشاۃ ثانیہ کا گہوارہ اٹلی نہیں بلکہ سپین تھا-"علم سے محبت اور لگن اور سائنسی تحقیق و تفتیش کے مشاہدہ و تجربہ پر مبنی طریقے' یورپ نے یونانیوں سے نہیں بلکہ مسلمانوں سے سیکھے-(۱۶۰)

نشاۃ ثانیہ سے پہلے مسیحیت کے "بہترین" ہزار سالہ دور (Christian Millenium) کی انہی علمی و تہذیبی (اور اخلاقی) کوتاہیوں اور خرابیوں ہی کے پیش نظر ولیم لیکی جیسے عیسائیت کے قدردان کو کہنا پڑا کہ یہ دور

one of the most contemptible in history.

"تاریخ کے (بدترین اور) انتہائی قابل نفرت ادوار میں سے ہے-"

اور اس دور کی تہذیب

no justification of the common boast about the regeneration of society by the Church.

"اس معروف فخریہ دعویٰ کا کوئی جواز مہیا نہیں کرتی کہ مسیحی کلیسیا نے انسانی سماج کی تعمیر نو کی-" (۱۶۱)

کلیسیا نے ماہرین فلکیات برونو Bruno (م-۱۶۰۰ء) اور گلیلیو Galileo (م-۱۶۴۲ء) سے جو سلوک کیا' وہ بھی اس کے علم و دانش اور تہذیب و تمدن سے متعلق نقطۂ نظر اور رویہ کا مظہر ہے- ان کا قصور یہ تھا کہ وہ جدید فلکیات کے پیش رو کوپرنیکس (Copernicus) کے

---

160. Robert Briffault: The Making of Humanity, London, 1919. (Lahore, 1980), pp.188,191 (chap.5).

161. W.Lecky: op.cit., vol.2 ,pp.6-7.

اس نظریہ کے حامی تھے کہ کائنات کے نظام شمسی (solar system) کا مرکز سورج ہے' زمین نہیں۔ اس "جرم" کی پاداش میں برونو کو ٹکٹکی پر باندھ کر زندہ جلا دیا گیا اور بوڑھے گلیلیو کو ایذائیں دے کر مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے اس "کافرانہ" نظریہ سے برأت کا اظہار کرے۔[۱۶۲]

دراصل عیسائیت کے عروج کا 'سنہرا' دور وہی ہے جسے خود مسیحی مؤرخین تقریباً بالاتفاق قرون مظلمہ (Dark Ages) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ علم و دانش اور تہذیب و تمدن کا نہیں' علم و عرفان کی مخالفت اور جہالت و توہم پرستی کا دور تھا۔ یہ علماء و محققین کی سرپرستی کا نہیں' ان کی تذلیل و توہین اور ان کے نظریات پر کلیسیا کے جاہل ذمہ داروں کے' تغلب و تسلط کا دور تھا۔ اس میں مذکورہ سلوک صرف گلیلیو یا برونو جیسے چند افراد سے نہیں ہوا بلکہ کلیسیا نے جب چاہا کلیساؤں' شہری کونسلوں اور عدالتوں کے افسروں اور عام شہریوں کو احتساب و تعذیب کا نشانہ بنایا' اور جسے چاہا انسان کی بجائے چڑیل (witch) قرار دے کر زندہ جلا دیا۔ اس تاریک دور میں سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں پڑھے لکھے اور ان پڑھ ہر قسم کے لوگوں کو چڑیل سمجھ کر ان پر غیر انسانی تشدد روا رکھا گیا۔ اور یہ سلسلہ نام نہاد تحریک اصلاح مذہب اور احیائے علوم کے بعد پروٹسٹنٹ عیسائیوں نے بھی جاری رکھا۔[۱۶۳] اس ماحول میں جہاں انسانوں کو چڑیلیں سمجھا جا رہا ہو اور علماء کی سوچ پر پہرے ہوں' علم و تہذیب کے پنپنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تہذیب و تمدن کی نشوونما کے لئے' توہم پرستی سے آزادی اور علم و حکمت کی ترقی کے بعد اگر کسی چیز کی ضرورت ہے' تو وہ ذوق نفاست ہے مگر عیسائیت کے ہزار سالہ 'سنہری دور'

162. Oxford Dictionary of the Church, pp.203, 341, 536,537.

163. Rationalist Encyclopaedia, pp.622-623, with reference to H.C.Lea: Materials Toward a History of Witchcraft (3 vols., 1939), and White: Wafare of Sience with Theology (1876); Colin Wilson: op,cit., p.387.

میں (اور اس کے کافی عرصہ بعد تک) مسیحی دنیا کے عوام و خواص میں اس کا بھی بالعموم فقدان تھا۔ نفاست طبع تو دور کی بات ہے' لوگ صفائی و ستھرائی جیسی بنیادی چیز کی تہذیبی قدر و قیمت سے بھی ناآشنا تھے۔ بڑے بڑے بادشاہ اور ان کے درباری' بڑے بڑے مسیحی پیشوا اور ان کے حواری' نہانے دھونے تک کی اہمیت سے غافل تھے۔ محلات میں بھی غسل خانوں کا وجود نہ تھا۔ اور جب تحریک احیائے علوم کے بعد مسیحی دنیا نے ہسپانوی اور دوسرے عربوں سے رہنے سہنے کا طریقہ سیکھا' تو انہیں پتہ چلا کہ شہروں اور قصبوں اور پھر گھروں اور جسموں کی صفائی و تزئین کیسے ہوتی ہے۔[۱۶۴] ورنہ پہلے تو وہ صفائی کو دینداری اور خدا پرستی کے منافی (hostile to godliness) سمجھتے تھے' اور بالخصوص مذہبی طبقات کے لیے یہ بات قابل تعریف سمجھی جاتی تھی کہ وہ کبھی منہ یا پاؤں وغیرہ نہیں دھوتے![۱۶۵]

صحت و صفائی کے ناقص انتظامات' تعلیم و حکمت سے بے نیازی' توہم پرستی اور علماء کی ناقدری نے مل جل کر ایسے حالات پیدا کئے کہ مسیحیت اور کلیسیا کے انتہائی عروج کے طویل دور میں مسیحیت نہ تو یونانی و رومی تہذیب کی حفاظت کر سکی اور نہ ہی دنیا کو تمدن کی نئی راہیں دکھا سکی۔ آج کی نام نہاد مسیحی دنیا کا تہذیب و تمدن اور عقل و دانش جیسی بھی ہے اور جتنی بھی ہے' مسیحیت کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ سب مسیحیت سے فرار اور بغاوت کے بعد کی پیداوار ہے۔

۱۰۔ کیا بائبل ایک عالمگیر مذہب پیش کرتی ہے؟

خدا اور انبیاء کے ناقص تصور' تعلیم اخلاق کے گھٹیا معیار' فحش نگاری' عورتوں' غلاموں

---

164. Rationalist Encyclopaedia, pp.50-51.

165. Will Durant: The Age of Faith, p.59;
W.Lecky : op.cit., vol.2, p.109.

اور غریب کارکنوں کی ناقدری، جہالت و بدویت پر مبنی اور ناقابل عمل سماجی تعلیم، تشدد و سفاکی کی حوصلہ افزائی، اور علم و تہذیب کی مخالفت کی بنا پر بائبل ایک عالم گیر کتاب اور عیسائیت ایک ہمہ گیر مذہب قرار دیئے جانے کی مستحق نہیں ہے۔ یہ محض تاریخی حادثات، بادشاہوں کی سرپرستی اور زبردستی، اور قرون مظلمہ کی جہالت کا نتیجہ ہے کہ عیسائیت کو اس قدر پھیلنے کے مواقع ملے۔ ورنہ بائبل کی محولہ بالا ناقص تعلیمات کے علاوہ اس کتاب کا عیسائیت کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر بھی یہی ہے کہ یہ مذہب شروع ہی سے ایک عالم گیر مذہب بننے کے لئے نہیں آیا تھا۔

چنانچہ عہد عتیق کا تو سارا خطاب ہی بنی اسرائیل سے ہے، اور خدا کو ہمیشہ "اسرائیل کا خدا" اور "اسرائیل کا خداوند" کہہ کر پکارا گیا ہے۔[۱۶۶] عہد جدید کے مطابق بھی عیسیٰؑ صرف اسرائیلی نبی تھے، اور دوسری قوموں کو تبلیغ کرنا ان کے مشن میں شامل نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے کہا:

> "میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کے پاس نہیں بھیجا گیا۔"

غیر اسرائیلیوں کے لئے نبی نہ ہونا تو دور کی بات ہے، عیسیٰؑ اس بات پر بھی آمادہ نہ تھے کہ اپنے شفا دہی کے معجزات سے غیر اسرائیلوں کو فائدہ پہنچائیں۔ اس لئے جب ایک کنعانی عورت نے شکایت کی کہ ایک 'بدروح' میری بیٹی کو ستاتی ہے، تو انہوں نے مذکورہ بالا جواب دینے کے علاوہ یہ بھی کہا:

> "لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں ہے۔" [۱۶۷]

۱۶۶۔ دیکھئے: ا۔ سموئیل ۲۵: ۳۲، ا۔ سلاطین ۱: ۴۸، ا۔ تواریخ ۱۶: ۳۶، ۲۔ تواریخ ۶: ۴، وغیرہ۔

۱۶۷۔ متی ۱۵: ۲۲، ۲۴، ۲۶

'کنعانی' اسرائیلیوں کی آمد سے پہلے فلسطین کے قدیم باشندے تھے۔ دیکھئے:

Concise Oxford Dictionary of the Church, p.36.

بارہ شاگرد منتخب کر کے انہیں تبلیغ کے لئے بھیجتے ہوئے بھی آپ نے انہیں یہی ہدایت دی:

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا- بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا-" (۱۶۸)

مسیحؑ کی طرف سے اپنی اور اپنے شاگردوں کی تبلیغی مساعی کو بنی اسرائیل تک محدود رکھنے کے ان واضح اور دوٹوک اعلانات کو نظر انداز کر کے مسیحی مبلغ بائبل کی عالم گیر تبلیغ کے لئے اور مسیحیت کو عالمی مذہب ثابت کرنے کے لئے' اس قسم کے حوالوں کا سہارا لیتے ہیں: (عیسیٰ نے مر کر جی اٹھنے کے بعد' شاگردوں سے کہا) "تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور ان کو باپ' بیٹے اور روح القدس کے نام سے بپتسمہ دو-" (۱۶۹) مگر یہ آیت نہ صرف مذکورہ احکام سے متضاد ہے' بلکہ محققین اس کے جعلی اور محرف ہونے پر متفق ہو چکے ہیں (دیکھئے: باب پنجم' حوالہ ۱۸۲) اور انجیل مرقس میں اس کے ہم معنی آیت ("اور اس نے ان سے کہا کہ تم دنیا میں جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو") (۱۷۰) جو انجیل متی کی مذکورہ آیت کی بنیاد ہے' بھی جعلی' محرف اور الحاقی ہے' جیسا کہ باب ہشتم (حوالہ ۲۴۹' ۲۵۰) میں واضح ہو چکا ہے-

علاوہ بریں' مسیحؑ کے اپنے قول کے مطابق "شاگرد اپنے استاد سے بڑا نہیں ہوتا-" (۱۷۱) پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ مسیح تو صرف "اسرائیل کے گھرانوں" کے لئے

۱۶۸- متی ۱۰:۵-۶

'سامری' (Samaritans) ان غیر یہودی و غیر مذہب کے لوگوں کی اولاد تھے جنہیں آٹھویں صدی قبل مسیح میں یہود پر فتح پانے کے بعد اسوریوں نے فلسطین میں آباد کیا تھا- دیکھئے:

Concise Oxford Dictionary of the Church, p.457.

۱۶۹- متی ۲۸:۱۹

۱۷۰- مرقس ۱۶:۱۵

۱۷۱- متی ۱۰:۲۴

ہوں' اور ان کے شاگرد اور پیروکار "ساری خلق" اور سب قوموں کے لئے؟ نیز مسیحؑ کے ایک اور قول سے بھی واضح ہوتا ہے کہ مسیحؑ کی زندگی تک ہی نہیں' بلکہ ان کی دوبارہ آمد یعنی قرب قیامت تک بھی' ان کے شاگردوں کا تعلق اور واسطہ صرف اسرائیلیوں سے رہنا ہی مسیحؑ کے پیش نظر تھا- اسی لئے انہوں نے کہا:

"جب ابن آدم نئی پیدائش میں اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا' تو تم بھی جو میرے پیچھے ہو لئے' بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کرو گے-"

اور اس کی مزید تائید مسیحؑ کے اس قول سے ہوتی ہے: "تم اسرائیل کے سب شہروں میں نہ پھر چکو گے کہ ابن آدم آ جائے گا-"[۱۷۲] گویا شاگردوں کے لئے واضح احکام ہیں کہ انہیں صرف اسرائیلیوں کے پاس جانا ہے اور غیر قوموں کی طرف نہیں جانا- اور انہیں بتایا گیا ہے کہ مسیح کی آمد ثانی تک وہ اسرائیل کے شہروں ہی میں پھریں گے' اور پھر اسرائیل کے قبیلوں ہی کا انصاف کریں گے- ان واضح آیات کے مقابلے میں عیسائیت کی عالم گیری کے ثبوت میں جو آیات پیش کی جاتی ہیں ان کا جعلی ہونا خود عیسائیوں کے نزدیک ثابت ہو چکا ہے-

مسیحؑ اور ان کے شاگردوں اور پیروکاروں کے پیش کردہ مذہب کے اسرائیل تک محدود ہونے کا ایک اور بین ثبوت یہ ہے کہ مسیحؑ کے شاگرد ان کے بعد بھی واقعی انہی ہدایات پر کاربند رہے' اور وہ "یہودیوں کے سوا اور کسی کو کلام نہ سناتے تھے-"[۱۷۳] اور جب انہوں نے سنا کہ پطرس' نامختون غیر اسرائیلیوں کے پاس تبلیغ کے لئے گیا ہے اور اس نے ان کے ساتھ کھانا کھایا ہے' تو انہوں نے بحث و اعتراض کیا- پطرس نے اس کے جواب

۱۷۲- متی ۱۹:۲۸' ۱۰:۲۳

۱۷۳- اعمال ۱۱:۱۹

یاد رہے کتاب اعمال کے باب ۱۱ کی آیات ۱۹ و مابعد' اس کتاب کے باب ۸ سے متعلق ہیں (دیکھئے: پیک کی تفسیر' ص- ۷۸۹)- اور باب ۱۱ کی پہلی آیات (جن کا حوالہ آگے آ رہا ہے)' اس سے پہلے کا واقعہ بیان کرتی ہیں-

میں یہ نہیں کہا کہ میں غیر اسرائیلیوں کے پاس مسیح ؑ کے احکام و ہدایات کے مطابق گیا ہوں جو انہوں نے اپنی زندگی میں یا 'مر کر جی اٹھنے' کے بعد دیئے تھے۔ اس کی بجائے اس نے اپنا ایک مبہم سا خواب سنا دیا' اور کہا کہ میں 'روح' کی ہدایت کے مطابق (اور مسیح کی واضح ہدایات کے برعکس) ایک غیر اسرائیلی گھرانہ میں گیا تھا۔ حالانکہ خود پطرس بھی ابتدا میں "اے یہودیو" اور "اے اسرائیلیو" کہہ کر ہی اپنے تبلیغی خطاب کا آغاز کرتا تھا اور انہی سے مخاطب ہوتا تھا۔[۱۷۴] پھر جب پولس اور برناباس نے تبلیغ شروع کی تو وہ بھی صرف "یہودیوں کے عبادت خانوں میں خدا کا کلام سناتے تھے" اور انہی کو مخاطب کرتے تھے[۱۷۵] لیکن جب انہوں نے بعض غیر یہود کا اپنی تبلیغ کی طرف رجوع دیکھا' تو آہستہ آہستہ (ابتدا میں صرف پولس اور پطرس' اور پھر باقی حواری اور بابائے کلیسیا) انہیں تبلیغ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ البتہ شروع میں ان کا اصرار تھا کہ جو غیر یہودی ان کے ساتھ ملنا چاہیں' وہ یہود کے رسوم و رواج کی پابندی کریں اور ختنہ وغیرہ کرائیں۔ تاہم بعد میں غیر قوموں کے لوگوں کو زیادہ تعداد میں ساتھ ملانے کی غرض سے انہوں نے ان پابندیوں کو بھی نرم کر دیا۔[۱۷۶]

اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عیسائیت (الف) اپنی تعلیمات کے لحاظ سے' (ب) عیسیٰؑ کے اپنے ارادہ و نیت کے اعتبار سے' اور (ج) حواریوں کی ابتدائی تبلیغی مساعی کی روشنی میں' عالم گیر مذہب نہ تھی۔ مگر حواریوں میں سے بعض نے کچھ غیر اسرائیلیوں کا اپنی طرف رجوع دیکھ کر عیسیٰؑ کی ہدایت کے برعکس ان میں از خود تبلیغ شروع کی۔ پھر پولس کی تحریفات نے عیسائیت کو غیر قوموں کے لئے زیادہ قابل قبول بنایا۔ اور جب پولسی عیسائیت کو رومی بادشاہوں کی سرپرستی مل گئی' تو یہ ایک عالم گیر مذہب بننے کی صلاحیت نہ رکھنے کے باوجود دنیا میں پھیل گئی۔ تاہم اپنے غلبہ کے دور میں یہ دنیا کو کوئی قابل قدر تمدن نہ دے سکی۔

۱۷۴۔ اعمال ۱۱:۱۔۱۸' ۱۴:۲' ۲۲:۲۔

۱۷۵۔ ایضاً ۱۳:۵' ۱۷

۱۷۶۔ ایضاً ۱۵:۱ و مابعد۔

لیکن جب دنیا صنعتی دور اور جدید ترقی سے ہمکنار ہوئی' تو دنیا کے جس خطہ کو اس ترقی کے ثمرات اور مواقع زیادہ میسر آئے' اس کے باسی اتفاقات و حوادثات زمانہ سے عیسائی تھے- اس سے جرأت پا کر عیسائی مبلغین کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ یہ ساری ترقی اور تہذیب عیسائیت کا ثمرہ ہے- حالانکہ یہ تہذیب و ترقی ان علوم و فنون کا ثمرہ ہے جن کی طویل عرصہ تک مسیحی کلیسیا نے مخالفت کی تھی- اور اس کا حصول اس وقت ممکن ہوا جب مسیحی دنیا صرف نام کی حد تک مسیحی رہ گئی' اور عملاً بائبل' کلیسیا اور مسیحیت کے تہذیب و تمدن اور علم و حکمت کے لئے تباہ کن تفوق و تسلط سے آزاد ہو گئی-

پھر صنعتی انقلاب اور یورپی عوام کی ترقی کے بعد دیگر اقوام و ملل میں عیسائیت کا جتنا پھیلاؤ ہوا' اس میں بھی عیسائیت کی اپنی خوبیوں اور عالم گیر اپیل کا دخل نہیں' بلکہ وہ ان یورپی اقوام کی دنیاوی و مادی ترقی' ان کے مالی و اشاعتی وسائل کی وسعت' اور استعمار کا نتیجہ ہے-

❁❁❁

باب دہم

بائبل کی اخلاقی تعلیم کے اثرات

بائبل کی سماج دشمن تعلیم' اس کے عورتوں اور غلاموں وغیرہ کمزور و پسماندہ طبقات کے بارے میں نظریات' اس کا علم و تہذیب کی جانب رویہ' اور اس میں شقاوت و سفاکی کے جراثیم کے جو اثرات دنیا میں پیدا ہوئے' ان کا جائزہ ہم گزشتہ باب میں بائبل کی ان تعلیمات کے بیان کے ضمن میں لے چکے ہیں- لیکن گزشتہ باب ہی میں بائبل کی ناقص اخلاقی تعلیم' اس کی فحش نگاری اور رہبانیت کی ترغیب کا جو تذکرہ ہوا تھا' ان کی روشنی میں یہ دیکھنا باقی ہے کہ بائبل کے پیش کردہ عقائد اور اس کے سماجی و اخلاقی نظریات نے اپنے پیروکاروں کی اخلاقی زندگی پر کیا اثرات مرتب کیے- ہماری نظر میں اس امر کا جائزہ لینے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان لوگوں کی عملی اخلاقی زندگی کو دیکھا جائے جو خصوصی مذہبی طبقہ میں شمار ہوتے ہیں' اور جنہوں نے بائبل کو اپنی زندگیوں میں عوام کی نسبت زیادہ جاری و ساری کرنے کا دعویٰ کیا اور بظاہر اس کی کوشش بھی کی- ہماری مراد پادریوں' راہبوں' راہبات اور عیسائیت کے ان سربراہوں (پاپاؤں' کارڈینلوں وغیرہ) سے ہے جو کلیسیاؤں کی تقسیم و تفریق سے پہلے تقریباً سارے عالم مسیحیت کے رہنما ہوا کرتے تھے-

۱- عیسائیت کے رواج و غلبہ کے دور میں پادریوں کی اخلاقی حالت

قرون وسطیٰ و مظلمہ میں' جو عیسائیت کے غلبہ و تفوق اور کلیسیا کی برتری کا دور ہے' بلاشبہ کچھ اچھے پادری اور کلیسیائی خدام بھی موجود تھے- مگر کلیساؤں اور مذہبی خدمت گاروں میں بدکردار افراد کا تناسب بہت زیادہ تھا- کلیسیا کے تاریخی امور کے فاضل لی (Lea) نے ساتویں اور آٹھویں صدی کے عام پادریوں اور کلیسیائی عہدیداروں کی کیفیت

اس طرح بیان کی ہے:

. . . the crowd of turbulent and worldly ecclesiastics whose only aim was the justification of the senses or success of criminal ambition.

”یہ دنیادار اور آمادۂ فساد پادریوں کا ہجوم تھا‘ جس کا واحد مقصد جسمانی حسیات کی تسکین اور مجرمانہ خواہشات کی تکمیل تھا۔“ (۱)

اور دسویں صدی کے ایک اطالوی بشپ کے درج ذیل بیان کو اگر مبالغہ پر محمول بھی کیا جائے‘ تو بھی یہ اس دور کے اہل کلیسا کی اخلاقی حالت کا ایک عمومی اندازہ پیش کرتا ہے۔ بشپ نے کہا تھا:

if he were to enforce the canons against unchaste people administering ecclesiastical rites, no one would be left in the Church except the boys; and if he were to observe the canons against the bastards, these also must be excluded.

”اگر وہ کلیسائی رسوم و خدمات انجام دینے والوں پر عفت اور اخلاقی پاکیزگی کے قوانین صحیح طور پر نافذ کرے‘ تو کلیسا (اپنے خدام سے خالی ہو جائے گا) اور اس میں صرف لڑکے بالے رہ جائیں گے۔ اور اگر وہ حرامیوں کے بارے میں قوانین کی پابندی بھی کرے‘ تو یہ لڑکے بھی (کلیسا سے) خارج ہو جائیں گے۔“ (۲)

جب برائی اتنی کثرت سے پھیل جائے تو ظاہر ہے کہ ہر بدکار کے خلاف اقدام نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ جن کی بدی عام افراد سے بہت بڑھ جاتی اور بری شہرت پھیل جاتی‘ ان کے

1. H.C.Lea: An Historical Sketch of Sacredotal Celibacy in the Christian Church, Boston, 1884, p.126.

2. W.E.H. Lecky: History of European Morals (1911), vol.2,p.330.

خلاف اعلیٰ کلیسیائی عہدیداروں کو قدم اٹھانا پڑتا- اس سلسلہ میں ایسے واقعات بھی ہیں کہ تیرھویں صدی کے ایک بشپ کے ناجائز بچوں کی تعداد پینسٹھ تک پہنچ گئی' تو "بالآخر" اسے معزول کر دیا گیا-(۳)

قبل ازیں آگسٹائن (م-۴۳۰ء) جیسے متکلم اور قدیس (saint) کی زیادہ تو نہیں' مگر ایک داشتہ اور ایک ناجائز بچے کا ہونا ایک کھلا راز تھا- اس 'خدا پرست قدیس' نے اس بچہ کا نام Adeodatus یعنی Gift of God (عطیۂ خداوندی) رکھا تھا!(۴) اور عیسائیت کے عروج کے زمانہ میں تو پادریوں کے حرامی بچوں کی اتنی کثرت تھی کہ قدیم جرمن زبان میں حرامی بچے کے لئے مستعمل لفظ Pfaffenkina کا لغوی مطلب ہی 'پادری کا بیٹا' ہے-(۵)

اہل کلیسا کی جاری کردہ اعتراف گناہ (Confession) کی بدعت نے بھی فحاشی پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا- رسم یہ تھی (کیتھولک عیسائیوں میں اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے) کہ پادری کے سامنے آکر سال' مہینہ یا ہفتہ میں ایک بار اپنے گناہوں کی تفصیل بیان کرو اور اس سے برکت حاصل کر لو' گناہ معاف ہو جائیں گے-(۶) اس رواج نے ایک طرف عوام کو گناہوں پر آمادہ و دلیر کیا دوسری طرف پادریوں کی جیبیں اور کلیسا کے خزانے بھرے (بعض گناہوں کی معافی کے لئے مقررہ فیس لی جاتی تھی)' اور تیسری طرف پادریوں کو معترفین (خصوصاً عورتوں) کی عزتوں سے کھیلنے کے وسیع مواقع دیئے- کلیساؤں میں 'اعتراف' کے لئے الگ تھلگ جگہیں (Confessionals) بنی ہوئی تھیں' جن میں صرف پادری اور معترف موجود ہوتے تھے -ان جگہوں نے بے شمار گناہوں اور

---

3. H.C.Lea: op.cit., p.336.

4. W.Lecky: op.cit., p.332, footnote.

5. H.C.Lea: op.cit., p.336.

6. Oxford Dictionary of the Church, pp.7-8 ('Absolution') ; Rationalist Encyclopaedia, pp.110-111.

برائیوں کو جنم دیا' جو کم از کم انیسویں صدی تک جاری رہیں۔[7]

پادریوں کو وسیع پیمانے پر بدکار بنانے میں ان پر عائد شادی کی پابندیوں (گزشتہ باب کا حوالہ ۶۷ تا ۷۰ دیکھیں) کا بڑا دخل تھا۔ ایک طرف ان غیر فطری پابندیوں اور دوسری طرف کفارہ اور اعتراف کے نظریات نے انہیں گناہ کی وادیوں کے مسافر بنا دیا۔

اگرچہ عیسائی پادریوں کی بدکاری کا سلسلہ بہت پرانا ہے' مگر اس کا اعلیٰ ترین سطح پر نوٹس لئے جانے کا جو ریکارڈ ہمارے پاس موجود ہے وہ آٹھویں صدی کا ہے' جب پوپ زکری (Zachary) کے پاس شکایت کی گئی کہ ڈیکن (Deacon) کے درجہ کے اکثر کلیسیائی عہدیداروں کے پاس چار چار پانچ پانچ داشتائیں ہیں۔[8]

رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگوں کو اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو پادری حضرات سے بچانے کی فکر دامنگیر ہوئی۔ چنانچہ بہت سے علاقوں میں لوگ اس بات پر اصرار کرتے تھے کہ اگر پادری صاحب کو کلیسا کی طرف سے باقاعدہ شادی کی اجازت نہیں' تو وہ کوئی داشتہ یا داشتائیں رکھ لیں' تاکہ ان کے حلقہ کی باقی بہو بیٹیاں ان کی دستبرد سے محفوظ رہیں۔[9] اندھا کیا چاہے' دو آنکھیں۔ بہت سے پادری صاحبان نے اپنے پیروکاروں کے اس "مخلصانہ" مشورہ کو تسلیم کیا۔ دو دو داشتائیں تو عام پادریوں کی تھیں۔ بعض نے اتنی کثرت سے داشتائیں رکھیں کہ امراء و حکام' اہل کلیسا کے لئے داشتائیں رکھنے کا باقاعدہ لائسنس (A license to clergyman to keep concubines) جاری کرتے تھے'

---

7. H.C.Lea: op.cit., pp.350,352,534,634-635.

8. H.C.Lea: A History of Auricular Confession and Indulgences in the Latin Church, (Philadalphia, 1886), vol.1,p.46.

9. W.Lecky:op.cit., P.333;
H.C.Williams: The Historian's History of the World, (London, 1908), vol.8, p.634;
Will Durant: op.cit., vol.4, p.542.

اور اس پر فیس وصول کی جاتی تھی- جسے کلاجیم (calagium) کہا جاتا تھا- یہ طریقہ کئی صدیوں تک جاری رہا-(۱۰) حتیٰ کہ عوامی اجتماعات و تقریبات میں پادری کی داشتہ کو ایک باقاعدہ بیوی کی طرح عزت کی جگہ (place of honour) ملتی تھی!(۱۱)

پوپ الیگزینڈر سوم (۱۱۵۹ء) نے پادریوں کی شادی کی ممانعت کے قوانین کو سختی سے نافذ کیا' مگر ساتھ ہی اپنے نمائندوں کو حکم دیا کہ وہ کسی بھی پادری کے ایک آدھ داشتہ رکھنے پر معترض نہ ہوں' تاکہ اس کے حلقہ کی باقی عورتیں محفوظ رہیں-(۱۲) مگر یہ طریقے بھی عیسائی خواتین کو اپنے پادریوں کی دستبرد سے محفوظ نہ رکھ سکے' کیونکہ عام پادری بہیمیت کے اس درجہ پر "فائز" تھے جہاں وہ داشتائیں رکھنے کے باوجود اپنے پیروکاروں کی بہو بیٹیوں کو بخشنے کے لئے تیار نہ تھے-(۱۳)

لوگوں کی بہو بیٹیاں تو در کنار' پادریوں کی اپنی مائیں بہنیں بھی ان سے محفوظ نہ تھیں- "تاریخ اخلاق یورپ" کے فاضل مؤلف نے اس شرمناک اور وحشت ناک صورتحال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ... that inveterate prevalance of incest among the clergy, which rendered it necessary angain and again to issue the most stringent enactments that priests should not be permitted to live with their mothers and sisters.

> "اہل کلیسا میں محرمات سے مباشرت کا چلن اتنا پختہ (ہو چکا تھا) کہ پادریوں کو اپنی ماؤں اور بہنوں کے ساتھ رہنے سے روکنے کی خاطر بار بار انتہائی سخت قوانین

---

10. H.C.Lea: Secredotal Celibacy, pp.257,278,389.

11. H.C.Lea: History of the Inquisition in Spain, (New York, 1906), vol.1, p.394.

12- 13. H.C.Lea: Sacredotal Celibacy, pp.320,388.

جاری کرنے کی ضرورت پیش آئی-" [۱۴]

ایسے قوانین واحکام چھٹی سے بارہویں عیسوی صدی تک کے عرصہ میں بکثرت جاری کئے گئے - مگر ان کو غیر مؤثر دیکھ کر کلیسیائی حکام آہستہ آہستہ قدم پیچھے ہٹاتے گئے، حتی کہ محرمات سے مباشرت کا جرمانہ صرف پانچ شلنگ رہ گیا! [۱۵]

۱۴۳۱ء میں منعقد ہونے والی بالی(Bale) کی کونسل نے قرار دیا کہ:

The clergy were all fornicators.

"سب کے سب پادری زناکار ہیں-" [۱۶]

۱۵۰۰ء کے قریب تک لندن میں پادریوں کے لئے خصوصی قحبہ خانے (special brothels) پائے جاتے تھے، جبکہ سولہویں صدی کے فرانس اور روم میں پادریوں کی "خدمت" کے لئے ہزاروں فاحشہ عورتیں اور لوطی لڑکے (sodomists) موجود تھے، [۱۷] اور یورپ بھر کے اہل کلیسا میں داشتائیں رکھنے اور کلیسیائی عہدے فروخت کرنے کا رواج عام ہو چکا تھا-[۱۸]

ان حالات میں عوام اپنے مذہبی رہنماؤں سے کیا سبق سیکھ سکتے تھے؟ پوپ الیگزینڈر چہارم نے تو ۱۲۵۹ء ہی میں اپنے ایک مکتوب (Bull) میں تسلیم کیا تھا کہ پادری 'لوگوں کی اصلاح کرنے کی بجائے انہیں اخلاقی طور پر مزید خراب (corrupt) کر رہے ہیں-[۱۹]

---

14. W.Lecky: op.cit., P.231;
    H.C.Lea:op.cit., p.138.
15. J.McCabe: The Bible in Europe, (London,1907), pp.200,206
16. H.C.Lea: Sacredotal Celibacy, p.383.
17. Rationalist Encyclopaedia, p.468;
    Cambridge Modern History (1907), vol.1,p.672.
18. Crane Brinton: Civilisation in the West, 1973, p.179.
19. H.C.Lea: Sacredotal Celibacy, P.350.

اور گریگوری دہم نے لی اون (Lyons) کی دوسری کونسل میں شریک ہونے والے معزز ترین پادریوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

You are the ruin of the world.

"تم دنیا کی (اخلاقی) تباہی (کے باعث) ہو۔"[۲۰]

اور واقعی عوام پر اپنے مذہبی رہنماؤں کے اخلاق و کردار کا وہی اثر ہوا جو ان حالات میں ہونا چاہئے تھا۔ حالت یہ تھی کہ گیارہویں مسیحی صدی تک فرانس اور انگلستان میں فحاشی' بدکاری اور لواطت خوفناک (apalling) حد تک پھیل چکی تھی۔ حد یہ کہ مقدس مقامات کی زیارت کے لئے جانے والی عورتیں اخراجات سفر کے لئے عصمت فروشی کو عار نہ سمجھتی تھیں' اور بارھویں صدی کی صلیبی جنگوں کے عیسائی مجاہدین کے لئے جہاز بھر بھر کر فاحشہ عورتیں فلسطین بھیجنا ضروری ہو گیا تھا۔[۲۱]

نام نہاد تحریک اصلاح مذہب بھی عوام و خواص کی اخلاقی حالت میں زیادہ اصلاح نہ کر سکی' بلکہ:

Indeed the Lutheran movement, after the first enthusiasm was over, lowered rather than raised the moral tone of those whom it influenced.

"حقیقت یہ ہے کہ لوتھر کی تحریک نے ابتدائی جوش و خروش فرو ہونے کے بعد اپنے متأثرین کے اخلاقی معیار کو بلند کرنے کی بجائے کم کیا۔" اس کی وجہ یہ تھی کہ اس تحریک نے اخلاقی زندگی کے بعض رہے سہے اخلاقی بندھنوں (safeguards of moral life) کو تو توڑ دیا' مگر ان کی جگہ نئے بندھن پیش نہ کر سکی۔[۲۲] نتیجہ یہ ہوا کہ سولہویں صدی اور اس کے بعد کے پروٹسٹنٹ پادری بھی شادی کی اجازت مل جانے کے باوجود بالعموم بدکار

20. Ibid., p.353.

21. Rationalist Encylopaedia, p.467.

22. D.C.Somervell: op.cit., p.217.

تھے۔(۲۳)

اہل کلیسا کی صدیوں پر محیط انہیں اخلاقی خرابیوں کے پیش نظر تاریخ کلیسیا کے مختلف پہلوؤں کے بالغ نظر ماہر لی (Lea) نے لکھا ہے کہ بدکاری اور داشتائیں رکھنے میں کوئی مذہب عیسائیت کا مقابلہ نہیں کر سکتا' اس لئے ہمیں مسلمانوں اور دوسرے مذہب کے لوگوں کو کثرت ازدواج جائز رکھنے کا طعنہ دیتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔(۲۴) اور ان وحشت ناک حالات کی تفصیل بیان کر کے اس نے تسلیم کیا ہے کہ:

> records of the middle ages are full of the evidence that indiscriminate license of the worst kind prevailed through every kind of heirarchy.

" قرون وسطیٰ کا تاریخی ریکارڈ اس امر کی بھرپور شہادت دیتا ہے کہ کلیسیائی حکام کے تمام درجوں کے افراد' کھلے بندوں بدترین قسم کی اخلاقی خرابیوں میں مبتلا تھے۔" اور وہ

> universal and prevailing vice of the Church throughout Christiandom.

"سارے عالم عیسائیت کے کلیسیا کے مکمل طور پر برائی میں ڈوبے ہونے" کی شہادت دیتا ہے۔(۲۵)

۲- راہبوں اور راہبات کی اخلاقی زندگی

جن راہبوں (monks) اور راہبات (nuns) نے ترک دنیا اور تجرد کے بارے میں عیسیٰؑ سے منسوب مبالغہ آمیز اقوال (جن کا گزشتہ باب میں ذکر ہوا) کے پیش نظر علائق دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی' ان میں سے تھوڑے ہی اس کے تقاضوں کو نبھا سکے۔ لیکن اکثر پر اس

23. H.C.Lea: Sacredotal Celibacy, pp.427-428,494.

24. Ibid., p.629.

25. Ibid., pp.341,333.

غیر فطری عمل کا اثر یہ ہؤا کہ وہ اخلاق و کردار کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرے- قرآن کے معجز نما الفاظ میں ﴿وَ رَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا﴾ "اور رہبانیت انہوں نے خدا کی رضا کی تلاش میں از خود شروع کی۔ ہم نے اسے ان پر عائد نہیں کیا تھا- مگر وہ اس کو اس کے حق کے مطابق نبھانہ سکے-" اور قرآن نے بتادیا کہ:

﴿وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ "ان میں سے اکثر بدکار ہیں-"[۲۶]

رہبانیت کے شیوع و رواج کے دور پر درج ذیل تبصرہ ایک "آزاد خیال" کا ہے' مگر (جیسا کہ ابھی معلوم ہوگا) اس کے پیچھے دلائل و شواہد موجود ہیں:

The history of Christian monasticism ... during the 1,000 years of the Church's complete domination of Europe, is the most sordid chapter in the history of civilized religions ... at least four-fifths of the monasteries of Europe during the 1,000 years were corrupt ... a monastery was generally a nursery of sloth, sensuality and vice.

"مسیحی رہبانیت کی ان ہزار سالوں کی تاریخ جب یورپ پر کلیسیا کا مکمل تسلط تھا' مہذب مذاہب کی تاریخ کا تاریک ترین باب ہے۔۔۔ان ہزار سالوں کے دوران کم از کم ۵/۴ راہب خانے بدمعاشی کے اڈے تھے- ایک راہب خانہ عموماً کاہلی' شہوت پرستی اور اخلاقی خرابی کا گہوارہ ہوتا تھا-"[۲۷] اور دیگر خرابیوں کے علاوہ غیر فطری محبت (unnatural love) یعنی لواطت کا چلن بھی ان راہب خانوں میں عام تھا-[۲۸] جبکہ ایک اور مستند مصنف کولٹن کی

۲۶۔ القرآن ۲۷:۵۷

27. Rationalist Encyclopaedia, pp.398-399.

28. W.Lecky: op.cit., p.331.

پیش کردہ شہادت کے مطابق اکثر راہبوں کا سارا وقت کھانے کھیلنے (play and gluttony) میں گزرتا۔(۲۹)

جہاں تک راہبات کے لئے مخصوص مراکز کا تعلق ہے، ان کی اخلاقی حالت بھی انتہائی دگرگوں تھی۔ لیکی لکھتا ہے:

The writers of the middle ages are full of accounts of nunneries that were like brothels, of the vast multitudes of the infanticides within their walls.

"قرون وسطیٰ کے مصنفین کے بیانات راہبات کے ان مراکز کے تذکروں سے بھرے پڑے ہیں جو قحبہ خانوں کی مانند تھے۔ اور انہوں ان مراکز کی چار دیواری میں قتل ہونے والے نومولود بچوں کے بڑے بڑے انبوہوں (وسیع تعداد) کا بکثرت ذکر کیا ہے۔" (۳۰)

کولٹن بھی ہم عصر شاہدوں کے حوالہ سے ایک دوسری کتاب میں لکھتا ہے:

Many convents of men and women differ little from public brothels.

"راہبوں اور راہبات کے اکثر ادارے عوامی قحبہ خانوں سے چنداں مختلف نہیں ہیں۔" (۳۱)

راہبات کے ان اداروں کو تو آٹھویں صدی ہی میں ایک اعلیٰ کلیسیائی کونسل نے "انتہائی بداخلاقی کی کیفیت میں مبتلا" (in a condition of gross immorality)

29. G.G. Coulton: Life in the Middle Ages, (Cambridge, 1930), vol.1 p.354.

30. W.Lecky: op.cit., p.331.

31. G.G. Coulton : Five Centuries of Religion, (Caombridge, 1923), vol.2,p.399.

قرار دیا تھا' جبکہ ایک اور کونسل کی رائے میں ان کی اصلاح کی تمام کوشش ناکام ہو چکی تھیں اور کیفیت یہ تھی کہ:

Nunneries were brothels, and to take the veil was simply another mode of becoming a public prostitute.

"راہبات کے مراکز قحبہ خانے (بن گئے) تھے اور (راہبات کا مخصوص) نقاب اوڑھنا (یعنی راہبہ بننا) درحقیقت طوائف بننے کا دوسرا طریقہ تھا۔"

پوپ انوسنٹ سوم نے بھی اعتراف کیا کہ راہبات کے کئی مراکز اپنے اردگرد کے پورے علاقہ کی اخلاقی فضا خراب کرنے کا سبب بنتے تھے۔ (۳۲)

ان میں سے بعض مراکز تو عموماً اہل کلیسا ہی کی ہوس رانی کے لئے استعمال ہوتے۔ مگر بعض مراکز عوامی چکلوں (public brothels) کی حیثیت رکھتے تھے۔ ایسے بعض چکلوں کو راہب اور راہبات مل کر چلاتے تھے۔ اور بعض اوقات اعلیٰ کلیسائی افسر' حتیٰ کہ پوپ بھی' بعض منتخب کلیسائی دیویوں (cathedral girls) کو تحفۃً شاہی افسروں کے ہاں بھیجتے تھے۔ نیز ان میں سے باقاعدہ منظور شدہ "مقدس چکلوں" پر پوپ کے علم و اجازت سے ٹیکس عائد کیا جاتا تھا۔ چنانچہ پوپ سکٹس چہارم (Sixtus IV) کے عہد میں' جو کیتھولک عیسائیوں میں ایک "سخت گیر مصلح" (stern reformer) کی حیثیت سے مشہور ہے' ایسے چکلوں سے سالانہ دس ہزار پونڈ ٹیکس وصول ہوتا تھا۔ (۳۳) گویا ان مقدس قحبہ خانوں کو کلیسیا کے اعلیٰ ترین افراد کی اشیرباد اور سرپرستی حاصل ہوتی تھی' اور وہ اس ہمہ گیر اور بھیانک بداخلاقی کو کلیسیا کی آمدنی کا ذریعہ بنانے سے بھی گریز نہ کرتے تھے!!

بدکار راہبوں اور راہبات کی تعداد ہر زمانہ میں بہت زیادہ رہی ہے۔ تاہم ان کے بعض

32. H.C. Lea: Sacredotal Celibacy, pp.164,165,166,264,389.

33. Stow' s Survey of Lordon, and Hale's Precedents And Proceedings in Criminal Law (1847), etc., quoted in Rationalist Encyclopaedia, p.468.

مراکز اس سلسلہ میں خاص طور پر بدنام ہوئے' (۳۴) اور بعض راہبوں نے اس سلسلہ میں انفرادی طور پر بھی خصوصی "نام" پیدا کیا۔ مثلاً بارہویں صدی کے سپین میں ایک مشہور خانقاہ (monastery) کے سربراہ (Abbot) کے متعلق باقاعدہ ثابت ہوا کہ اس کی ستر کے قریب داشتائیں ہیں۔ اسی زمانہ کے انگلستان کی ایک اور معروف خانقاہ کے سربراہ کے صرف ایک گاؤں میں سترہ ناجائز بچے تھے۔ (۳۵)

پانچویں صدی کے ایک دوسرے خانقاہی سربراہ کی کیفیت یہ تھی کہ:

No one was safe from his lust.

"(علاقہ کی) کوئی عورت اس کی شہوت رانی سے محفوظ نہ تھی۔" (۳۶)

بدکاری و فحاشی کے علاوہ دوسری اخلاقی خرابیاں بھی راہبوں میں عام تھیں۔ سینٹ جیروم (م ۔ ۴۲۰ء) اور آگسٹائن (م ۔ ۴۳۰ء) کے زمانہ ہی سے ان کے لالچ (greed)' دھوکہ بازی (fraud)' اور منافقت (hypocrisy) کا شہرہ عام ہو چکا تھا۔ (۳۷)

الغرض' مسیحی راہب خانے ہر دور میں بدکرداری اور دوسری اخلاقی کمزوریوں کی آماجگاہ رہے ہیں۔ ماضی قریب کا ایک پڑھا لکھا شخص سالہا سال تک ایک جدید خانقاہ میں گزارنے کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ یہ راہب خانے انانیت (egoism)' شہوانیت (sensuousness)' کاہلی (indolence) اور بسیار خوری (gluttony) کے گڑھ ہیں۔ اس کے بعض ساتھیوں کے متعدد عورتوں سے تعلقات تھے' اور محرمات سے ناجائز تعلق کی مثالیں بھی اس کے ذاتی علم میں آئیں۔ اس نے دیکھا کہ راہب کدہ کے اندر بہت سی وہ اخلاقی پابندیاں بڑی نرم تھیں جن کے بارے میں عوام کو یہ تاثر دیا جاتا تھا کہ وہ اس

34. W.Lecky: op cit., p.329.

35. H.C. Lea: op.cit., pp.281,308.

36. G.G.Coulton: op.cit., vol.4,p.377.

37. Rationalist Encyclopaedia, p.398.

میں سختی سے نافذ ہیں۔[۳۸]

۳- عالم مسیحیت کے سربراہوں (کارڈینلوں اور پاپاؤں) کا اخلاق و کردار

بشری کمزوریاں ہر جگہ پائی جا سکتی ہیں۔ لیکن جب کسی قوم کے دینی وروحانی پیشوا، حتیٰ کہ اس کے تارک الدنیا بزرگ اور بلند ترین دینی مناصب پر فائز سربراہ بھی دو چار کی تعداد میں نہیں، بلکہ کثرت سے اور ہر زمانہ میں چند معمولی اخلاقی خرابیوں کی بجائے بدترین بدکرداریوں میں ملوث رہے ہوں، تو ایک غیر جانبدار اور منصف مزاج شخص یقیناً اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اس قوم کے دین و مذہب اور مقدس کتابوں کی تعلیمات میں لازماً بنیادی قسم کے جھول اور خامیاں موجود ہیں۔ مسیحی تاریخ کے ہر اہم دور میں نہ صرف عام پادری، کلیسائی عہدیدار اور راہب و راہبات مذکورۃ الصدر گھناؤنی اخلاقی خامیوں اور کمزوریوں کا وسیع پیمانہ پر شکار رہے، بلکہ ان کے اعلیٰ ترین سربراہوں اور پاپاؤں (Popes)[۳۹] کی ایک خاصی تعداد بھی غلیظ ترین اخلاق و کردار کی مالک رہی ہے۔ تاہم پاپاؤں کے گھناؤنے کردار کی ضروری تفصیل سے پہلے ہم اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ اگرچہ اب (نام نہاد 'تحریک اصلاح کلیسیا' کے بعد) پاپائے روم صرف کیتھولک عیسائیوں کا سربراہ ہے (جو بہر حال اب بھی باقی عیسائی فرقوں سے زیادہ ہیں)، لیکن ایک تو جو مثالیں ہم پیش کرنا چاہتے ہیں ان میں سے بہت سی اس زمانہ کی ہیں جب کارڈینل اور پاپا سب عیسائیوں کے مسلمہ سربراہ

---

38. J.McCabe: Twleve Years in a Monasrty, (London,1930), p.234;
J.McCabe: The Popes And Their Church, pp.158,162.

۳۹۔ "پاپا" یا "پوپ" "روم کے بڑے پادری (Arch-Bishop of Rome) یعنی کیتھولک عیسائیوں کے سربراہ کو کہا جاتا ہے۔ تحریک اصلاح مذہب سے پہلے وہی تقریباً سارے عالم مسیحیت کا دینی و دنیاوی سربراہ ہوتا تھا۔ اس کے بعد کارڈینل بشپ (اسقف اعظم) کا عہدہ ہوتا ہے، جسے مختصراً صرف کارڈینل کہہ دیا جاتا ہے۔ کارڈینلوں کا تقرر پوپ کرتا ہے۔ =

تھے، [40] اور دوسرے ایسی مثالیں عیسائیوں کے دوسرے اہم فرقوں کے اعلیٰ ترین سربراہوں کی بھی ہیں، جو انشاءاللہ اپنے مقام پر آئیں گی۔

پاپائیت کی ابتدا

مسیحؑ کے رسولوں (حواریوں) کے دور کے بعد یہ صورت نہیں تھی کہ کوئی ایک شخص عیسائیوں کا مسلمہ مرکزی رہنما ہو۔ البتہ بعض نمایاں مراکز کے بڑے پادری یا اسقف (Bishop) اپنے اپنے علاقہ میں اثرورسوخ کے مالک تھے۔ قسطنطین کے عیسائیت قبول کرنے کے بعد سربراہی کا "شاہی نظریہ" (Imperial Theory) وجود میں آیا۔ یعنی رومی بادشاہ کو عملاً مرکزی مسیحی رہنما (Head of the Church) تسلیم کر لیا گیا، جس کے تحت روم، قسطنطنیہ، سکندریہ، انطاکیہ اور یروشلم کے بڑے پادری کم و بیش یکساں اہمیت کے حامل بزرگ (Patriarchs) سمجھے جاتے تھے۔ [41] رفتہ رفتہ ان میں سے رومی کلیسا اور اس کے سربراہ کو زیادہ اہمیت حاصل ہونا شروع ہوئی۔ اس میں بعض تاریخی حوادث (مثلاً پہلے روم کا دارالحکومت ہونا، پھر قسطنطنیہ کے دارالحکومت بننے کے بعد رومی کلیسا کے سربراہ کا ہمہ وقتی شاہی اثر سے آزاد ہو کر پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہو جانا، کلیسائے روم کے کچھ دعاوی (مثلاً پطرس حواری کے متعلق دعویٰ کہ وہ اس کلیسا کا بانی تھا، حالانکہ پطرس کا سرے سے روم پہنچنا ہی تاریخی طور پر ثابت نہیں) اور بعض جعل سازیوں کا دخل تھا۔ [42] ان جعل سازیوں کی وضاحت بھی ہم ذیل میں کریں گے۔

= بشپ ایک مخصوص علاقہ (Diocese) کے بڑے پادری کو کہتے ہیں، جس کے ماتحت بہت سے چھوٹے پادری (Priest) ہوتے ہیں، جبکہ متعدد بشپوں (Bishops) کا نگران آرچ بشپ کہلاتا ہے۔ دیکھئے:

American People's Encyclopaedia, 2:316, 4:767, 6:826, 13: 736-737;

Concise Oxford Dictionary of the Church pp.90,96,etc;

قاموس الکتاب، ص۔ ۸۲۴

مزید معلومات متن میں ("پاپائیت کی ابتدا" کے زیر عنوان) موجود ہیں۔

40. Oxford Dictionary of the Church, p.1091.

41. D.C. Somervell: op.cit., p.153.

42. Rationalist Encyclopaedia, p.427.

کارڈینل ابتدا میں کسی بھی عام پادری اور بالخصوص روم کے پادری کو کہا جاتا تھا۔ آٹھویں صدی کے قریب جب پاپاؤں کا اقتدار و اختیار وسیع ہو گیا اور انہیں خصوصی معاونین کی ضرورت محسوس ہوئی، تو انہوں نے کارڈینل بشپ یا اسقف اعظم کا ایک عہدہ بنایا۔ کارڈینل بشپ یا کارڈینل عموماً پاپائیت کے صدر مقام وطیقان (ویٹی کن = Vatican) یا روم میں رہتے ہیں۔ وہ انتظامی و کلیسیائی امور میں پوپ کی معاونت کرتے ہیں۔ نئے پوپ کا انتخاب بھی انہی کے ذمہ اور انہی میں سے ہوتا ہے۔[۴۳] مسیحی عقائد کی دنیا میں اگر پوپ کو "مسیح کے نائب" کا درجہ حاصل ہے، تو کارڈینلوں کو "رسولوں (حواریوں) کے جانشین" (Successors of Apostles) اور قوم موسیٰ کے ستر بزرگوں (Seventy Elders) کا مقام دیا گیا ہے۔[۴۴] مگر ان کے کردار اور عمل کی جو تصویر تاریخ کے آئینہ میں نظر آتی ہے، وہ کسی بھی طرح ابھی اس بلند مقام و منصب کے شایان شان نہیں۔ ذیل میں اس تصویر کی کچھ جھلکیاں ملاحظہ فرمایئے۔

(ا) جعلی دستاویزیں

رومی کلیسیا کے کارپردازوں نے سلطنت روما کے زوال کے بعد اولین مسیحی بادشاہ قسطنطین سے منسوب کر کے ایک جعلی دستاویز تیار کی، جسے "عطائے قسطنطین" (Donation of Constantine) کہا جاتا ہے۔ اس کی رو سے بادشاہ نے مبینہ طور پر اسقف روم کو اپنے تمام یورپی مقبوضات کا دینی و دنیاوی سربراہ اعلیٰ مقرر کیا تھا۔[۴۵]

---

43. Oxford Dictionary of the Church. pp.235-236 ('Cardinal').

44. Conciluim – The Roman Curia (Editors: P.Huizing and K.Walf), New York, 1979, p.5.

'پوپ' کے لفظ اور اس کے عہدہ کے پس منظر کی مزید وضاحت ذیل کی فصل "ہوس جاہ، دھوکہ دہی اور رشوت ستانی" میں کی گئی ہے۔

45. Edward Gibbon: Decline And Fall of the Roman Empire (1985), vol.6, pp.161-162.

اس کے بعد ایک اور جعلی دستاویز منظر عام پر آئی جو "اسے ڈور کے جعلی فتاویٰ" (False Decretals of Isidore) کہلاتی ہے۔ساتویں صدی کے قدیس اسے ڈور (St. Isidore) سے منسوب اس مجموعہ میں روم کے قدیم اساقفہ اور کونسلوں کے فیصلے، فرامین، فتاویٰ اور خطوط شامل ہیں، جن میں سے اکثر جعلی ہیں۔ان میں پادریوں کو دنیاوی حکمرانوں اور ان کی عدالتوں سے اور ہر قسم کے مؤاخذہ سے بالاتر قرار دیا گیا ہے، اور رومی اساقفہ کو بالخصوص اعلیٰ ترین اختیارات سے نوازا گیا ہے۔(۴۶)

ان دستاویزات کو صدیوں تک اصلی تصور کیا گیا، اور انہوں نے رومی کلیسیا کے سربراہوں کے وقار و اقتدار میں بے پناہ اضافہ کیا۔مدت دراز کے بعد محققین کو انہیں جعلی قرار دینے کی ہمت ہوئی، اور انہوں نے اس ضمن میں ٹھوس دلائل دیئے۔مثلاً یہ کہ ان میں مستعمل لاطینی زبان آٹھویں اور نویں صدی میں مروج زبان ہے، جبکہ یہ دستاویزات عموماً دوسری سے چوتھی صدی تک کے فرامین و فتاویٰ پر مشتمل ظاہر کی جاتی تھیں۔نیز ان میں بائبل کے حوالے مشہور لاطینی ترجمہ ولگیٹ سے ہیں، جبکہ ولگیٹ ۴۰۰ء سے پہلے تیار نہیں ہؤا تھا۔اور ان میں شامل بعض خطوط دوسری صدی کی شخصیتوں کی طرف سے ایسی شخصیتوں کو لکھے گئے ہیں جو چوتھی یا پانچویں صدی میں ہوئیں۔(۴۷)

ظاہر ہے اس قسم کی جعلسازی معمولی شخصیات نے نہیں کی۔اعلیٰ درجات کے حامل ارباب کلیسا ہی اس میں ملوث تھے، جنہوں نے اپنا روحانی اور دنیاوی اقتدار اور دبدبہ بڑھانے کے لئے جھوٹ اور فریب کا سہارا لیا۔

(۲) ہوسِ جاہ، دھوکہ دہی اور رشوت ستانی

محققین کے پیش کردہ مذکورہ بالا ناقابل تردید دلائل کی بنا پر اب کوئی بھی ان دستاویزات کو

46. Concise Oxford Dictionary of the Church, pp.189,265;
Oxford Dictionary of the Church, p.493.

47. J.L. Hurlburt: The Story of the Christian Church, pp.109-110.

اصلی نہیں مانتا- مگر صدیوں تک یہی جعلی دستاویزات رومی کلیسیا کی قوت و طاقت کی بنیاد بنی رہیں- اور وہاں کے اساقفہ نے اپنے لئے پاپا یا پوپ (بمعنی اب = باپ) کا لقب اختیار کر لیا' جبکہ پہلے یہ لفظ ہر اسقف کے لے مروج تھا (اور مشرقی کلیسیا میں اب بھی ہے)-[۴۸] ابتدا میں قسطنطنیہ کے کلیسیائی سربراہ خود کو رومی سربراہ کے مساوی جانتے تھے- چنانچہ خلقیدون (Chalcedon) کی کونسل (۴۵۱ء) میں اسی پر اتفاق ہوا- مگر رومیوں نے پوپ لیو اول (Leo I) (۴۴۰ء) کی زیر ہدایت اس کونسل کی جو کارروائی فرانس وغیرہ بھیجی' اس میں غلط طور پر یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ یونانی (قسطنطنیہ کے) اساقفہ نے رومی سربراہ کو عالمی کلیسیا کا سربراہ (Head of the Universal Church) تسلیم کر لیا ہے-[۴۹]

ان جعلسازیوں پر اکتفانہ کرتے ہوئے' رومی پاپاؤں نے اپنی دنیاوی سلطنت و اقتدار کو وسعت دینے کے لئے مزید جعلسازیاں کیں-[۵۰] پوپ سٹیفن سوم (۷۵۲ء) وغیرہ نے فرانسیسی بادشاہ پپن (Pipin or Pepin) (م-۷۶۸ء) اور اس کے بیٹے شارلیمان (Charlemagne) (م-۸۱۴ء) سے اپنے دشمنوں کے خلاف مدد لینے اور وسیع قطعات اراضی ہتھیانے کے لئے مزید جعلی دستاویزوں کا سہارا لیا- حتیٰ کہ اول الذکر زود اعتقاد بادشاہ کو ایک ایسا خط بھی بھیجا گیا جس کے بارے میں یہ لکھا تھا کہ یہ خط پطرس حواری نے جنت سے بادشاہ کے نام لکھا کر بھیجا ہے! اس فراڈ کی بدولت پوپ سٹیفن نے تیئس اطالوی شہروں اور ان کے ملحقہ دیہات پر قبضہ حاصل کیا-[۵۱]

اس طرح پاپائے روم کے روحانی و دنیاوی اقتدار کی بنیاد دھوکے اور فراڈ پر رکھی گئی اور

---

48. Rationalist Encyclopaedia, p.426.

49. J.McCabe: The Popes And Their Church, p.20.

۵۰- اس فصل میں اور اس کے بعد پاپاؤں کے ناموں کے ساتھ جو سنین دیئے گئے ہیں' وہ ان کے برسر اقتدار آنے کی تاریخ کی نشاندہی کرتے ہیں-

51. Rationalist Encyclopaedia, p.431;

The Popes And Their Church, p.25.

مسلسل دھوکہ ہی سے اس اقتدار کو بحال رکھا گیا- مزید برآں پوپ کو پہلے پطرس کا جانشین (successor) اور پھر نائب المسیح (Vicar of Christ) قرار دیا گیا' اور کہا گیا کہ وہ اس حیثیت سے معصوم عن الخطا (infallible) ہے-(۵۲)

اپنے اس بے پایاں مادی و روحانی غلبہ و اقتدار کے بل بوتے پر طاقتور پاپاؤں نے بادشاہوں پر بھی حکومت کی-پوپ گریگوری ہفتم (۱۰۷۳ء) نے جرمن بادشاہ ہنری چہارم (م-۱۱۰۶ء) کی سرتابی پر اسے معزول کر کے اس کی رعایا کو اس کی اطاعت سے آزاد کر دیا- حتیٰ کہ بادشاہ معافی مانگنے کے لئے عام لباس اور ننگے پاؤں پوپ کی خدمت میں حاضر ہوا- مگر کہا جاتا ہے کہ باریابی کے لئے اسے تین دن تک پوپ کے قلعہ کے دروازہ پر عاجزانہ انداز میں کھڑے رہنا پڑا' اور معافی ملنے کے بعد ہی وہ بحال ہوا-اسی طرح جب انگلستان کے شاہ جان (م-۱۲۱۶ء) نے پوپ انوسنٹ سوم (۱۱۹۸ء) سے اختلاف کرنے کی جرأت کی' تو پوپ نے اسے مجبور کیا کہ وہ اپنا تاج پوپ کے نمائندہ کے حوالہ کرے اور پھر خود کو پوپ کی رعایا تسلیم کر کے تاج دوبارہ حاصل کرے-اسی پوپ نے عہدہ سنبھالنے کے بعد اپنے افتتاحی خطاب میں کہا تھا:

> The succesor of Saint Peter stands midway between God and man; below God, above man; judge of all, judged of none.
>
> "قدیس پطرس کے جانشین (پوپ) کا مقام خدا اور انسان کے درمیان ہے' یعنی خدا سے نیچے اور آدمی کے اوپر-وہ سب کا حاکم ہے' مگر اس پر کوئی حاکم نہیں-(۵۳)

اپنے اقتدار اور مال و دولت کو وسیع سے وسیع تر کرنے کا لالچ قرون وسطیٰ کے بہت

52. Colin Chapman: Christianity on Trial, pp.32-33.

53. J.L. Hurlburt: op.cit., pp.111—113;
Concise Oxford Dictionary of the Church, pp.223,261.

سے پاپاؤں میں پایا جاتا تھا- اقتدار کے مسئلہ پر ان کی بادشاہوں سے رسہ کشی ہوتی رہتی تھی۔ اور دولت حاصل کرنے کے لئے وہ کسی حربہ' حتیٰ کہ کلیسیائی عہدوں کی فروخت (simony)' سے بھی گریز نہ کرتے تھے-(۵۴) نیز پوپ کے عہدہ سے وابستہ جاہ و حشم اور مال و منال کے لالچ میں یہ عہدہ حاصل کرنے کے لئے بسا اوقات مختلف جرائم حتیٰ کہ قتل و غارت تک کا سہارا لیا جاتا تھا' جس کی تفصیل عنقریب انشاء اللہ ایک الگ فصل میں پیش کی جائے گی-

پاپائیت کا منصب حاصل کرنے کے لئے بدترین دھوکہ دہی سے بھی کام لیا جاتا رہا۔ بونی فیس ہشتم (۱۲۹۴ء) کا پیش رو ایک سادہ لوح پوپ سیلسٹائن پنجم تھا' جو چند ماہ برسر اقتدار رہا -اسے ہٹانے کے لئے بونی فیس نے (جو اس وقت کارڈینل تھا) اس کے کمرہ میں ایک خفیہ ٹیوب نصب کرائی' جس کے ایک اور کمرہ میں نصب دوسرے سرے سے سیلسٹائن کو ایک "آسمانی آواز" مسلسل دستبرداری کی ترغیب دیتی رہی' حتیٰ کہ وہ پاپائیت سے دستبردار ہو گیا اور بونی فیس نے اقتدار سنبھال لیا-(۵۵)

دھوکہ اور قتل و غارت کے علاوہ بہت سے پاپاؤں نے مسند اقتدار تک پہنچنے کے لئے رشوت کا سہارا بھی لیا- رومی کلیسیا کا دعویٰ تو یہ تھا (اور ہے) کہ پوپ کے انتخاب میں "روح القدس کا نور" (Light of the Holy Ghost) کارڈینلوں کی رہنمائی کرتا ہے-(۵۶) مگر تاریخ میں متعدد دفعہ ایسا ہوا کہ کارڈینلوں نے اس "نور" پر سونے کی چمک کو ترجیح دی' اور نقد روپیہ یا نئے پوپ سے منفعت بخش عہدوں کے وعدے لے کر اسے منتخب کیا- پوپ جان نوزدھم (John XIX) (۱۰۲۴ء) اپنے بھائی بنی ڈکٹ ہشتم (Benedict VIII) (۱۰۱۲ء) کے بعد بغیر کسی استحقاق کے اور قواعد کے خلاف (وہ کارڈینل تو درکنار عام

54. W. Lecky: op.cit., p.330.

55. J.McCabe: The Popes And Their Church, p.53.

56. Ibid., p.21.

پادری بھی نہیں تھا) صرف رشوت کے بل بوتے پر پوپ بنا- اس کے بعد بنی ڈکٹ نہم (۱۰۴۷ء) کے لئے بھی رشوت ہی کے بل پر پاپائیت خریدی گئی-[۵۷] اسی طرح انوسنٹ ہشتم (۱۴۸۴ء) کی وفات کے بعد ہسپانی کارڈینل بورجیا (Borgia) کی کامیابی کے امکانات بہت کم تھے' کیونکہ اکثر اطالوی کارڈینل کسی غیر اطالوی کو منتخب کرنے کے حق میں نہ تھے- اور ویسے بھی کارڈینل بورجیا کا کردار واخلاق ایسا تھا کہ:

In the early days of the Church, (he) would not have been admitted even to the lowest rank of the clergy on account of his immoral life.

"کلیسیا کے ابتدائی دور میں (وہ) اپنی غیر اخلاقی زندگی کی وجہ سے کسی ادنیٰ ترین کلیسیائی عہدہ کے لئے بھی منتخب نہ ہو سکتا تھا-"[۵۸] مگر اس نے کارڈینلوں کی اکثریت سے ہزاروں طلائی سکے (gold ducats) سالانہ کے حامل کلیسیائی عہدے اور جاگیریں دینے کا وعدہ کر کے ان سے ووٹ حاصل کر لئے' اور الیگزینڈر ششم کے نام سے پوپ بن گیا-[۵۹] کیتھولک انسائیکلوپیڈیا میں پاپاؤں کی خباثتوں کو اگر بیان بھی کیا گیا ہے تو بہت نرم کر کے- مگر اس پوپ کے انتخاب کے بارے میں حوالہ کی یہ کتاب بھی کہتی ہے:

He was elected Pope ... not without employing a form of simony.

"اسے پوپ منتخب کر لیا گیا' مگر ایک طرح کی رشوت ستانی کو اختیار کئے بغیر نہیں-"[۶۰]

---

57. New Catholic Encyclopaedia, vol.7, p.1013;
The Popes And Their Church, p.38.

58. Dr.Ludwig Pastor: History of the Popes (English Translation), London, 1901, vol.6,pp.381,385.

59. Ibid., pp.382–384.

60. New Catholic Encyclopaedia, vol.1, p.290.

اس پوپ نے اپنے پیشرو انوسنٹ ہشتم کو منتخب کرانے کے لئے بھی بحیثیت کارڈینل ایک اور کارڈینل سے مل کر پوپ کی مہربانیوں کے وعدہ کے عوض (by promises of Papal favours) دوسرے کارڈینلوں سے ووٹ خریدے تھے۔[٦١]

متعدد پاپاؤں کے انتخاب کے موقع پر رشوت ستانی' فراڈ' جھگڑوں اور قتل و غارت کی وجہ سے ایسا بھی ہوا کہ بعض انتخابات کے نتائج تسلیم نہیں کئے گئے۔ اینٹی پوپ (Anti-Pope) یا 'مخالف پوپ' کی اصطلاح متنازعہ انتخابات (disputed elections) ہی کی وجہ سے وجود میں آئی۔ جو پوپ جائز یا ناجائز ذرائع سے کامیاب ہو جاتا اور اس کا اقتدار عملاً قائم ہو جاتا' وہ تو پوپ کہلاتا اور جو انتخابی یا دوسرے تنازعات کی بنا پر مختصر عرصہ کے لئے کچھ لوگوں کی حمایت سے پوپ بنتا اور پھر معزول ہو جاتا' اسے اینٹی پوپ کہا جاتا۔ تیسری لیٹیرن کونسل (Leteran Council) (۱۱۷۹ء) سے پہلے کی صدی میں ایسے اینٹی پوپ مجموعی طور پر پانچ دس سال نہیں' بلکہ نصف صدی سے زائد عرصہ (۵۷ سال) کے لئے برسر اقتدار رہے' مگر معزول ہو کر اینٹی پوپ کہلائے۔[٦٢] اتنے عرصہ تک 'اینٹی پاپاؤں' کا وجود اس ہوس جاہ' دھوکہ دہی' بددیانتی اور بداعتمادی پر دلالت کرتا ہے جو پاپاؤں کے انتخابات میں کارفرما رہی۔

اربن ششم اور کلیمنٹ ہفتم کے متنازعہ انتخابات (۱۳۷۸ء) سے ایک اور "نفاق عظیم" (Great Schism) کی بنیاد پڑی (پہلا 'نفاق عظیم' مشرقی و مغربی کلیساء کی ۱۰۵۴ء میں علیحدگی تھا۔ اس کا ذکر چوتھے باب میں ہو چکا ہے)۔ اور ۱۴۱۷ء تک یہ دونوں مخالف پوپ باہمی لعنتوں اور تبرا بازی کا تبادلہ کرتے رہے۔ جبکہ پہلے مخالف پوپوں کے ادوار کے سادہ لوح عیسائیوں کی طرح اس دور کے عیسائی بھی اس پریشانی میں گم رہے کہ ان میں سے کون

61. L.Pastor: op.cit., vol.4, p.137.

62. Chambers' Encyclopaedia (1967), vol.1, Article on 'Anti-Pope'.

سے پوپ کو "روح القدس کی رہنمائی" حاصل ہے۔[۶۳] اس سے پہلے ۱۳۰۹ سے ۱۳۷۷ تک کے پوپ فرانسیسی حکمرانوں کے تابع فرمان اور روم کی بجائے فرانس کے مقام اوگنان (Avignon) میں مقیم رہ کر (روح القدس، پطرس یا مسیح کی بجائے) فرانسیسی آقاؤں کی نیابت کرتے رہے۔ یہ عرصہ (چھٹی صدی قبل مسیح میں شروع ہونے والی یہودیوں کی اسیری کے نام پر) اسیریٔ بابل (Babylonian Captivity) کا زمانہ کہلاتا ہے۔[۶۴]

اگر یہ مثالیں دنیادار بادشاہوں کی ہوتیں تو معاملہ مختلف تھا۔ مگر عالم مسیحیت کے دینی وروحانی رہنماؤں کی اعلیٰ ترین مناصب کے حصول کے لئے یہ رسہ کشی اور جھگڑے اور بڑے پیمانہ پر مسلسل فریب دہی، جعل سازی اور رشوت ستانی ظاہر کرتی ہے کہ عیسائیت کی تعلیم ان میں اعلیٰ اخلاقی اوصاف پیدا کرنے میں بالکل ناکام رہی۔

(۳) دنیا طلبی، عیش پرستی، لالچ اور ہوس زر

ایسے کارڈینل اور پوپ جو عالم مسیحیت کے سب سے بڑے عہدہ کی خرید و فروخت یوں ضمیر کی خلش کے بغیر کرتے تھے، ان سے روحانیت کے کون سے معیار کی توقع کی جا سکتی تھی؟ ان کا مطمح نظر صرف دنیا طلبی اور عیش پرستی تھا۔ چنانچہ ان کی زندگیوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دنیا پرستی اور عیش و عشرت میں قدیم رومی بادشاہوں اور شہزادوں سے کم نہیں، بلکہ شاید کچھ زیادہ ہی تھے۔ انوسنٹ ششم کے کارڈینلوں کا ذکر کرتے ہوئے تاریخ پاپائیت کا مستند مؤرخ پاسٹر لکھتا ہے:

> The Cardinals lived lives of luxury, ill-befitting the princes of the Church.
>
> "کارڈینل عیش و عشرت کی ایسی زندگی بسر کرتے تھے جو کلیسیائی امراء کی شان کے لائق نہ تھی۔" [۶۵]

63. Ibid.;
    The Popes And Their Church, p.62.
64. Concise Oxford Dictionary of the Church, pp.44-45.
65. L.Pastor: op.cit., vol.4, p.139.

ان میں سے کئی پرلے درجے کے جواری تھے' اور سینکڑوں نہیں ہزاروں طلائی سکے (ducats) ایک ایک رات میں ہار جیت جاتے تھے۔ یہی مؤرخ مزید لکھتا ہے:

The power and greed of the Cardinals and the Curia dvevloped with great rapidity under the rule of Sixtus, and the new Pope was helpless, even if he had wished, to put any barrier to their demands.

"کارڈینلوں اور پوپ کے درباریوں کی طاقت اور لالچ (گزشتہ پوپ) سکسٹس کے زمانہ میں بڑی تیزی سے بڑھے۔ اور نیا پوپ (انوسنٹ ہشتم) اگر چاہتا بھی تو ان کے مطالبات پر کوئی قدغن نہ لگا سکتا تھا۔" (۶۶)

اور نیا پوپ قدغن لگانے کی سوچتا بھی کیوں؟ اسے تو اپنی دولت بڑھانے کی فکر تھی۔ لہٰذا اس نے اپنے کارڈینلوں کو بھی کھلی چھٹی دی' اور خود بھی جائز و ناجائز طریقہ سے دولت اکٹھی کی۔ اس مقصد کے لئے اس نے دربار میں نئے عہدے قائم کئے' اور اپنی مدد کے لئے ایک دو سیکرٹری رکھنے کی بجائے پورے چھبیس سیکرٹری رکھے۔ اس نے ان سب عہدوں کو لاکھوں روپے لے کر فروخت کیا۔ (۶۷)

بینی ڈکٹ نہم (۱۰۳۵ء) کا نام بھی عہدوں کی خرید و فروخت میں نمایاں ہیں۔ اس نے تو پاپائیت کے منصب کو بھی فروخت کر دیا۔ وہ ایک محبوبہ سے شادی کی خاطر پاپائیت چھوڑنا چاہتا تھا۔ مگر دستبرداری سے پہلے اس نے اس منصب کے دام کھرے کر لئے اور اپنے ہی خاندان کے ایک خواہشمند کے ہاتھ اپنا منصب فروخت کر دیا۔ مگر شادی میں کامیابی نہ ہوئی تو فوراً واپس آ گیا۔ (۶۸)

---

66. Ibid., p. 179.

67. Ibid., p.178.

68. H.C. Williams: The Historian's History of the World, vol.8, p.590.

روم کے پوپ اور قسطنطنیہ کے اسقف میں اقتدار کی جنگ اور بالادستی کے حصول کی کشمکش بڑی پرانی تھی۔ مگر دولت کے لالچ میں پوپ جان نوزدہم (John XIX) بھاری رشوت لے کر قسطنطنیہ کے اسقف کو عالمی اسقف (Ecumenical Patriarch) بنانے پر تیار ہو گیا۔(۶۹) اسی طرح پوپ الیگزینڈر ششم نے برسر اقتدار آنے سے پہلے تو اپنے انتخابی ادارہ سے پختہ وعدہ کیا کہ وہ عہدے فروخت نہیں کرے گا، مگر برسر اقتدار آتے ہی اس نے ہزاروں پونڈ کے عوض نئے کارڈینل بنائے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے دو کارڈینلوں کو زہر دے کر مروادیا، تاکہ ان کی دولت پر قبضہ کر سکے۔ پوپ بونی فیس نہم (۱۳۸۹ء) نے کارڈینل کوسا (Cossa) (جو بعد میں خود بھی پوپ بنا)، کے مشورہ سے نہ صرف عہدے فروخت کئے، بلکہ ان کی توقعات (Expectations) اور ترجیحات (Preferences) بھی فروخت کیں۔ یہ کوسا کی اپنی اصطلاحات تھیں۔ "توقعات" سے مراد مستقبل کے عہدے تھے۔ جب کوئی اعلیٰ کلیسیائی عہدیدار بیمار ہوتا تو متوقع امیدواروں میں اس کے عہدہ کو نیلام کر کے روپیہ اکٹھا کیا جاتا۔ لیکن بعد میں اگر کسی عہدہ کے لئے کوئی دوسرا شخص زیادہ رقم دے دیتا، تو پہلے کو بتائے بغیر اس کی بولی منسوخ اور رقم ضبط ہو جاتی۔ اسے "ترجیح" (Preference) کہا جاتا، اور اس کا پتہ اس وقت چلتا جب متعلقہ بیمار عہدیدار مر کر اپنا عہدہ خالی کرتا اور وہ عہدہ پہلے بولی دینے والے کی بجائے بعد میں زیادہ رقم دینے والے کو مل جاتا۔ اس کے علاوہ کوسا نے کسبیوں، جواریوں اور سود خوروں کی اصلاح کرنے یا انہیں سزا دینے کی بجائے ان پر ٹیکس عائد کئے، تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ دولت اکٹھی کر سکے۔(۷۰)

69. Encyclopaedia Britannica (1962), vol.13, p.86;
F.X. Funk: Manual of Church History, (London, 1916),vol.1, p.262;
J.McCabe: Crises in the History of the Papacy,New York, 1916, p.140.

70. J.McCabe: The Popes And Their Church, pp.63,64, 74,77;
Will Durant: The Story of Civilisation, vol.6, pp.9-10.

پوپ جولیس سوم(۱۵۵۰ء) کے بارے میں کیتھولک انسائیکلوپیڈیا نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اس نے پوپ کے محل کے علاوہ اپنا ذاتی انتہائی شاندار بنگلہ (luxurious villa) بنوایا تھا۔[۷۱] اور سکٹس چہارم(۱۴۷۱ء) کے کارڈینل بھی دعوتوں' شکار پارٹیوں اور جوئے کے مقابلوں(banquets, hunting parties, gambling bouts) کے شوقین تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ:

Rome became more famous for pleasure than for piety.

"روم نیکی وطہارت کی بجائے عیش و تفریح میں زیادہ مشہور ہو گیا۔"[۷۲]

سولہویں صدی کا پوپ لیو دہم(۱۵۱۳ء) بھی روحانیت سے کوسوں دور اور انتہائی دنیادار انسان تھا۔وہ ہر قیمت پر خوش و خرم(cheerful) رہنا پسند کرتا' اور ہر طرح کے کھیل تماشہ سے جی بہلاتا رہتا۔ اس لئے ویٹی کن(Vatican) میں اکثر موسیقی کی محفلیں (concerts)اور مزاحیہ ڈرامے(comedies)منعقد ہوتے رہتے۔[۷۳]اس پوپ کی ایک عجیب تفریح پارٹیوں میں اپنے مہمانوں کو ناجائز و ناپاک جانور(مثلاً بندر' کوے وغیرہ)ایسے طریقے سے پکوا کر پیش کرنا تھی کہ وہ انہیں پہچانے بغیر کھا جائیں۔[۷۴]

بڑی بڑی اور شاندار دعوتوں' شکار پارٹیوں' جانوروں(بیلوں)کی لڑائیوں' (Bull-fights) ' گھٹیا قسم کے ڈراموں'اور جوئے کی محفلوں کا انتہائی شوقین ایک اور پوپ جولیس سوم(۱۵۵۰ء) تھا۔وہ اپنے بر سر اقتدار آنے کی سالگرہ کا جلوس نکلواتا تو اس میں رومیوں کے قدیم دیوتاؤں کی مورتیاں سجانے تک سے بھی لوگوں کی تفریح اور دلچسپی کا سامان کیا جاتا۔[۷۵]اور الیگزینڈر ششم (۱۴۹۲ء) کی تخت نشینی کے وقت شعراء نے اسے

71. New Catholic Encyclopaedia, vol.8, p.55.

72. L.Pastor: op.cit., vol.4, p.132.

73. Ibid., vol.6, pp.194,195.

74. M.Creighton: History of the Papacy, vol.6, pp.193-194.

75. L.Pastor: op.cit., vol.13, pp.62—65.

شاہ جولیس سیزر سے عظیم تر اور "غیر فانی خدا" قرار دیا۔(۷۶)

یہی حال کارڈینلوں کا تھا۔ڈاکٹر پاسٹر پندرھویں صدی کے کارڈینلوں کے بارے میں لکھتا ہے کہ ان میں سے چند ایک ہی قدرے اچھے تھے'

but they were borne down by the worldly majority.

"مگر وہ دنیا پرست اکثریت میں دبے ہوئے تھے۔"

وہ شاندار محلوں میں رہتے' شکار اور جوا کھیلتے اور دنیاوی حکمرانوں (secular princes) کے سارے مشاغل میں مصروف رہتے۔انکے مال وزر کی کثرت (hoards of treasure) کا کچھ اندازہ نہ تھا۔اور ان میں سے بعض ایسی پر تکلف دعوتوں کا اہتمام کرتے' جنہیں دیکھنے والا ایک تذکرہ نگار اس لئے ایک ایسی دعوت کی تفصیل بتانے سے انکار کرتا ہے کہ:

Lest he should be mocked as teller of fairy tales.

"مبادا اسے پریوں کی فرضی کہانیاں سنانے والا قرار دے کر اس کا مذاق اڑایا جائے۔"(۷۷)

ہر کارڈینل کے سینکڑوں اور بعض اوقات ہزاروں نوکر تھے' جو دعوتوں وغیرہ میں خالص ریشم کا لباس پہنے ہوتے۔غرضیکہ ان کارڈینلوں کی زندگیاں ان کے روحانی مناصب سے کسی طرح بھی لگا نہ کھاتی تھیں۔ (۷۸)

پوپ سکسٹس نے اپنے ایک نالائق بھتیجے کو کارڈینل بنا کر اس کے لئے ایک لاکھ پونڈ سالانہ کی آمدنی کا بندوبست کیا۔مگر دو سال کے بعد جب وہ کثرت عیش پرستی سے مرا' تو اس کے ذمہ پانچ لاکھ پونڈ کا قرضہ تھا۔اس لئے کہ وہ زریں لباس پہنتا تھا' اس کی چہیتی محبوبہ کی جوتی پر قیمتی ہیرے ٹانکے ہوتے تھے' اور اس کی آئے دن کی پارٹیوں اور عیش و تفریح پر بے

---

76. Ibid., vol.5, p.390.

77, 78. Ibid., pp. 362, 366, 368, 370.

پناہ خرچ اٹھتا تھا۔ (۷۹)

دولت کے پجاری اور عیش پرستی کے دلدادہ بہت سے ارباب کلیسا میں پوپ انوسنٹ چہارم (۱۲۴۳ء) بھی شامل تھا:

He turned the whole power of the Church into a machine for extorting money by fair means or foul (mostly foul), from every corner of Christiandom.

"اس نے عالم عیسائیت کے ہر کونے سے ہر جائز و ناجائز (زیادہ تر ناجائز) طریقہ سے روپیہ وصول کرنے کے لئے کلیسا کی پوری قوت کو ایک مشین کی طرح استعمال کیا۔" (۸۰)

پاپاؤں اور کارڈینلوں کی ہوس زر' دنیا طلبی اور عیش پرستیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے تاریخ پاپائیت کا مستند (اور ہمدرد) مورخ کریٹن' پوپ بونی فیس نہم کے بارے میں لکھتا ہے:

His ends were purely temporal, and he had no care for the higher interests of the Church.

"اس کے مقاصد سراسر دنیاوی تھے' اور اسے کلیسا کے اعلیٰ مفادات کی کوئی پروا نہ تھی۔" (۸۱)

حتیٰ کہ جب اس کے آخری وقت (last hour) پوچھا گیا کہ وہ کیسا ہے' تو اس نے جواب دیا:

If I had more money, I should be well enough.

"اگر مجھے مزید دولت مل جائے تو میں (اب بھی) ٹھیک ٹھاک ہو سکتا ہوں۔" (۸۲)

جس مذہبی سربراہ کی ہوس زر نزع کے عالم میں بھی یہ ہو' اس کی روحانیت کا اندازہ بخوبی

79. J.W. Thompson: Economic And Social History of the Middle Ages, (New York, 1928), pp.69-70.

80. D.C.Somervell: op.cit., p.169.

81 - 82. M. Creighton: History of the Papacy, vol.1, p.182,183.

کیا جا سکتا ہے۔

بہت سے پوپ اپنی اور اپنے کارڈینلوں اور درباریوں کی عیش و عشرت کے لئے عوام پر بے پناہ ٹیکس عائد کرتے تھے۔ یہی مؤرخ ایک دوسری جگہ لکھتا ہے:

Europe groaned under the exaction of Papal tax-gatherers.

"پاپاؤں کے ٹیکس جمع کرنے والوں کی جبری وصولیوں کے (بوجھ) تلے سارا یورپ کراہ رہا تھا۔" (۸۳)

اسی صورتحال سے تنگ آکر سپین کا ایک پادری چلا اٹھا:

Wolves are in control of the Church and feed on the blood of the Christian flock.

"کلیسا پر بھیڑیوں کا قبضہ ہے، اور ان کی خوراک مسیحی بھیڑوں کا خون ہے۔" (۸۴)

اور "مسیحی بھیڑوں" کا خون چوس چوس کر اپنی، اپنے عزیزوں اور چہیتوں، اور کلیسا کی دولت میں اضافہ کرنے کے لئے ارباب کلیسا اور پاپاؤں کے پاس ٹیکس اور تاوان عائد کرنے اور کلیسائی عہدوں کی فروخت کے علاوہ دیگر بہت سے حربے موجود تھے۔ پوپ گریگوری اعظم (۱۵۹۰ء) نے روپیہ جمع کرنے کے لئے یہ انوکھا 'روحانی' طریقہ واردات ایجاد کیا کہ وہ امراء سے کہتا کہ دنیا کا انجام قریب ہے اور ان کی جائیدادان کی آئندہ نسل تک پہنچنا محال ہے۔ لہٰذا ان کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ اسے کلیسا (جس سے مراد زیادہ تر اس کی اپنی ذات ہوتی تھی) کے ہاتھ سستے داموں فروخت کر دیں۔ اس طریقہ سے:

He became the richest man and largest slave-holder in Europe.

"وہ یورپ کا امیر ترین فرد اور غلاموں کا سب سے بڑا مالک بن گیا۔" (۸۵)

---

83. Ibid., vol.1, p.26.

84. L.Pastor: op.cit., vol.1,p.71.

85. J.McCabe: The Popes And Their Church, p.24.

روپیہ اکٹھا کرنے کا ایک اور طریقہ معافی ناموں (Indulgences) کی فروخت تھا- مختلف گناہوں کی معافی کے لئے مختلف جرمانے اور تاوان مقرر تھے' جن کی ادائیگی پر گناہگار کو معافی کی سند مل جاتی- اگرچہ بعض کیتھولک مصنفین نے دعویٰ کیا ہے کہ کوئی پوپ ان معافی ناموں کی فروخت میں براہ راست ملوث نہیں تھا' مگر پوپ لیو دہم (۱۵۱۳ء) اور اس کے کئی پیشرووں کے عہد میں یہ کاروبار ہوتا رہا- لوتھر کی بغاوت اور تحریک اصلاح کے ابتدائی موضوعات و محرکات میں یہی قابل نفریں کاروبار شامل تھا- لوتھر نے ابتداء میں لیو دہم کے نمائندوں کی طرف سے روم کے مرکزی گرجے کی تعمیر نو اور تزئین کے لئے روپیہ جمع کرنے کے سلسلہ میں معافی ناموں کی فروخت ہی پر احتجاج کیا تھا-(۸۶)

صلیبی جنگوں کا ایک اہم محرک بھی جلب زر اور حصول جاہ تھا- پوپ اربن دوم (۱۰۸۸ء) نے پہلی صلیبی جنگ پر ابھارتے ہوئے مسیحی شہزادوں اور بہادروں کو کہا تھا:

> The wealth of our enemies will be yours, and you will despoil them of their treasures.
>
> "ہمارے دشمنوں کی دولت تمہاری ہو جائے گی' اور تم انہیں ان کے خزانوں سے محروم کرو گے"-

اس کا دوسرا بڑا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کے نام پر اکٹھی کی ہوئی فوج کے ذریعے وہ حریف یونانی کلیسیا کو دبا کر اسے اپنے زیر نگیں لا سکے-(۸۷)

86. J.L. Hurlburt: op.cit., p.152;
Colin Wilson: op.cit., p.364;
Chambers' Encyclopaedia, vol.6,p.130;
Oxford Dictionary of the Church, p.832 ('Luther');
Will Durant : op.cit., vol.6, pp.22-23.

87. Combridge Medieval History, vol.4, p.599;
Pope Urban's Address in the Migne Collection, CLI, quoted in
A Rationalist Encyclopaedia, p.125.

ارباب کلیسا ان ظالمانہ اور پر فریب ہتھکنڈوں سے اپنی اور کلیسیا کی دولت میں (جو انہی کے زیر تحویل و تصرف تھی) مسلسل اضافہ کرتے رہے۔ چنانچہ ۱۲۰۰ء میں اندازہ لگایا گیا کہ جرمنی کی ایک تہائی زمین اور انگلستان کی کل زمین کا پانچواں حصہ کلیسیا کی ملکیت ہے۔(۸۸)
۱۲۵۰ء میں پاپائے روم کی ٹیکسوں وغیرہ کے ذریعے آمدنی سارے یورپ کے بادشاہوں کی مجموعی آمدنی سے زیادہ تھی' جبکہ صرف انگلستان سے پوپ کو حاصل ہونے والی رقم اس رقم سے تین گناہ زیادہ تھی جو خود شاہ انگلستان کو حاصل ہوتی تھی۔(۸۹) اسی طرح سولھویں صدی میں نورمبرگ Nuremberg (جرمنی) میں منعقدہ ایک مجلس اعلیٰ (Diet) نے اندازہ لگایا کہ جرمنی کی آدھی دولت کی مالک کلیسیا ہے۔(۹۰)

مارٹن لوتھر اور تحریک اصلاح مذہب (Reformation) کے دیگر قائدین نے ارباب کلیسا کی دنیا پرستی کے خلاف بڑا بلند آہنگ احتجاج کیا۔ مگر اس کے دوران اور اس کے ایک عرصہ بعد تک بھی پوپ اور کارڈینل ساری مخالفتوں اور تحریکوں سے بے نیاز ہو کر دولت کے پیچھے بھاگتے رہے:

> The luxurious Cardinals went on with pleasant life.
>
> "(تحریک اصلاح کے باوجود) تعیش پسند کارڈینل بدستور زندگی کے مزوں کے در پے رہے۔"(۹۱)

(۴) بددیانتی اور اقرباء پروری

دھوکہ اور رشوت ستانی سے برسر اقتدار آنا اور جعلسازیوں سے اپنی دولت اور اقتدار کو وسعت اور سہارا دینا' جس کی مثالیں اوپر پیش کی گئی ہیں' پاپاؤں کی بددیانتی کے واضح ثبوت

88. Will Durant : op.cit., vol.4, p.766.

89. J.W. Thompson : op.cit., p.692.

90. Will Durant: op.cit., vol.6, p.17.

91. Cambridge Modern History, vol.2, p.21.

ہیں - مگر بہت سے پوپ بددیانتی کی دیگر اقسام میں بھی مبتلا رہے ہیں-انہوں نے اپنے اختیارات کے استعمال میں بددیانتی اور خود غرضی سے کام لیا' جعلی مذہبی تبرکات کی فروخت کی حوصلہ افزائی کی' وعدہ خلافیاں کیں' اور بدترین قسم کی کنبہ پروری کے مرتکب ہوئے۔ پوپ بونی فیس ہشتم (۱۲۹۴ء) نے ۱۳۰۰ء کو جشن کا سال قرار دیا اور اعلان کیا کہ اس سال جو بھی روم زیارت کی غرض سے آئے گا' خصوصی مغفرت اور معافی (Indulgence) کا حق دار ہو گا- جاہل عوام اتنی بڑی تعداد میں آئے اور انہوں نے اس کثرت سے نذرانے پیش کئے کہ کلیسیائی عہدیدار بیلچوں (shovels) اور گھاس جمع کرنے والے آلوں (rakes) سے دولت اکٹھی کرتے رہے - مگر اس پر اکتفانہ کرتے ہوئے پوپ کے علم و اطلاع سے مذہبی تبرکات اور یادگاروں (relics) کی فروخت شروع ہوئی - مسیح کے جعلی خون کے قطرے' ان کی مزعومہ صلیب کی لکڑی اور کیل' ان کے (جعلی) دودھ کے دانت' ان کے "کپڑے" مریم کے "کپڑے اور بال" ان کی "شادی" کی انگوٹھی' ان کے "دودھ" سے بھری ہوئی چھوٹی چھوٹی شیشیاں اور مختلف مقدسین کی یادگاریں' ہزاروں بار بکیں-[۹۲] اور کسی نے نہ سوچا کہ عوام کو کس سنگدلانہ بددیانتی سے بے وقوف بنایا جا رہا ہے- پھر پوپ بونی فیس نہم نے اپنے دور میں دور دراز کے علاقہ کے عوام الناس کو سفر کی تکلیف سے بچانے کے لئے اعلان کر دیا کہ اگر کوئی پوپ کے نمائندوں (Papal Agents) کو روم کا کرایہ آمدورفت نقد ادا کر دے' تو اسے روم جانے کی ضرورت نہیں' بلکہ اسے گھر بیٹھے معافی و برکات حاصل ہو جائیں گی-[۹۳] ۱۵۰۰ء میں پوپ الیگزینڈر ششم نے بھی جوبلی کا سال منایا اور بے پناہ دولت سمیٹی' جو زیادہ تر اس کے ذاتی یا خاندانی خزانوں میں جمع ہوئی-[۹۴]

متعدد پاپاؤں کے نزدیک ان کے وعدے اور اخلاقی ذمہ داریاں کوئی خاص اہمیت نہ رکھتی

---

92. J. McCabe: The Popes And Their Church, p.54.

93. Ibid., p.64.

94. Colin Wilson: op.cit., p.360.

تھیں- پوپ انوسنٹ سوم (۱۱۹۸ء)' جسے عیسائی کئی لحاظ سے 'عظیم ترین پوپ' تصور کرتے ہیں' کی بے ضمیری کا عالم یہ تھا کہ اس نے ایک نابالغ شہزادہ فریڈرک کی ماں سے تیس ہزار پونڈ سالانہ کی فیس طے کر کے اس کا محافظ اور ولی (guardian) بننا قبول کیا- مگر ملکہ کے مرتے ہی جرمنوں اور فرانسیسیوں نے فریڈرک کے مقبوضات پر قبضہ کر لیا اور پوپ نے انگلی تک نہ ہلائی' بلکہ حملہ آوروں کی حوصلہ افزائی کی-اس ضمن میں اس کا عذر گناہ' گناہ سے بھی بدتر تھا-اس نے کہا:

An oath of loyalty to an infant is not binding

"ایک بچے کے حق میں اٹھائی ہوئی وفاداری (اور حفاظت) کی قسم مؤثر نہیں ہوتی-" (۹۵)

پوپ سکسٹس چہارم (۱۴۷۱ء) نے اپنے کچھ معتوب افراد کی گرفتاری کے سلسلہ میں پختہ وعدہ کیا کہ اگر وہ اس کے حوالہ کر دیئے جائیں' تو ان کے حامی خاندان کے چشم و چراغ اوڈو کولونا (Oddo Colonna) کی جاں بخشی کر دی جائے گی- لیکن جب یہ افراد اس کے حوالہ کیئے گئے' تو مؤخر الذکر کا سر بھی تن سے جدا کر گیا- اس کی بدقسمت ماں نے بیٹے کا کٹا ہوا سر دیکھ کر پوپ کے ایمان و دیانت پر انتہائی بلیغ تبصرہ کیا:

See the head of my son and the faith of Pope Sixtus.

"(لوگو) دیکھو میرے بیٹے کا سر اور پوپ سکسٹس کا ایمان (کہ دونوں قطع ہو گئے)-" (۹۶)

ان بے ایمانیوں کے مقابلہ میں انوسنٹ ہشتم (۱۴۸۴ء) کی یہ وعدہ خلافی تو "معمولی" سمجھی جائے گی کہ اپنے انتخاب کے موقع پر اس نے مزید کارڈینل مقرر نہ کرنے کا پختہ وعدہ کیا- مگر برسر اقتدار آتے ہی پانچ کارڈینل علی الاعلان اور تین خفیہ طور پر مقرر کیئے' جن میں

---

95. Rationalist Encyclopaedia, p.316.

96. M. Creighton: op.cit., vol.4, p.115.

سے ایک حرامی تھا اور دوسرا ایک چودہ سالہ لڑکا۔[97] اس طرح وہ وعدہ خلافی اور اپنے اختیارات کے ناجائز استعمال دونوں کا مرتکب ہوا۔

پاپاؤں کے اختیار کے ناجائز استعمال کی اور بھی کئی مثالیں ہیں۔اسی پوپ نے ترک شہزادہ جم (Djem) کے معاملہ میں خود غرضی اور لالچ کی بنا پر اختیارات کا غلط استعمال کیا۔ ترک سلطان محمد ثانی کی وفات (۱۴۸۱ء) پر اس کے دو بیٹوں بایزید اور جم میں جانشینی کی جنگ ہوئی، جس میں شکست کھا کر مؤخرالذکر شہزادہ جزیرہ رہوڈس (Rhodes) کے عیسائی امراء (knights) کی پناہ میں آ گیا۔ بایزید نے بظاہر بھائی کے اخراجات اور در پردہ اسے سلطنت سے باہر رکھنے کی غرض سے ان امراء کو پینتالیس ہزار سالانہ دینا قبول کیا' اور انہوں نے شہزادہ کو مہمان کی بجائے عملاً قیدی بنا لیا۔اتنی رقم اور اتنے قیمتی قیدی کو دیکھ کر کئی حکمرانوں کے منہ میں پانی بھر آیا' جن میں فرانس' سپین' ہنگری وغیرہ کے حکمران شامل تھے۔ان میں سے فرانس کے حکمران اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مگر کسی حکمران کے پاس پوپ جیسے اختیارات و وسائل نہ تھے۔پوپ نے ایک طرف تو مذکورہ امراء (Knights of St. John) کے سردار (Grand Master) کو کارڈینل بنانے کا وعدہ کیا' اور دوسری طرف فرانس کی قائمقام ملکہ (Regent) این (Anne) کی شادی میں رکاوٹ (فرانس کے مؤثر امراء اس کی شادی اس کے ایک رشتہ دار سے کرانا چاہتے تھے' اور قرابتداری (consanguinity) مسیحی شادیوں میں ایک شرعی رکاوٹ ہے)' اس شرط پر اپنے خصوصی حکم (Dispensation) سے دور کرنے کا وعدہ کیا کہ شہزادہ جم اس کے حوالہ کیا جائے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔اس سودے میں امرا' حکمرانوں کارڈینلوں اور سب سے بڑھ کر پوپ نے جس بے ایمانی کا مظاہرہ کیا' اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مسیحی مؤرخ کریٹن لکھتا ہے:

> No incident displays in more lucid light the cynical corruption of the time .....

---

97. Ibid., vol.4, pp.150-151.

"اور کوئی واقعہ اس زمانہ کے سنکی (ستم ظریفانہ) بگاڑ پر اس سے زیادہ واضح روشنی نہیں ڈالتا۔" (۹۸)

مذکورۃ الصدر پوپ سکسٹس چہارم نے جو کارڈینل مقرر کئے' اقرباء پروری سے قطع نظر (جس کے حوالہ سے عنقریب بحث ہوگی)' وہ بھی اختیارات کے بددیانتی سے استعمال کی مثالیں ہیں -ان میں سے اکثر دنیا پرست' اخلاقی بندھنوں سے آزاد (loose) اور عیش پرست تھے' اور بعض کی محبوباؤں اور ناجائز بچوں کا سارے روم کو علم تھا۔ (۹۹)

دراصل بددیانتی اور اختیارات سے تجاوز کی یہ قسم کہ کارڈینل اور دوسرے کلیسائی عہدے' جاگیریں اور دوسرے مفادات (benefits) یا تو بیچے جائیں یا اپنے من پسند افراد خصوصاً دوستوں اور رشتہ داروں کو دیئے جائیں' بہت سے پاپاؤں کے عہد میں ملتی ہے- کلیسیا کے سربراہوں کو دولت کے بدلہ کلیسیائی عہدے بیچتے دیکھ کر ہی ایک مسیحی دردمند نے کہا تھا کہ کلیسا

(is) a harlot ... ready to sell her favours for coins.

"ایک کسبی ہے جو سکوں کے بدلے (اپنے چاہنے والوں کو) نوازنے کے لئے (ہر وقت) تیار ہے۔" (۱۰۰)

وہ کارڈینل اور دوسرے کلیسیائی عہدیدار جو رشوت دے کر اپنے عہدے خریدتے تھے'

---

98. Ibid., pp.151—153;
H. Jedin And J. Dolan (ed.): History of the Church, (London,1980), vol.4, p.549.

99. J. McCabe: The Popes And Their Church, p.69;
Encyclo paedia. Americana (1980), vol.24, p.877;
Jedin and Dolan's History of the Church, vol.4, p.547.

100. G.G Coulton : Five Centuries of Religion (Cambridge,1923),

ان عہدوں سے ہر جائز و ناجائز مفاد اٹھا کر اپنی ادا کردہ رشوت سے کئی گنا زیادہ رقوم بناتے' اور عوام کے علاوہ دنیاوی (secular) حکمرانوں سے رشوتیں اور نذرانے حاصل کرنے کے مواقع کی تلاش میں رہتے۔ چنانچہ فرانس کے شاہ ہنری دوم کی طرح کے کئی حکمران دعویٰ کرتے تھے کہ معمولی پادری تو درکنار' بڑے بڑے کارڈینل ان سے باقاعدہ ماہانے حاصل کرتے اور مذہبی و کلیسیائی امور کو ان کی مرضی کے مطابق چلاتے ہیں۔ [(۱۰۱)]

ادھر بسا اوقات پوپ' عام دنیاوی حکمرانوں کی طرح' عہدے اور مفادات بغیر کسی استحقاق و اہلیت کے اپنے خویش و اقرباء کو عنایت کرتے تھے' اور اس کی بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ پوپ لیو دہم (۱۵۱۳ء) نے اپنے ایک دوست کو صرف اس لئے کارڈینل بنادیا کہ وہ اپنے مزاحیہ ڈراموں سے پوپ کو خوش و خرم رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے ایک ناجائز (illegitimate) عم زاد (cousin) اور ایک بدنام زمانہ بھتیجے کو بھی کارڈینل ہونے کی عزت بخشی۔ [(۱۰۲)] انوسنٹ ہشتم نے بھی اپنے ایک نااہل داماد کو کارڈینل بنایا۔ [(۱۰۳)] ان کے علاوہ بہت سے دوسرے پوپ مثلاً اربن ششم' بونی فیس نہم' مارٹن پنجم (Martin V)' کیلکسٹس سوم (Calixtus III) اور پائیس دوم (Pius II) بھی خویش پرور تھے۔ کیلکسٹس سوم (۱۴۵۰ء) نے اپنے بیس بیس سال کی عمر کے دو نوجوان بھتیجوں کو کارڈینل بنایا' حالانکہ وہ کسی لحاظ سے اس کے مستحق نہ تھے۔ [(۱۰۴)]

پوپ جولیس دوم اپنے کارڈینل ہونے کے زمانہ ہی سے رشوت ستانی کے ذریعہ عہدے دلوانے میں بدنام تھا۔ [(۱۰۶)] اور جولیس سوم (۱۵۵۰ء) نے تو ایک سترہ سالہ

---

101. H. Milman : op,cit., vol.5, p.139.

102. Ibid., vol.5, p.78.

103. M. Creighton : op.cit., vol.4, p.139.

104. Ibid., vol.1, pp.105 ,160; vol.4, pp.71-72.

105. Ibid., vol.3, p.183.

106. Collier's Encyclopaedia (1978), vol.13, p.665.

نوجوان کو کارڈینل بنایا اور اس پر اتنی عنایات کیں کہ لوگوں نے کھلم کھلا کہنا شروع کر دیا کہ یہ ضرور پوپ کا اپنا ناجائز بیٹا ہوگا' اور یا پھر اس نے اسے اپنی ناجائز خواہش پوری کرنے کے لئے رکھا ہوگا۔ اس نے اس لڑکے کو بالکل گلی سے اٹھا کر پہلے اپنے پالتو بن مانس کی خدمت کے لئے ملازم رکھا' پھر اپنے بھائی کو کہہ سن کر اس کا متبنّٰی بنایا' پھر اس کے لئے ہزاروں کراؤن (ایک سکہ) ماہوار کی کلیسیائی آمدنی کا بندوبست کیا' اور بالآخر اسے کارڈینل بنا کر دم لیا۔[۱۰۷] کیتھولک انسائیکلوپیڈیا بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ جولیس سوم حد سے بڑھی ہوئی خویش پروری (excessive nepotism) کا شکار تھا۔[۱۰۸] جان دہم (۹۱۴ء) نے تو ایک کاؤنٹ (نواب) سے کام نکلوانے کے لئے اس کے ایک ننھے بچے کو آرچ بشپ کا بلند منصب عطا کر دیا۔ کیتھولک انسائیکلوپیڈیا ہی کے بیان کے مطابق اس بچے کی عمر اس وقت پانچ سال تھی![۱۰۹] اور جب الیگزینڈر ششم (۱۴۹۲ء) نے اپنی ایک محبوبہ کے بھائی کو کارڈینل بنایا' تو رومیوں نے کھلم کھلا اسے petticoat cardinal (زیر جامہ کا مرہون منت کارڈینل) کہنا شروع کر دیا۔ یہی کارڈینل بعد میں پوپ پال سوم بنا۔[۱۱۰]

اربن ہشتم (۱۶۲۳ء) نے پورا خزانہ اپنے رشتہ داروں اور خاندان پر صرف کر دیا۔ اس کی کنبہ پروری کو بھی کیتھولک انسائیکلوپیڈیا نے تسلیم کیا ہے۔[۱۱۱] اور جان پانزدہم (۹۸۵ء) کی اقرباء پروری کو بھی ذرا نرم الفاظ میں اس انسائیکلوپیڈیا کے مصنفین نے اس طرح تسلیم کیا ہے:

> His tendency to favour his relatives ....

---

107. Ibid., vol.13, pp.69–71;
 The Popes And Their Church, p.80.
108. New Catholic Encyclopaedia. vol.8, p.55.
109. Ibid., vol.7, p.1010.
110. The Popes And Their Church, pp. 74,79;
 Jedin and Dolan's History of the Church, vol.4, pp.552-553.
111. Rationalist Encylopaedia pp.583,599.

"اس میں اپنے رشتہ داروں پر مہربانی کرنے کا رجحان پایا جاتا تھا۔"[112]

ایک اور پوپ جو بدنامی کی حد تک خویش پرور تھا' مذکور الفوق سکسٹس چہارم (۱۴۷۱ء) ہے۔ کریٹن کہتا ہے کہ یوں تو بہت سے پوپ ناجائز و ناروا اقرباء پروری میں مبتلا تھے' مگر

His (Sixtus') nepotism was unblushing.

"وہ (سکسٹس) بے حیائی کی حد تک خویش پرور تھا۔" کیونکہ وہ:

disregarded all considerations of decorum.

"تہذیب و تمیز کی تمام بندشوں کو نظر انداز کر کے (خویش پروری کرتا تھا)۔" اس نے کلیسیائے روم کے سارے وسائل اپنے عزیزوں کے حوالہ کر دیئے' کیونکہ:

Sixtus had an upstart's desire to raise his family and spread the glory of his name.

"سکسٹس میں ایک نو دولتیئے کی طرح اپنے خاندان کی عظمت بڑھانے اور اپنے نام کی شوکت پھیلانے کی بڑی خواہش تھی۔"[113] اسی طرح پاسٹر' پوپ الیگزینڈر ششم (۱۴۹۲ء) کی کھلم کھلا خویش پروری (unconcealed nepotism) کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتا ہے:

Alexander, like any secular prince, cared for nothing but the advancement of his family.

"الیگزینڈر کو ایک عام دنیاوی حکمران کی طرح' سوائے اپنے خاندان کو ترقی دینے اور آگے بڑھانے کے' کسی چیز کی پرواہ نہ تھی۔"[114]

نام نہاد تحریک اصلاح کے بعد کے دور کے متعدد پوپ مثلاً پال سوم (۱۵۳۴ء)' سکسٹس پنجم (۱۵۸۵ء)' کلیمنٹ ہشتم (۱۵۹۲ء) اور اربن ہشتم (۱۶۲۳ء) بھی بدترین قسم کے

---

112. New Catholic Encyclo paedia, vol.7, p.1012.

113. M. Creighton: op.cit., vol.4, pp.72, 123,177;
Also see: Jedin and Dolan's History of the Church, vol.4, p.544.

114. L.Pastor: op.cit., vol.6, p.139.

کنبہ پرور تھے' جنہوں نے کلیسیا کے مال سے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو لاکھوں پونڈ کا ناجائز فائدہ پہنچایا۔[۱۱۵]

عہدوں کی فروخت' رشوت ستانی اور مذہب فروشی کا نتیجہ یہ تو ضرور ہوا کہ پادری' اسقف' کارڈینل اور پوپ بھرپور خزانوں اور وسیع جاگیروں (جو بعض اوقات ہزار ہا مربع میل پر مشتمل ہوتیں) کے مالک بن گئے' [۱۱۶] مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ عیسائی عوام و خواص' دنیاداری اور دولت پرستی میں مبتلا ہو کر دین و اخلاق سے بہت ہی دور چلے گئے۔

(۵) ظلم و شقاوت اور سفاکی

جہاں پاپاؤں میں عام دنیادار اور خدا و آخرت سے بے پروا اور بے خوف حکمرانوں کی دیگر خصوصیات موجود تھیں' وہاں یہ خصوصیت بھی تھی کہ ان میں سے کئی پوپ قتل و خونریزی سے برسر اقتدار آئے' اور دوران اقتدار بھی انہوں نے اپنے مخالفین سے سفاکی اور شقاوت ہی کا برتاؤ کیا۔ قبل ازیں ہم پاپاؤں کی ہوس جاہ پر گفتگو کے ضمن میں بھی بیان کر چکے ہیں کہ پوپ کا منصب متعدد دفعہ قتل و غارت سے حاصل کیا گیا۔ حتیٰ کہ اس سلسلہ میں کلیساؤں کے فرش پر لاشوں کے ڈھیر بھی لگے۔ اسی طرح پاپائیت کے کامیاب امیدواروں نے ناکام ہونے والوں اور ان کے حامیوں سے ہر قسم کی غیر شریفانہ زیادتی روا رکھی۔ کلیسیائی تاریخ کے ایک مستند مؤرخ مل مین کے الفاظ میں:

> The Papal See was won by crime and vacated by murder time after time.
>
> "پاپائیت کا منصب متعدد مرتبہ جرم سے حاصل اور قتل سے خالی کیا گیا ہے۔" [۱۱۷]

---

115. The Popes And Their Church, p.81;
 Collier's Encyclopaedia (1978), vol.18, p.504.
116. D.C. Somervell: op.cit., p.165;
 Rationalist Encylopaedia, p.546.
117. Dean Milman (History of Latin Christianity), quoted by
 J.McCabe: The Bible in Europe (1907), p.201.

چنانچہ پوپ دماسس (۳۶۶ء) کے انتخاب کے بعد دو پادریوں نے شاہی دربار میں باقاعدہ شکایت کی کہ انتخابی کشمکش کے دوران ایک کلیسا کے فرش پر ایک سو سینتیس (۱۳۷) (اور ایک گنتی کے مطابق ایک سو ساٹھ = ۱۶۰) لاشیں پائی گئیں۔[۱۱۸] اور جب پوپ جان چہار دہم (۹۸۳ء) کا سرپرست بادشاہ اوٹو دوم (Otto II) فوت ہوا اور وہ اپنے مخالفین کے رحم و کرم پر ہو گیا' تو انہوں نے اسے معزول کر کے بونی فیس ہفتم کو پوپ بنادیا۔ جان چہار دہم قید میں ڈال دیا گیا' اور

(He) died from either hunger or poison.

"وہ بھوک سے اور یا زہر خورانی سے مر گیا۔"[۱۱۹]

قبل ازیں جان سیز دہم (John XIII) (۹۶۵ء) شاہ اوٹو اول کی حمایت سے پوپ کے منصب پر فائز تھا۔ اس کے خلاف بغاوت ہوئی اور اسے قید کر کے روم سے باہر لے جایا گیا۔ کٹر مسیحی مصنفین کے بقول یہ بغاوت اس لئے ہوئی کہ جان' رومی امراء کے ایک طبقہ کے اختیارات گھٹانا چاہتا تھا۔ جبکہ غیر جانبدار مؤرخین کا بیان ہے کہ اس کی وجہ جان کا لالچ اور کنبہ پروری تھی۔ بہرحال' اس وقت ہمیں اس بغاوت کی وجوہ سے سروکار نہیں۔ ہم صرف اس سلوک کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو اس نے (بادشاہی کی مدد سے) بحال ہونے کے بعد اپنے ان مخالفین سے کیا جنہوں نے اسے ہٹایا تھا۔ مخالفین کا ایک سرغنہ شہر کا حاکم (Mayor / Prefect) تھا جو مر چکا تھا۔ اس کی لاش قبر کھود کر نکالی گئی اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے۔ اس کا جو جانشین زندہ تھا' اسے اس کے بالوں کے بل لٹکایا گیا اور پھر اتار کر

118. The Migne Collection (vol.13), quoted in A Rationalist Encyclopaedia, p.130;
Social Record of Christianity, p.39;
George Sale: Preliminary Discourse Prefixed to the Translation of the Kouran (London, undated), p.26.

119. New Catholic Encyclopaedia, vol.7, p.1012.

اسے عریاں کر کے اور گدھے پر سوار کر کے شہر بھر میں گھمایا گیا۔[120] اس کے باوجود کٹر عیسائی اسے ایک اچھا پوپ شمار کرتے ہیں، کیونکہ اس دور کے بہت سے پاپاؤں کی طرح اس پر کم از کم بدکاری اور زنا کا الزام نہیں تھا۔ کیتھولک انسائیکلوپیڈیا کے مصنفین نے اس کے خلاف بغاوت اور اس کی بحالی کا ذکر تو کیا، مگر اس کی شقاوت کا ذکر گول کر دیا ہے۔[121]

ایک مردہ دشمن سے مذکورہ بالا شقاوت سے بدتر اور قطعی غیر انسانی سنگ دلی کا مظاہرہ پوپ سٹیفن ششم (۸۹۶ء) نے کیا۔ اس کا ایک پیشرو فارموسس (Formosus) (۸۹۱ء) جرمن امراء کی مدد سے پوپ بنا اور برسر اقتدار رہا تھا، اور سٹیفن کا تعلق جرمنوں کی مخالف اطالوی پارٹی سے تھا۔ جب سٹیفن اطالویوں کی مدد سے برسر اقتدار آیا، تو فارموسس کی گلی سڑی لاش قبر سے نکالی گئی۔ اسے پاپائی تخت پر بٹھایا گیا اور اس پر مقدمہ چلا۔ پھر سزا کے طور پر اس کی قطع و برید ہوئی، اور اسے ہجوم کے حوالہ کیا گیا کہ گلیوں میں گھسیٹتے ہوئے اسے دریا میں پھینک دیا جائے۔[122]

اسی طرح پوپ سٹیفن سوم (۷۶۸ء) کے برسر اقتدار آنے سے پہلے امراء اور پادریوں کے ایک گروہ نے ایک بشپ قسطنطین (Constantine) کو "ناجائز پوپ" (Anti-Pope) بنالیا تھا۔ "جائز" پوپ سٹیفن سوم نے ایک وحشیانہ جنگ کے بعد اقتدار سنبھالا، تو قسطنطین کو عورتوں کا لباس پہنا کر اور اس کے پاؤں کے ساتھ بھاری بوجھ باندھ کر اسے گھوڑے پر بٹھا کر شہر میں گھمایا اور قید میں ڈال دیا گیا۔ قید خانہ میں پوپ سٹیفن کے ایک سرکردہ حامی کرسٹوفر (Christopher) اور اس کے بیٹے سرجیس (Sergius) نے قسطنطین کی آنکھیں نکال دیں۔

120. Rationalist Encyclopaedia, p.338.

121. New Catholic Encyclopaedia, vol.7, p.1011.

122. Cambridge Medieval History (1924), vol.3, p.67;

Will Durant : op,cit., vol.4, p.538;

The Popes And Their Church, p.32;

Rationalist Encyclopaedia, p.511.

اور اسی حالت میں اسے پوپ کے محل میں پادریوں کی ایک مجلس (Synod) کے سامنے پیش کیا۔ پادریوں نے اسے مار مار کر باہر پھینک دیا (threw him out)۔ اس کے بعد اس کی کیا حالت ہوئی' اس بات کو تذکرہ نگاروں نے قارئین کے تصور پر چھوڑ دیا ہے۔ قسطنطین کا بھائی بلی (Billy) جو اسے پوپ بنانے میں پیش پیش تھا' اپنی آنکھوں سے محروم ہوا' اور اس کے ایک اور حامی بشپ کی آنکھوں کے ساتھ زبان بھی کاٹ دی گئی۔[۱۲۳]

تھوڑے ہی عرصہ بعد پوپ سٹیفن سوم نے محسوس کیا کہ کرسٹوفر اور سرجیس' مخالفین کے خلاف اس کے مددگار ہونے کے زعم میں اس پر کچھ زیادہ ہی سوار ہوتے جا رہے ہیں۔ اس لئے وہ ان کے خلاف سازشیں کرنے لگا۔ انہیں پتہ چلا تو انہوں نے جوابی سازشوں کا سلسلہ چلایا۔ اس پر پوپ کو ان کے خلاف کھل کر اقدام کرنے کا جواز مل گیا' اور اس نے ان دونوں کی آنکھیں بھی نکلوا دیں۔ کرسٹوفر کی آنکھیں نکالتے ہوئے اس پر اتنا تشدد ہوا کہ وہ مر گیا۔[۱۲۴]

پاسکل اول (Paschal I) (۸۱۷ء) نے بھی جسے "ولی" (saint) پاپاؤں میں سے سمجھا جاتا ہے' اپنے دو مخالفوں کا سر قلم کرانے سے پہلے انہیں اندھا کرایا تھا۔ مگر جب اس کی شکایت شاہ شارلیمان کے پاس ہوئی' تو اس نے اس جرم سے انکار کیا۔ تاہم اس نے بادشاہ کے نمائندوں کو تفتیش نہیں کرنے دی' جس سے اس کے مجرم ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔[۱۲۵]

گریگوری پنجم (۹۹۶ء) بھی "اچھے اور نیک" پاپاؤں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے خلاف بھی بغاوت ہوئی' اور اسے کچھ عرصہ کے لئے روم سے نکال دیا گیا۔ اس کے بعد رومیوں کے ایک گروہ نے جان شانزدہم (John XVI) کے نام سے ایک پوپ بنا لیا۔ تاہم گریگوری پنجم نے شاہی فوجوں کی مدد سے جلد ہی بغاوت پر قابو پا لیا۔ اس کے بعد جان شانزدہم کا حشر یہ ہوا

123. J.McCabe: The Popes And Their Church, pp.25-26.

124. Ibid., p.26.

125. Ibid., p.30.

کہ اس کی آنکھیں' ناک' کان اور زبان کاٹ دیئے گئے' اور اس کا منہ گدھے کی پشت کی طرف کر کے اسے اس پر سوار کرا کے شہر بھر میں گھمایا گیا۔(۱۲۶)

اربن ششم (۱۳۷۸ء) کی اپنے مخالف پوپ کلیمنٹ ہفتم سے اسی طرح جنگیں ہوئیں جس طرح خدا اور آخرت سے بے نیاز دو سفاک بادشاہوں کی ہوتی ہیں۔ان میں مردوں' عورتوں اور بچوں کو بلا دریغ قتل کیا گیا' ان کے اعضاء کاٹے گئے' لوٹ مار ہوئی' اور عورتوں سے ہر قسم کی زیادتی روا رکھی گئی۔ (۱۲۷)

اسی طرح بینی ڈکٹ ششم (۹۷۳ء) کو جان سیز دہم کے حامیوں نے مؤخر الذکر کے بھائی کی زیر سرکردگی گلا گھونٹ کر ہلاک کیا۔(۱۲۸) بونی فیس ہفتم کو بہت سے مؤرخ بینی ڈکٹ ششم کے علاوہ اپنے ایک اور پیشرو جان ہفتم کے قتل میں بھی ملوث قرار دیتے ہیں۔ بینی ڈکٹ ششم کی ہلاکت کے بعد اس کے جانشین پوپ پر (جو اس وقت کارڈینل بونی فیزیو =Bonifazio کہلاتا تھا) جب مخالف (جرمن) پارٹی نے جوابی حملہ کیا تو وہ پاپائی خزانہ کا بڑا حصہ لے کر قسطنطنیہ بھاگ گیا۔اس کے بارے میں ایک ہم عصر مؤرخ نے لکھا ہے کہ وہ

> A horrid monster surpassing all other mortals in wickedness.

"ایک وحشت ناک عفریت (تھا) جو بدی میں سب انسانوں سے آگے تھا۔"(۱۳۰)

سرجیس سوم (یہ سٹیفن سوم والے مذکورہ بالا سرجیس سے مختلف ہے) بھی ۹۰۴ء میں بنوک شمشیر پوپ بنا۔ (۱۳۱) اور بونی فیس ہشتم (۱۲۹۴ء) نے اپنے پیشرو سیلسٹائن پنجم

126. Ibid., p.37;
Encyclopaedia Britannica (1962), vol.13, p. 86;
Will Durant : op. cit., vol.4, p. 539.
127. The Popes And Their Church, p.62.
128. Encyclopaedia Americana (1980), vol.3 , p.539.
129. Encylopaedia Britannica (1962), vol.3, p.849.
130. The Popes And their Church, p.36.
131. Ibid., p.33.

(Clestine V) کو (جس سے استعفاء دلوا کر اس نے پاپائیت حاصل کی تھی' مگر ڈر تھا کہ وہ دوبارہ اپنے حق کا مطالبہ نہ کر دے) ایک بہت ہی تنگ کمرہ میں قید کر کے مار دیا۔ (۱۳۲)

پوپ سکسٹس چہارم (۱۴۷۱ء) بھی مخالفین کو قتل (assassinate) کرانے کی ایک ایسی سکیم میں شریک کار (accomplice) بنا'

which shocked even the blunted conscience of Italy.

"جس نے اٹلی کے مردہ ضمیر کو بھی جھنجوڑ کر رکھ دیا۔" (۱۳۳)

اور جولیس سوم (۱۵۰۳ء) کے قریب کے زمانہ کے تذکرہ نگار اور مؤرخ کہتے ہیں کہ وہ

A master of every type of cruelty

"ہر قسم کے ظلم کا ماہر تھا۔" (۱۳۴)

پاپاؤں کو اس کثرت و شدت سے ظلم و شقاوت میں مصروف عمل دیکھ کر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ (جیسا کہ گزشتہ باب میں بیان ہوا) کلیسیا غلامی' جاگیر داری نظام اور ظالمانہ احتساب کی حامی کیوں تھی' اور لوتھر نے بھی ظالم شہزادوں کے مقابلہ میں مظلوم کسانوں کا ساتھ کیوں نہ دیا (گزشتہ باب میں دیکھئے)' یا اسی طرح روس کی آرتھوڈوکس کلیسیا بھی مجبور و مقہور عوام کے مقابلہ میں زاران روس کی حامی اور مددگار کیوں بنی۔ (۱۳۵) اور پاپاؤں کا جب تک بس چلا وہ مذہبی رواداری کے مخالف اور احتساب کے حامی کیوں رہے؟ صاف نظر آتا ہے کہ اقتدار حاصل کرنے اور اسے بچانے کے لئے انہوں نے جو ظلم و شقاوت اور خونریزی و سفاکی کی روا رکھی' اس نے ان کے لئے تمام انسانی و اخلاقی اقدار کو بے معنی بنا کر رکھ

132. Will Durant : op.cit., vol.4, pp.811-812.

133. M.Creighton : History of the Papacy, vol.4, p.133;
Colin Willson: op.cit., pp.341f;
Encyclopaedia Americana, vol.24, p.877.

134. The Popes And Their Church, p.78.

135. Rationalist Encyclopaedia, p. 513.

دیا تھا۔ اسی لئے انہیں کسی بھی میدان میں ظلم کے خلاف صف آراء ہونے اور مظلوم کا ساتھ دینے کی توفیق نہ ہوئی۔

(۶) اخلاق باختگی و بدکرداری

دیگر اخلاقی خرابیوں کے ساتھ ساتھ، متعدد پوپ بدترین فحاشی اور بدکاری میں مبتلا رہے ہیں، یا پھر اپنے کارڈینلوں، ماتحت حکام اور احباب و اعزہ کی بدکاریوں پر چشم پوشی بلکہ ان کی عملاً سرپرستی کرتے رہے ہیں۔

جان دہم (۹۱۴ء) کے متعلق کٹر عیسائیوں کے ترجمان کیتھولک انسائیکلو پیڈیا نے تسلیم کیا ہے کہ وہ امراء کے ایک مؤثر کنبہ کی مدد سے پوپ بنا۔ مگر ساتھ ہی اس بات کی تردید ضروری سمجھی ہے کہ اس کے انتخاب میں اس کنبہ کی باثر مگر بدنام خاتون تھیوڈورا (Theodora) سے اس کے تعلقات کا کوئی دخل تھا۔[۱۳۶] مگر ہم عصر تذکرہ نگاروں نے یہی لکھا ہے کہ جان دہم جب آرچ بشپ تھا تو مذکورہ خاتون سے اس کے ناجائز تعلقات تھے، اور وہ اسی عورت اور اس کے خاندان کی کوشش سے پوپ بنا۔[۱۳۷] کیتھولک انسائیکلو پیڈیا کے مصنفین نے ہم عصر تذکرہ نگاروں کی یہ گواہی جھٹلانے کے لئے کوئی دلائل و شواہد پیش نہیں کئے، صرف یہ کہا ہے کہ یہ improbable ہے، یعنی "قرین قیاس نہیں۔"

اسی طرح جان یازدہم (۹۳۱ء) کے متعلق کیتھولک انسائیکلو پیڈیا نے تسلیم کیا ہے کہ مستند ہم عصر حوالوں کے مطابق، جن میں پاپاؤں کی سوانح عمریوں کا سرکاری ریکارڈ Liber Pontificalis بھی شامل ہے، یہ پوپ اپنے ایک پیشرو سرجیس سوم (۹۰۴ء) اور ایک بدنام و بدکار عورت مروزیا (Marozia) کا بیٹا تھا۔ تاہم یہ تسلیم کرنے کے بعد لکھا ہے:

but this is open to question.

---

136. New Catholic Encyclopaedia, vol.7, p.1010.

137. Rationalist Encyclopaedia, p.351, quoting contemporary writings, esp. by Bishop Liutprand;
Encyclopaedia Britannica (1962), vol.13, p.85.

"مگر یہ قابل بحث بات ہے۔" (۱۳۸)

انسائیکلو پیڈیا مذکور کو یہ تو یقینی طور پر (undoubtedly) تسلیم ہے کہ جان یازدہم مذکورہ فاحشہ عورت مروزیا کا بیٹا تھا۔ مگر اس کا کہنا ہے کہ ممکن ہے (possibly) وہ مروزیا کے پہلے خاوند سے ہو۔ لیکن جب مستند اور ہم عصر مؤرخ ایک واضح الزام لگا رہے ہوں تو اس کی تردید "ممکن ہے" اور "قابل بحث ہے" سے نہیں ہو سکتی۔

دراصل دسویں صدی عیسوی کے جس حصہ کے پاپاؤں کے بارے میں ہم اب گفتگو کر رہے ہیں' اس پر ایک امیر اور مؤثر خاندان سے تعلق رکھنے والی بدکار اور فاحشہ عورتوں پر مشتمل ایک منڈلی پوری طرح چھائی ہوئی تھی' جن کے اقتدار کو مسیحی مؤرخین نے The Rule of the Courtesans یا Rule of the Whores (کسبیوں کی حکومت) کہا ہے۔ ان میں پیش پیش یہی مروزیا اور اس کی ماں تھیوڈورا شامل تھی' جس کا ذکر ہم اوپر جان دہم کے ضمن میں کر آئے ہیں۔ (۱۳۹) پوپ سرجیس سوم کے زمانہ میں پاپاؤں کے اخلاق و کردار کا عالم یہ تھا کہ:

> While Marozia was the mistress of the reigning Pope, her mother had a liaison with the fascinating Bishop of Ravenna, and when the brief reigns of Sergius' two successors were over, she and her husband secured the Papacy for this man (914).

"مروزیا برسر اقتدار پوپ سرجیس کی داشتہ تھی' اور اس کی ماں تھیوڈورا کے تعلقات راونا کے پرکشش بشپ کے ساتھ تھے۔ اور جب سرجیس کے دو جانشینوں کے مختصر ادوار ختم ہوئے' تو تھیوڈورا اور اس کے خاوند نے ۹۱۴ء میں اس آدمی (راونا کے بشپ) کیلئے (پوپ جان دہم کے نام سے) پاپائیت حاصل کر لی۔" (۱۴۰)

---

138. New Catholic Encyclopaedia, vol.7, p.1011.

139. Rationalist Encyclopaedia, pp.510-511.

140. Encyclopeadia Britannica (1962), vol.13, p.85.

۹۳۱ء میں مروزیا نے اپنے اور پوپ سر جیس سوم کے ناجائز بیٹے کو بھی جان یازدہم کے نام سے پوپ بنوا دیا (اپنے بیٹے کی طرح اپنے محبوب سر جیس سوم کو پوپ بنوانے میں بھی مروزیا کا ہاتھ تھا)۔[(۱۴۱)] پھر اس عورت نے اپنے (اصل) خاوند کو قتل کرا دیا' اور اس کے پوپ بیٹے نے ماں کی شادی بڑی دھوم دھام سے ایک سفاک فرانسیسی امیر سے کر دی' جو خود بھی اپنی پہلی بیوی کا قاتل تھا۔ مگر مروزیا کے مقتول خاوند کے بیٹے (اور پوپ جان یازدہم کے سوتیلے بھائی) البرک (Alberic) نے قاتل و بدکار ماں کے اقتدار کے خلاف بغاوت کر دی' جس میں وہ ماری گئی اور اس طرح ''کسبیوں کی حکومت'' کا زمانہ اختتام پذیر ہوا۔[(۱۴۲)]

لیکن کسبیوں کی حکومت کا خاتمہ پاپاؤں کی بدکاریوں کا خاتمہ ثابت نہ ہوا۔ البرک نے روم اور پاپائیت پر غلبہ پا کر اپنے بیٹے آکٹیوین (Octavian) کو پوپ بنانے کے خواب دیکھنے شروع کر دیئے اور بالآخر اسے ۹۵۴/۹۵۵ء میں جان دوازدہم کے نام سے پوپ بنوا کر دم لیا'[(۱۴۳)] جبکہ اس کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی' اور اسی لئے اسے ''لڑکا پوپ'' (Boy-Pope) کہا جاتا ہے۔[(۱۴۴)]

اپنے آٹھ نو سالہ دور اقتدار میں دنیا کا شاید ہی کوئی جرم ہو گا جو ''پطرس اور مسیح کے اس مقدس جانشین'' نے نہ کیا ہو۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ روم کے قدیم مشرک بادشاہوں میں سے مثلاً نیرو جیسے بدترین حکمران کے محلات میں بھی وہ جرائم نہ ہوئے ہوں گے جو اس پوپ کے محل میں ہوئے۔ ان میں دروغ بیانی (perjury) سے لے کر قتل' سفاکی' شعائر مقدسہ کی توہین (sacrilege)' کثرت شراب نوشی' جوا بازی' ناقدین کی آنکھیں وغیرہ نکلوانا' زنا کاری' محرمات (یعنی اپنے باپ کی داشتہ' اپنی بیوہ بھتیجی اور اپنی دو بہنوں) سے بدکاری

141. Cambridge Medieval History (1924), vol.3 , p.67;
Will Durant: op.cit., vol.4, p.538.

142. Rationalist Encyclopaedia, p.511.

143. H.S. Williams (ed) : The Historian's History of the World, vol.8, p.584.

144. Funk and Wagnall's Encyclopaedia (1983), vol. 15, p.75.

(incest)‘ اور قدیس پطرس کے گرجا گھر (St.Peter's) میں عبادت کے لئے آنے والی اکیلی دکیلی عورتوں سے زنا بالجبر تک شامل ہیں-ایک قدیم تذکرہ نگار کے الفاظ میں وہ

A monster of vice in the Papal chair.

"پوپ کے تخت پر بیٹھا ہوا بدی کا مجسم عفریت تھا-" (۱۴۵)

جان دوازدہم کے کردار کے یہ داغ اتنے پختہ اور نمایاں ہیں کہ کیتھولک انسائیکلو پیڈیا بھی ان کا انکار نہیں کر سکا-اس نے زیادہ سے زیادہ یہ کیا کہ ان کی وحشت ناک تفصیل میں جائے بغیر یہ لکھا ہے:

There is sufficient unbiased evidence to prove that he was unworthy of his office.

"یہ ثابت کرنے کے لئے غیر جانبدار اور کافی شہادت موجود ہے کہ وہ اپنے منصب کے اہل نہیں تھا-" (۱۴۶)

(حالانکہ عیسائی عقیدہ کے مطابق پوپ کا انتخاب الٰہی ہدایت ورہنمائی سے ہوتا ہے!)

جرمن بادشاہ اوتو اول کو جو روم پر تسلط واقتدار کا مالک تھا' جب کثرت سے جان دوازدہم کے اخلاق وکردار کے بارے میں شکایات ملیں' تو اس نے ایک مجلس اعلیٰ (Synod) میں ان کی تحقیقات کرائی 'جس کے دوران بدکاری و بداخلاقی کے متعدد الزامات درست ثابت ہوئے اور واضح ہو گیا کہ:

John had turned the Leteran Palace into a brothel.

"جان نے (پاپائی) لیٹرن محل کو قحبہ خانہ میں تبدیل کر دیا تھا-"

---

145. H.Milman. History of Latin Christianity, (New York, 1960), vol.3, p.171;
Cambridge Medieval History, vol.3, p.455;
The Historian's History, vol.8, p.504;
The Popes And Their Church,p 35,
Rationalist Encyclopaedia,p 538

146. New Catholic Encyclopaedia, vol.7, p 1011.

پوپ نے اپنی کوئی صفائی پیش نہیں کی، اور اسے معزول کر دیا گیا- مگر یہ اس وقت ہوا جب اس پوپ کی بدکاریاں حد سے گزر گئی تھیں، اور انہوں نے بے شمار رومیوں کی عزت و آبرو کو خاک میں ملا دیا تھا-(۱۴۷) تاہم جان نے ہمت نہ ہاری- وہ وقتی طور پر روم سے چلا گیا، مگر شاہ اوٹو کی روم سے واپسی کے جلد ہی بعد اپنے حامیوں اور مخالفوں میں کثرت سے روپیہ بانٹنے اور بہت سے لوگوں کو ساتھ ملانے کے بعد واپس آکر دوبارہ پوپ بن گیا- عالم مسیحیت کے مرکز روم کے باشندوں اور وہاں کے امراء اور کارڈینلوں کے اخلاقی دیوالیہ پن اور بے غیرتی کا ایک اور ثبوت یہ تھا کہ انہوں نے ایسے شخص کو پھر اپنا روحانی پیشوا مان لیا-(۱۴۸)

بحالی کے بعد پوپ نے چند ہفتے تو اپنے باقی ماندہ مخالفین کی زبانیں اور ناکیں وغیرہ کٹوانے میں گزارے، اور پھر پہلے کی طرح اپنی عیش و عشرت میں گم ہو گیا- لیکن تین ہی ماہ بعد وہ (کیتھولک انسائیکلو پیڈیا کے الفاظ میں) رسوا کن (scandalous) حالات میں مارا گیا-(۱۴۹) تاہم مخلص عیسائیوں کی اس "دیانتدار" کتاب نے ان حالات کی وضاحت نہیں کی- ہوا یہ کہ وہ روم کے ایک تاریک گوشہ میں ایک شادی شدہ عورت کے ساتھ راز و نیاز میں مصروف تھا کہ اسے کسی نے (شاید اس عورت کے خاوند یا کسی اور رشتہ دار نے) ہلاک کر دیا-(۱۵۰)

اس کے بعد آنے والے متعدد پوپ بھی خاصی بھیانک اخلاقی خرابیوں میں مبتلا تھے۔ لیکن جو پوپ بد قماشی میں مذکورہ بالا پاپاؤں کا "ہم پلہ" نظر آتا ہے وہ بینی ڈکٹ نہم (۱۰۳۲ء) ہے۔ اس کے کردار کے متعلق اس کے جانشین پاپاؤں میں سے ایک، ڈکٹر دوم (۱۰۵۵ء) کی شہادت موجود ہے- وہ بینی ڈکٹ نہم کی اخلاقی برائیوں کے متعلق کہتا ہے:

They were so horrible that I shudder to tell them.

147. Ibid.;

Will Durant : The Age of Faith, p. 538;

The Popes And Their Church, p.35.

148. H.Milman : op.cit., vol.3, p.178.

149. New Catholic Encyclopaedia, vol.7, p.1011.

150 The Historian's History of the World, vol 8,p.585.

"وہ اتنی وحشت ناک تھیں کہ ان کے بیان ہی سے مجھ پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔" (۱۵۱)

ایک اور مستند تاریخ کے مطابق:

His pontificate was disgraced by every conceivable excess.

"اس کی پاپائیت کے دور پر ہر قابل تصور برائی کا داغ موجود ہے۔" (۱۵۲)

وکٹر اور اس زمانہ کے دیگر مستند مؤرخ اور تذکرہ نگاروں نے ان برائیوں میں سے زناکاری' جبری بدکاری اور قتل و غارت کا ذکر کیا ہے' اور بعض کے نزدیک یہ پوپ صاحب غیر فطری فعل کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ تاہم عالم عیسائیت کے مرکز نے اس پوپ کو بھی ایک دو نہیں' پورے تیرہ سال تک برداشت کیا۔ (۱۵۳)

بونی فیس ہشتم (۱۲۹۴ء) بھی بدکار پاپاؤں کے طویل سلسلہ کی ایک نمایاں کڑی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اپنی ذاتی بدکاری کے علاوہ اس نے اپنے ساتھیوں اور کارڈینلوں کی بدکاریوں کو جواز اور تحفظ مہیا کیا۔ اس کی موت کے بعد اس کے ایک جانشین کلیمنٹ پنجم کے عہد میں جب مردہ بونی فیس ہشتم پر مقدمہ چلایا گیا' تو مقتدر پادریوں اور معزز وکلاء نے شہادت دی کہ وہ زنا اور بدکاری کا ان الفاظ میں استخفاف کیا کرتا تھا:

no more harm in it than rubbing your hands together.

"یہ ایسے ہی ہے جیسے تم اپنے دونوں ہاتھوں کو آپس میں ملتے ہو۔ اس کا اس سے زیادہ نقصان نہیں۔" (۱۵۴)

---

151. Pope Victor's Dialogues (The Migne Collection) and other authorities, qouted in A Rationalist Encyclopeadia, p.512; The Popes And Their Church, p.38.

152. The Historian' s History of the World, vol.8, p.590.

153 Rationalist Encyclopaedia, p.64.

154. Ibid.

ایک مستند تاریخ کے الفاظ میں:

for him ... the moral code had little meaning.

"اس کے لئے اخلاقیات ایک بے معنی سی چیز تھی۔" (155)

اسی کینڈے کا ایک اور 'نامور' پوپ جان بست و سوم John XXIII (۱۴۱۰ء) تھا جسے اب مخالف پوپ (Anti-Pope) قرار دے کر تیئیس (۲۳) کا یہ نمبر شمار صدیوں بعد یعنی ۱۹۵۸ء میں برسر اقتدار آنے والے ایک اور پوپ جان کو دے دیا گیا ہے۔ یہ محض اس وجہ سے ہے کہ جو لوگ اخلاقی 'اور (اس سے زیادہ) سیاسی 'بنیاد پر اس پوپ سے اختلاف رکھتے تھے' وہ اسے (پانچ سال تک برسر اقتدار اور ہر قسم کی برائیوں میں ملوث رہنے کے بعد) معزول کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ورنہ جان دوازدھم وغیرہ مذکورہ بالا پاپاؤں کی بدکاریاں اس سے کم نہ تھیں کہ وہ تو اب بھی پوپ شمار ہوں' اور جان بست و سوم کو 'مخالف پوپ' قرار دیا جائے۔ گویا وہ (دیگر مخالف پوپوں کی طرح) معزولی کی وجہ سے 'مخالف پوپ' قرار پایا' کردار کی وجہ سے نہیں۔ بہر حال' یہ صاحب بھی زناکاری اور محرمات اور بدکاری میں بری طرح ملوث تھے۔ (156)

معزولی کے سلسلہ میں اس پر مقدمہ چلا' تو اس کے خلاف ستر (۷۰) بدترین قسم کے الزامات عائد کئے گئے۔ تاہم کلیسیا اور جان کی کچھ عزت باقی رکھنے کے لیے ان میں انتہائی غلیظ اور شرمناک الزامات کو حذف کر دیا گیا۔ مگر پھر بھی باقی الزامات کی تعداد (۵۴) تھی۔ یہ باقی ماندہ الزامات بھی ایسے تھے کہ:

They left him no sherd of virtue, no vestige of reputation.

"انہوں نے اس کے پلے نیکی اور شرافت کی کوئی دھجی' اور شہرت و نیک نامی کا

155. The Cambridge Medieval History, vol.7, p.5.

156. H.C.Lea: An Historical Sketch of Sacredotal Celibacy in the Christian Church (Boston, 1884), p.343.

کوئی نشان باقی نہ رہنے دیا۔" (۱۵۷)

اندازہ لگایا گیا کہ اس پوپ نے صرف ایک شہر میں کم از کم دو سو کنواری عورتوں' بیواؤں اور راہبات کو اپنی "خفیہ برکات" سے نوازا تھا۔(۱۵۸) تحقیقات کے بعد اس کی پوپ بننے سے پہلے اور بعد کی زندگی کے دونوں ادوار کو" قابل نفریں اور نامعقول" (detestable and unseemly) قرار دیا گیا' اور اس نے خود میں اپنے دفاع اور صفائی کی ہمت نہ پاتے ہوئے اپنی معزولی کو قبول کر لیا۔(۱۵۹)

پاپاؤں' کارڈینلوں اور کلیسیائی عہدیداروں کی اخلاقی حمیت کے معیار کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ اپنے پیش رو بونی فیس نہم کے دور میں یہ صاحب جو بعد میں پوپ بست و سوم بنے' اپنے بھائی کی بیوی کے آشنا تھے' اور یہ سارے روم کے لئے ایک کھلا راز تھا۔ اس پر انہیں" سزا" یہ ملی کہ انہیں کارڈینل کے درجہ پر ترقی دے کر روم سے باہر بلوگنا (Balogna) اور متعلقہ عورت کو اس کے خاوند کے پاس نیپلز بھیج دیا گیا۔ اور اسی" سزا" کے نتیجہ میں بلوگنا کی مذکورہ بالا دو سو عورتیں اپنی عصمت سے محروم ہوئیں۔ دراصل بدکاری سے چشم پوشی اور اس کی سزا سے احتراز کا مسئلہ اس پوپ کے معاملہ تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ پاپاؤں کا عام دستور یہ تھا کہ اگر ماتحت حکام (خصوصاً دنیاوی و سیاسی حکام) کسی پادری کو بد اخلاقی کی سزا دیتے' تو اپیل کرنے پر پوپ بالعموم یہ سزا معاف کر دیتے۔(۱۶۰)

الیگزینڈر ششم (۱۴۹۲ء) بھی کردار کی دیگر نمایاں خامیوں کے علاوہ سر فہرست قسم کے بدکار پاپاؤں میں شامل ہے۔ پاپائیت کا منصب سنبھالنے سے پہلے وہ کارڈینل بورجیا

157. M.Creighton : History of Papacy, vol.1, p.34.

158. H. Milman : History of Latin Christianity (New York, 1866), vol. 7, pp.328 f.

159. M.Creighton: op.cit., vol.1, pp. 343-344; Encyclo. Brit. (1962), vol.3, p.87; Funk And Wagnell's Encyclopaedia (1938), vol.15, p.76.

160. H.C.Lea: op. cit., pp.343-344, 139-140.

(Borgia) کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ اور پوپ پال دوم (۱۴۶۴ء) کے کارڈینل کی حیثیت سے اس کی بدکاریاں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ پوپ پال کو اسے خاص طور پر ڈانٹنا اور ملامت کرنا پڑی۔ مگر پوپ نے اس سے زیادہ کوئی اقدام نہ کیا' اور بورجیا اپنے کارڈینل اور پوپ ہونے کے دونوں ادوار میں بدکاری میں مصروف رہا:

To the end of his days he remained the slave of the demon of sensuality.

"اپنے آخری ایام تک وہ شہوانیت کے شیطان کا غلام رہا۔" [(۱۶۱)]

کارڈینل ہونے کے زمانہ میں اس کی مسلمہ داشتہ (acknowledged mistress) کے بطن سے اس کے چار بچے ہوئے۔ اس نے نہ صرف انہیں ایک ایک کر کے قانونی اولاد بنایا (legitimised them one after another)' بلکہ ان کے لئے جاگیریں' نوابی عہدے (dukedom) اور دیگر کلیسیائی مفادات بھی حاصل کئے۔ اس کے ایک لڑکے سیزر بورجیا کے لئے کلیسیائی عہدوں کا دروازہ کھولتے ہوئے اس (الیگزینڈر ششم) کے ایک اور پیش رو پوپ اور مہربان مربی سکسٹس چہارم نے بدکاری کو فروغ دینے والا یہ مضحکہ خیز حکم جاری کیا تھا کہ حرامی ہونے کی وجہ سے' سیزر کلیسیائی عہدوں کے لئے نااہل نہیں سمجھا جائے گا'

because he was the son of a cardinal and his mother was a married woman.

"کیونکہ وہ کارڈینل کا بیٹا ہے' اور اس کی ماں شادی شدہ ہے۔" [(۱۶۲)]

گویا کارڈینل کی بدکاری کی اولاد بھی پاک ہے' اور شادی شدہ عورت کی غیر مرد سے اولاد بھی!!

---

161. L.Pastor: op.cit., vol.5, pp.362-363.

162. Ibid., pp. 363 – 365.

دراصل ان سارے کارڈینلوں اور پاپاؤں کی حیثیت ایک ہی حمام میں ننگوں کی سی تھی' اور ان میں سے اکثر بدکاری میں مبتلا تھے- چنانچہ اسی دور (پندرہویں صدی عیسوی) کے ایک اور کارڈینل کے حالات لکھتے ہوئے' پاپاؤں کی مبسوط و مستند ۲۹ مجلدات پر مشتمل تاریخ کا فاضل اور کیتھولک عقیدہ کا حامل مصنف ڈاکٹر پاسٹر لکھتا ہے:

He paid no more regard to his vow of celibacy than the majority of his collegues.

''وہ اپنے ساتھیوں کی اکثریت کی طرح' اپنے مجرد رہنے کی قسم کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا-''(۱۶۳)

یعنی کارڈینلوں کی اکثریت بدکار تھی اور تجرد کی راہبانہ قسم پر کاربند نہ تھی- اور پوپ ان کی بدکاری پر نہ صرف چشم پوشی سے کام لیتے' بلکہ اس کی سرپرستی کرتے اور خود بھی اس میں ملوث ہوتے تھے- چنانچہ جب بورجیا' کارڈینل کے عہدہ سے ترقی کر کے پوپ الیگزینڈر ششم بنا' تو اس کی بدکرداریاں نہ صرف جاری رہیں بلکہ ان میں اضافہ ہوا- مستند ہم عصر تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق:

Extraodinary orgies were held in the Vatican during his pontificate.

''اس کی پاپائیت کے دور میں ویٹیکن میں عیاشی کی غیر معمولی محفلیں منعقد ہوتی تھیں-'' (۱۶۴)

ان ''غیر معمولی محفلوں'' کی تفصیل ناقابل بیان اور ناقابل یقین ہے- مگر ثقہ مسیحی اور آزاد خیال مصنفین نے انہیں مستند اور ہم عصر لوگوں کے چشم دید واقعات کے حوالہ سے نقل کیا ہے- مثلاً الیگزینڈر کے ایک ہم عصر برکارڈ (Burchard) نے اپنی پرائیویٹ اور

163. Ibid., p.369.

164. A Rationalist Encylopaedia, p.13.

ناقابل اشاعت (not meant for publication) ڈائری میں ایک خاص محفل کا حال اس طرح لکھا ہے کہ کھانے پینے کے بعد عورتوں کا عریاں ناچ ہوا' اور محفل کے آخر میں پوپ اور اس کی ایک ناجائز اور بدمعاش بیٹی نے اس محفل میں شریک ویٹیکن کے ان ملازمین کو اپنے "دست مبارک" سے انعامات تقسیم کئے جو فاحشہ عورتوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ دفعہ جماع کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔[165] پوپ کی اس بدمعاش بیٹی کے یوں تو مختلف آشنا اور (خاوند بھی) تھے۔ مگر ان میں نمایاں اس کا اپنا سگا بھائی وہی سیزر بورجیا تھا' جس کا ذکر ابھی گزرا ہے۔ ان بہن بھائی کے معاشقہ اور جنسی تعلقات کے تذکرے زبان زدِ خاص و عام تھے۔[166] جبکہ خود پوپ الیگزینڈر اپنے بھتیجے کی نوجوان بیوی کے عشق میں مگن تھا۔[167] وہ اپنے صاحبزادہ سیزر کے ان خطوط کو بھی بڑی دلچسپی سے پڑھتا تھا جن میں اس نے اپنے جنسی کارناموں کی تفصیل بیان کی ہوتی۔[168] کیتھولک مؤرخ ڈاکٹر پاسٹر بار بار الیگزینڈر کی اخلاقی حس کے مردہ ہونے (utter absence of moral sense)' حد سے بڑھی ہوئی شہوانیت (unrestrained sesuality) اور بدترین جرائم (every sort of foul crime) کا رونا روتا ہے۔ اور کیتھولک انسائیکلوپیڈیا اپنے مصلحت آمیز اختصار کے باوجود اس کی عیاشانہ زندگی (dissipated life) کی شہادت دیتا ہے۔

الیگزینڈر ششم کا پیش رو انوسنٹ ہشتم (۱۴۸۴ء) بھی پوپ بننے سے پہلے کم از کم دو ناجائز بچوں کا باپ بن چکا تھا۔[171] جب وہ پوپ بنا تو خاصا بوڑھا ہو چکا تھا' اور اس کی عمر بدکاری

165. The Popes And Their Church, p.76.

166. Colin Wilson: op.cit., pp.346,347, 352.

167. Ibid., p.347.

168. Ibid., pp.351-352.

169. L.Pastor: op.cit., vol.6, pp.138–140.

170. New Catholic Encyclopaedia, vol.1, p.291.

171. M.Creighton : op.cit., vol.4, pp.138-139.

کی نہیں تھی- تاہم اس نے اپنے کارڈینلوں اور اپنی اولاد کو بدمعاشی کی کھلی چھٹی دی- اس کا ایک بیٹا بہت بڑا جواری ہونے کے علاوہ بدترین قسم کا بدکار تھا:

> When his eye fell upon a woman, she was not safe in her house at night. His servants forced the doors open for the Pope's son.
>
> "جب اس کی نظر کسی عورت پر پڑ جاتی' تو وہ رات کے وقت اپنے گھر میں محفوظ نہ رہ سکتی تھی- اس کے نوکر پوپ کے بیٹے کے لیے زبردستی دروازہ کھلوا لیتے تھے-" (۱۷۲)

مذکورہ بالا کارڈینل بورجیا (بعد میں پوپ الیگزینڈر ششم) کی بدقماشیاں بھی انوسنٹ ششم کے علم میں تھیں- وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کے باقی کارڈینل بھی اکثر و بیشتر بدمعاش ہیں اور ایک اور مؤثر کارڈینل کی نہ صرف تین ناجائز بیٹیاں ہیں' بلکہ وہ خلاف وضع فطرت فعل کا عادی بھی ہے-(۱۷۳)

مؤخر الذکر کارڈینل کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی یہاں تک ہوئی کہ وہ بالآخر پوپ جولیس دوم (۱۵۰۳ء) بنا' جسے "عظیم پاپاؤں میں سے ایک" (one of the great Popes) شمار کیا جاتا ہے-(۱۷۴) اس نے بھی اپنی پاپائیت کے دور میں بدمعاشی (اور بدمعاشوں کی سرپرستی) جاری رکھی- اس کے ایک کارڈینل پر بھی' جو بعد میں پوپ لیو دہم (۱۵۱۳ء) بنا' غیر فطری فعل کا زوردار الزام ہے- جب اس کے پوپ ہونے کی باری آئی تو اس نے بھی بدترین کردار کے حامل لوگوں کو اپنے کارڈینل بنایا-

ایک اور پوپ جو خود بدکار ہونے کی نسبت بدکاروں کا سرپرست ہونے کے لحاظ سے

172. The Popes And Their Church, pp.70-71.

173. Ibid., p.71.

174. Historian's History of the World, pp.647-648.

زیادہ بدنام ہے' اربن ششم (۱۳۷۸ء) تھا:

He said nothing when his favourite nephew tore nuns from their convents; rather he loaded the nephew with wealth and honours.

"جب اس کا چہیتا بھتیجا راہبات کو (بے آبرو کرنے کے لئے) ان کے مراکز سے زبردستی نکال لے جاتا تو وہ خاموش رہتا- بلکہ الٹا اس نے اس بھتیجے پر کی بارش کر دی-" (۱۷۷)

تحریک اصلاح مذہب شروع ہونے کے بعد خیال کیا جاتا تھا کہ کارڈینل اور پوپ اپنے کردار کی اصلاح کی طرف توجہ دیں گے' کیونکہ یہ تحریک زیادہ تر ان کی بدکرداریوں اور زیادتیوں کے سبب ہی سے شروع ہوئی تھی- مگر لوتھر (م-۱۵۴۶ء) کا ایک ہم عصر پوپ پال سوم (۱۵۳۴ء) جب کارڈینل تھا تو کم از کم چار ناجائز بچوں کا باپ بنا' جو اس کے کارڈینل والے محل ہی میں پیدا ہوئے- وہ خود اپنی بہن کے پوپ الیگزینڈر ششم سے تعلقات کی بنا پر کارڈینل بنا تھا (حوالہ ۱۱۰' باب ھذا) — اس بات کو انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے پرانے ایڈیشنوں میں تسلیم کیا گیا ہے' مگر جدید ایڈیشنوں سے حذف کر دیا گیا ہے! (۱۷۸) آخر جب "کتاب مقدس" میں حذف و اضافہ ہو سکتا ہے' تو اس کے ماننے والوں کی کتابوں میں کیوں نہیں ہو سکتا؟

پال سوم جب کارڈینل سے پوپ بنا تو ستر سالہ بوڑھا تھا- خود بدمعاشی کرنے کے قابل تو نہ تھا' مگر اس نے اپنے بدمعاش بھتیجوں کی سرپرستی کی' اور ان کی بدکاریوں کے باوجود انہیں

175. The Popes And Their Church, p.78.

176. American People's Encyclopaedia, vol. 12, p. 374.

177. The Popes And Their Church, p. 63.

178. Encyclopaedia Britannica (1911), vol.20, p.955; Encyclo. Brit. (1962), vol.17, p.397.

کارڈینل بنایا۔ نیز اپنے پورے خاندان کو الطاف و کرم سے خوب نوازا۔(۱۷۹)

پال سوم کے جانشین جولیئس سوم (۱۵۵۰ء) پر بھی تحریک اصلاح کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس کے متعلق ہم پہلے بتا چکے ہیں (حوالہ ۱۰۷، باب ھذا) کہ جب اس نے ایک سترہ سالہ لڑکے کو کارڈینل بنایا اور اس پر بہت عنایات کیں، تو لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ وہ یا تو اس کا ناجائز بیٹا ہے، اور یا اس کی ناجائز خواہشات کا تختۂ مشق۔

خود تحریک اصلاح کے اہم علم بردار لوتھر پر بھی اس کے مخالفین نے شدید نوعیت کے الزامات لگائے ہیں۔ تاہم اگر ہم انہیں مستقل و آزادانہ (independent) ثبوت نہ ہونے پر نظر انداز بھی کر دیں، تو اس کے مطبوعہ خطوط اور گفتگو (table talk) کا فحش پن (coarseness) اس کے کردار کا کوئی اچھا نمونہ پیش نہیں کرتا۔(۱۸۰)

بلکہ تحریک اصلاح کے بہت بعد، سترہویں صدی کے مسیحی رہنما بھی اصلاح کردار کی منزل سے کوسوں دور تھے۔(۱۸۱) اور اس کے بعد کے زمانہ کے پاپاؤں اور دیگر مسیحی رہنماؤں کے حالات بھی جب پہلے پاپاؤں کی طرح تفصیل سے سامنے آئیں گے، تو ان میں سے بہت کے متعلق بھی تاریخ کا فیصلہ گزشتہ ادوار کے بدکردار پاپاؤں سے مختلف نہیں ہوگا۔

❋ ❋ ❋

---

179. American People's Encyclopaedia, (1948), vol. 15, p. 386; The Popes And Their Church, p.79.

180. The Social Record of Christianity, p.87.

181. The Popes And Their Church, p.81, qouting L.Von Ranke's 'The Popes of Rome' (English Translation, 1846).

خاتمۃ الکلام

یہ بات عقل انسانی کی حیرت انگیز پیچیدگی اور کمزوری' نیز انسان کی اپنے سچے یا جھوٹے عقیدہ سے بے پناہ جذباتی وابستگی پر دلالت کرتی ہے کہ پاپاؤں' کارڈینلوں' راہبوں اور پادریوں کی مکروہ ترین بدکرداری' ظلم و شقاوت' بددیانتی' دنیا پرستی' ہوس جاہ اور دھوکہ دہی سے حتمی طور پر آگاہ ہو جانے کے باوجود نہ صرف عیسائی عوام بلکہ بہت سے صاحبان عقل و خرد بھی پادریوں اور پاپاؤں کے نام نہاد تقدس کو مانتے رہیں' اور ان کے اس مذہب سے چمٹے رہیں جس کے وہ علم بردار ہیں اور جو بالواسطہ و بلاواسطہ طور پر ان کی ساری اخلاقی و عملی خرابیوں کا ذمہ دار ہے۔

عقل انسانی کی اس کمزوری اور مذہب و عقیدہ سے بلادلیل وابستگی ہی سے فائدہ اٹھا کر' کٹر مسیحی اپنے مذہبی پیشواؤں کی بدکاریوں اور اخلاقی خرابیوں کے جملہ ریکارڈ کے باوجود اب بھی پاپائیت اور کلیسیا کو بنیادی اور مجموعی طور پر پاک' مقدس اور "روح القدس کی خصوصی حفاظت کے تحت" مانتے ہیں۔ اور غلط کار و بدقماش مذہبی رہنماؤں اور پاپاؤں کی ایک کثیر تعداد کی بے پناہ بداخلاقی کو عوام اور خود اپنے ضمیر سے' اس ظالمانہ اجمال کے پردہ میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں:

There were a few bad Popes.

"چند پوپ اچھے (ثابت) نہیں ہوئے۔" (۱۸۱)

جبکہ ان مسلمہ طور پر برے پاپاؤں میں سے اکثر اب بھی نائبان مسیح (Vicars of Christ) کی فہرست میں شامل ہیں۔

---

181. The Popes And Their Church, pp.22, 37.

اس سے زیادہ گمراہ کن رویہ ان مسیحی دانشوروں کا ہے جو ڈاکٹر پاسٹر کی طرح یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ مذہبی پیشوا کی ذاتی نیکی اور تقدس کی بڑی اہمیت ہے' لیکن اگر کوئی پیشوا نیک اور پاک نہ بھی ہو تو اس سے اس مذہب کے تقدس پر کوئی اثر نہیں پڑتا جس کا وہ علمبردار اور رہنما ہے۔(۱۸۲)

حقیقت یہ ہے کہ مذہبی پیشواؤں کی خرابیاں اگر محدود اور انفرادی پیمانہ پر ہوں' تو اس قول کی صحت قابل تسلیم ہو سکتی ہے۔ لیکن جب یہ خرابیاں ہمہ گیر اور انتہائی شدید نوعیت کی ہوں' تو یہ لازماً عقیدہ و مذہب کی بنیادی خرابی پر دلالت کریں گی۔ تاہم مسیحی مذہبی پیشواؤں کی شدید اور ہمہ گیر خرابیوں پر جامع تبصرہ بھی ہم اپنی طرف سے پیش نہیں کریں گے' بلکہ اس کے لئے ایک مرتبہ پھر' انہی کے گھر کی شہادتیں سامنے لائیں گے۔

دور حاضر کی ایک مستند تاریخ میں روم کے عالمی مسیحی رہنماؤں کے کردار کے پس منظر میں لکھا ہے کہ روم

The most hideous sewer that ever offended the eyes of a man.

"وہ بدترین (اخلاقی) بدرو تھی جو کبھی کسی انسانی آنکھ نے دیکھی ہو۔" (۱۸۳)

ایک اور مصنف کے بقول:

In point of historical fact, no other religion of which we have adequate knowledge --- Brahamanism, Buddhism, Taoism, Zorastrianism, or Islam --- presents such a spectacle of corruption in its higher

182. L.Pastor: op.cit., vol.6, pp.140-141.

183. Cambridge Modern History (1907), vol.10, p.164; Rationalist Encylopeadia, p.431.

spiritual authorities and their election to office, as does the history of the Popes.

"یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ وہ مذاہب جن کے بارے میں ہم کافی علم رکھتے ہیں--- برہمن مت' بدھ مت' تاؤمت' مذہب زرتشت یا اسلام--- ان میں سے کوئی بھی اپنے اعلیٰ روحانی پیشواؤں کے اخلاق اور ان کے اپنے مناصب کے لیے انتخاب کے معاملہ میں اتنے بگاڑ اور خرابی کا منظر پیش نہیں کرتا' جتنا پاپاؤں کی تاریخ پیش کرتی ہے۔" (۱۸۴)

اور اس پر طرہ وہ دعوے اور فرامین ہیں جن پر تحریک اصلاح اور مشرقی و مغربی کلیساؤں کی علیحدگی سے قبل سارے مسیحی ایمان رکھتے تھے' اور جنہیں آج بھی کیتھولک عیسائیوں کی اکثریت تسلیم کرتی ہے:

It is altogether necessary to salvation for every human being to be subject to the Bishop of Rome.

"ہر انسان کی نجات کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسقف روم کے ماتحت ہو۔" (۱۸۵)

اور:

All should bow the knee to the Vicar of Christ.

"نائب المسیح کے سامنے سب کے گھٹنے (ادب و احترام سے) جھک جانے چاہیں۔" (۱۸۶)

اتنے بلند بانگ دعاوی اور نعروں کے پس منظر میں اتنی اونچی سطح پر ایسی شدید اور ہمہ گیر خباثتیں' جن کا مقابلہ کسی مذہب کی تاریخ نہیں کر سکتی' یقیناً مسیحی عقائد کے بعض بنیادی

184. Rationalist Encyclopaedia, p.429.

185. Pope Boniface VIII (1294), in Kidd's Documents, vol.3, p.186, qouted by John Foster: Church History (London, 1974),vol.2,p.139.

186. Pope Innocent III (1198), qouted by John Foster: op.cit., vol.2, p.137.

نقائص پر مبنی ہیں- وہ عیسائیت جس کی عیسیٰؑ نے تعلیم دی تھی' توحید اور ایمان بالآخرۃ کی بنیاد پر عملی و اخلاقی اصلاح کی ضامن تھی- لیکن جب توحید کو تثلیث و تجسیم میں بدل دیا گیا' عیسیٰؑ کو خدا کے رسول اور اصلاح کے علمبردار کی بجائے خدا اور خدا کا بیٹا مان لیا گیا' ان کی مزعومہ قربانی کو انسانیت کے لئے وجۂ نجات گردانا گیا' شریعت اور عمل کی اہمیت کو ختم کیا گیا' عقائد میں موشگافیوں کو عملی اصلاح پر ترجیح دی گئی' بائبل کی تعلیمات میں جھوٹ اور تحریف کو جگہ دی گئی' اس میں ہر قسم کے تضادات و اختلافات در آئے' اور مقدس ترین شخصیتوں حتیٰ کہ انبیاء سے بھی انتہائی غلیظ و رکیک اخلاق و کردار منسوب کیا گیا' تو اصلاح احوال کی ساری بنیادیں ختم ہو گئیں- جب کفارہ پر ایمان سے انسان "ازلی گناہ" سے پاک ہو سکتا ہے' اور اس کے بعد شریعت و عمل کی بھی کچھ زیادہ اہمیت نہیں' سارا مذہب خانہ ساز ہے' بڑی بڑی مقدس اور تاریخی شخصیات بڑے بڑے قبیح گناہوں میں ملوث نظر آتی ہیں' اور اپنے روزمرہ گناہوں کی معافی کے لئے اعتراف گناہ کی سہولتیں اور معافی نامے میسر ہیں' تو بدترین اخلاقی جرائم میں ملوث ہونے اور انہیں معمولی سمجھنے میں کونسی رکاوٹ باقی رہ جاتی ہے؟

اخلاقی بگاڑ میں رہی سہی کمی مصنوعی و غیر فطری پابندیوں نے پوری کر دی- پادری' راہب' کارڈینل اور پوپ جملہ اخلاقی بنیادوں کے منہدم ہونے اور ساری اخلاقی رکاوٹوں کے دور ہو جانے کے بعد اپنی ہی عائد کردہ تجرد کی پابندیاں نہ نبھا سکے- اور اعلیٰ و ادنیٰ مسیحی مذہبی حلقوں میں اخلاق و کردار کے ایسے گھناؤنے نمونے دیکھے گئے کہ بہت سارے لوگ سرے سے مذہب و اخلاق ہی کے منکر ہو گئے- اندریں حالات یہ کہنا بالکل درست ہو گا کہ پاپاؤں' راہبوں اور دوسرے مسیحی پیشواؤں کا گھناؤنا کردار' ان کے مذہبی نظریات و عقائد ہی کی بگاڑ کا نتیجہ ہے- نیز موجودہ و گزشتہ ابواب سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مروجہ عیسائیت عیسیٰؑ کی تحریک اصلاح سے کوئی نسبت نہیں رکھتی' بلکہ اس کے نظریات اور اس کی "مقدس کتاب"، عیسیٰؑ کی حقیقی تعلیم اور ان پر آنے والی وحی سے کوسوں دور جا چکی ہے-

❋❋❋